جلد دوم
شمشیرِ بے نیام
تاریخی ناول — خالدؓ بن الولید کی داستانِ شجاعت
عنایت اللہ

پیش لفظ

"شمشیر بے نیام" کا دوسرا اور آخری حصہ پیش خدمت ہے۔

اِس حصے میں خالدؓ بن الولید کی داستانِ شجاعت ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیں اسلام اور جنگوں کی تاریخ کے اس عظیم جرنیل کی داستانِ حیات کے تعارف کے طور پر جو کچھ کہنا تھا وہ "شمشیرِ بے نیام" کے پہلے حصے میں کہہ دیا ہے۔ صرف یہ بات دُہرانے کی ضرورت ہے کہ جس انداز سے ہم نے یہ ولولہ انگیز داستان لکھی ہے اسے تاریخی ناول کہا جاتا ہے لیکن یہ اُن تاریخی ناولوں میں سے نہیں جن میں افسانوی بلکہ فلمی رنگ بھر دیا جاتا ہے۔ یہ تاریخ زیادہ اور ناول نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہم یہ بھی ایک بار پھر کہنا چاہیں گے کہ یہ داستان ہماری روایات کا مجموعہ ہے۔ آج جب کہ تفریحی اور اخلاق سوز کہانیوں نے مسلمانوں کی اولاد کو پٹڑی سے اتار دیا ہے، یہ کتاب اپنے بچوں کو پڑھائیں۔ اس میں کہانی کی تمام تر دلچسپیاں موجود ہیں اور یہ ہماری تاریخ ہے اور یہ اسلام کی عسکری روح کی صحیح تصویر ہے۔

عنایت اللہ

مدیر — ماہنامہ "حکایت" — لاہور

ازادبہ پر مایوسی، غم اور رنج و ملال کے ساتھ دہشت بھی طاری ہوگئی تھی جیسے آسمان پھٹ گیا ہو اور اُس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ وہ جُھکا جُھکا سا دیوار پر چل پڑا۔ اُس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ اُس کے دو محافظ اُس کے ساتھ ہو گئے۔ اُس نے یاس اور نومیدی کے عالم میں دائیں اور بائیں دیکھا اور رُک گیا۔ دو محافظوں کو اپنے پہلوؤں میں دیکھ کر اُس کا چہرہ خشمگیں ہو گیا۔

"میں تمھارے سہارے کے بغیر چل سکتا ہوں" ــــ اُس نے محافظوں سے کہا ــــ "میرے برابر آنے کی جرأت نہ کرو۔"

محافظ کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ازادبہ نے اپنے جھکے ہوئے سر کو اُوپر اٹھایا اور سیدھا ہو کر چلنے لگا لیکن اُس کے کندھے اپنے آپ ہی سکڑ گئے اور آگے کو جھک گئے جیسے اُس پر ایسا بوجھ آپڑا ہو جو اُس کی برداشت سے باہر ہو۔ بوجھ تو اُس پر آہی پڑا تھا۔ یہ ذمّہ داریوں کا بوجھ تھا۔ حیرہ اُس کی ذمّہ داری میں تھا جہاں اُس کا بیٹا اُس کا دستِ راست تھا۔ وہ بھی نہ رہا۔

وہ خود اُردشیر کا دستِ راست بنا ہُوا تھا لیکن اُردشیر کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اُردشیر نے اُسے بہت بڑی حیثیت دے رکھی تھی۔ وہ حیرہ جیسے شہر اور اس کے مضافاتی علاقے کا حاکم تھا اور بہت حد تک خود مختار حاکم تھا مگر وہ کسریٰ اُردشیر مر گیا تھا جس نے اُسے اتنی زیادہ خود مختاری دے رکھی تھی۔ فارس کی شہنشاہی کے تخت پر بیٹھنے والے نئے شہنشاہ سے ازادبہ اتنی مُروّت اور رُتبے کی توقع نہیں رکھ سکتا تھا۔ مدینہ کے مجاہدین نے صحیح معنوں میں اُس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔

"مگر کیوں؟" ــــ اُس کے ایک سالار نے اُسے اُس وقت کہا جب وہ اپنے شیش محل کے خاص کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ سالار نے اُسے کہا ــــ "معلوم ہوتا ہے آپ نے لڑنے سے پہلے ہی شکست قبول کر لی ہے۔"

"کیا آپ بیٹے کا خون مدینہ کے بدّوؤں کو بخش دیں گے؟" ــــ اُس کے مرنے والے بیٹے کی ماں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

"مجھے سوچنے دو" ــــ ازادبہ گرجا مگر اُس کی گرج کانپ رہی تھی۔ اُس نے کہا ــــ "کیا تم لوگ یہ سمجھ رہے ہو کہ میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال رہا ہوں؟ کیا تم نے سنا نہیں؟" ــــ اُس کی آواز دب گئی۔ بوجھل آواز میں بولا ــــ "شہنشاہِ اُردشیر مر گیا ہے۔"

کمرے میں سنّاٹا طاری ہوگیا۔

"شہنشاہ مرگیا ہے؟" — ازادبہ کی بیوی نے یوں کہا جیسے وہ سسکیاں لے رہی ہو — "اُردشیر مرگیا ہے.... میرا بیٹا مرگیا ہے" — اُس نے ازادبہ کی طرف دیکھا اور بلند آواز سے بولی — "زرتشت ہمیں اپنی توہین کی سزا دے رہا ہے۔ ہمیں اب اس آگ میں جلنا ہے جس کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ آپ زرتشت کی قربان گاہ پر اپنے لہو کا، اپنی جان کا نذرانہ پیش کرسکتے ہیں۔ کسی مسلمان کو یہاں سے زندہ نہ جانے دیں۔"

ایک محافظ اندر آیا۔ ایک گھٹنہ فرش پر ٹیک کر اُس نے ازادبہ کو سلام کیا اور بتایا کہ قاصد آیا ہے۔

"بھیج دو" — ازادبہ کو خاموش دیکھ کر اُس کی بیوی نے محافظ سے کہا۔

محافظ کے جاتے ہی ایک سپاہی اندر آیا اور اُس نے بھی ایک گھٹنہ فرش پر ٹیک کر سلام کیا۔ ازادبہ نے اُداس نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"مدینہ والوں کی کشتیاں بند سے بہت آگے نکل آئی ہیں" — قاصد نے کہا — "اُن کی رفتار تیز ہے۔"

"لشکر کی تعداد کتنی ہوگی؟" — ازادبہ نے پُوچھا۔

"ہم سے آدھی بھی نہیں سالارِ عالی مقام!" — قاصد نے جواب دیا — "میرے اندازے کے مطابق بیس ہزار پوری نہیں۔"

"ہم انہیں اپنے گھوڑوں کے سُموں تلے کچل ڈالیں گے" — سالار نے کہا — "سالارِ اعلیٰ! حکم دیں۔ ہم فرات میں اُن پر تیروں کا مینہ برسا دیں گے۔ اُن کی کشتیاں اُن کی لاشوں کو واپس لے جائیں گی۔"

"تیروں کا مینہ برسانے سے پہلے دریا کے کنارے تک پہنچنے کے لیے ایک لڑائی لڑنی پڑے گی" — قاصد نے کہا — "اُن کے بہت سے گھوڑسوار دریا کے دونوں کناروں پر کشتیوں کے ساتھ ساتھ آرہے ہیں۔ میں نے یہ بھی معلوم کرلیا ہے کہ ان سواروں کا کماندار مثنیٰ بن حارثہ ہے اور زیادہ تر سوار فارس کی شہنشاہی کے مسلمان باشندے ہیں، اور جن کشتیوں میں وہ آرہے ہیں وہ ہماری فوج کی کشتیاں ہیں۔"

"یہ اُن بزدلوں کی کشتیاں ہیں جو مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگ گئے تھے" — ازادبہ نے کہا — "انہوں نے ایسے دشمن کے لیے راستہ صاف کردیا جو بہت کمزور تھا۔ مدینہ کے ان عربوں کو ہم نے کبھی پلّے نہیں باندھا تھا۔"

"ہم آج بھی انہیں کمزور سمجھتے ہیں" — سالار نے کہا — "سالارِ اعلیٰ! میں حکم کا منتظر ہُوں۔ مجھے بتائیں مسلمانوں کو کہاں روکنا ہے، یا آپ قلعے میں بند ہوکر لڑنا چاہتے ہیں؟"

"اگر میں کہوں کہ میں لڑنا ہی نہیں چاہتا" — ازادبہ نے کہا — "تو تم لوگ...."

"ہم لوگ تسلیم ہی نہیں کریں گے کہ آپ نے ایسی بات کہی ہے" — سالار نے کہا — "اس وقت آپ شہنشاہ اُردشیر اور اپنے بیٹے کی موت پر اتنے زیادہ مغموم ہیں کہ آپ اچھی طرح سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"اس غم کے باوجود ہمیں سوچنا پڑے گا" — ازادبہ کی بیوی نے کہا — "اور بڑی تیزی سے سوچنا پڑے گا۔ ہمارے پاس فوج کی کمی نہیں۔ کسی چیز کی کمی نہیں۔ عیسائی عرب ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم نے خود انہیں یہاں اکٹھا کیا ہے کہ مسلمانوں کو حیرہ سے آگے نہ بڑھنے دیا جاتے اور انہیں یہیں ختم کردیا جاتے۔"

"ہاں، ہمارے پاس فوج کی کمی نہیں" — ازادبہ نے کہا — "لیکن کوئی کمی ضرور ہے جس سے ہم ہر میدان میں شکست کھا رہے ہیں۔ میں اپنے پیچھے اپنے نام کے ساتھ شکست کی تہمت چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ میں فتح حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ سوچوں گا۔ میں مدائن جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وہاں کے حالات کیا ہیں۔ یہ بھی دیکھنا ہے کہ شہنشاہ اُردشیر کے مرنے کے بعد ہمیں کوئی مدد دینے والا بھی ہے یا نہیں۔"

"نہیں سالارِ اعلیٰ!" — اُس کے سالار نے کہا — "ابھی مدائن نہ جائیں۔ دشمن سر پر آگیا ہے۔"

"کیا تم مُجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو؟" — ازادبہ نے غصیلی آواز میں کہا — "کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں بھاگ رہا ہوں؟ جو میں سوچ رہا ہُوں وہ تم نہیں سوچ سکتے۔ مجھے یہ دیکھنا ہے کہ ہماری فوج میں وہ کون سی کمزوری ہے جو ہر میدان میں ہماری شکست کا باعث بنتی ہے۔ کیا تم اس پر غور نہیں کر رہے کہ ہرمز جیسا جنگجو مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے.... انوشجان اور قباذ معمولی قسم کے سالار نہیں تھے۔ اندرزغر کو کیا ہوگیا تھا؟ جابان کدھر گیا؟.... مجھ سے فیصلہ کُن جنگ اور فتح کی کیوں توقع رکھی جارہی ہے؟.... میں لڑوں گا لیکن سوچ سمجھ کر.... تمام سالاروں اور نائب سالاروں کو بلاؤ۔"

☆

خالدؓ کا لشکر دریائے فرات کے سینے پر سوار آگے ہی آگے بڑھتا جارہا تھا۔ گھوڑسوار دریا کے دونوں جانب پھیلے ہُوئے ساتھ ساتھ جارہے تھے۔ ہر لحہ توقع تھی کہ حیرہ کی فوج کسی مقام پر حملہ کرے گی، لیکن اس فوج کا دُور دُور تک کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ کے گھوڑسوار کناروں سے ہٹ کر دور تک چلے جاتے اور دشمن کا کھُرا کھوج ڈھونڈنے کی کوشش کرتے تھے۔

خالدؓ کو معلوم تھا کہ حیرہ کی جنگ بڑی خونریز ہوگی۔ مثنیٰ بن حارثہ نے معلوم کرلیا تھا کہ ازادبہ نے حیرہ میں بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے۔ خالدؓ کا جذبہ اور عزم تھا کہ وہ دشمن کے ایک بڑے ہی مضبوط فوجی اڈے کی طرف بڑھے جارہے تھے، ورنہ مسلمانوں اور آتش پرستوں کی جنگی طاقت کا تناسب ایسا تھا کہ خالدؓ کو ایک قدم اور آگے بڑھانے کی بجائے واپس آجانا چاہیے تھا مگر خالدؓ ملک گیری کی ہوس سے یہ خطرے مول نہیں لے رہے تھے بلکہ وہ اللہ کے

حکم کی تعمیل کر رہے تھے۔ اسلام کے پڑوس میں اتنے بڑے اور بہت ہی طاقتور باطل کی موجودگی اسلام کے لیے ایسا خطرہ تھی کہ اسلام آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹتا جاتا پھر غائب ہو جاتا۔

"ابن ولید!" — خالدؓ کو دریا کے کنارے سے مثنیٰ بن حارثہ کی پکار سنائی دی — "منزل قریب آگئی ہے۔"

خالدؓ نے اپنے کشتی رانوں سے کہا کہ کشتی کنارے کے ساتھ لے جائیں اور انہیں اتار کر کشتی آگے لے جائیں۔ مثنیٰ اس علاقے سے واقف تھا پھر بھی اُس نے اس علاقے کے دو آدمیوں کو پکڑ کر کچھ انعام دیا اور راہنمائی کے لیے انہیں اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔

خالدؓ جب کنارے پر اُترے تو مثنیٰ نے اپنے ایک سوار سے کہا کہ وہ گھوڑا خالدؓ کو دے دے۔ خالدؓ اس گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ مثنیٰ اور خالدؓ کے گھوڑے پہلو بہ پہلو جا رہے تھے اور مثنیٰ کی نظریں خالدؓ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ خالدؓ اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ اُن کی نظریں جب مثنیٰ بن حارثہ پر آئیں تو بھی مثنیٰ کی نظریں اُن کے چہرے پر جمی ہوتی تھیں۔

"کیوں، ابنِ حارثہ!" — خالدؓ نے مسکراتے ہوئے پوچھا — "کیا تو مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے؟"

"ہاں، ولید کے بیٹے!" — مثنیٰ نے سنجیدہ اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا — "میں تجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تو مجھے انسان نہیں لگتا۔ تیرے چہرے پر کچھ گھبراہٹ اور کچھ پریشانی ہونی چاہیے تھی۔"

"میں اندر ہی اندر پریشان ہوں" — خالدؓ نے کہا — "اور میرے دل پر گھبراہٹ بھی ہے۔ یہ اس لیے کہ میں انسان ہوں لیکن میں پریشانی اور گھبراہٹ کو چہرے پر نہیں آنے دوں گا۔"

"یہ چہرہ ایک لشکر کا چہرہ ہے" — مثنیٰ نے کہا — "یہ اسلام کا چہرہ ہے.... میں سمجھتا ہوں ابن ولید! سالارِ اعلیٰ کا چہرہ بگڑ جاتے تو پورے لشکر کا اور ساری ہی قوم کا چہرہ بگڑ جاتا ہے۔"

"مجھے یہ بتا ابنِ حارثہ!" — خالدؓ نے پوچھا — "تو نے یہ باتیں کیوں کی ہیں؟ کیا تو مجھے پریشانی اور گھبراہٹ میں دیکھنا چاہتا ہے؟"

"ہاں ابنِ ولید!" — مثنیٰ نے کہا — "تجھے شاید احساس نہیں کہ تو کتنے بڑے اور کتنے طاقتور دشمن کے سامنے جا رہا ہے۔"

"میں اپنے لیے جا رہا ہوتا تو مجھے اپنا غم ہوتا کہ بادشاہ بننے سے پہلے ہی نہ مارا جاؤں" — خالدؓ نے کہا — "میں اللہ کے حکم پر جا رہا ہوں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ مجھے اور تجھے گھبرانے کی اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں.... مجھے یہ بتاؤ کہ آگے کیا ہے۔"

مثنیٰ نے اُن دو آدمیوں کو بلایا جو اس علاقے کے رہنے والے تھے اور اُنہیں کہا کہ وہ بتائیں کہ آگے کیا ہے۔ ان دونوں نے بتایا کہ آگے حیرہ ہے اور وہاں تک زمین

کیسی ہے۔ خالدؓ نے اِن آدمیوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور مثنیٰ کے ساتھ حیرہ پر حملے کی سکیم بنانے لگے۔

☆

حیرہ فرات کے کنارے پر واقع تھا۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم کو کشتیوں سے کنارے پر بلایا۔

"میں مان نہیں سکتا کہ آتش پرست ہمیں حیرہ کے راستے میں نہیں روکیں گے" — خالدؓ نے کہا — "اُن کے پاس اتنی زیادہ فوج ہے جسے وہ اِس سارے علاقے میں پھیلا سکتے ہیں۔ تمام عیسائی بھی اُن کے ساتھ ہیں۔ اگر ہم حیرہ کے سامنے جا کر کشتیوں سے اُترے تو دشمن وہیں ہم پر حملہ کر دے گا۔ ہم حیرہ سے دُور کشتیاں چھوڑ دیں گے۔"

خالدؓ بیٹھ گئے اور اپنی تلوار نکال کر اس کی نوک سے حیرہ کا محلِ وقوع اور اپنی پیشقدمی کا نقشہ بنانے لگے۔ اُنہوں نے اُس مقام سے جہاں وہ کھڑے تھے، حیرہ تک پہنچنے کے راستے کی لکیر بنائی جو سیدھی نہیں تھی بلکہ یہ نیم دائرہ تھا۔ اُنہوں نے یہ لکیر ایک مقام پر ختم کی جو ایک قصبہ تھا۔ یہ حیرہ سے تقریباً تین میل دُور تھا۔

"اس قصبے کا نام خورنق ہے" — خالدؓ نے کہا — "ہم اس کے قریب سے گزریں گے اور حیرہ کی طرف تیزی سے بڑھیں گے۔ توقع یہی ہے کہ آتش پرست شہر سے کچھ دُور ہی ہمارے راستے میں آجائیں گے۔ میرے بھائیو! یہ لڑائی خوفناک ہوگی۔ زرتشت کے پجاری اب شکست کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ آگے مدائن ہے۔ میں تمہیں بڑے ہی سخت امتحان میں ڈال رہا ہوں لیکن اس امتحان میں پورا اُترنا ہے۔ دشمن کی تعداد ہم سے کئی گنا زیادہ ہے.... اگر ہمیں حیرہ کو محاصرے میں لینے کا موقع مل گیا تو محاصرہ بہت لمبا ہوگا۔ ہم اتنا انتظار نہیں کر سکتے۔ اپنے دلوں میں اللہ سے عہد کرو کہ حیرہ کو فتح کرنا ہے.... اب کشتیاں چھوڑ دو اور تمام لشکر کو کنارے پر لے آؤ۔"

مسلمانوں کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔ یہ لشکر کشتیوں سے اتر کر کنارے پر آگیا اور بڑی تیزی سے پیشقدمی کے لیے منظم ہو گیا۔ خالدؓ نے سالار عاصم بن عمرو کو آگے اور عدی بن حاتم کو پیچھے رکھا اور خود درمیان میں رہے۔ مثنیٰ بن حارثہ کا سوار دستہ ہراول کے طور پر لشکر سے کم و بیش ایک میل آگے نکل گیا تھا۔

خالدؓ کے حکم سے مجاہدین کا لشکر خاموشی سے جا رہا تھا۔ نعروں اور جنگی ترانوں کی ممانعت کر دی گئی تھی تاکہ پتہ نہ چلے کہ کوئی لشکر آ رہا ہے۔ خالدؓ نے راستہ ایسا اختیار کیا تھا جو جنگل اور ویران علاقے سے گزرتا تھا اور اُدھر مسافروں کی گزرگاہ نہیں تھی۔

مثنیٰ بن حارثہ کے سوار پھیل کر جا رہے تھے تاکہ گھات کا کہیں بھی شک ہو تو لشکر کو پیغام بھیج کر پیچھے ہی روک لیا جائے۔

☆

خالدؓ کا لشکر خورنق تک پہنچ گیا۔ دشمن کی فوج کا کہیں بھی نام ونشان تک نہ ملا۔ خالدؓ نے لشکر کو روک لیا اور اپنے ایک جاسوس سے کہا کہ وہ قصبے کے اندر جائے اور دیکھے کہ دشمن کی فوج وہاں تو نہیں!

خالدؓ کا جاسوسی کا نظام ذہین اور جرأت مند آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس میں اُن مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی جو فارس والوں کے غلام تھے۔ وہ دجلہ اور فرات کے سنگم کے علاقے میں رہتے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی بھیس بدل کر خورنق چلا گیا اور خبر لایا کہ اس قصبے میں کوئی فوج نہیں اور قصبے میں امن وامان ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس قصبے میں متموّل لوگ رہتے تھے۔ آج وہاں خورنق کا نشان بھی نہیں ملتا۔

انسان مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتے ہیں، مقام مٹ جاتے ہیں، بلند وبالا مکان اور عالیشان محل مٹ جاتے ہیں۔ زندہ صرف تاریخ رہتی ہے — اچھی یا بُری — انسانوں کے نام زندہ رہتے ہیں۔ اُن کی قائم کی ہُوئی روایات زندہ رہتی ہیں۔ آج وہ قصبہ موجود نہیں جہاں تاجر اور دیگر دولت مند لوگ رہتے تھے۔ خالدؓ نے آتشِ نمرود میں کودنے سے پہلے اس قصبے کے قریب قیام کیا تھا۔ قصبہ نہیں رہا، خالدؓ زندہ ہے۔ اُن کی روایات زندہ ہیں۔ مثنیٰ بن حارثہ کو، عاصم اور عدی کو اور اُن اٹھارہ ہزار مجاہدین کو تاریخ نے زندہ رکھا ہے۔ اُن کے گھوڑوں کے سُموں کی گَرد کو سورج کی کرنوں نے چُوما ہے۔

کیا مقصد تھا اُن اوّلین مجاہدین کا جو اُس دشمن سے ٹکر لینے جا رہے تھے جو اٹھارہ ہزار نفوس کو نگل لینے کی طاقت رکھتا تھا؟ خالدؓ اور اُن کے سالاروں کے دلوں میں تخت وتاج کی ہوس نہیں تھی۔ زر وجواہرات کا لالچ نہیں تھا۔ ایک عزم تھا جو اُن کے لیے جنون بن گیا تھا۔ وہ اُس کفر کو اپنے پڑوس میں زندہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے جو اسلام کی بقا اور فروغ کے لیے خطرہ تھا۔ اُن کے ذہنوں میں کوئی شک نہ تھا، کوئی وہم اور کوئی وسوسہ نہ تھا۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والی روایت اپنے خون سے لکھنے جا رہے تھے۔

مؤرخ نے اُس وقت کے وقائع نگاروں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ خالدؓ پر خاموشی طاری تھی۔ کوئی سپاہی اُن کی طرف دیکھتا تھا تو وہ مُسکراتے تھے۔ خالدؓ جب خورنق سے آگے نکلے تو اُن کے منہ سے کوئی حکم نکلتا تھا یا کوئی ہدایت۔ اس کے سوا وہ کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ مثنیٰ بن حارثہ شب خون اور دن کی چھاپہ مار جنگ کا اور بھاگ دوڑ کر لڑنے والی لڑائی کا ماہر تھا۔ وہ جب خالدؓ کو بتاتا تھا کہ وہ یوں کرے گا اور یوں کرے گا تو خالدؓ کے مُنہ سے ہر بار یہی الفاظ نکلتے تھے — "اللہ تجھے اجر دے گا ابنِ حارثہ!"

☆

خالدؓ اپنے لشکر کو خورنق سے پرے پرے آگے لے گئے۔ انہیں ایسی توقع نہیں تھی کہ وہ دشمن کو بے خبری میں جالیں گے۔ انہیں معلوم تھا کہ دشمن ضرورت سے زیادہ بیدار ہوگا۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ اس قصبے پر نظر رکھنے کے لیے چند ایک مجاہدین کو پیچھے رہنے دیا جائے

تاکہ اس میں سے نکل کر کوئی آدمی حیرہ یہ اطلاع نہ دینے چلا جائے کہ مسلمانوں کا لشکر آرہا ہے۔

یہ پھندہ تھا جس میں مدینہ کا لشکر جا رہا تھا۔ وہ علاقہ گھات کے لیے موزوں تھا لیکن گھات کے بھی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ یہی ہو سکتا تھا کہ دشمن کا لشکر اچانک ہر طرف سے آئے گا اور اٹھارہ ہزار کے اس لشکر کو گھیرے میں لے کر سالاروں سے سپاہیوں تک کاٹ دے گا۔

کچھ اور آگے گئے تو ایک ٹیکری آگئی۔ خالدؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ٹیکری پر چڑھ گئے۔ اُن کے حکم سے لشکر رُک گیا۔

"اللہ کے سپاہیو!" — خالدؓ نے بلند آواز سے کہا — "تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ آج خدائے واحد نے تمہیں بڑے سخت امتحان میں ڈال دیا ہے۔ آج اللہ کے رسولؐ کی رُوحِ مقدّس تمہیں دیکھ رہی ہے۔ آج تم ایک پہاڑ سے ٹکرانے اور اسے ریزہ ریزہ کرنے جا رہے ہو۔ اب جس لشکر کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہوگا وہ پہاڑ سے کم نہیں۔ مجاہدینِ اسلام! اگر آج تم نے پیٹھ دکھائی تو تمہیں نہ خُدا بخشے گا نہ دشمن۔ آج اس عہد سے آگے بڑھو، فتح یا موت۔ ہماری جانیں اللہ کی امانت ہیں۔ یہ امانت اللہ کو لوٹانی ہے لیکن باوقار طریقے سے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ تعداد اور ہتھیاروں کی کمی اور افراط شکست اور فتح کا باعث نہیں بن سکتی۔ فتح جذبے اور عزم سے حاصل ہوتی ہے۔ اس یقین کے ساتھ آگے بڑھو کہ رسولؐ اللہ کی روحِ مقدّس تمہارے ساتھ ہے۔"

خالدؓ نے اپنے لشکر کے جذبے کو اور زیادہ گرما دیا اور لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

☆

وہ حیرہ کے عقب کو جا رہے تھے۔ اس طرح انہیں خاصا بڑا چکر کاٹنا پڑا۔ جب شہر کے قریب گئے تو بھی دشمن کا کوئی سپاہی نظر نہ آیا۔ دیوار کے اُوپر اور بُرجوں میں بھی کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ امنیشیا میں بھی ایسے ہی ہُوا تھا اور خالدؓ نے اسے دھوکہ سمجھا تھا لیکن یہ دھوکہ نہیں تھا۔ دشمن شہر خالی کر کے چلا گیا تھا۔ حیرہ میں بھی آتش پرستوں کی فوج کہیں نظر نہیں آتی تھی۔ شہر پناہ کے دروازے کھلے تھے۔

مثنیٰ بن حارثہ اپنے چند ایک سواروں کے ساتھ شہر کے اردگرد چکر لگا آیا۔

"ابنِ ولید!" — مثنیٰ نے خالدؓ سے کہا — "سامنے والا دروازہ بھی کھُلا ہے اور لوگ گھومتے پھرتے دکھائی دے رہے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا" — خالدؓ نے کہا — "امنیشیا خالی تھا۔ تو کہتا ہے شہر میں لوگ موجود ہیں۔ یہ پھندہ ہے ابنِ حارثہ! یہ جال ہے.... عاصم اور عدی کو بلاؤ۔"

دونوں سالار آئے تو خالدؓ نے انہیں بتایا کہ شہر کی کیفیت کیا ہے۔ کچھ دیر تبادلۂ خیالات اور بحث مباحثہ ہُوا اور طے پایا کہ تمام دروازوں سے لشکر کے دستے طوفان کی طرح اندر

جائیں اور شہر میں پھیل جائیں۔
اگر خطرہ تھا تو یہ کوئی معمولی خطرہ نہیں تھا۔ خالدؓ نے اپنے لشکر کو جس طرح شہر میں داخل ہونے کو کہا تھا اس طرح اکیلے اکیلے مجاہد کے کٹ جانے یا مکانوں میں چھپے ہوئے تیر اندازوں کے تیروں کا نشانہ بننے کا خطرہ تھا لیکن خالدؓ نے یہ خطرہ مول لے لیا اور لشکر کو شہر میں داخل کر دیا۔ مجاہدین دوڑتے ہوئے اور گھوڑے دوڑاتے ہوئے اندر گئے۔
شہر کے لوگ چھپنے یا بھاگنے کی بجائے باہر آ گئے۔ عورتیں چھتوں پر چڑھ گئیں۔ بعض لوگ گھروں میں چھپ گئے تھے اور انہوں نے دروازے بند کر لیے تھے لیکن قتل و غارت اور لوٹ مار نہ ہوئی تو چھپے ہوئے لوگ بھی باہر آ گئے۔
خالدؓ نے سارے شہر میں اعلان کرایا کہ جس گھر میں آتش پرستوں کے لشکر کا کوئی آدمی ہو، اُسے گھر سے نکال دو، کسی مکان سے ایک بھی تیر آیا اُس مکان کو آگ لگا دی جائے گی۔
شہر کے معزّزین اور سرکردہ افراد کا ایک وفد خالدؓ کے پاس آیا اور بتایا کہ شہر کے کسی بھی گھر میں فوج کا کوئی آدمی نہیں۔
"فوج کہاں گئی؟"—— خالدؓ نے پوچھا۔
"مدائن چلی گئی ہے"—— وفد کے سردار نے کہا۔
"حاکم ازادبہ کہاں ہے؟"
"وہ بھی چلا گیا ہے"—— خالدؓ کو جواب ملا۔
"مجھے کون یقین دلا سکتا ہے کہ ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں ہوگا؟"—— خالدؓ نے پوچھا—— "کون مان سکتا ہے کہ حاکم بھی چلا جائے، فوج بھی چلی جائے اور رعایا اپنے دشمن کی فوج کو اپنے شہر میں دیکھ کر بھی امن و امان سے رہے اور اُسے اپنے دشمن کا کوئی خوف نہ ہو۔"
"ہم سالارِ مدینہ کو یہی یقین دلانے آئے ہیں کہ حیرہ کی رعایا امن و امان سے رہے گی اور امن و امان کی درخواست کرتی ہے"—— وفد کے سردار نے کہا—— "دھوکہ آپ کے ساتھ نہیں ہوگا، دھوکہ ہمارے ساتھ ہُوا ہے۔ جس رعایا کو اُس کا حاکم اور فوج دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ جائے وہ رعایا دشمن کو دوست بنانے کی کوشش کرے گی، دشمن کو دھوکہ دینے کا خطرہ مول نہیں لے گی۔ ہم اس فوج کا ساتھ نہیں دے سکتے جس نے کاظمہ میں شکست کھائی، الّیس سے بھاگی، امغیشیا جیسا شہر خالی کر کے بھاگ آئی اور یہ اتنا بڑا شہر اور اپنی رعایا کو چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔"
"تم کیا چاہتے ہو؟"—— خالدؓ نے پوچھا۔
"امن!"—— وفد کے سردار نے جواب دیا—— "شہر کے باشندے امن کی اور اپنے جان و مال اور عزّت کے تحفّظ کی قیمت دیں گے۔"
"ہم قیمت نہیں لیا کرتے"—— خالدؓ نے کہا—— "خُدا کی قسم، امن کے جواب میں امن دیں گے.... کیا میرے لشکر کے کسی ایک بھی آدمی نے کسی کے گھر سے کوئی چیز اٹھائی ہے؟ کسی کی عزّت پر ہاتھ ڈالا ہے؟"
"نہیں"—— وفد کے سردار نے کہا۔
"ہم صرف اُس شہر کے اموال کو مالِ غنیمت سمجھتے ہیں جس کے باشندے بھاگ گئے ہوں"—— خالدؓ نے کہا—— "تم اپنے گھروں میں موجود تھے اور تم ہمارے مقابلے میں بھی نہیں آئے اس لیے یہ میرا فرض ہے کہ میں اس شہر کے باشندوں کو اپنی پناہ میں لے لوں..... اور میں اس کی کوئی قیمت نہیں لوں گا.... جاؤ، امن سے آئے ہو تو امن سے جاؤ۔"
"بے شک یہ ہے وہ طاقت جو آپ کو ہر میدان میں فتح دیتی ہے"—— وفد کے سردار نے کہا۔

☆

تاریخ میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ خالدؓ نے حیرہ کے باشندوں کو قبولِ اسلام کی دعوت دی تھی یا نہیں، البتہ یہ شہادت بڑی صاف ملتی ہے کہ حیرہ کے باشندوں کو یہ توقع تھی کہ مسلمانوں کی فوج اُن کے گھر لُوٹ لے گی اور اُن کی خوبصورت عورتوں کو اپنے قبضے میں لے لے گی، لیکن مسلمان اُن کے گھروں میں گئے بھی تو صرف یہ دیکھنے کہ وہاں فارس کے سپاہی نہ چھُپے ہوتے ہوں۔ حیرہ والوں نے جب مسلمانوں کا یہ کردار دیکھا اور خالدؓ نے انہیں یقین دلا دیا کہ اس شہر کے باشندے مسلمانوں کی پناہ میں ہیں تو وہ اتنے متاثر ہوئے کہ بعض نے اسلام قبول کر لیا۔
خالدؓ کو حیرہ کے لوگوں سے ایک فائدہ یہ بھی ملا کہ نومسلموں نے اور ایک دو سرکردہ افراد نے بھی خالدؓ کو بڑی قیمتی معلومات دیں۔
"حیرہ آپ کا ہے"—— حیرہ کے ایک سردار نے خالدؓ سے کہا—— "لیکن آپ اس شہر پر قبضہ کر کے امن سے نہیں رہ سکیں گے۔ آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ حیرہ کے اردگرد چار قلعے ہیں جن کے قلعہ دار مختلف قبیلوں کے سردار ہیں اور ہر ایک قلعے میں عیسائی عربوں کی فوج موجود ہے۔"
"اگر ہم نے فارس کے نامور سالاروں کو شکست دے دی ہے تو ان قلعہ داروں کو شکست دینا شاید مشکل نہ ہوگا"—— خالدؓ نے کہا اور پوچھا—— "قلعوں کی فوجیں لڑنے میں کیسی ہیں؟"
"ہر ایک سپاہی جان لڑا دے گا"—— مجوسی سردار نے کہا—— "ہم ان فوجوں کو فارس کی فوجوں کی نسبت زیادہ طاقتور اور جری سمجھتے ہیں۔"
خالدؓ کو ان چار قلعوں کی جو تفصیلات بتائی گئیں وہ یوں تھیں:
ہر قلعے کا اپنا ایک نام تھا۔ ایک قلعے کا نام قصرِ ابیض تھا۔ اس کا قلعہ دار ایاس بن قبیصہ تھا۔ دوسرے قلعے کا نام قصر العدسین تھا۔ عدی بن عدی اس کا قلعہ دار تھا۔ تیسرے قلعے کا نام قصرِ بنو مازن اور قلعہ دار کا نام ابنِ اکال تھا۔ چوتھے قلعے کا نام قلعہ دار کے نام پر تھا۔ قلعے کا نام قصر ابن بقیلہ تھا جب کہ اس کا قلعہ دار عبدالمسیح بن عمرو بن بقیلہ تھا۔
خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بُلایا اور انہیں بتایا کہ ان قلعوں کو فتح کرنا لازمی ہے ورنہ حیرہ

پر ہمارا قبضہ نہیں رہ سکے گا۔ اسلام کی عسکری روح یہی ہے کہ جہاں سے خطرے کی بُو آتے وہاں حملہ کر دو۔ دشمن کے چیلنج کو قبول کرنا اور تیاری کی حالت میں اُس پر جا پڑنا اسلامی فنِ حرب و ضرب کی بنیاد ہے۔ اسی اصول کے تحت خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بتایا کہ کون کس قلعے پر حملہ کرے گا۔

قصرِ ابیض پر حملہ کرنے کے لیے ضرار ابن الازور کو حکم دیا گیا۔ ان کے ہم نام ضرار ابنِ خطاب کو قصر العدسیین پر حملہ کرنے کا حکم ملا۔ قصر ابن بقیلہ مثنیٰ کے حصے میں آیا۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ ان قلعوں کو فوراً محاصرے میں لے لیا جائے۔ خالدؓ نے سب سے پہلے چاروں قلعہ داروں کو پیغام بھیجے کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں۔ اگر دونوں صورتیں اُنہیں منظور نہیں تو مسلمانوں کی تلواروں سے کٹنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

چاروں قلعوں سے کورا جواب آیا۔ تمام قلعہ داروں نے بڑی دلیری سے جواب دیا کہ وہ نہ اپنے قلعوں سے دستبردار ہوں گے نہ اپنے مذہب سے۔

چاروں قلعوں پر مسلمانوں نے بیک وقت حملہ کیا اور قلعوں کو محاصرے میں لے لیا۔ فوراً ہی مجاہدین نے قلعوں میں داخل ہونے کی بڑی ہی دلیرانہ کوششیں شروع کر دیں، لیکن ہر قلعے کی فوج مجاہدین کی ہر کوشش کو ناکام کر رہی تھی۔ قصرِ ابیض کے دفاع نے سالار ضرار کو بہت پریشان کیا۔ قلعے کی دیواروں سے عیسائیوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ مسلمان دیوار کے قریب جانے سے بے بس ہو گئے۔ قلعے کی دیوار پر ایک منجنیق تھی جس سے مٹی کے بڑے بڑے گولے مسلمانوں پر پھینکے جا رہے تھے۔

سالار ضرار نے قلعے کے چاروں طرف گھوڑا دوڑا کر دیکھا۔ کسی بھی طرف سے قلعے کو سر کرنے کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔ منجنیق مٹی کے خشک گولے بڑی تیزی سے پھینک رہی تھی۔ سالار ضرار نے ایسے تیر اندازوں کو الگ کیا جو جسمانی لحاظ سے توانا تھے۔ ان سب کو ضرار نے حکم دیا کہ منجنیق کے جس قدر قریب جا سکتے ہیں چلے جائیں اور بیک وقت منجنیق چلانے والوں پر تیروں کی باڑیں ماریں۔

تیر انداز جوش و خروش سے آگے بڑھے۔ اُوپر سے اُن پر تیروں کی بوچھاڑیں آئیں اور اس کے ساتھ ہی منجنیق کے پھینکے ہوتے مٹی کے گولے بھی آنے لگے۔ کئی مجاہدین تیروں سے شدید زخمی ہو گئے لیکن اتنے زیادہ تیر بھی اُن کا حوصلہ نہ توڑ سکے۔ ضرار کے بعض تیر انداز اس حالت میں آگے بڑھتے گئے کہ اُن کے جسموں میں دو دو تین تین تیر اُترے ہوتے تھے۔ ان سب نے منجنیق چلانے والوں پر تیر چلائے۔ منجنیق بالکل سامنے تھی۔ اس سے مٹی کے گولے پھینکنے والے تقریباً تمام کے تمام تیر کھا کر گرے اور منجنیق کے گولے بند ہو گئے۔

مسلمان تیر اندازوں نے اُس حکم کی تعمیل کر دی تھی جو انہیں ملا تھا۔ اُنہوں نے منجنیق کو بیکار کر دیا تھا، پھر بھی وہ واپس نہ آتے۔ اُنہوں نے قلعے کے تیر اندازوں پر تیر برسانے شروع کر دیتے۔ فضا میں اڑتے تیروں کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔ ان مجاہدین کی سرفروشی کو دیکھتے ہوتے کئی اور تیر انداز آگے چلے گئے۔ یہ تیروں کی جنگ تھی جس میں دونوں طرف کے آدمی تیروں کا نشکار

ہو رہے تھے۔

سالار ضرار نے جب اپنے ان تیر اندازوں کی بے خوفی دیکھی تو وہ قلعے کے اردگرد گھوم گیا اور اُس نے تیر اندازوں سے کہا کہ وہ اور قریب سے تیر چلائیں۔

باقی تین قلعوں کی کیفیت بالکل اسی جیسی تھی۔ عیسائی بے جگری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مسلمان گھوڑسوار گھوڑے دوڑاتے ہوتے دیوار کے قریب جاتے اور دوڑتے گھوڑوں سے تیر چلا کر آگے نکل جاتے۔ اس طرح مسلمان سواروں کو یہ فائدہ حاصل ہوتا تھا کہ وہ تیروں کا نشانہ بننے سے بچ جاتے تھے۔ اس کے باوجود سوار تیروں سے زخمی ہوتے۔ بعض مجاہدین نے یہاں تک بے جگری کا مظاہرہ کیا کہ دروازوں تک چلے گئے اور اُنہوں نے دروازے توڑنے کی کوشش کی لیکن قلعوں کے دفاع میں لڑنے والوں نے اس سے زیادہ بے جگری کے مظاہرے کیے۔ دیواروں سے تیر برسانے والے جتنے تیر انداز مسلمانوں کے تیروں سے گرتے تھے، اتنے ہی تازہ دم تیر انداز ان کی جگہ لے لیتے تھے۔

☆

خالدؓ ہر قلعے کے اردگرد گھوڑا دوڑاتے، صورتِ حال کا جائزہ لیتے اور مجاہدین کو یہی ایک بات کہتے کہ چاروں قلعے شام سے پہلے پہلے سر کرنے ہیں، ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ خالدؓ نے پیچھے رہ کر حکم نہیں دیتے بلکہ آگے دیواروں کے قریب وہاں تک جاتے رہے جہاں اوپر سے تیروں کی بوچھاڑیں آ رہی تھیں۔ وہ دو قلعوں کے دروازوں تک بھی پہنچے اور تیر اُن کے اردگرد اُڑتے رہے۔

خالدؓ اس لیے انتظار نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں خطرہ نظر آ رہا تھا کہ ازادبہ اچانک کسی طرف سے فوج کے ساتھ نمودار ہو گا اور عقب سے حملہ کر دے گا۔ وہ ملک آتش پرستوں کا تھا، زمین اُن کی، فوج اُن کی اور وہاں کے باشندے اُن کے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہاں اُن کے لیے کوئی پناہ نہیں تھی۔ یہ خالدؓ کی غیر معمولی جنگی فہم و فراست اور اُن کی اور اُن کے سالاروں کی بے مثال جرأت تھی کہ وہ خطروں میں گرتے چلے جا رہے تھے اور پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ فارس کی فوج کے لیے وہ دہشت بن گئے تھے۔

خالدؓ اس خوش فہمی میں مبتلا ہونے والے سالار نہیں تھے کہ دشمن جو شکست کھاتا اور پسپا ہوتا چلا جا رہا ہے وہ جوابی وار نہیں کرے گا۔ وہ اِن چار قلعوں کو ہی پھندہ یا جال میں دانہ سمجھ رہے تھے۔ اُنہوں نے دیکھ بھال کے لیے دُور دُور آدمی بھیج رکھے تھے جو بلند جگہوں یا درختوں پر چڑھ کر ہر طرف دیکھ رہے تھے۔ اُن کے لیے حکم تھا کہ دُور سے انہیں فوج آتی نظر آتے تو خالدؓ کو فوراً اطلاع دیں۔

”وہ آئیں گے .... وہ ضرور آئیں گے“ — خالدؓ کا یہ پیغام ہر ایک سالار اور ہر ایک سپاہی تک پہنچ گیا تھا، اور یہ بھی — ”اللہ کے شیرو! ہمت کرو۔ قلعے لے لو۔ دشمن آتے تو اُس پر تمہارے تیر قلعوں کی دیواروں سے برسیں۔“

مسلسل لڑائیوں، کوچ اور پیشقدمی کے تھکے ہوتے مجاہدین اپنے جسموں کو جیسے بھول ہی

گئے تھے۔ وہ اب روحانی قوتوں سے لڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو پکارتے، ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھاتے اور دشمن کو للکارتے تھے۔ اُن کے تیر نیچے سے اوپر جا رہے تھے۔

☆

قلعوں کے اندر یہ عالم تھا کہ دیواروں سے زخمی تیر اندازوں کو اُتار رہے تھے۔ زیادہ کو تیر چہروں، آنکھوں اور گردنوں میں لگے تھے۔ اُن کی چیخ و پکار سے اُن کے ساتھیوں کے حوصلے ٹوٹنے شروع ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کی للکار اور اُن کے نعرے قلعوں کے اندر بھی سنائی دے رہے تھے۔ ان سے قلعہ بند لوگوں پر خوف طاری ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ قلعوں کو بہت بڑے لشکر نے محاصرے میں لے رکھا ہے۔

مورخوں کے حوالوں سے محمد حسین ہیکل نے لکھا ہے کہ چاروں قلعوں میں پادری اور دیگر مذہبی پیشوا تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ دیواروں سے اتنے زیادہ زخمی اتارے جا رہے ہیں تو وہ قلعہ داروں کے پاس گئے۔ تاریخ میں صرف ایک قلعے کی اندرونی کیفیت ذرا تفصیل سے ملتی ہے۔ یہ قلعہ قصرِ ابنِ بُقیلہ تھا جس کا قلعہ دار عبدالمسیح بن عمرو بن بُقیلہ تھا۔

عبدالمسیح کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ کوئی معمولی سا قلعہ دار نہ تھا۔ اُسے عراق کا شہزادہ بھی کہا گیا ہے۔ عراق پر آتش پرست قابض ہو گئے مگر عبدالمسیح کے باپ دادا نے یہ قلعہ اپنے پاس رکھا تھا۔ شہنشاہِ فارس کی طرف سے اُسے کوئی اختیار حاصل نہ تھا لیکن وہ خود مختار بنا ہُوا تھا۔ اُس نے باقی قلعہ داروں کو بھی اپنے زیرِ اثر رکھا ہُوا تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر دانشمند تھا اور جرأت میں بھی بے مثال تھا۔ اُس کی سب سے بڑی خوبی حاضر دماغی اور حاضر جوابی تھی۔ وہ ضعیف العمر ہو چکا تھا لیکن جذبے اور حوصلے کے لحاظ سے وہ جوان تھا۔

اُس نے نوشیرواں عادل کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی عمر خاصی زیادہ تھی۔ خوش گفتاری اور ظرافت کی وجہ سے نوشیرواں (کسریٰ اُردشیر کا دادا) عبدالمسیح کو بہت پسند کرتا تھا۔

"نوشیرواں!" — اُس نے نوشیرواں عادل سے کہا — "میں اور میرے کچھ سردار تمہاری اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ ہم اپنے قلعوں میں رہیں گے۔ اس سے شاید تمہیں بھی کچھ فائدہ ہو۔"

"میں تمہیں اور تمہاری پسند کے سرداروں کو چار قلعے دے دیتا ہوں" — نوشیرواں عادل نے کہا تھا — "لیکن میرے مرنے کے بعد تمہارے ساتھ فارس میں کیا سلوک ہوگا، میں بتا نہیں سکتا۔"

"تمہارے مرنے کے بعد فارس کی شہنشاہی کا زوال شروع ہوگا" — عبدالمسیح نے کہا تھا۔

"اتنی اچھی باتیں کرنے والی زبان سے میں ایسی بات سُن نہیں سکتا ابنِ بُقیلہ!" — نوشیرواں نے کہا تھا — "کیا تُو مجھے بددُعا دے رہا ہے یا فارس کے زوال کا باعث

تُو خود بنے گا؟"

"دونوں باتیں نہیں" — عبدالمسیح نے کہا تھا — "تُو عادل ہے۔ تیرے بعد عدل بھی مر جائے اور پیچھے شہنشاہی رہ جائے گی۔ تیسری یا چوتھی نسل تیرا نام ڈبو دے گی، پھر فارس کی سرحدیں سکڑنے لگیں گی اور یہاں کوئی اور قوم آکر حکمران بنے گی۔"

"ماننے کو جی نہیں چاہتا" — نوشیرواں عادل نے کہا تھا — "فارس ایک طاقت کا نام ہے۔"

"غور سے سُن عادل بادشاہ!" — عبدالمسیح نے کہا تھا — "جس دماغ میں شہنشاہی گھر کر لیتی ہے اُس دماغ سے عدل و انصاف نکل جاتا ہے۔ تخت پر بیٹھ کر رعایا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے۔ تیرے بعد آنے والے اگر فوج پر بھروسہ کر کے رعایا کا خیال نہیں کریں گے تو وہ اپنے زوال کو تیز کریں گے۔ اُن سے تنگ آئی ہوئی رعایا اُن کا ساتھ دے گی جو باہر کے حملہ آور ہوں گے۔ میری عمر ابھی اتنی زیادہ نہیں کہ تجربے کی بنا پر بات کروں لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ آنے والا وقت فارس کے لئے اپنے ساتھ کیا لا رہا ہے۔"

اب عبدالمسیح کی عمر اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ کمر جھک گئی تھی۔ کندھے سکڑ گئے تھے۔ رعشہ ایسا کہ اُس کا سر ہلتا اور ہاتھ کانپتے تھے۔ نوشیرواں عادل کی دوسری نسل کا شہنشاہ شکست کے صدمے سے مر چکا تھا اور فارس کا زوال شروع ہو چکا تھا۔

☆

خالدؓ کے لشکر نے آج عبدالمسیح اور اُس کے سرداروں کے قلعوں کو محاصرے میں لے رکھا تھا اور اُس کی قلعہ بند فوج کا حوصلہ کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ اُس میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ دیوار پر جا کر دیکھتا کہ محاصرے کی اور مسلمانوں کی کیفیت کیا ہے اور مسلمانوں کی نفری کتنی ہے۔ اُسے شاید مسلمانوں کی نفری کا اندازہ نہیں تھا۔ مسلمان صرف اٹھارہ ہزار تھے اور اُنہوں نے چار قلعوں کو محاصرے میں لے رکھا تھا بلکہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ عبدالمسیح اپنے محل میں گیا تو دو پادری اُس کے انتظار میں کھڑے تھے۔

"کیا گرجے میں اپنی فتح اور دشمن کی تباہی کی دعائیں ہو رہی ہیں؟" — عبدالمسیح نے پادریوں سے پوچھا۔

"ہو رہی ہیں" — بڑے پادری نے جواب دیا۔

"اور تم یہاں کیوں آ گئے ہو؟" — عبدالمسیح نے کہا — "جاؤ اور گرجے کے گھنٹوں کو خاموش نہ ہونے دو۔"

"ہم اپنی فوج اور لوگوں کو قتلِ عام سے اور ان کے گھروں کو لُٹ جانے سے بچانے آئے ہیں" — بڑے پادری نے کہا — "کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمارے کتنے سپاہی زخمی اور ہلاک ہو چکے ہیں؟ کیا آپ دشمن کی للکار اور اُس کے نعرے نہیں سُن رہے ہیں؟"

"کیا تم مجھے یہ کہنے آئے ہو کہ میں ہتھیار ڈال دوں؟"

"آپ کی جگہ کوئی اور قلعہ دار ہوتا تو ہم ایسا مشورہ کبھی نہ دیتے" دوسرے پادری نے کہا۔"لیکن آپ دانشمند اور تجربہ کار ہیں۔ جو آپ سمجھ سکتے ہیں وہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ حقیقت کو دیکھیں۔ اس سے پہلے کہ مسلمان قلعہ سر کرلیں اور قلعے میں داخل ہوکر قتلِ عام اور لُوٹ مار کریں اور ہماری عورتوں کو اپنے ساتھ لے جائیں، آپ قلعہ کچھ شرائط پر پیش کرکے اُن کے حوالے کر دیں۔ یہ بہت بڑی نیکی ہوگی۔"

"مجھے سوچنے دیں" عبدالمسیح نے کہا۔

"سوچنے کا وقت کہاں ہے!" پادری نے کہا۔"اُوپر دیکھیں۔ مسلمانوں کے تیر دیوار کے اُوپر سے اندر آرہے ہیں.... اور وہ دیکھیں۔ زخمیوں کو کندھوں پر اٹھا کر اُوپر سے نیچے لا رہے ہیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ دیوار پر اور بُرجوں میں ہمارے تیر اندازوں کی تعداد کس تیزی سے کم ہوتی جارہی ہے؟ ناحق خون نہ ہونے دیں۔"

قلعے کے باہر مسلمانوں کے حملے اور تیروں کی بوچھاڑیں تیز ہوگئی تھیں، حالانکہ اُن کے زخمیوں اور شہیدوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ عبدالمسیح نے پادریوں کی موجودگی میں قاصد کو بھیجا کہ وہ قلعے کے دفاع کی صورتِ حال معلوم کرکے فوراً آئے۔

قاصد نے واپس آکر جو صورتِ حال بتائی وہ امید افزا نہیں تھی۔ دوسرے قلعوں کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی جو عیسائیوں کے حق میں نہیں جاتی تھی۔

☆

قلعے کا دروازہ کھُل گیا۔ ایک ضعیف العمر آدمی گھوڑے پر سوار باہر نکلا۔ اُس کے ساتھ دو تین سردار تھے۔ ان میں سے ایک سردار نے بلند آواز سے کہا کہ وہ دوستی کا پیغام لے کر باہر نکلے ہیں۔ ان کے پیچھے قلعے کا دروازہ بند ہوگیا۔

"ہم تمہارے سالار سے ملنا چاہتے ہیں" — عبدالمسیح کے اس سردار نے بلند آواز سے کہا۔

دیوار سے تیر آنے بند ہوگئے تھے۔ مسلمانوں نے بھی تیر اندازی روک لی۔ خالدؓ کو کسی نے بتایا کہ دشمن باہر آگیا ہے۔

"کون ہیں وہ؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"قلعہ دار عبدالمسیح خود آیا ہے" — خالدؓ کو جواب ملا۔

"اُسے کہو مجھے اس سے ملنے کی کوئی خواہش نہیں" — خالدؓ نے کہا۔"میں جانتا ہوں وہ ان سب کا سردار ہے۔ اُسے کہو کہ شام تک باقی تینوں قلعہ داروں نے بھی ہتھیار نہ ڈالے تو ہم اُنہیں اُس حال تک پہنچا دیں گے جس میں وہ ہماری ہر شرط قبول کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔"

جب عبدالمسیح کو خالدؓ کا یہ پیغام ملا تو وہ جان گیا کہ فتح آخر مسلمانوں کی ہی ہوگی۔ اُس نے اُسی وقت اپنے سرداروں کو دوسرے قلعوں کی طرف دوڑا دیا۔ دوسرے قلعوں کے اندر بھی یہی کیفیت تھی جو عبدالمسیح کے قلعے کے اندر تھی۔ فوجوں کا حوصلہ کمزور پڑ گیا تھا اور لوگوں پر خوف و ہراس طاری تھا۔ اُن قلعوں کے سردار ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار تھے لیکن کوئی قلعہ دار یہ نہیں چاہتا تھا کہ ہتھیار ڈالنے میں وہ پہل کرے اور یہ تہمت اُس پر لگے کہ ہتھیار سب سے پہلے اُس نے ڈالے تھے ورنہ کوئی بھی ہتھیار نہ ڈالتا۔ عبدالمسیح

کا پیغام ملتے ہی انہوں نے تیر اندازی بند کر دی اور تینوں قلعہ دار باہر آگئے۔ اُنہیں خالدؓ کے سامنے لے گئے۔ اُس وقت خالدؓ ایک گھنے درخت کے نیچے کھڑے تھے۔

"کیا تم نے ہمیں کمزور سمجھ کر ہمارا مقابلہ کیا تھا؟" — خالدؓ نے ان قلعہ داروں سے کہا۔"کیا تم بھول گئے تھے کہ تم عربی ہو؟ کیا تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ہم بھی عربی ہیں؟ اگر تم عجمی ہوتے تو بھی تمہیں یہ امید نہیں رکھنی چاہیئے تھی کہ تم اُس قوم کو شکست دے سکو گے جو عدل و انصاف میں یکتا ہے اور جس کی تلوار کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔"

"تُو جو کچھ بھی کہنا چاہتا ہے کہہ سکتا ہے" — ضعیف العمر عبدالمسیح نے کہا۔"تُو فاتح ہے۔ ہمیں کچھ کہنے کا حق حاصل نہیں کیونکہ ہم نے تیرے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔"

مشہور مؤرخ ابُویوسف نے خالدؓ اور عبدالمسیح کے مکالمے لکھتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ عبدالمسیح اس قدر بُوڑھا ہو چکا تھا کہ اُس کی بھنویں دُودھ کی مانند سفید ہو چکی تھیں اور اتنی نیچے آگئی تھیں کہ اُن سے اُس کی آنکھیں ڈھک گئی تھیں۔ اسی مؤرخ کے مطابق خالدؓ عبدالمسیح سے متاثر ہوئے۔

"تمہاری عمر کتنی ہے؟" — خالدؓ نے عبدالمسیح سے پُوچھا۔

"دو سو سال" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

خالدؓ یہ جواب سُن کر بہت حیران ہوئے۔ اُنہوں نے اس بُوڑھے قلعہ دار کو اور زیادہ غور سے دیکھا جیسے انہیں یقین نہ آرہا ہو کہ یہ شخص دو سو سال سے زندہ ہے۔ کسی بھی مؤرخ نے عبدالمسیح کی صحیح عمر نہیں لکھی۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اُس کی عمر ایک سَو سال سے کچھ اُوپر تھی۔

"تُو نے بڑی لمبی عمر پائی ہے" — خالدؓ نے کہا۔"یہ بتا کہ اتنی لمبی زندگی میں تم نے سب سے زیادہ عجیب چیز کیا دیکھی ہے۔"

"نوشیرواں کا عدل و انصاف" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔"اس دور میں حکومت اُس کی ہوتی ہے جس کے بازو میں طاقت اور ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے، لیکن نوشیرواں نے عدل و انصاف کے ذریعے لوگوں کے دلوں پر فتح پائی۔ تم کہتے ہو کہ مسلمان عدل و انصاف میں یکتا ہیں.... نہیں۔ میں نوشیرواں کو عادل مانتا ہوں۔"

"تم کہاں سے آئے ہو؟" — خالدؓ نے عبدالمسیح سے پوچھا۔"کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"ایک گاؤں ہے" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔"جہاں تک کوئی عورت بھی سفر کرے تو اُس کے لیے روٹی کا ایک ٹکڑہ بھی کافی ہوتا ہے۔"

"کیا تم احمق نہیں ہو؟" — خالدؓ نے کہا۔"میں پوچھ کیا رہا ہوں اور تم جواب کیا دے رہے ہو؟.... میں نے پوچھا تھا کہاں سے آئے ہو۔"

"اپنے باپ کی ریڑھ کی ہڈی سے" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

"تم قلعہ دار بننے کے قابل کب ہوئے تھے؟" — خالدؓ نے جھنجھلا کر کہا۔"میں نے پوچھا ہے تم کہاں سے آئے ہو؟"

"اپنی ماں کے رحم سے" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

خالدؓ نے جب دیکھا کہ اس بوڑھے کا بولنے کا، سوچنے کا اور جواب دینے کا انداز مضحکہ خیز سا ہے تو اُنہوں نے تفریحِ طبع کے لیے اس سے ویسے ہی سوال کرنے شروع کر دیے۔ یہ سوال وجواب تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھے ہیں۔

"تم کہاں جاؤ گے؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"آگے کو" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

"تمھارے آگے کیا ہے؟"

"آخرت" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

"تم جانتے ہو کہاں کھڑے ہو؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"زمین پر" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

خالدؓ اُس کی بے رخی اور لاپرواہی دیکھ کر اُسے یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ وہ فاتح سالارِ اعلیٰ کے سامنے کھڑا ہے۔ خالدؓ نے معلوم نہیں کیا سوچ کر اُس سے پوچھا — "تم کس چیز کے اندر ہو؟"

"اپنے کپڑوں کے اندر" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

اب خالدؓ کو غصہ آنے لگا۔ اُنہوں نے طنزیہ لہجے میں کہا — "دنیا کم عقلوں کو تباہ کرتی ہے لیکن دانا لوگ دنیا کو تباہ کرتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں تم کم عقل ہو یا دانا۔ مجھے صحیح جواب تمھارے لوگ ہی دے سکتے ہیں۔"

"اے فاتحِ سالار!" — عبدالمسیح نے کہا — "چیونٹی بہتر جانتی ہے کہ اُس کے بِل کے اندر کیا کچھ رکھا ہے۔ اونٹ نہیں بتا سکتا۔"

خالدؓ نے چونک کر عبدالمسیح کی طرف دیکھا۔ ان کا غصہ ختم ہو گیا۔ اُنہوں نے محسوس کر لیا کہ یہ شخص احمق یا کم عقل نہیں۔ خالدؓ نے اُسے اپنی برابری میں بٹھا لیا۔ اب خالدؓ کے انداز میں احترام تھا۔

"اے بزرگ!" — خالدؓ نے کہا — "کوئی ایسی بات بتا جو تو ہمیشہ یاد رکھنا چاہتا ہے۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ عبدالمسیح گہری سوچ میں کھو گیا۔ اُس کے چہرے پر اُداسی آگئی۔ اُس نے قلعے کی طرف دیکھا۔

"میں اُس وقت کو یاد کیا کرتا ہوں" — عبدالمسیح نے کہا — "جب ان قلعوں کے عقب میں بہتے ہوئے فرات میں چین کے بحری جہاز بادبان پھیلائے آیا کرتے تھے، پھر مجھے جو وقت یاد ہے وہ نوشیرواں کا عہدِ حکومت ہے۔ رعایا خوشحال اور مطمئن تھی۔ کوئی جھونپڑی میں رہتا تھا یا محل میں، نوشیرواں کا انصاف سب کے لیے ایک تھا۔"

"محترم بزرگ!" — خالدؓ نے کہا — "خدا کی قسم، تو مسلمانوں کے عدل و انصاف کو بھی یاد رکھے گا..... اگر تو اپنے لوگوں کے ساتھ اسلام قبول کر لے تو تیری اور تیرے لوگوں کی حفاظت ہمارے ذمے ہو گی۔ تم سب کو وہی حقوق ملیں گے جو دوسرے مسلمانوں کو ملتے ہیں۔ اگر اسلام کو قبول کرنے کے لیے تو اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکتا تو تجھے اور ان تمام قلعہ داروں کو وہ جزیہ ادا کرنا ہوگا جو میں مقرر کروں گا۔ اگر تجھے یہ بھی قبول نہیں

تو پھر تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ مسلمان قلعوں کو کس طرح سر کرتے ہیں اور اُن کی تلوار کی کاٹ کیسی ہے۔"

"ہم سے کچھ اور مانگ ہم دے دیں گے" — عبدالمسیح نے کہا — "اپنا مذہب نہیں چھوڑیں گے۔ بتا جزیہ کتنا ہو گا۔"

"تجھ جیسے دانا سے مجھے اس جواب کی توقع نہیں تھی" — خالدؓ نے کہا — "کفر نے تجھے شکست تک پہنچایا ہے۔ اُس عربی کو میں کم عقل سمجھتا ہوں جو عربی راستے سے ہٹ کر عجمی راستہ اختیار کر لے۔"

خالدؓ کے ان الفاظ نے نہ عبدالمسیح کو متاثر کیا نہ دوسرے کسی قلعہ دار یا سردار کو۔ وہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ جب خالدؓ نے اُنہیں جزیے کی رقم بتائی تو اُنہوں نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ یہ رقم ایک لاکھ نوّے ہزار درہم تھی۔ جو عہدنامہ تحریر کیا گیا اس کے الفاظ یہ تھے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"یہ عہدنامہ خالدؓ بن ولید نے حیرہ کے سرداروں عدی بن عدی، عمرو بن عدی، عمرو بن عبدالمسیح، ایاس بن قبیصہ الطائی اور حیری بن اکال سے کیا ہے۔ اِس عہدنامے کو حیرہ کے لوگوں نے قبول کر لیا ہے اور اپنے سرداروں کو اس کی تکمیل کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اس عہدنامے کے مطابق اہلِ حیرہ خلافتِ مدینہ کو ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ ادا کیا کریں گے۔ یہ جزیہ حیرہ کے پادریوں اور دیگر راہبوں سے بھی وصول کیا جائے گا۔ صرف اپاہجوں، نادار افراد اور تارک الدنیا راہبوں کو یہ جزیہ معاف ہو گا.....

"اگر یہ جزیہ باقاعدگی سے ادا کیا جاتا رہا تو اہلِ حیرہ کے تحفظ کے ذمہ دار مسلمان ہوں گے۔ اگر مسلمانوں نے اس ذمہ داری میں کوتاہی کی تو جزیہ نہیں لیا جائے گا اور اگر اہلِ حیرہ نے اس عہدنامے کی خلاف ورزی کی تو مسلمان اپنی ذمہ داری سے بری سمجھے جائیں گے۔ یہ معاہدہ ربیع الاوّل ۱۲ ہجری میں تحریر ہوا۔"

☆

حیرہ پر مسلمانوں کے قبضے کی تکمیل ہو گئی۔ معاہدے کے بعد تمام قلعہ داروں، سرداروں اور امراء نے خالدؓ کی اطاعت قبول کر لی۔ یہ دراصل امیر المومنین ابوبکرؓ کی اطاعت تھی۔ خالدؓ نمائندگی کر رہے تھے۔ اس کے بعد خالدؓ نے اپنی تمام تر فوج کے ساتھ آٹھ رکعت نفل شکرانے کے پڑھے۔ فارغ ہونے کے بعد خالدؓ نے اپنی فوج سے مختصر سا خطاب کیا۔

"مُوتہ کی لڑائی میں میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں لیکن آتش پرستوں نے جس جوانمردی سے مقابلہ کیا ہے اسے میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ انہوں نے الّیس میں ہم سے جو لڑائی لڑی ہے ایسی لڑائی میں نے پہلے نہیں دیکھی..... اسلام کے پاسبانو! فتح و شکست اللہ کے اختیار میں ہے۔ اُس کے نام کو، اُس کی نعمتوں کو اور اُس کے رسولؐ کو ہر وقت دل میں رکھو۔ حیرہ بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے۔ یہ بھی دل میں رکھو کہ ہمارا جہاد ابھی ختم نہیں ہُوا۔ جب تک کفر کا فتنہ باقی ہے جہاد ختم نہیں ہو گا۔"

خالدؓ نے شہیدوں کے لیے دعائے مغفرت کی پھر زخمیوں کی عیادت کو گئے۔ شہیدوں کی نمازِ جنازہ بڑا ہی رقت آمیز منظر تھا۔ وطن سے اتنی دور جا کر شہید ہونے والوں کے لیے ہر آنکھ میں آنسو [illegible] شہیدوں

کو قبروں میں اتار اگیا تو یہ قبریں تاریخ کے سنگ ہائے میل بن گئیں۔

خالدؓ جب حیرہ کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے اُس محل نما مکان میں گئے جو آزادبہ کا رہائشی مکان تھا تو بے شمار رؤساء اور امراء تحفے لیے کھڑے تھے جو اُنہوں نے خالدؓ کو پیش کیے۔ ان میں بیش قیمت اشیاء تھیں، ہیرے اور جواہرات بھی تھے۔ مدینہ کے مجاہدین حیران ہو رہے تھے کہ کوئی قوم اتنی دولت مند بھی ہو سکتی ہے۔

خالدؓ نے یہ تحفے قبول تو کر لیے لیکن بوریا نشینوں کی قوم کے اس سالارِ اعلیٰ نے اپنے لیے ایک بھی تحفہ نہ رکھا۔ تمام تحفے مالِ غنیمت کے ساتھ امیر المومنین کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے مدینہ بھیج دیئے۔ مالِ غنیمت زیادہ نہیں تھا کیونکہ حیرہ والوں نے جزیہ تسلیم کر لیا اور اطاعت بھی قبول کر لی تھی۔

☆

ایک دلچسپ اور عجیب واقعہ ہو گیا۔

کچھ برس پہلے کی بات ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام میں بیٹھے تھے اور اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔ باتوں کا رُخ کفّار کے علاقوں کی طرف مُڑ گیا اور ذکر فارس کی شہنشاہی کا چل نکلا۔ حیرہ اس شہنشاہی کا بڑا اہم مقام تھا۔ کسی صحابی نے کہا کہ حیرہ ہاتھ آ جائے تو اُسے فوجی اڈا بنا کر کسریٰ پر کاری ضربیں لگائی جا سکتی ہیں۔

دو مؤرّخوں، بلاذری اور طبری نے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے فرمایا کہ تھوڑے ہی عرصے بعد حیرہ ہمارے قبضے میں ہو گا۔ یہ دونوں مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس محفل میں حیرہ کی اہمیت اور اس علاقے کی خوبصورتی کی باتیں ہونے لگیں۔ عبدالمسیح مشہور آدمی تھا۔ اُس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام کرامہ تھا۔ اُس کے حُسن کے چرچے تاجروں وغیرہ کی زبانی دُور دُور تک پہنچے ہوئے تھے۔ اُس کے اپنے ملک میں اُس کا حُسن و جمال ضرب المثل بن گیا تھا۔

بلاذری اور طبری نے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ کی اس محفل میں سیدھا سادہ اور عام سا ایک آدمی شویل بھی موجود تھا۔

"یا رسول اللہ!" — شویل نے عرض کی — "اگر حیرہ فتح ہو گیا تو عبدالمسیح کی بیٹی کرامہ مجھے دے دی جائے۔"

رسولِ کریمؐ مسکرائے اور ازراہِ مذاق کہا۔ "حیرہ فتح ہو گیا تو کرامہ بنتِ عبدالمسیح تیری ہو گی۔"

اِن مؤرّخوں نے یہ نہیں لکھا کہ حیرہ کی فتح سے کتنا عرصہ پہلے یہ بات ہوئی تھی۔ اب حیرہ فتح ہو گیا۔ خالدؓ کی فوج کا ایک ادھیڑ عمر سپاہی اُس وقت اُن کے سامنے جا کھڑا ہُوا جب کچھ شرائط عبدالمسیح اور خالدؓ کے درمیان طے ہو رہی تھی۔

"کیا نام ہے تیرا؟" — خالدؓ نے اپنے اس سپاہی سے پوچھا — "اور میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

"سالارِ اعلیٰ!" — سپاہی نے کہا — "میرا نام شویل ہے۔ خدا کی قسم رسول اللہؐ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ عبدالمسیح کی بیٹی کرامہ تجھے دے دی جائے گی۔ آج حیرہ فتح ہو گیا ہے شہزادی کرامہ مجھے دی جائے۔"

"کیا تو کوئی گواہ پیش کر سکتا ہے؟" — خالدؓ نے کہا — "خدا کی قسم، میں رسول اللہؐ کے وعدے کی

خلاف ورزی کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن گواہ نہ ہوئے تو میں تیری بات کو سچ نہیں مان سکتا۔"

شویل کو دو گواہ مل گئے۔ وہ حیرہ کی فاتح فوج میں موجود تھے۔ اُنہوں نے تصدیق کی کہ رسول اللہؐ نے اُن کی موجودگی میں شویل سے یہ وعدہ فرمایا تھا۔

"رسول اللہؐ کا وعدہ میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔" — خالدؓ نے عبدالمسیح سے کہا — "تجھے اپنی بیٹی اس شخص کے حوالے کرنی ہو گی۔"

"یہ بھی شرائط میں لکھ لو" — عبدالمسیح نے کہا — "کہ میری بیٹی کرامہ اس سپاہی کو دے دی جائے۔"

یہ حکم عبدالمسیح کے گھر پہنچا کہ کرامہ مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ کے پاس آ جائے۔ کرامہ نے پوچھا کہ اُسے کیوں بلایا جا رہا ہے۔ اُسے بتایا گیا کہ ایک مسلمان سپاہی نے اُس کی خواہش کی ہے اور اُسے اس سپاہی کے حوالے کیا جائے گا۔

"ایسا نہ ہونے دو" — گھر میں جو ایک محل کی مانند تھا، دوسری عورتوں کا شور اُٹھا — "ایسا نہ ہونے دو۔ شاہی خاندان کی ایک عورت کو ایک سپاہی کے حوالے نہ ہونے دو جو عرب کا وحشی بدّو ہے۔"

"مجھے اُس کے پاس لے چلو" — کرامہ نے کہا — "اس مسلمان سپاہی نے میری جوانی کے حُسن کی باتیں سُنی ہوں گی۔ وہ کوئی جاہل اور احمق لگتا ہے۔ اُس نے کسی سے یہ نہیں پوچھا ہو گا کہ یہ کب کی بات ہے کہ جب میں جوان ہُوا کرتی تھی۔"

بلاذری کی تحریر کے مطابق کرامہ کو خالدؓ کے سامنے لے جایا گیا۔ شویل موجود تھا۔ اُس نے ایک ایسی بڑھیا دیکھی جس کے چہرے پر جھُریاں تھیں اور بال سفید ہو چکے تھے۔ مؤرخ طبری نے کرامہ کی عمر اسّی سال لکھی ہے۔ اُس کے باپ عبدالمسیح نے خالدؓ کو اپنی عمر دو سو سال بتائی تھی۔ بعض مؤرخ ان عمروں کو تسلیم نہیں کرتے۔ عبدالمسیح کی عمر ایک سَو سال سے ذرا ہی زیادہ تھی اور کرامہ کی عمر ساٹھ ستر سال کے درمیان تھی۔ بہر حال کرامہ ضعیف العمر تھی۔

شویل نے اُسے دیکھا تو اُس کے چہرے پر خوشی کے جو آثار تھے وہ اُڑ گئے اور وہ مایوس ہو گیا۔ اچانک اُسے ایک خیال آ گیا۔

"امیرِ لشکر!" — شویل نے کہا — "یہ شرط لکھ لی گئی ہے کہ کرامہ بنت عبدالمسیح میری لونڈی ہے۔ اگر یہ مجھ سے آزادی چاہتی ہے تو مجھے رقم ادا کرے۔"

"کتنی رقم؟" — کرامہ نے پُوچھا۔

"ایک ہزار درہم!" — شویل نے کہا — "میں اپنی ماں کا بیٹا نہیں ہوں گا کہ ایک درہم بھی بخش دوں۔"

کرامہ کے بوڑھے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے اُس خادمہ کو جو اُس کے ساتھ آئی تھی، اشارہ کیا۔ خادمہ دوڑی گئی اور ایک ہزار درہم لے آئی۔ کرامہ نے یہ درہم شویل کے حوالے کر دیئے اور آزاد ہو گئی۔

شویل کا یہ عالم تھا کہ ایک ہزار درہم دیکھ کر حیران ہو رہا تھا جیسے اُس کے ہوش گُم ہو گئے ہوں۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو جا کر فاتحانہ لہجے میں بتایا کہ اُس کے ساتھ دھوکا ہُوا تھا کہ اُس نے ایک ضعیف العمر عورت کو جوان سمجھ لیا تھا لیکن اُس نے اُس سے ایک ہزار درہم کما لیے۔

"صرف ایک ہزار درہم؟" — اُس کے ساتھی نے اُسے کہا — "تو ساری عمر احمق ہی رہا۔ کرامہ شاہی خاندان کی عورت ہے۔ اُس سے تو کئی ہزار درہم لے سکتا تھا۔"

"اچھا؟"۔۔۔شوبل نے مایوس ہو کر کہا۔"میں تو سمجھتا تھا کہ ایک ہزار درہم سے زیادہ رقم ہوتی ہی نہیں۔"
اُس کے ساتھیوں کے ایک زوردار قہقہے نے اُسے اور زیادہ مایوس کر دیا۔

خالدؓ نے مالِ غنیمت کے ساتھ تمام تحفے مدینہ بھیج دیئے تھے۔ مدینہ سے خالدؓ کے لیے امیرالمومنین نے پیغام بھیجا کہ یہ تحفے اگر مالِ غنیمت میں شامل ہیں یا جزیئے ہیں تو قابلِ قبول ہو سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو جنہوں نے یہ تحفے دیئے ہیں اُن سے اُن کی قیمت معلوم کر کے جزیئے میں شامل کر لو۔ اگر تم جزیہ وصول کر چکے ہو تو تحفوں کی رقم اُن لوگوں کو واپس کر دو۔

خالدؓ نے اُن سب کو بلا کر انہیں تحفوں کی قیمت ادا کر دی۔

حیرہ کی فتح کے بعد چند دنوں میں خالدؓ نے وہاں کا نظم و نسق رواں کر دیا اور حیرہ کے اُمرا کو ہی انتظامیہ کا ذمّہ دار بنا دیا۔

"میرے بھائیو!"۔۔۔خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا۔"میرے پاس وقت نہیں کہ میں یہاں بیٹھا رہوں لیکن نظم و نسق کی بحالی بہت ضروری ہے۔ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ نظم و نسق کو اس بنیاد پر رواں کیا جائے کہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ وہ سکون اور اطمینان محسوس کریں کہ اُن کے جان و مال اور اُن کی عزت و آبرو کو تحفظ حاصل ہے۔ خدا کی قسم، میں ان لوگوں پر، ان عیسائیوں اور ان آتش پرستوں پر ثابت کر دوں گا کہ اسلام وہ مذہب ہے جو ظلم کو بہت بڑا گناہ سمجھتا ہے۔ رعایا کو اپنی اولاد سمجھو۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے نظم و نسق انہی لوگوں کے سپرد کر دیا ہے؟ ربّ کعبہ کی قسم، میں ان پر اپنا حکم نہیں ٹھونسوں گا۔"

اپنا حکم نہ ٹھونسنے کے نتائج چند دنوں میں سامنے آ گئے۔ اسلام کا بنیادی اصول یہی تھا کہ لوگوں کے دل جیتو مگر دل جیت کر انہیں دھوکہ نہ دو۔ انہیں ان کے حقوق دو۔ خالدؓ اسلام کے پہلے سالار تھے جنہوں نے مدینہ سے نکل کر کسی دوسری قوم کے علاقے فتح کیے اور انہیں اسلام کے اس بنیادی اصول پر عمل کرنے کا موقع ملا۔ مصر کے محمد حسین ہیکل نے بہت سے مؤرخوں کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ خالدؓ نے دشمنوں کے سر اڑا نے شروع کیے تو فرات کو لال کر دیا اور ایسے کسی آدمی کو زندہ نہ چھوڑا جس کی طرف سے دینِ اسلام کو ذرا سا بھی خطرہ تھا۔ خالدؓ ذاتی دشمنی کے قائل نہیں تھے۔ متعصّب تاریخ دانوں نے خالدؓ کو ظالم سالار کہا ہے لیکن خالدؓ نے جو بھی علاقہ فتح کیا وہاں کا انتظام مفتوحہ امرا۔ و رؤسا کے سپرد کر دیا۔ البتّہ ان کے نگران یعنی بالائی حکام مسلمان مقرر کیے جاتے تھے۔

حیرہ کو فتح کر کے خالدؓ نے سارے فارس کو فتح نہیں کر لیا تھا بلکہ خالدؓ خطروں میں گھِر گئے تھے۔ آتش پرست اُن پر چاروں طرف سے حملہ کر سکتے تھے۔ اگر بڑے پیمانے پر حملہ نہ کرتے تو شب خون مار مار کر مسلمانوں کی فوج کو نقصان پہنچا سکتے تھے لیکن آتش پرستوں نے ایسی کوئی کارروائی نہ کی۔ اس کی کئی اور وجوہات تھیں جن میں ایک یہ تھی کہ مفتوحہ علاقوں کے لوگ مسلمانوں کے سلوک سے متاثر ہو کر اُن کے حامی اور معاون بن جاتے تھے۔

حیرہ کے نواحی علاقے میں دیرناطف نام کی ایک بستی تھی جو عیسائیوں کی بستی کہلاتی تھی۔ وہاں بہت بڑا گرجا تھا جس کے پادری کا نام صلوبا بن نسطونا تھا۔ وہ عیسائیوں کا مذہبی پیشوا ہی نہیں اُن کا عسکری قائد بھی تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں کبھی نہیں گیا تھا لیکن جنگ و جدل میں مہارت رکھتا تھا۔

فارس کے عیسائی للکار کر مسلمانوں کے مقابلے میں آتے تھے اور مسلمانوں کی تلواروں اور برچھیوں سے بُری طرح کٹتے تھے۔ ایسے عیسائیوں کی تعداد خاصی کم ہو گئی تھی جو لڑنے کے قابل تھے۔ بوڑھے زندہ رہ گئے تھے یا عورتیں زندہ تھیں۔ صلوبا بن نسطونا اکثر کہا کرتا تھا کہ مذہب صرف ایک زندہ رہے گا اور یہ عیسائیت ہو گی۔

"نہ زرتشت رہے گا نہ مدینہ کا اسلام!" — اُس نے اپنے وعظ میں کئی بار کہا تھا — "سب مٹ جائیں گے اور زمین پر یسوع مسیح کی حکومت ہو گی۔"

حیرہ فتح ہونے تک لڑنے والے ہزارہا عیسائی مٹ گئے تھے۔ باقی مسلمانوں کے ڈر سے بھاگ کر اِدھر اُدھر جا چھپے تھے۔ ان کے سرکردہ افراد نے پادری صلوبا بن نسطونا کے ساتھ رابطہ رکھا ہوا تھا۔ صلوبا نے کوشش کی تھی کہ عیسائیوں کو یکجا اور متحد کر کے مسلمانوں پر شب خون مارنے کے لیے تیار کرے لیکن عیسائیوں پر مسلمانوں کی ایسی دہشت بیٹھ گئی تھی کہ وہ شب خون اور چھاپہ مار جنگ کے لیے تیار نہ ہوتے۔

☆

"مقدس باپ!" — ایک رات ایک نامور جنگجو عیسائی شمیل بورزانہ نے پادری صلوبا بن نسطونا سے کہا — "کیا تم اس پر یقین رکھتے ہو کہ گرجے کی گھنٹیاں اور تمہارے وعظ اِس تباہی کو روک لیں گے جو ہماری طرف تیزی سے بڑھی آ رہی ہے؟"

"نہیں" — پادری صلوبا نے کہا — "میرے وعظ اور گرجے کے گھنٹے کی آوازیں اب اس تباہی کو نہیں روک سکتیں۔"

"پھر تم ہمیں اجازت کیوں نہیں دیتے کہ ہم مسلمانوں کی فوج پر ہر رات شب خون ماریں؟" — شمیل بورزانہ نے کہا — "مدینہ کے مسلمان جن نہیں، بھوت نہیں۔ انسان ہیں۔ ہماری طرح کے انسان ہیں۔"

"شمیل!" — پادری صلوبا نے کہا — "بیشک وہ انسان ہیں لیکن تمہاری طرح نہیں۔ میں نے ان میں کچھ اور ہی بات دیکھی ہے.... وہ فتح کا عزم لے کر آتے ہیں۔ اگر انہوں نے اپنے جسموں کے متعلق یہی رویہ رکھا تو آخری فتح بھی انہی کی ہو گی۔"

"مقدس باپ!" — شمیل نے کہا — "میں جسموں والی بات نہیں سمجھا۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو" — پادری صلوبا نے کہا — "یہ لوگ جنہیں کسریٰ اُردشیر عرب کے بدّو کہتا رہا ہے، جسمانی آسائشوں اور لذتوں کو قبول نہیں کرتے۔"

"مقدس باپ کی زبان سے دشمن کی تعریف اچھی نہیں لگتی" — شمیل نے کہا۔

"اگر تم اپنے آپ میں دشمن کے اچھے اوصاف پیدا کر لو تو تم شکست سے بچ سکتے ہو" — پادری صلوبا نے کہا — "کیا تمہارے دوستوں نے مسلمانوں کو جال میں پھانسنے کے لیے پندرہ حسین لڑکیاں نہیں بھیجی تھیں؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اس کا مجھے علم نہیں ہوتا؟ تمہاری تلواروں کی دھار کند ہو چکی ہے اس لیے تم لوگوں نے عورتوں کو استعمال

کیا ہے۔ کیا تم انکار کرو گے؟"

"نہیں مقدس باپ!" — شمیل نے شرمسار سا ہو کے کہا — "ہمارے ایک بزرگ نے کہا تھا کہ ایک تلوار ایک وار میں ایک آدمی کو کاٹ سکتی ہے لیکن ایک حسین عورت کا ایک وار ایک سو آدمیوں کو گھائل کر دیتا ہے۔ مسلمان سوار گھوڑوں کو جھیل سے پانی پلانے لایا کرتے ہیں۔ وہ چار چار چھ چھ کی ٹولیوں میں آتے ہیں۔ جھیل کے ارد گرد اونچی چٹانیں اور گھنا جنگل ہے۔ ہماری لڑکیوں نے مسلمان سواروں کو اپنی طرف کھینچنے کی بہت کوشش کی لیکن اُن پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ہماری بعض لڑکیاں نیم برہنہ ہو کر انہیں چٹانوں کے پیچھے چلنے کے اشارے کرتی رہیں لیکن ہوا یہ کہ بعض سوار منہ پھیر لیتے اور بعض ہنس پڑتے تھے۔"

"اور مجھے یہ بھی معلوم ہے شمیل!" — پادری صلوبا نے کہا — "کہ تم لوگوں نے مسلمانوں کے گشتی سنتریوں کو بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی اور تم لوگوں نے یہ بھی سوچا تھا کہ مسلمانوں کے سالاروں کو اور خالدؓ بن ولید کو قتل کرنے کے لیے لڑکیوں کو استعمال کیا جائے۔"

"ہاں مقدس باپ!" — شمیل نے کہا — "ہم نے ایسا سوچا تھا۔"

"پھر اس سوچ پر عمل کیوں نہ کیا؟"

"اس لیے نہ کیا کہ جس فوج کے سپاہیوں کا کردار اتنا مضبوط ہے، اُس کے سالار تو فرشتوں جیسے ہوں گے" — شمیل نے جواب دیا — "اب ہمارے سامنے یہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ مسلمان فوج پر شب خون مارنے شروع کر دیں اور انہیں اتنا نقصان پہنچائیں کہ یہ پسپائی پر مجبور ہو جائیں۔"

"کیا تم کسریٰ کی فوج سے زیادہ طاقتور ہو؟" — پادری صلوبا نے کہا — "وہ جو کہتے تھے کہ زمین پر کوئی طاقت ان کے مقابلے میں اُٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتی، اب کہاں ہیں؟ آگ کو پوجنے والوں کے تمام نامور سالار مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ گئے ہیں۔ ہم نے ان کی خاطر مسلمانوں سے لڑ کر غلطی کی ہے۔"

"تو کیا مقدس باپ، تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ دشمنی نہ رکھیں؟" — شمیل نے حیران سا ہو کے پوچھا۔

"ہاں!" — پادری صلوبا نے جواب دیا — "میں یہی کہنا چاہتا ہوں، بلکہ میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"مقدس باپ!" — شمیل نے کہا — "پھر تم کہو گے کہ تم مسلمانوں کے مذہب کو بھی قبول کرنا چاہتے ہو۔"

"نہیں، ایسا نہیں ہو گا" — پادری صلوبا نے کہا — "جب سے حیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا ہے، میں یہی دیکھ رہا ہوں کہ ان سے ہمارے مذہب کو کتنا کچھ خطرہ ہے۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ عیسائیت کو کوئی خطرہ نہیں۔ مسلمان اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں، وہ زبردستی اپنا مذہب مفتوحہ لوگوں پر نہیں ٹھونستے.... کیا انہیں معلوم نہیں کہ یہاں

ایک گرجا ہے جس میں مجھ جیسا جہاندیدہ اور مذہب پر مرمٹنے والا پادری موجود ہے؟.... انہیں معلوم ہے شمیل! میں دو اتوار گرجے میں آنے والے عیسائیوں کے ہجوم میں دو اجنبی آدمیوں کو دیکھتا رہا ہوں۔ میں نے اُن کے گلوں میں صلیبیں لٹکتی دیکھی تھیں۔ وہ ہر لحاظ سے عیسائی لگتے تھے لیکن میری دوربین آنکھوں نے بھانپ لیا تھا کہ دونوں مسلمان ہیں اور وہ مدینہ کے نہیں فارس کے رہنے والے ہیں۔ وہ ولید کے بیٹے خالدؓ کے جاسوس تھے۔ میں اپنے وعظ میں محتاط رہا۔"

"مقدس باپ!"—— شمیل نے کہا—"اگر تم مجھے اشارہ کر دیتے تو وہ دونوں زندہ واپس نہ جاتے۔"

"پھر اس گرجے کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی"—— پادری صلوبا نے کہا—"عقل اور جوش میں یہی فرق ہے شمیل! تم میں جوش ہے اور میں عقل سے کام لے رہا ہوں .... میں تم لوگوں کو مسلمانوں پر شب خون مارنے اور لڑنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

☆

دو تین روز بعد پادری صلوبا بن نسطونا گرجے میں تمام عیسائی سرداروں سے کہہ رہا تھا—
"... حقیقت کو دیکھو۔ کسریٰ کی اتنی زبردست فوج مدینہ کی قلیل سی فوج کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکی۔ تم نے بھی مسلمانوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لیا ہے۔ اب مسلمانوں سے ٹکرا کر تم تباہ ہو جانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ وقت کا ساتھ دو۔ مسلمانوں نے تمہارے مذہب کے لیے کوئی خطرہ پیدا نہیں کیا۔ انہوں نے ہمیں اور آتش پرستوں کو بھی اپنی اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کی اجازت دے رکھی ہے۔ مسلمانوں نے عدل و انصاف میں جو مساوات قائم کی ہے وہ تم خود دیکھ رہے ہو ....

"اور تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ تم ان کے خلاف آتش پرستوں کے دوش بدوش لڑے تھے لیکن مسلمانوں نے تمہارے خلاف کسی قسم کی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ انہوں نے کاشتکاروں کی زمینوں پر قبضہ نہیں کیا۔ ان کی فصلوں میں اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں چھوڑے بلکہ آتش پرست حاکم ان غریب کسانوں پر جو ظلم و تشدد کرتے اور اُن کی کھیتیوں کی پیداوار اٹھا لے جاتے تھے، یہ لوٹ کھسوٹ ختم ہو گئی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہ کرو کہ مسلمان رعایا کو پورے حقوق دے رہے ہیں۔"

"تم پر خداتے یسوع مسیح کی رحمت ہو!"—— ایک سردار نے پادری صلوبا کو ٹوکتے ہوئے کہا—"کیا تم ہمیں یہ ترغیب دے رہے ہو کہ ہم مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لیں؟"

"کیا یہ ہماری بے عزتی نہیں؟"—— ایک اور سردار نے کہا۔

"مسلمانوں نے تمہاری عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا"—— پادری صلوبا نے کہا—"کیا تم نے انہیں پھانسنے اور گمراہ کرنے کے لیے اپنی لڑکیوں کو نہیں بھیجا تھا؟ کیا وہ تمہاری لڑکیوں کو اُٹھا کر نہیں لے جا سکتے تھے؟.... اور مت بھولو کہ کسریٰ کے حاکموں

نے تمہاری کتنی لڑکیوں کے ساتھ زبردستی شادی کی تھی۔ جسے جو لڑکی اچھی لگی وہ اُسے حکماً لے گیا.... اور یہ بھی سوچو کہ فارس کے وہ سالار اور کماندار کہاں ہیں جن کے ساتھ مل کر تم مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے؟ کیا اُنہوں نے تم سے پوچھا ہے کہ تم کس حال میں ہو؟ کیا اُنہوں نے آکر دیکھا ہے کہ تم میں سے جو مارے گئے ہیں، اُن کی بیویاں کس حال میں ہیں؟ اُن کے بچے کس حال میں ہیں؟ اور مسلمان تمہیں سزا تو نہیں دے رہے؟"

"بے شک وہ ہمیں بھول گئے ہیں"—— ایک بوڑھے سردار نے کہا۔

"تو سچا کہتا ہے مقدس باپ!"—— ایک اور سردار بولا—"اب بتا ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ تو ہمیں کس راستے پر لے جانا چاہتا ہے؟"

"یہ تمہاری سلامتی کا راستہ ہو گا"—— پادری صلوبا نے کہا—"اس میں تمہارے جان و مال کی اور تمہارے مذہب کی سلامتی ہے.... میں مسلمانوں کی اطاعت قبول کر رہا ہوں اور میں بانقیا اور لسما کے علاقے کی تمام قابلِ کاشت اراضی کا لگان وصول کر کے مسلمانوں کو ادا کیا کروں گا۔"

☆

تقریباً تمام مورخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے حسنِ سلوک، عدل و انصاف اور اسلوبِ حکومت سے متاثر ہو کر دیرناطف کے پادری صلوبا بن نسطونا نے سب سے پہلے خالدؓ کے سامنے جا کر اطاعت قبول کی اور دس ہزار دینار خالدؓ کو پیش کیے۔ اس رقم کے ساتھ وہ ہیرے اور بیش قیمت موتی بھی تھے جو کسریٰ اُردشیر نے پادری صلوبا کو تحفے کے طور پر دیئے تھے۔ یہ ہوتی دراصل رشوت تھی جو اُردشیر نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑانے کے لیے پادری صلوبا کو دی تھی۔ خالدؓ کے حکم سے ایک معاہدہ لکھا گیا:

"یہ معاہدہ مدینہ کے سالار خالدؓ بن ولید اور صلوبا بن نسطونا کی قوم کے ساتھ طے ہوا اور تحریر کیا جاتا ہے۔ اس کے مطابق صلوبا بن نسطونا عیسائی قوم کی طرف سے دس ہزار دینار سالانہ بطور جزیہ ادا کرے گا اور کسریٰ کے ہیرے اور موتی اس رقم کے علاوہ وصول کیے جائیں گے۔ جزیہ کی رقم صرف ان عیسائیوں سے ہر سال وصول کی جایا کرے گی جو اس کی استطاعت اور توفیق رکھتے ہیں اور جو کمانے کے قابل ہوں گے۔ ہر کسی کو جزیہ کا اتنا ہی حصہ دینا پڑے گا جتنا وہ آسانی سے ادا کر سکے گا۔ اس معاہدے کی رُو سے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عیسائیوں کی بستیوں بانقیا اور لسما کو ہر طرح کا تحفظ مہیا کریں۔ پادری صلوبا بن نسطونا کو اُس کی قوم کا نمائندہ تسلیم کیا جاتا ہے جیسا کہ اُسے اُس کی قوم نے تسلیم کیا ہے۔ اس معاہدے پر جو خالدؓ بن ولید نے کیا ہے، تمام مسلمان رضامند ہیں اور اس پر عمل کریں گے۔"

پادری صلوبا اُس علاقے کی نامور شخصیت تھی۔ اردگرد کے بڑے بڑے سرداروں اور سرکردہ افراد نے جب دیکھا کہ صلوبا نے خالدؓ کی اطاعت قبول کر لی ہے تو وہ سب حیرہ پہنچے اور خالدؓ کی اطاعت قبول کرنے لگے۔ انہوں نے جو نقد جزیہ ادا کیا وہ بیس لاکھ درہم تھا۔ مسلمانوں کی

شجاعت کی دھاک دور دور تک بیٹھ گئی۔ بڑا ہی وسیع علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔ خالدؓ نے دقت ضائع کیے بغیر اس علاقے میں اسلامی حکومت قائم کر دی اور انہی سرداروں میں اُمرا منتخب کر کے مختلف علاقوں میں مقرر کر دیئے۔ اس کے ساتھ ہی اپنی فوج کے کچھ دستے اس مقصد کے لیے سارے علاقے میں پھیلا دیئے کہ کہیں سے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت نہ اُٹھ سکے۔

یہ دستے گھوڑسوار تھے اور برق رفتار۔ خالدؓ نے اپنے تین بڑے ہی تیز اور پھرتیلے سالاروں — ضرار بن الازور، قعقاع اور مثنیٰ بن حارثہ — کو ان دستوں کے ساتھ بھیجا تھا۔ ان تینوں کا انداز ایسا جارحانہ تھا کہ جدھر جاتے تھے اُدھر لوگ دبک جاتے اور ان کے سردار آ گے آ کر اطاعت قبول کر لیتے تھے۔ اس طرح جون ۶۳۳ء (ربیع الآخر ۱۲ ہجری) میں دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے اسلامی سلطنت میں آ گئے۔

☆

تخت و تاج کے ہوس کاروں نے اپنی قوموں کو تاریخ کی تاریکیوں میں گم کیا اور اپنے ملک دشمن کے حوالے کیے ہیں۔ فارس کی شہنشاہی جو ناقابلِ تسخیر سمجھی جاتی تھی اور جس کی فوج زِرہ پوش تھی، اب زوال پذیر تھی۔ مسلمانوں کی فوج کی نفری فارس کی فوج کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔ یہ نفری زِرہ پوش بھی نہیں تھی اور آتش پرستوں کی فوج کی طرح اتنی زیادہ مسلّح بھی نہیں تھی مگر آتش پرست شکست پہ شکست کھاتے چلے گئے اور فارس کے دارالحکومت مدائن کو خطرہ پیدا ہو گیا۔ وہاں اب کسریٰ اُردشیر نہیں تھا۔ وہ صدمے سے مر گیا تھا۔

تاریخ گواہ ہے اور یہ قرآن کا فرمان ہے کہ اللہ جس قوم کو اُس کے اعمالِ بد کی سزا دینے پر آتا ہے اُس پر نااہل اور خود غرض حکمران مسلّط کر دیتا ہے جو اسی قوم کے افراد ہوتے ہیں۔ اللہ کا یہ قہر آتش پرستوں پر گرنا شروع ہو گیا تھا۔ مدائن میں اُردشیر کی موت کے بعد اُس کے خاندان میں تخت و تاج کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔

خالدؓ کے جاسوس مدائن میں ہی نہیں، کسریٰ کے محل میں بھی پہنچ چکے تھے۔ وہ جو خبریں بھیج رہے تھے وہ خالدؓ کے لیے امید افزا تھیں۔

"مدائن کا تخت اب وہ تختہ بن چکا ہے جس پر میّت کو غسل دیا جاتا ہے" — ایک جاسوس نے مدائن سے آ کر خالدؓ کو بتایا — "یہ تخت کسریٰ کے تین شہزادوں کی جانیں لے چکا ہے۔ اُردشیر کی متعدد بیویاں ہیں اور ہر بیوی کے جوان بیٹے ہیں۔ ہر بیوی اپنے بیٹے کے سر پر کسریٰ کا تاج رکھنا چاہتی ہے۔ اُردشیر کے مرنے کے بعد ایک شہزادے کو تخت پر بٹھایا گیا۔ دو روز بعد وہ اپنے کمرے میں اس حالت میں مُردہ پایا گیا کہ اُس کا سر اُس کے دھڑ سے الگ تھا۔ دو نہایت خوبصورت اور نوجوان لڑکیوں کو، دربان کو اور دو پہرہ داروں کو جلاّد کے حوالے کر دیا گیا۔ اس شہزادے کے قتل کے شبہے میں ان سب کے سر قلم کر دیئے گئے....

"اس کی جگہ اُردشیر کی ایک اور بیوہ کے بیٹے کے سر پر کسریٰ کا تاج رکھا گیا۔ تیسرے دن

اُس نے شراب پی اور بے ہوش ہو گیا اور ذرا دیر بعد مر گیا۔ اب سات آٹھ آدمیوں اور تین جوان عورتوں کو شہزادے کو شراب میں زہر پلانے کے شبہ میں قتل کیا گیا.... سالارِ اعلیٰ تیسرا شہزادہ تخت پر بیٹھا۔ دوسرے روز وہ محل کے باغ میں ایک بڑی دلکش رقاصہ کے ساتھ ٹہل رہا تھا۔ کہیں سے بیک وقت دو تیر آئے۔ ایک اُس کی آنکھ میں اور دوسرا اُس کی شہ رگ میں اُتر گیا۔ کسریٰ کا تخت پھر خالی ہو گیا....

"تخت ابھی تک خالی ہے۔ کسریٰ کے وزیر اور دو سالاروں نے تاجپوشی کا سلسلہ روک دیا ہے۔ اُنہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ جو علاقے فارس کی شہنشاہی میں رہ گئے ہیں، انہیں مسلمانوں سے بچایا جائے۔ انہوں نے دجلہ کے پار اپنی فوج کو اس طرح پھیلا دیا ہے کہ ہم جس طرف سے بھی پیش قدمی کریں، ہمیں روک لیا جائے۔"

"اُن کی اس فوج کی نفری کتنی ہو گی؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"ہم سے دُگنی ہو گی" — جاسوس نے جواب دیا — "اس سے زیادہ ہو گی کم نہیں ہو سکتی۔ مدائن دجلہ کے پار ہے۔ آتش پرست ہمیں دریا پار نہیں کرنے دیں گے۔"

"اللہ کے دریا اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کو نہیں روک سکتے" — خالدؓ نے کہا — "آتش پرست ہمیں روکنے کے قابل نہیں رہے۔ جس قوم کے سرداروں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے اُس قوم کی قسمت میں تباہی کے سوا کچھ نہیں رہتا۔"

☆

"ہم مدائن کی طرف کوچ کر رہے ہیں" — خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا — "ہم دشمن کو سنبھلنے کی مہلت نہیں دیں گے۔"

خالدؓ اپنے سالاروں کو کوُچ کے احکام دے ہی رہے تھے کہ انہیں اطلاع دی گئی کہ مدینہ سے خلیفۃ المسلمین کا قاصد آیا ہے۔ خالدؓ نے قاصد کو فوراً اندر بلا لیا۔

"کیا مدینہ کے لوگ ہمیں اچھے نام سے یاد کرتے ہیں؟" — خالدؓ نے قاصد سے پوچھا۔

"خدا کی قسم، مدینہ کی ہوائیں بھی آپ کو یاد کرتی ہیں" — قاصد نے کہا — "امیرالمومنین مسجد میں آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ کئی بار کہہ چکے ہیں — کیا مائیں خالدؓ جیسا ایک اور بیٹا جن سکیں گی؟ — لوگ ہر روز آپ کی خبر کا انتظار کرتے ہیں۔"

"پیغام کیا ہے؟"

قاصد نے پیغام خالدؓ کو دے دیا۔ خالدؓ پڑھتے جا رہے تھے اور اُن کے چہرے کا تاثر بدلتا جا رہا تھا۔ وہاں جو سالار موجود تھے، وہ پیغام سننے کو بیتاب ہو گئے۔

"امیرالمومنین کے سوا مجھے کون روک سکتا تھا" — خالدؓ نے کہا اور سالاروں سے مخاطب ہو کر بولے — "امیرالمومنین نے حکم بھیجا ہے کہ عیاض بن غنم دومتہ الجندل میں لڑ رہا ہے۔ اللہ اُسے فتح عطا فرمائے۔ اُدھر سے فارغ ہو کر وہ ہمارے پاس آ جائے گا۔ امیرالمومنین نے کہا ہے کہ جب عیاض اپنی فوج لے کر ہمارے پاس آ جائے تو ہم آگے بڑھیں۔ اُس کے

آنے تک ہم جہاں ہیں وہیں رکے رہیں۔"

☆

خالدؓ کے چہرے پر جو رونق اور آنکھوں میں فتح ونصرت کی جو چمک ہر وقت رہتی تھی وہ بجھ گئی اور وہ گہری سوچ میں کھو گئے۔ سالاروں کے اس اجلاس پر سناٹا طاری ہو گیا جس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ خلیفۃ المسلمین نے پیشقدمی روک دی تھی بلکہ وجہ یہ تھی کہ خالدؓ کے چہرے پر ایسا تاثر کبھی کبھی آیا کرتا تھا اور یہ تاثر ایک طوفان کا پیش خیمہ ہوا کرتا تھا۔ کسی بھی سالار کو خلیفہ کے اس حکم کے متعلق کوئی بات کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔

چند منٹ بعد خالدؓ گہری سوچ سے بیدار ہوتے اور قاصد کی طرف دیکھا۔

"اللہ تجھے سفر میں سلامتی اور رحمت عطا کرے!" ——— خالدؓ نے کہا۔ "آرام کرنا چاہتا ہے تو کر لے اور واپسی کا سفر اختیار کر..... امیرالمومنین سے میرا اور میرے ساتھیوں کا سلام کہنا، پھر کہنا کہ جنگ کے حالات کو وہی بہتر سمجھتے ہیں جو میدانِ جنگ میں ہوتے ہیں۔ محاذ سے اتنی دُور بیٹھ کر کوئی فیصلہ کرنا لڑنے والوں کے لیے نقصان وہ بھی ہو سکتا ہے..... پھر کہنا کہ ولید کا بیٹا خلافت کی حکم عدولی کی جرأت نہیں کرے گا لیکن حالات نے مجبور کیا اور اسلام کو خطرہ لاحق ہوا تو میں حکم کی پرواہ نہیں کروں گا۔ میں خلافتِ مدینہ کا امین اور اسلام کا پاسبان ہوں۔ میں دشمن کو اپنے اوپر آتا دیکھ کر ایک شخص کے حکم کو ایک طرف رکھ دوں گا۔ مجھے خوشنودی اللہ کی درکار ہے اللہ کے کسی بندے کی نہیں۔ میں معلوم کروں گا کہ سالار عیاض کے محاذ کی صورتِ حال کیا ہے۔ ہو سکتا ہے اُسے مدد کی ضرورت ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے محاذ سے جلدی فارغ نہ ہو سکے اور آتش پرست اِس عرصے میں سنبھل جائیں.....

"اور خلیفۃ المسلمین سے کہنا کہ ہم نے زرتشت کی آگ کو سرد کر دیا ہے۔ اللہ نے ہمیں ایسی فتح عطا کی ہے جس نے کسریٰ کے محل کو شیطان کا بسیرا بنا دیا ہے۔ اُردشیر کے تخت پر جو کوئی بیٹھتا ہے وہ دو روز بعد اپنے بھائیوں کے ہاتھوں قتل ہو جاتا ہے۔ فارس کی شہنشاہی اور اس کی شان وشوکت کو ہم نے دجلہ اور فرات میں ڈبو دیا ہے۔ حیرہ جسے فارس کا ہیرا کہتے ہیں، ہمارا فوجی اڈہ ہے۔ ہمارے لیے دُعا کرتے رہیں۔"

قاصد کی روانگی کے بعد خالدؓ نے ایک کماندار کو بلا کر کہا کہ اپنے ساتھ دو بڑے تیز اور توانا سپاہی لے کر بہت تیز رفتار سے دومتہ الجندل جائے اور غور سے دیکھے کہ وہاں کی صُورتِ حال کیا ہے اور سالار عیاض بن غنم کب تک فارغ ہو سکیں گے اور کیا اس کے جلدی فارغ ہونے کا امکان ہے بھی یا نہیں۔

کماندار اُسی وقت روانہ ہو گیا۔

"خلیفۃ المسلمین کے اِس حکم کو جو تم نے سنا ہے، ذہن سے اُتار دو" ——— خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا۔ "دِل میں خلافتِ مدینہ کا پورا احترام رکھتے ہوتے اِن حالات کو دیکھو جو ہم نے آتش پرستوں کے لیے پیدا کر دیتے ہیں۔ اگر ہم عیاض کے انتظار میں یہیں بیٹھے

رہے تو کسریٰ کی فوج کو سنبھلنے کا وقت مل جائے گا۔ خدا کی قسم، تم سب یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ کسریٰ کی فوج پر تم نے جو خوف طاری کر دیا ہے وہ انہیں کسی میدان میں تمہارے مقابلے میں نہیں ٹھہرنے دے گا.....

"اور مدائن کے محلات میں تخت نشینی پر جو قتل وغارت ہو رہی ہے وہ ہمارے حق میں جاتی ہے۔ قوم کے سرداروں میں جب تخت نشینی وجہ پیکار بن جاتی ہے تو فوج ایسی تلوار کی مانند ہو جاتی ہے جو بڑے ہی ڈھیلے اور کمزور ہاتھوں میں ہو۔"

"ہاں، ابن ولید!" ——— سالار عاصم بن عمرو نے کہا۔ "کسریٰ کے جن سالاروں نے فارس کے بچے ہوتے علاقوں میں اپنی فوج پھیلا دی ہے وہ سالار بھی تخت کے خواہشمند ہوں گے۔ وہ ہم پر فتح حاصل کر کے فارس کے تخت پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔"

"اگر ایسا ہوا تو فارس جلدی تباہ ہو گا" ——— سالار عدی بن حاتم نے کہا۔ "سالاروں کے دماغوں پر جب تخت وتاج سوار ہو جاتا ہے تو وہ اپنے ملک اور قوم کو بڑی جلدی تباہ کر دیتے ہیں۔"

"جب توجہ تخت کے تحفظ اور اپنی ذات پر مرکوز ہو جاتی ہے تو نگاہیں دشمن سے ہٹ جاتی ہیں" ——— خالدؓ نے کہا۔ "میں اِن حالات سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ اپنی فوج کو تیاری کی حالت میں رکھو۔ ہم آخری فیصلہ دومتہ الجندل کی صورتِ حال معلوم ہو جانے پر کریں گے۔"

☆

دومتہ الجندل کی صورتِ حال سالار عیاض بن غنم کے لیے مخدوش تھی۔ دومتہ الجندل اُس دور کا مشہور تجارتی مرکز تھا۔ آج کے عراق اور شام کی شاہراہیں یہیں آکر ملتی تھیں۔ رسولِ اکرمؐ نے تبوک پر چڑھائی کی تھی تو اِس دوران خالدؓ دومتہ الجندل تک پہنچے اور یہاں کے قلعے سے قلعہ دار اُکیدر بن مالک کو گرفتار کر کے رسولِ اکرمؐ کے حضور پیش کیا تھا۔

اُکیدر بن مالک نے اسلام تو قبول نہ کیا، رسول اللہؐ کی اطاعت قبول کر لی تھی لیکن حضورؐ کی وفات کے بعد ارتداد کا فتنہ اٹھا تو اس شخص نے مدینہ کی وفاداری ترک کر دی اور عیسائیوں اور بُت پرستوں کو ساتھ ملا کر اُن کا سردار بن گیا تھا۔ ابوبکرؓ نے اُکیدر بن مالک کی سرداری کو ختم اور اس کے زیرِ اثر غیر مسلم قبائل کو اپنے زیرِ نگیں کرنے کے لیے سالار عیاض بن غنم کو بھیجا تھا۔

عیاض تجربہ کار سالار تھے لیکن دومتہ الجندل پہنچے تو دیکھا کہ عیسائیوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ جو کلب کہلاتا تھا، اپنے علاقے کے دفاع کے لیے تیار تھا۔ یہ قبیلہ جنگ وجدل میں شہرت رکھتا تھا۔ عیاض نے قلعے کو محاصرے میں لے لیا لیکن عیسائیوں نے باہر سے مسلمانوں کو محاصرے میں لے لیا۔ عیاض کی فوج کو آگے بھی اور عقب میں بھی لڑنا پڑا۔ اس صورتِ حال نے جنگ کو ایسا طول دیا جو ختم ہوتا نظر نہیں آتا تھا اور یہ صورتِ حال عیاض کے لیے روز بروز مخدوش ہوتی جا رہی تھی۔

☆

خالدؓ کا بھیجا ہوا کماندار واپس آیا تو اُس نے خالدؓ کو بتایا کہ عیاض بن غنم کیسے آتے گا، اُسے تو خود مدد کی ضرورت ہے۔ کماندار نے دومتہ الجندل میں عیاض اور دشمن کی فوجوں کی پوزیشنیں تفصیل سے بیان کیں۔

"خدا کی قسم، میں یہاں انتظار میں فارغ نہیں بیٹھ سکتا" — خالدؓ نے پُرجوش آواز میں کہا۔ — "پیشتر اس کے کہ دشمن آگے آجاتے، میں آگے بڑھوں گا۔ مدائن کی شہر پناہ مجھے پکار رہی ہے .... کوچ کی تیاری کرو۔"

مشہور مورخوں طبری اور بلاذری نے لکھا ہے کہ خالدؓ کی خودسَری اور سرکشی مشہور تھی۔ وہ چین سے بیٹھنے والے سالار نہیں تھے۔ اس صورت میں کہ دشمن چار شکستیں کھا چکا تھا اور اُس کا نظام درہم برہم ہوگیا تھا اور مدائن کے شاہی ایوان میں ابتری پھیلی ہوتی تھی، خالدؓ فارغ بیٹھ ہی نہیں سکتے تھے۔

خالدؓ کا جاسوسی کا نظام بڑا تیز اور ذہین تھا۔ اس میں زیادہ تر وہ مسلمان تھے جو فارس میں غلاموں جیسی زندگی بسر کرتے رہے تھے۔ وہ ان علاقوں سے واقف تھے اور مختلف قبیلوں کی زبانیں سمجھ اور بول سکتے اور ان کا بہروپ دھار سکتے تھے۔ وہ مدائن کے محلّات کے اندر کی خبریں لے آتے تھے۔ اب اُنھوں نے خالدؓ کو خبریں دینی شروع کر دیں کہ فارس کی فوج کہاں کہاں موجود ہے اور کس جگہ کیا کیفیت ہے۔

ان کی اطلاعوں کے مطابق ایرانیوں کی فوج کی زیادہ تر نفری دو شہروں میں تھی۔ ایک تھا عین التمر اور دوسرا انبار۔ عین التمر حیرہ کے قریب تھا اور انبار اس سے دُگنے فاصلے پر آگے تھا۔ عین التمر دریائے فرات سے دُور ہٹ کر واقع تھا اور انبار فرات کے کنارے پر تھا۔ خالدؓ نے فیصلہ کیا کہ پہلے انبار پر حملہ کیا جاتے۔ یہ بھی تجارتی شہر تھا جس میں غلّے کے بہت بڑے بڑے ذخیرے تھے۔

جون ٦٣٣ء کے آخر (ربیع الاوّل ١٢ھ کے وسط) میں خالدؓ نے حیرہ سے کوچ کیا۔ اُن کے ساتھ اُن کی آدھی فوج یعنی نو ہزار نفری تھی جو حملے کے لیے بہت ہی تھوڑی تھی لیکن خالدؓ کو اللہ پر اور اپنی جنگی فہم و فراست پر بھروسہ تھا۔ وہ مفتوحہ علاقوں کو فوج کے بغیر نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ عیسائی اور دیگر قبیلوں نے اطاعت تو قبول کر لی تھی لیکن مسلمانوں کو بڑے تلخ تجربے ہوتے تھے۔ اطاعت قبول کرنے والے موقع ملتے ہی اطاعت سے منکر اور باغی ہو جاتے تھے۔ حیرہ میں خالدؓ نے قعقاع بن عمرو اور اقرع بن حابس کو چھوڑا تھا۔

یہاں ایک غلطی کی وضاحت ضروری ہے۔ دو چار تاریخ والوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ حیرہ میں سالار عیاض بن غنم کے انتظار میں ایک سال رُکے رہے۔ یہ غلط ہے۔ اُس دور کی تحریروں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ نے حیرہ میں پورا ایک مہینہ بھی انتظار نہیں کیا نہ اُنھوں نے امیر المسلمین کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ اُن کے حکم کے خلاف سالار عیاض کا انتظار کئے بغیر مدائن کی طرف پیشقدمی کر رہے ہیں۔

☆

خالدؓ اپنی نو ہزار سپاہ کے ساتھ فرات کے کنارے کنارے بڑی تیزی سے بڑھتے گئے۔ ان کے جاسوس مختلف بہروپوں میں دریا کے دوسرے کنارے پر آگے آگے جا رہے تھے۔ انبار سے تھوڑی دُور رہ گئے تو خالدؓ نے فرات عبور کیا اور اُس کنارے پر چلے گئے جس پر انبار واقع تھا۔ وہاں انھوں نے مختصر سا قیام کیا اور دو خط تحریر کراتے۔ ایک کسریٰ کے نام اور دوسرا مدائن کے حکام اور امراء وغیرہ کے نام۔ کسریٰ کے نام خالدؓ نے لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خالدؓ بن ولید کی جانب سے شاہِ فارس کے نام۔ میں شکر ادا کرتا ہوں اللہ کا جس نے تمہاری بادشاہی کو تہہ و بالا کر ڈالا ہے اور تمہاری عیاریوں کو کامیابی سے محروم رکھا ہے اور تم آپس میں ہی دست و گریباں ہو رہے ہو۔ اللہ اگر تمہیں مزید مہلت دیتا تو بھی گھاٹے میں تم ہی رہتے۔ اب تمہاری نجات کا ایک ہی راستہ ہے۔ مدینہ کی اطاعت قبول کر لو۔ اگر یہ منظور ہے تو میں شرائط طے کرنے کے لیے دوستوں کی طرح آؤں گا، پھر ہم تمہارے علاقے سے آگے نکل جائیں گے۔ اگر پس و پیش کرو گے تو تمہیں ایسی قوم کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑیں گے جسے موت اتنی ہی عزیز ہے جتنا تم زندگی کو عزیز رکھتے ہو۔"

خالدؓ نے مدائن کے حکام اور امرا کے نام لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خالدؓ بن ولید کی جانب سے فارس کے اُمراء کے نام۔ تمہارے لیے بہتر صورت یہی ہے کہ اسلام قبول کر لو۔ ہم تمہاری سلامتی اور تحفظ کے ذمہ دار ہوں گے۔ اسلام قبول نہ کرو تو جزیہ ادا کرو، ورنہ سوچ لو کہ تمہارا سامنا ایک ایسی قوم سے ہے جو موت کی اتنی ہی شیدائی ہے جتنے فریفتہ تم شراب پر ہو۔"

خالدؓ نے شاہِ فارس کے نام خط حیرہ کے رہنے والے ایک آدمی کے ہاتھ بھیجا اور امراء وغیرہ کے نام خط لے جانے والا انبار کا رہنے والا ایک آدمی تھا۔ کسی بھی مورخ نے ان دونوں آدمیوں کے نام نہیں لکھے۔

☆

انبار جس علاقے میں تھا وہ ساباط کہلاتا تھا۔ ساباط آج کل کے ضلعوں کی طرح تھا اور انبار اِس ضلعے کا سب سے بڑا شہر تھا۔ ساباط کا حاکم یا امیر شیرزاد تھا جو اُس وقت انبار میں مقیم تھا۔ وہ دانشمند اور عالم تھا۔ اُس میں عسکری صلاحیّت ذرا کم تھی، لیکن انبار میں فوج اتنی زیادہ تھی کہ اُسے عسکری سُوجھ بُوجھ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اپنی فوج کے علاوہ اُس کے ساتھ عیسائیوں کی بے شمار نفری تھی۔

اتنی زیادہ فوج کے علاوہ انبار کی شہر پناہ بڑی مضبوط تھی اور دفاع کا یہ انتظام بھی تھا کہ شہر کے اِردگرد گہری خندق تھی جس میں پانی تھا۔ اس طرح انبار کو ناقابلِ تسخیر شہر بنا دیا گیا تھا۔ خالدؓ کے لیے تو یہ اس لیے بھی ناقابلِ تسخیر تھا کہ اُن کی فوج کی کُل نفری نو ہزار تھی۔

انبار کے جاسوسوں نے مسلمانوں کی فوج کو شہر کی طرف آتے دیکھا تو انھوں نے شیرزاد کو جا بتایا، پھر سارے شہر میں خبر پھیل گئی کہ مدینہ کی فوج آ رہی ہے۔ شیرزاد دوڑا گیا اور دیوار

پر جا چڑھا۔ اُسے جاسوسوں نے مدینہ کی فوج کی نفری دس ہزار بتائی تھی۔

"نہیں، یہ دھوکہ ہے"۔۔۔ دیوار پر کھڑے شیرزاد نے مسلمانوں کی فوج کو دیکھ کر کہا ۔۔۔ "جنہوں نے ہماری اتنی زبردست فوج کو یکے بعد دیگرے چار لڑائیوں میں شکست دی ہے وہ اتنے احمق نہیں ہو سکتے کہ اتنے بڑے قلعہ بند شہر پر حملہ کرنے کے لیے اتنی قلیل فوج لائیں۔ یہ ان کی فوج کا ہراول ہوگا۔ اگر ہراول نہیں تو اتنی ہی فوج پیچھے آرہی ہوگی یا کسی اور سمت سے آرہی ہوگی"۔

شہر کے لوگوں میں افراتفری بپا ہو گئی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے بڑے دہشت ناک قصے سنے تھے۔ انہوں نے اپنی شکست خوردہ فوج کے زخمیوں کو اور میدانِ جنگ سے بھاگ کر آنے والوں کو دیکھا تھا۔ اُن کا خوف و ہراس بھی دیکھا تھا۔ پسپائی میں اپنے آپ کو حق بجانب ظاہر کرنے کے لیے انہوں نے لوگوں کو جنگ کے ایسے واقعات سناتے تھے جیسے مسلمان جن بھوت ہوں۔ اب وہ مسلمان اُن کے اتنے بڑے شہر کو محاصرے میں لینے کے لیے آگئے تھے۔ انہوں نے اپنے زیورات اور رقمیں اور اپنی جوان لڑکیاں چھپانی شروع کر دیں۔

شہر میں یہ خوف و ہراس اور بھگدڑ زیادہ دیر نہ رہی کیونکہ دیوار کے اوپر سے بلند آوازیں سنائی دینے لگی تھیں کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ وہ ساری عمر شہر کی دیوار تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ پھر دیوار کے اوپر قہقہے بلند ہونے لگے۔

"مسلمانو!"۔۔۔ آتش پرست مسلمانوں پر آوازے کس رہے تھے ۔۔۔ "تمہیں موت یہاں تک لے آئی ہے"۔

"زندہ رہنا ہے تو مدینہ کو لَوٹ جاؤ"۔

شہر پناہ پر تیراندازوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ مسلمانوں نے شہر کو محاصرے میں لے لیا تھا اور خندق نے انہیں روک لیا۔ طبری اور یاقوت لکھتے ہیں کہ خندق دیوار کے اتنا قریب تھی کہ اس کے قریب آنے والے اوپر سے چھوڑے ہوئے تیروں کی زد میں آجاتے تھے۔ ایسا نہ ہوتا تو بھی خندق کو پھلانگنا ممکن نہیں تھا۔ یہ بہت چوڑی تھی۔ تیرانداز مسلمانوں پر ہنس رہے تھے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں دیوار پر یوں کھڑے تھے جیسے مسلمانوں کا تماشہ دیکھ رہے ہوں۔

"خدا کی قسم!"۔۔۔ خالدؓ نے بڑی بلند آواز سے کہا ۔۔۔ "یہ لوگ نہیں جانتے جنگ کیا ہے اور کس طرح لڑی جاتی ہے"۔

مورخ لکھتے ہیں کہ انبار ہر لحاظ سے ناقابلِ تسخیر تھا لیکن خالدؓ کے چہرے پر پریشانی کا ہلکا سا بھی تاثر نہیں تھا۔ وہ پُرسکون تھے۔ رات کو انہوں نے اپنے خیمے میں اپنے سالاروں کو یقین دلایا کہ فتح انہی کی ہوگی لیکن قربانی بہت دینی پڑے گی۔ انہیں صرف یہ بات فتح کی امید دلا رہی تھی کہ شہر کی دیوار اتنی اونچی نہیں تھی جتنی قلعوں کی ہوا کرتی تھی۔

☆

صبح طلوع ہوتے ہی خالدؓ گھوڑے پر سوار ہوتے اور شہر کے اردگرد گھوڑا دوڑانے لگے۔ وہ دیوار اور خندق کا جائزہ لے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ انہیں ایک ہزار ایسے تیراندازوں کی ضرورت ہے جنہیں اپنے نشانے پر پورا پورا اعتماد ہو اور جن کے بازوؤں میں اتنی طاقت ہو کہ کمانوں کو کھینچیں تو کمانیں دوہری ہو جائیں اور عام تیراندازوں کی نسبت ان کے تیر بہت دُور جائیں۔

"جلدی"۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔ "بہت جلدی ہمیں شام تک اس شہر میں داخل ہونا ہے"۔

تھوڑی سی دیر میں ایک ہزار تیرانداز آ گئے۔ یہ چُنے ہوئے تھے اور سب کے سب جوان اور بڑے مضبوط جسموں والے تھے۔

"تم سب خندق تک اس طرح ٹہلتے ہوئے جاؤ کہ کمانیں تمہارے ہاتھوں میں لٹک رہی ہوں"۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔ "ایسا لگے جیسے تم ٹہلتے ٹہلتے خندق کے قریب چلے گئے ہو۔ جوں ہی خندق کے قریب جاؤ، نہایت تیزی سے ترکشوں سے تیر نکالو، کمانوں میں ڈالو اور دیوار پر کھڑے دشمن کے تیراندازوں کی آنکھوں کا نشانہ لے کر تیر چلاؤ۔ پیشتر اس کے کہ وہ جان سکیں کہ یہ کیا ہو گیا ہے، ایک ایک، اس کے بعد پھر ایک ایک تیر چلاؤ"۔

مورخ طبری کے مطابق خالدؓ نے حکم دیا تھا ۔۔۔ "صرف آنکھیں ..... صرف آنکھیں"۔

ایک ہزار تیرانداز خالدؓ کے حکم کے عین مطابق آہستہ آہستہ خندق تک گئے۔ دیوار پر دشمن کے سپاہی ہنس رہے تھے اور بے پروائی سے کھڑے تھے۔ انہیں مسلمانوں کا کوئی ارادہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ خندق کو پھلانگنے کی کوشش کریں گے۔ خندق کے قریب پہنچ کر ان ایک ہزار تیراندازوں نے اوپر دیکھا، ادھر اُدھر دیکھا، خندق میں دیکھا اور احمقوں کی سی حرکتیں کیں۔ آتش پرستوں کے تیراندازوں نے ان پر تیر چلانے کی ضرورت محسوس نہ کی حالانکہ مسلمان تیرانداز اُن کی زد میں تھے۔

اچانک مسلمان تیراندازوں نے ترکشوں میں سے ایک ایک تیر نکالا، پلک جھپکتے تیر کمانوں میں ڈالے، کمانیں آگے کر کے دشمن کی آنکھوں کے نشانے لیے اور تیر چھوڑ دیئے۔ ایک ہزار تیروں میں سے بیشتر آتش پرستوں کے تیراندازوں کی ایک ایک آنکھ میں اُتر گئے۔ معاً بعد مسلمان تیراندازوں نے ایک ہزار تیر چھوڑے، پھر ایک ہزار اور۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کا کوئی بھی تیر خطا نہیں گیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ زیادہ تیر دشمن کی آنکھوں میں لگے اور شہر میں یہ خبر تیز ہوا کی طرح پھیل گئی ۔۔۔ "ہمارے سینکڑوں سپاہیوں کی آنکھیں ضائع ہو گئی ہیں"۔۔۔ جب ان سینکڑوں سپاہیوں کو شہر پناہ سے اتارا گیا تو شہر کے لوگوں نے ہر ایک کی ایک ایک آنکھ میں تیر اُترا ہوا اور ان زخمیوں کو کربناک آہ وزاری کرتے دیکھا۔

ایک انگریز مبصر سر والٹر نے متعدد مورخوں کے حوالے سے لکھا ہے، "مسلمانوں کی طرف سے تین ہزار تیر اتنی تیزی سے چلے کہ آتش پرست اپنے آپ کو بچا ہی نہ سکے

اور تیر جن کی آنکھوں میں نہ لگے اُن کے چہروں میں اُتر گئے۔ چونکہ فارس کے یہ سپاہی اور اُن کی مدد کو آئے ہوئے عیسائی شہرپناہ پر گھنے ہجوم کی طرح کھڑے تھے اس لیے کوئی تیر ضائع نہ گیا۔ ہر تیر نے ایک ایک آدمی کو زخمی کیا۔

طبری کی تحریر کے مطابق انبار کے محاصرے کو "ذات العیون" یعنی آنکھوں کی تکلیف بھی کہا جاتا رہا ہے۔

مسلمانوں کے اِس وار نے شہر کے لوگوں پر ہی نہیں، فارس کی فوج پر بھی خوف طاری کر دیا۔ مسلمانوں نے تو جادو کا کرتب دکھا دیا تھا۔ ساباط کا آتش پرست حاکم شیرزاد دانش مند اور دور اندیش آدمی تھا۔ اُس نے بھانپ لیا کہ اُس کی فوج میں لڑنے کا جو جذبہ تھا وہ ماند پڑ گیا ہے۔ اُسے یہ احساس بھی تھا کہ اس کی فوج پہلی شکستوں کی بھی ڈری ہوئی ہے، چنانچہ مزید قتل و غارت کو روکنے کے لیے اُس نے خالدؓ سے صلح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے دو اُمرا کو قلعے کے باہر بھیجا۔

خندق کے قریب آکر ان دو امیروں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ کہاں ہے۔ خالدؓ کو اطلاع ملی تو وہ آ گئے۔

"ہمارے امیر شیرزاد نے ہمیں بھیجا ہے" ــــ شیرزاد کے بھیجے ہوئے دو آدمیوں میں سے ایک نے خالدؓ سے کہا ــ "ہم آپ سے صلح کرنا چاہتے ہیں لیکن ایسی شرائط پر جو ہمارے لیے قابلِ قبول ہوں۔ اگر صلح ہو جائے تو شیرزاد اپنی فوج کو ساتھ لے کر انبار سے چلا جائے گا۔"

"شیرزاد سے کہو کہ شرطیں منوانے کا وقت گزر گیا ہے" ــــ خالدؓ نے کہا ــ "اب شرطیں ہماری ہوں گی اور تم لوگ ہتھیار ڈالو گے۔"

دونوں آدمی واپس چلے گئے اور شیرزاد کو خالدؓ کا پیغام دیا۔ شیرزاد نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھا۔

"ہم اتنی جلدی ہتھیار نہیں ڈالیں گے" ــــ ایک سالار نے کہا۔

"ہمارے پاس فوج کی کمی نہیں" ــــ دوسرے سالار نے کہا ــ "مسلمان خندق سے آگے نہیں آ سکتے۔"

شیرزاد نے سر ہلایا۔ یہ ایسا اشارہ تھا جس سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ شہر کا دفاع جاری رکھنا یا خالدؓ کے پیغام پر غور کر کے کوئی اور فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔ اُس کے سالاروں نے اُس کے اشارے کو جنگ جاری رکھنے کا حکم سمجھا اور وہ شہرپناہ پر آ گئے۔ ایک ہزار مسلمان تیر انداز جنہوں نے انبار کے دو ہزار سے زائد سپاہیوں کی آنکھیں نکال دی تھیں، پیچھے ہٹ گئے۔

☆

خالدؓ نے شہر کے اردگرد ایک اور چکر لگایا۔ اب وہ صرف خندق کو دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے خندق پار کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی لیکن اتنی کم نہیں تھی کہ دُور

سے گھوڑا دوڑاتے لاتے اور وہ خندق پھاند جاتا۔ خالدؓ کے دماغ میں ایک طریقہ آ گیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اپنی فوج کے ساتھ جتنے اونٹ کمزور یا بیمار ہو گئے ہیں انہیں آگے لے آؤ۔ ایسے بہت سے اونٹ تھے جو پورا سامان اٹھانے کے قابل نہیں رہے تھے۔

خالدؓ کے حکم سے ان اونٹوں کو ذبح کر کے خندق میں اُس جگہ پھینکتے گئے جہاں خندق کم چوڑی تھی۔ اتنے اونٹ ذبح کر کے خندق میں ترتیب سے پھینک دیئے گئے کہ ایک پُل بن گیا۔

"اللہ نے تمہارے لیے گوشت اور ہڈیوں کا پُل بنا دیا ہے" ــــ خالدؓ نے بلند آواز سے کہا ــ "اب ہم خندق کے پار جا سکتے ہیں۔"

اونٹوں کا یہ پُل ہموار نہیں تھا۔ ان کے ڈھیر پر چلنا خطرناک تھا۔ پاؤں پھسلتے تھے لیکن گزرنا بڑی تیزی سے تھا۔ اشارہ ملتے ہی پیادہ مجاہدین کودتے پھلانگتے اس عجیب پُل سے گزرنے لگے۔ چند ایک مجاہدین پھسلے اور گرے اور وہ پانی میں سے نکل کر اونٹوں کی ٹانگیں گردنیں وغیرہ پکڑتے اوپر آ گئے۔

شہرپناہ سے دشمن کے تیر اندازوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ ادھر "آنکھیں پھوڑنے والے" مسلمان تیر اندازوں نے بڑی تیزی اور مہارت سے تیر اندازی جاری رکھی۔ اب ان کی تعداد ایک ہزار نہیں، خاصی زیادہ تھی۔ اونٹوں کے پُل سے گزرنے والوں میں سے کئی مجاہدین تیروں سے زخمی ہو رہے تھے لیکن وہ رُکے ہوئے سیلاب کی طرح خندق سے پار جاتے اور پھیلتے رہے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا یہ اقدام غیر معمولی طور پر دلیرانہ تھا۔ وہ زخمی تو ہوتے، شہید بھی ہوتے لیکن انبار کی فوج پر اس اقدام کا جو اثر ہُوا وہ اُس کے سپاہیوں کے لڑنے کے جذبے کے لیے مہلک ثابت ہو رہا تھا۔ اُن پر مسلمانوں کی دہشت پہلے ہی غالب تھی، اب انہوں نے مسلمانوں کا یہ عجیب طریقہ دیکھا کہ اپنے اونٹ ذبح کر کے پُل بنا دیا اور تیروں کی بوچھاڑوں میں اس پُل سے گزرنے لگے تو دیوار سے برسنے والے تیروں میں کمی آ گئی۔ دشمن کے تیر انداز زخمی ہو کر کم ہو رہے تھے اور اُن میں بھگدڑ کی کیفیت بھی پیدا ہو گئی تھی۔

خندق پھلانگنے والا صرف ایک دستہ تھا۔ اس دستے کا جوش و خروش اس وجہ سے بھی زیادہ تھا کہ خود خالدؓ ان کے ساتھ تھے اور سب سے پہلے مرے ہُوئے اونٹوں پر سے گزرنے والے خالدؓ تھے۔ تیر اُن کے دائیں بائیں سے گزر رہے تھے اور اُن کے قدموں میں زمین میں لگ رہے تھے مگر خالدؓ یوں بے پرواہ تھے جیسے اُن پر بارش کے قطرے گر رہے ہوں۔ اللہ اکبر کے نعروں کی گرج الگ تھی اور اس گرج میں اللہ کی رحمت اور برکت تھی۔

شہر کے لوگوں کا یہ عالم تھا کہ بھاگتے دوڑتے پھر رہے تھے۔ شہرپناہ سے اُن کے زخمی سپاہیوں کو اتارتے تھے تو لوگ اُن کی گردنوں میں، چہروں میں اور سینوں میں ایک ایک،

دو دو اور تین تین تیر اُترے ہُوئے دیکھتے تھے۔ زخمیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور شہر میں خوف وہراس زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔ لوگوں نے چلّانا شروع کر دیا ——"سمجھوتہ کر لو۔ صلح کر لو۔ دروازے کھول دو۔"

شیرزاد کے لیے یہ صورتِ حال بڑی ہی تکلیف دہ تھی۔ وہ دانشمند آدمی تھا۔ اُس نے جب لوگوں کی آہ وزاری سنی اور جب بچّوں اور عورتوں کو خوف کی حالت میں پناہوں کی تلاش میں بھاگتے دوڑتے دیکھا تو اُسے احساس ہُوا کہ یہ معصوم بےگناہ مارے جائیں گے۔ انہیں بچانے کا اس کے پاس ایک ہی ذریعہ تھا کہ ہتھیار ڈال دے۔ اُس نے اپنے سالارِ اعلیٰ کو بلا کر کہا کہ وہ مزید خون خرابہ روکنا چاہتا ہے۔

"نہیں" —— سالارِ اعلیٰ نے کہا ——"ابھی کوئی فیصلہ نہ کریں۔ مجھے ایک کوشش کر لینے دیں۔"
شیرزاد خاموش رہا۔

☆

سالارِ اعلیٰ شہرپناہ کے اُوپر اپنی سپاہ کی کیفیت دیکھ رہا تھا جو بڑی تیزی سے مخدوش ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ مسلمان خندق عبور کر آئے ہیں۔ اُس نے ایک جرأت مندانہ فیصلہ کیا۔ اس نے ایک دستہ چنے ہوئے سپاہیوں کا تیار کیا اور قلعے کا دروازہ کھول کر اس دستے کو باہر لے آیا۔ اس دستے نے اُن مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا جو خندق عبور کر آئے تھے۔ خندق کے دوسرے کنارے سے کھڑے مسلمانوں نے دشمن کے اِس دستے پر تیر چلانے شروع کر دیئے۔

اس دستے کا مقابلہ مسلمانوں کے ایسے دستے کے ساتھ تھا جس کے قائد خالدؓ تھے۔ مسلمانوں کے تیروں کی بوچھاڑوں سے آتش پرستوں کے دستے کی ترتیب اور یکسوئی ختم ہو گئی۔ خالدؓ نے اس دستے کو اس طرح لیا کہ اپنے دستے کو دیوار کی طرف رکھا تاکہ خندق کی طرف سے مسلمان تیرانداز دشمن پر تیر برساتے رہیں۔ خالدؓ اس دستے کو خندق کی طرف دھکیلنا چاہتے تھے۔

گھمسان کا معرکہ ہوا۔ آتش پرستوں کے کئی سپاہی خندق میں گرے اور باقیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اس دستے کے سالار نے اس ڈر سے دروازہ بند کرا دیا کہ مسلمان اندر آ جائیں گے۔ دروازہ بند ہوتے ہوتے دشمن کے اس دستے کے بچے کھچے سپاہی بھاگ کر اندر چلے گئے۔

خالدؓ شہرپناہ کا جائزہ لینے لگے۔ وہ مجاہدین کو اس دیوار پر چڑھانا چاہتے تھے جو آسان نظر نہیں آتا تھا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ دیوار کی دوسری طرف ایرانی فوج اور شہر کے لوگوں کی حالت کیا ہو چکی ہے۔

قلعے کا دروازہ ایک بار پھر کھُلا۔ اب دروازے میں صرف ایک آدمی نمودار ہُوا۔ اُس کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ اس نے ہاتھ اوپر کر کے بلند آواز سے کہا کہ وہ شہر کا ایلچی

ہے اور صلح کی بات کرنے نکلا ہے۔ اس کے ساتھ ہی شہرپناہ سے تیر برسنے بند ہو گئے۔

"اے آگ کے پُوجنے والے!" —— جب اُسے خالدؓ کے سامنے لے گئے تو خالدؓ نے اُس سے پوچھا ——"اب تُو کیا خبر لایا ہے؟ کیا زرتشت نے تم لوگوں سے نظریں پھیر نہیں لیں؟ کیا اب بھی تم لوگ اللہ کو نہیں مانو گے؟"

"اے اہلِ مدینہ! میں کسی اور سوال کا جواب نہیں دے سکتا" —— ایلچی نے کہا ——"میں حاکمِ ساباط شیرزاد کا ایلچی ہُوں۔ شیرزاد نے کہا ہے کہ تم لوگ اُسے اور اہلِ فارس کو شہر سے چلے جانے کی اجازت دے دو تو شہر تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔"

طبری اور واقدی لکھتے ہیں کہ خالدؓ یہ شرط بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اُنہوں نے ایک بار پھر شہر کی دیوار کی بلندی دیکھی اور سوچا کہ اس پر کس طرح چڑھا جا سکتا ہے لیکن بہت مشکل تھا۔

"حاکمِ ساباط شیرزاد سے کہو کہ خالدؓ بن ولید اُس پر رحم کرتا ہے" —— خالدؓ نے کہا ——"اُسے کہو کہ وہ فارس کے فوجیوں کو ساتھ لے کر شہر سے نکل جائے لیکن وہ اُن گھوڑوں کے سوا جن پر وہ سوار ہوں گے، اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جا سکیں گے۔ وہ اپنا سب مال اموال پیچھے چھوڑ جائیں گے اور وہ ہماری فوج کے سامنے سے گزریں گے.... اگر اُسے یہ شرط منظور نہ ہو تو اُسے کہنا کہ تیار ہو جائے اس تباہی کے لیے جو اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہو گی۔"

ایلچی واپس چلا گیا۔ خالدؓ نے شہر کے اردگرد اپنا حکم پہنچا دیا کہ تیراندازی روک لی جائے۔

☆

کچھ دیر بعد شہر کا دروازہ ایک بار پھر کھُلا۔ بہت سے سپاہی بڑی موٹی لکڑی کا ایک پانچ چھ گز چوڑا اور بہت لمبا تختہ اٹھائے باہر نکلے۔ تختے کے ساتھ رسّے بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے تختہ خندق کے کنارے پر کھڑا کیا اور رسّے پکڑ لیے۔ پھر یہ تختہ آہستہ آہستہ خندق پر گرنے لگا اور اس کا اوپر والا سرا خندق کے باہر والے کنارے پر جا پڑا۔ یہ پُل تھا جو شیرزاد اور اُس کی فوج کے گزرنے کے لیے خندق پر ڈالا گیا تھا۔

سب سے پہلے جو گھوڑا باہر آیا اس کی سج دھج بتاتی تھی کہ شاہی اصطبل کا گھوڑا ہے۔ اس کا سوار بلاشک وشبہ حاکمِ ساباط شیرزاد تھا۔ اُس کے پیچھے اُس کی بچی کھچی فوج باہر نکلی۔ پیادے بھی تھے سوار بھی۔ ان میں زخمی بھی تھے جو اپنے ساتھیوں کے سہارے چل رہے تھے۔ وہ اپنے مرے ہُوئے ساتھیوں کی لاشیں جہاں تھیں وہیں چھوڑ گئے تھے۔ یہ شکست خوردہ فوج ماتمی جلوس کی طرح جا رہی تھی اور مسلمان خاموشی سے اس جلوس کو دیکھ رہے تھے۔ کسی نے ان کا مذاق نہ اڑایا، پھبتی نہ کسی، فتح کا نعرہ نہ لگایا۔

خالدؓ گھوڑے پر سوار ایک طرف کھڑے دیکھ رہے تھے۔ وہ تھکے ہُوئے نظر

آتے تھے لیکن چہرے پر فتح کی رونق اور زبان پر اللہ کے شکرانے کے کلمات تھے — یہ جولائی ۶۳۳ء کا ایک دن تھا۔

جب آخری سپاہی بھی نکل گیا تو خالدؓ مجاہدین کے آگے آگے شہر کے دروازے میں داخل ہوتے۔ آگے شہر کے امراء اور روسا دست بستہ کھڑے تھے۔ شہر کے لوگوں کا شور و غل سنائی دے رہا تھا۔ اس طرح کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں — "وہ آگئے ہیں .... مسلمان آگئے ہیں .... بھاگو .... چھپ جاؤ۔"

خالدؓ گھوڑے سے اُترے۔ انبار کے امراء وغیرہ نے انہیں تحفے پیش کیے۔

"شہر کے لوگ ہم سے ڈر کیوں رہے ہیں؟" — خالدؓ نے امراء سے کہا — "انہیں کہو کہ ان پر کوئی الزام نہیں۔ ہم نے اس شہر کو فتح کیا ہے، شہر کے لوگوں کو نہیں۔ انہیں کہو کہ ہم امن اور دوستی لے کر آتے ہیں۔ ہم جزیہ ضرور لیں گے لیکن بلا وجہ کسی کی جان نہیں لیں گے۔ ہم کسی کی بیٹی پر اپنا حق نہیں جتائیں گے۔ کسی کے مال و دولت کو ہاتھ نہیں لگائیں۔ ہم صرف اُن کے مال اموال کو اپنے قبضے میں لیں گے جو ہم سے شکست کھا کر چلے گئے ہیں ..... جاؤ۔ اپنے لوگوں کو ہماری طرف سے امن اور سکون کا پیغام دو۔"

خالدؓ نے اپنی فوج کو ایک حکم تو یہ دیا کہ جو لوگ اُن کے خلاف لڑ کر چلے گئے ہیں اُن کے گھروں سے قیمتی سامان اٹھا کر ایک جگہ اکٹھا کر لیا جائے اور دوسرا حکم یہ کہ شہر میں گھوم پھر کر یہاں کے لوگوں کو دوستی اور امن کا تاثر دیا جائے اور یہ بھی کہ لوٹ مار نہیں ہوگی۔

شہر پناہ پر گدھ اُتر رہے تھے وہاں آتش پرست سپاہیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ شدید زخمی بیہوشی کی حالت میں اِدھر اُدھر پڑے ہوتے تھے۔ شہر کی فضا میں موت کی بو تھی۔

خالدؓ اُس مکان میں گئے جس میں شیرزاد رہتا تھا۔ وہ تو محل تھا۔ دنیا کی کون سی آسائش اور زیبائش تھی جو اس محل میں نہیں تھی۔ خالدؓ جو زمین پر سونے کے عادی تھے، حیران ہو رہے تھے کہ ایک انسان نے اپنے آپ کو دوسرے سے برتر سمجھنے کے لیے کتنی دولت خرچ کی ہے۔

خالدؓ نے حکم دیا کہ بیش قیمت اشیاء کو مالِ غنیمت میں شامل کر لیا جائے اور خزانہ ڈھونڈا جائے۔ خزانہ ملتے دیر نہ لگی۔ اس میں سونے اور ہیرے جواہرات کے انبار لگے ہوتے تھے۔

اردگرد کے قبیلوں کے سردار اطاعت قبول کرنے کے لیے خالدؓ کے پاس آنے لگے۔ خالدؓ نے جزیہ کی رقم مقرر کر کے اس کی وصولی کا حکم دیا۔ اس دوران جاسوسوں نے آ کر بتایا کہ فارس کی فوج عین التمر میں اکٹھی ہو گئی ہے اور اب مقابلہ بڑا سخت ہوگا۔

مدائن میں آتش پرست شہنشاہیت کا محل اُسی طرح کھڑا تھا جس طرح اپنے شہنشاہوں کی زندگی میں کھڑا رہتا تھا۔ یہ کسریٰ کا وہ محل تھا جسے جنگی طاقت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باہر والے دروازے کے دائیں اور بائیں دو ببر شیر بیٹھے رہتے تھے۔ یہ کسریٰ کی ہیبت اور دہشت کی علامت تھے لیکن یہ گوشت پوست کے نہیں، پتھروں کے تراشے ہوئے مجسّمے تھے۔ ان مجسّموں اور محل کے درمیان ایک مینار کھڑا تھا جو اوپر سے گول اور مینار کی گولائی سے زیادہ بڑا تھا۔ اُس جگہ الاؤ ہر وقت دہکتا رہتا تھا۔ جب یہ مینار تعمیر ہوا تھا اس کے اوپر پروہتوں نے یہ آگ جلائی تھی۔ کئی نسلیں پیدا ہوئیں اور اگلی نسلوں کو جنم دے کر دنیا سے رخصت ہو گئیں، یہ الاؤ دہکتا رہا۔ اس سے اٹھتا ہوا دُھواں محل کی فضا میں یوں منڈلاتا رہتا تھا جیسے زرتشت نے اس محل کو اپنی پناہ میں لے رکھا ہو۔

الاؤ اب بھی دہک رہا تھا۔ اُس کا دُھواں اب بھی کسریٰ کے محل کی فضا میں منڈلا رہا تھا لیکن ایسے لگتا تھا جیسے یہ دُھواں محل کو پناہ میں لینے کی بجائے خود پناہ ڈھونڈ رہا ہو۔ محل جو کبھی دوسروں کے لیے ہیبت کا نشان تھا، اب خود اُس پر ہیبت طاری تھی۔ اس کی شان و شوکت پہلے جیسی ہی لگتی تھی، جاہ و جلال بھی پہلے جیسا تھا مگر اس کے مکین اب صاف طور پر محسوس کرنے لگے تھے کہ اس محل پر آسیب کا اثر ہو گیا ہے۔ موت کی دبی دبی ہنسی کی سس سس دن رات سنائی دیتی تھی۔

ایک غیبی ہاتھ کسریٰ کے زوال کی داستان اُس کے خاندان کے خون سے لکھ رہا تھا۔ کہاں وہ وقت کہ اس تخت سے دوسروں کی موت کے پروانے جاری ہوتے تھے، کہاں یہ وقت کہ اُردشیر کے مرنے کے بعد اس تخت پر جو بیٹھتا تھا وہ پُراسرار طور پر قتل ہو جاتا تھا۔ دو چار سالار تھے جو فارس کی لرزتی ڈولتی ہوئی عمارت کو کچھ دیر اور تھامے رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ایران کی نوخیز حسینائیں اب بھی اس محل میں موجود تھیں مگر رقص کی ادائیں نہیں تھیں۔ ساز خاموش تھے۔ نغمے چُپ تھے۔ شراب کی بُو پہلے کی طرح موجود تھی مگر اس میں خُون کی بُو شامل ہو گئی تھی۔ پہلے یہاں عیش و عشرت کے لیے شراب پی جاتی تھی اب اپنے آپ کو فریب دینے اور تلخ حقائق سے فرار کی خاطر جام پر جام چڑھائے جا رہے تھے۔

اب مدائن کا محل تخت و تاج کے حصول کا میدانِ جنگ بن گیا تھا۔ درپردہ جوڑ توڑ ہو رہے تھے۔ اسی محل سے خالدؓ اور اُن کی سپاہ پر طنز کے یہ تیر چلے تھے کہ عرب کے بدّوؤں اور لٹیروں کو فارس کی شہنشاہی میں قدم رکھنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ وہ کبھی واپس نہ جانے کے لیے آتے ہیں۔ انہیں موت یہاں لے آئی ہے مگر اب فارسیوں کو خود اپنی شہنشاہی میں قدم جمائے رکھنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ دوسروں پر دہشت طاری کرنے والے تخت و تاج پر خالدؓ کی اور مدینہ کے مجاہدین کی دہشت طاری ہو گئی تھی۔

مدائن میں اب شکست اور پسپائی کے سوا کوئی خبر نہیں آتی تھی۔

جولائی ۶۳۴ء کے ایک روز مدائن میں آتش پرستوں کو اپنی ایک اور شکست کی خبر ملی۔ خبر لانے والا کوئی قاصد نہیں بلکہ حاکم ساباط شیرزاد تھا اور اُس کے ساتھ اُس کی شکست خوردہ فوج کے بے شمار سپاہی تھے۔ ان کا استقبال کسریٰ کے نامور سالار بہمن جاذویہ نے کیا۔ ان کی حالت دیکھ کر ہی وہ جان گیا کہ بہت بُری شکست کھا کر آئے ہیں۔

"شیرزاد!" — بہمن جاذویہ نے کہا — "تمہارے پاس ہتھیار بھی نہیں۔ میں تم سے کیا پوچھوں؟"

"تمہیں پوچھنا بھی نہیں چاہیئے" — شیرزاد نے تھکی ہاری آواز میں کہا — "تم بھی تو اُن سے لڑے تھے؟ کیا تم پسپا نہیں ہُوئے تھے؟"

"کیا تم قلعہ بند نہیں تھے؟" — بہمن جاذویہ نے کہا — "قلعے کے ارد گرد خندق تھی۔ مسلمان اُڑ تو نہیں سکتے۔ اتنی چوڑی خندق اُنہوں نے کیسے عبور کر لی تھی؟"

شیرزاد نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں نے اُسے کس طرح شکست دی ہے۔

"میرے سالار نااہل اور بزدل نکلے" — شیرزاد نے کہا — "اور مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے عیسائیوں پر بھروسہ کیا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ زبردست لڑاکے ہیں لیکن انہیں معلوم ہی نہیں کہ لڑائی ہوتی کیا ہے۔"

"تم شاید یہ نہیں دیکھ رہے کہ تم پسپا ہو کر مسلمانوں کو اپنے پیچھے لا رہے ہو" — بہمن جاذویہ نے کہا — "اور تمہیں یہ معلوم نہیں کہ مدائن میں کیا ہو رہا ہے.... شاہی خاندان تخت کی وراثت پر آپس میں لہولہان ہو رہا ہے۔ فارس کی آبرو کے محافظ ہم دو چار سالار رہ گئے ہیں۔"

"اور جب تخت سالاروں کی تحویل میں آجائے گا تو وہ شاہی خاندان کی طرح ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے" — شیرزاد نے کہا اور رازداری کے لہجے میں کہنے لگا — "کیا تم ابھی تک محسوس نہیں کر سکے کہ فارس کی شہنشاہی کا زوال شروع ہو چکا ہے؟ کیا ہمارا سورج ڈوب نہیں رہا؟"

"شیرزاد!" — بہمن جاذویہ نے کہا — "اُس حلف کو نہ بھولو جو ہم نے زرتشت کے نام پر اٹھایا تھا کہ ہم فارس کو دشمن سے بچانے کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں گے.... تم نے غلطی کی ہے جو یہاں چلے آئے ہو۔"

"کہاں جاتا؟"

"عین التمر!" — بہمن جاذویہ نے کہا — "عین التمر ابھی محفوظ ہے، بلکہ یہ ہمارا ایک مضبوط اڈہ ہے۔ قلعہ دار مہران بن بہرام لڑنا اور لڑانا جانتا ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ اُس نے چند ایک بدّی قبیلوں کو بھی عین التمر میں اکٹھا کر لیا ہے۔ اگر مسلمانوں نے اُدھر کا رُخ کیا تو ایسے ہی ہو گا جیسے وہ پہاڑ سے ٹکرائے ہوں۔ اُن میں پسپا ہونے کی بھی ہمّت نہیں ہو گی۔ وہ مسلسل لڑتے آرہے ہیں۔ وہ جنات تو نہیں۔ آخر انسان ہیں۔ اُن میں پہلے والا دم خم نہیں رہا۔"

"لیکن میں نے انہیں تازہ دم پایا ہے" — شیرزاد نے کہا — "میں نے ان میں تھکن اور کم ہمتی کے کوئی آثار نہیں دیکھے.... اور بہمن! مجھے شک ہوتا ہے جیسے وہ نشے میں بدمست تھے۔ ایسی بے جگری سے وہی لڑ سکتا ہے جس نے کوئی نشہ پی رکھا ہو۔"

"میں یہ نہیں کہوں گا کہ اُن کا عقیدہ صحیح ہے" — بہمن جاذویہ نے کہا — "لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ ان پر اپنے عقیدے کا نشہ طاری ہے۔ ہم اپنی سپاہ میں یہ ذہنی کیفیت پیدا نہیں کر سکے۔"

"تم کہہ رہے تھے کہ مجھے عین التمر چلے جانا چاہیئے تھا" — شیرزاد نے کہا — "کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ میں تمہارے ساتھ رہوں اور اپنی سپاہ کو منظم کر لیں پھر مسلمانوں پر جوابی حملے کی تیاری کریں؟"

"اب تمہارا عین التمر جانا ٹھیک بھی نہیں" — بہمن جاذویہ نے کہا — "ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا پڑے گا۔"

o

عین التمر انبار کے جنوب میں فرات کے مشرقی کنارے سے کئی میل دُور ہٹ کر انبار کی طرح ایک بڑا تجارتی مرکز ہُوا کرتا تھا۔ آج صرف ایک چشمہ اُس کی نشانی رہ گئی ہے۔ اُس زمانے میں اس شہر کا تجارتی رابطہ دنیا کے چند ایک دوسرے مُلکوں کے ساتھ بھی تھا۔ قلعہ مضبوط اور شاندار تھا۔ وہاں کا حاکم اور قلعہ دار ایک فارسی سالار مہران بن بہرام چوبین تھا۔

مہران دیکھ رہا تھا کہ مسلمان فارس کی فوج کو ہر میدان میں شکست دیتے آرہے ہیں اور جو قلعہ اُن کے راستے میں آتا ہے وہ ریت کا گھروندا ثابت ہوتا ہے۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو شکست دے کر فارس کی تاریخ میں نام پیدا کرے گا۔ اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ فارس کی فوج مسلمانوں کو روکنے میں نہ صرف ناکام رہی ہے بلکہ سپاہیوں نے اپنے اُوپر مسلمانوں کی دہشت طاری کر لی ہے۔ اس خطرے کو ختم کرنے اور اپنی نفری بڑھانے کے لیے اُس نے عیسائی اور دیگر عقیدوں کے قبیلوں کو عین التمر میں اکٹھا کر لیا تھا۔

ان میں بنی تغلب، نمر اور ایاد کے قبیلے خاص طور پر قابلِ ذکر تھے۔ یہ سب عرب کے بدّو تھے۔ ان کے سردار عقہ بن ابی عقہ اور ہذیل تھے۔ یہ دونوں اُس وقت کے مانے ہوئے جنگجو تھے۔ یہ قبیلے کسریٰ کی رعایا تھے۔ ایک تو وہ خود اپنے آقاؤں کو خوش کرنا چاہتے تھے، دوسرے یہ کہ مہران بن بہرام نے انہیں بہت زیادہ انعام اور مراعات دینے کا وعدہ کیا تھا اور فارس سے وفاداری کی تیسری وجہ یہ تھی کہ ان قبیلوں کے سرداروں اور دیگر بڑوں کو احساس تھا کہ مسلمان صرف ملک فتح کرنے نہیں آئے بلکہ وہ اُن کے عقیدوں پر حملہ کرنے آئے ہیں اور اُن پر اپنا عقیدہ مسلّط کریں گے۔

اُس رات عین التمر میں بہت بڑی ضیافت دی گئی۔ یہ جشن کا سماں تھا۔ ایران کی بڑی حسین ناچنے اور گانے والیاں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ یہ ضیافت ان بدوی قبیلوں کے سرداروں اور سرکردہ افراد کے اعزاز میں دی گئی تھی۔ شراب پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ اِن بدّوؤں نے ایسی ضیافت اور ایسی عیاشی کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ بڑی خوبصورت اور جوان عورتیں انہیں شراب پلا رہی تھیں اور اُن کے ساتھ فحش حرکتیں بھی کر رہی تھیں۔

مؤرّخوں نے لکھا ہے کہ اس کیفیّت میں جب اُن پر شراب اور عورت کا نشہ طاری تھا، بدوی قبیلوں کے ایک سردار عقہ بن ابی عقہ نے مہران بن بہرام سے کہا کہ وہ اپنی فوج کو پیچھے رکھے اور بدوی قبیلے آگے جا کر مسلمانوں کو عین التمر سے دُور جا کر روکیں گے۔

"اگر تم ایسا ہی بہتر سمجھتے ہو تو میں اعتراض نہیں کروں گا" — مہراں بن بہرام نے کہا — "لیکن مجھے ڈر ہے کہ تمھارے قبیلے ہماری فوج کے بغیر نہیں لڑ سکیں گے۔"

"ہم عربی ہیں" — عقہ نے کہا — "عربوں سے لڑنا صرف ہم جانتے ہیں۔ عرب کے اِن مسلمانوں سے ہمیں لڑنے دو۔ فارسیوں نے ان کے مقابلے میں آکر دیکھ لیا ہے۔"

مشہور مؤرّخ طبری نے مہراں اور عقہ کی یہ گفتگو اُن ہی کے الفاظ میں اپنی تاریخ میں شامل کی ہے۔

"میں تسلیم کرتا ہوں" — مہراں بن بہرام نے کہا — "تمھاری بہادری کو میں تسلیم کرتا ہوں عقہ! جس طرح ہم عجمیوں کے خلاف لڑنے کے ماہر ہیں اسی طرح تم عربوں کے خلاف لڑنے کی مہارت رکھتے ہو۔ تم ان عربی مسلمانوں کو کاٹ پھینکنے کے لیے آگے چلے جاؤ۔ میری فوج تمھارے قریب ہی کہیں موجود ہو گی۔ جوں ہی ضرورت پڑی ہم تمھاری مدد کو پہنچ جائیں گے۔"

رات گزر گئی۔ صبح فارس کی فوج کے دو سالار مہراں بن بہرام کے پاس گئے:

"رات کو ہم نے آپ کی اور عقہ کی بات چیت میں دخل دینا مناسب نہ سمجھا" — ایک سالار نے کہا — "ہم نے بولنے کی ضرورت اس لیے بھی نہ سمجھی کہ رات کو یہ بات چیت نشے کی حالت میں ہو رہی تھی۔"

"میں پوری طرح ہوش میں تھا" — مہراں نے کہا — "کہو، کیا کہنا چاہتے ہو!"

"آپ نے ان بدوی قبیلوں کو جو اہمیّت دی ہے یہ ہمارے لیے اچھی نہیں" — سالار نے کہا۔

"کیوں اچھی نہیں؟"

"اس سے ان قبیلوں کو یہ تاثر ملا ہے کہ ہم مسلمانوں سے ڈرتے ہیں" — سالار نے جواب دیا — "یا یہ کہ ہم کمزور ہیں۔ یہ لوگ اتنی اہمیّت کے قابل نہیں۔"

"اگر بدوی قبیلوں نے مسلمانوں کو شکست دے دی" — دوسرے سالار نے کہا — "تو کہا جائے گا کہ یہ فتح ان قبیلوں کی ہے اور اگر یہ نہ ہوتے تو ہم ایک اور شکست سے دوچار ہوتے۔"

"میں نے انہیں جو اہمیّت دی ہے یہ آخر تمھیں ملے گی" — مہراں نے کہا — "کیا تم تسلیم نہیں کرتے کہ ہم پر حملہ کرنے وہ شخص آرہا ہے جس نے ہمارے نامور سالاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور اُس (خالدؓ) نے فارس کی شہنشاہی کی بنیادیں ہلا ڈالی ہیں؟ میں اس اعتراف سے نہیں شرماؤں گا کہ تم خالدؓ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں نے کچھ سوچ کر ان بدوی قبیلوں کو آگے جانے کی اجازت دی ہے۔ اگر انہوں نے مسلمانوں کو شکست دے دی تو یہ تمھاری فتح ہو گی۔ یہ بدوی قبیلے ہماری رعایا ہیں۔ اگر یہ مسلمانوں کو شکست نہ دے سکے اور پسپا ہو گئے تو ہم مسلمانوں پر اس حالت میں حملہ کریں گے کہ وہ تھک کر چُور ہو چکے ہوں گے اور ہماری فوج تازہ دم ہو گی۔"

دونوں سالاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اُن کے چہروں پر رونق آگئی تھی۔ اپنے حاکم کی یہ چال انہیں بہت پسند آئی تھی۔

○

خالدؓ مجاہدین کے لشکر کو لے کر عین التمر کی طرف جا رہے تھے۔ اُنہوں نے دریائے فرات عبور کیا اور بڑی تیز رفتار سے دریا کے کنارے پیشقدمی جاری رکھی۔ انہوں نے دیکھ بھال کے لیے جو آدمی آگے بھیج رکھے تھے، وہ اپنی اطلاعیں قاصدوں کے ذریعے بھیج رہے تھے۔

انبار میں خالدؓ اپنے ایک نائب سالار زبرقان بن بدر کو چھوڑ آتے تھے۔

عین التمر دس میل دُور رہ گیا تھا جب جاسوس اور دیکھ بھال کرنے والے دوسرے آدمی پیچھے آگئے۔ اُنہوں نے خالدؓ کو اطلاع دی کہ ذرا ہی آگے ایک بہت بڑا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے اور یہ لشکر فارس کا نہیں بلکہ بدوی قبیلوں کا ہے۔ اس لشکر کا سالارِ اعلیٰ عقہ بن ابی عقہ اور اُس کا نائب ہذیل ہے۔

خالدؓ نے اپنے لشکر کو روک لیا اور خود آگے دیکھنے گئے۔ اُنہوں نے چھپ کر دیکھا۔ انہیں کسریٰ کی فوج کہیں بھی نظر نہ آئی۔ یہ لشکر بدوی قبیلوں کا تھا۔ خالدؓ کا لشکر ابھی کُوچ کی ترتیب میں تھا جو دراصل ترتیب نہیں تھی۔ منزل ابھی دس میل دُور تھی۔ ابھی لشکر قافلے کی صورت چلا آرہا تھا۔ عین التمر پہنچ کر شہر کو محاصرے میں لینا تھا لیکن راستے میں ایک انسانی دیوار آگئی جو مسلمانوں کے لیے غیر متوقع تھی۔ مؤرخوں نے ان قبیلوں کی تعداد نہیں لکھی سوائے اس کے کہ وہ تعداد میں مدینہ کے مجاہدین سے خاصے زیادہ تھے۔ عین التمر کی اپنی فوج اس تعداد کے علاوہ تھی۔ اس طرح مسلمانوں کا مقابلہ کم از کم تین گنا طاقتور دشمن سے تھا۔

خالدؓ نے فوراً اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے کی طرح خود قلب میں رہے اور اپنے دونوں تجربہ کار سالاروں عاصمؓ بن عمرو اور عدیؓ بن حاتم کو دائیں اور بائیں پہلوؤں میں رکھا۔ خالدؓ نے تمام سالاروں کو اپنے پاس بلایا۔

"ہماری ترتیب وہی ہے جو آمنے سامنے کے معرکے میں ہُوا کرتی ہے" — خالدؓ نے سالاروں سے کہا — "لیکن لڑنے کا طریقہ مختلف ہو گا۔ اب قلب سے حملہ نہیں ہو گا۔ میرا اشارہ ملتے ہی دونوں پہلو دشمن کے پہلوؤں پر ہلّہ بول دیں اور وہاں دشمن کو پوری طرح الجھا لیں۔ تھوڑی دیر بعد اس طرح پیچھے ہٹیں کہ دشمن کو یہ تاثر ملے کہ تم پسپا ہو رہے ہو۔ تھوڑا سا پیچھے آکر پھر آگے بڑھو اور پھر پیچھے ہٹو۔ اس طرح دشمن کے پہلوؤں کو آپس میں اُلجھائے رکھنا کہ اپنے قلب کی انہیں ہوش نہ رہے۔ میں سیدھا دشمن کے قلب پر حملہ کروں گا لیکن کچھ دیر بعد۔ تم دونوں اس کوشش میں رہنا کہ دشمن کے پہلوؤں سے اُس کے قلب کو مدد نہ مل سکے۔"

"ولید کے بیٹے!" — دشمن کی طرف سے للکار سنائی دی — "آنکھیں کھول.... دیکھ تیری موت تجھے کس کے سامنے لے آئی ہے.... میں عقہ ہوں.... عقہ بن ابی عقہ!"

"ولید کا بیٹا دیکھ چکا ہے" — خالدؓ نے گھوڑے پر سوار ہو کر اور رکابوں میں کھڑے ہو کر للکار کا جواب دیا — "تیری مکروہ آواز سُنے بغیر دیکھ لیا ہے.... کیا کسریٰ کے سالاروں نے محل میں ناچنا اور گانا شروع کر دیا ہے کہ اُن کی لڑائی تم لڑنے آگئے ہو؟"

"ابنِ ولید!" — عقہ کی للکار بلند ہُوئی — "کیا تو زندہ واپس جانے کا خواہش مند نہیں؟"

"میں زندہ واپس جاؤں گا"۔۔۔ خالدؓ نے گلا پھاڑ کر کہا۔۔۔ "خدا کی قسم! تیرے سر کو تیرے جسم سے الگ کر کے جاؤں گا۔"

خالدؓ اپنے سالاروں کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ربِ کعبہ کی قسم!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "میں عقہ کو زندہ پکڑوں گا پھر اسے زندہ نہیں رہنے دوں گا.... تم سب اپنے اپنے دستوں تک پہنچو اور سب کو بتاؤ کہ آج تمہارا مقابلہ دو فوجوں کے ساتھ ہے۔ ایک یہ فوج ہے جو تمہارے سامنے سیاہ پہاڑ کی مانند کھڑی ہے اور ایک وہ فوج ہے جو شہر کے اندر ہے یا کہیں روپوش ہے اور نہ جانے کس طرف سے تم پر حملہ کر دے گی۔ سب کو بتا دو کہ آج جس نے پیٹھ دکھائی وہ اللہ کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ مدینہ کے مجاہدین مسلسل لڑ رہے تھے اور کوچ کر رہے تھے اور اُن کی تعداد بھی کم تھی۔ عین التمر میں دشمن کو للکار کر خالدؓ بظاہر غلطی کر رہے تھے لیکن خالدؓ کے چہرے پر سنجیدگی ضرور تھی، پریشانی کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی۔ انہیں دشمن للکار رہا تھا۔

خالدؓ نے اشارہ دے دیا۔ ایک پہلو سے سالار عاصم بن عمرو اور دوسرے پہلو سے سالار عدی بن حاتم نے بدوی قبیلوں کے لشکر کے پہلوؤں پر حملہ کر دیا۔ عقہ بن ابی عقہ اپنے لشکر کے قلب میں تھا اور اس کی نظر مسلمانوں کے قلب پر تھی جہاں خالدؓ تھے۔ اُسے توقع تھی کہ دستور کے مطابق سامنے سے قلب کے دستے حملہ کریں گے مگر خالدؓ دستور سے ہٹ گئے تھے۔

دونوں فوجوں کے پہلو جب گتھم گتھا ہوتے تو تھوڑی سی دیر میں اپنی اُڑائی ہوئی گرد میں چھپ گئے۔ اِس گرد سے گھوڑوں کے ہنہنانے، تلوار اور ڈھالوں کے ٹکرانے کی مہیب آوازیں اور زخمیوں کی کربناک صدائیں اُٹھ رہی تھیں۔ ایک قیامت تھی جو گرد کے اندر بپا تھی۔

پہلوؤں کے دونوں سالاروں نے خالدؓ کی ہدایت کے مطابق اپنے دستے پیچھے ہٹائے تو بدوی قبیلے اس خوش فہمی میں مسلمانوں کے پیچھے آ گئے کہ مسلمان پسپا ہو رہے ہیں۔ وہ جوش و خروش سے نعرے لگا رہے تھے لیکن مسلمان رُک گئے اور انہوں نے دشمن پر ایسا دباؤ ڈالا کہ وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ مسلمان ایک بار پھر پیچھے ہٹنے لگے۔ بدوی پھر اُن کے پیچھے آ گئے۔ اس طرح مسلمانوں نے دشمن کے پہلوؤں کو ایسا الجھایا کہ انہیں اپنے قلب کی ہوش نہ رہی۔ گرد اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ اس کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ خالدؓ بڑی غور سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کی نظر عقہ پر تھی جو (مؤرخ بلاذری اور طبری کے مطابق) یہ دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کا قلب کیوں آگے نہیں بڑھتا۔ مسلمانوں کے قلب کے دستوں کا انداز کچھ ایسا ڈھیلا ڈھالا سا تھا جیسے وہ حملہ نہیں کرنا چاہتے۔

عقہ بن ابی عقہ نے جب مسلمانوں کے قلب کے دستوں کو اس لاتعلقی کی سی حالت میں دیکھا تو اُس نے مسلمانوں کے پہلوؤں کے دستوں کو کچلنے کے لیے قلب سے خاصی نفری اپنے پہلوؤں کی مدد کے لیے بھیج دی۔ خالدؓ اسے اسی دھوکے میں لانا چاہتے تھے جس میں وہ آ گیا۔ خالدؓ نے اپنے محافظوں کو ساتھ رکھا۔ انہیں وہ بتا چکے تھے کہ عقہ کو زندہ پکڑنا ہے۔ خالدؓ نے قلب کے دستوں کو دشمن کے قلب پر حملے کا اشارہ دے دیا۔

عقہ کے لیے یہ حملہ اچانک اور غیر متوقع تھا۔ خالدؓ نے اپنے محافظوں سے عقہ اور اُس کے محافظوں کو گھیرے میں لے لیا۔ عقہ کے محافظ بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں کو وہ قریب نہیں آنے دے رہے تھے۔ عقہ ان کے درمیان میں تھا۔ مسلمانوں کے دستوں نے بدوی قبائلیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ عقہ بھاگ نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سامنے آ عقہ!"۔۔۔ خالدؓ نے اُسے للکارا۔۔۔ "تُو مجھے قتل کرنا چاہتا تھا۔"

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے کمند پھینک کر عقہ کو پکڑ لیا لیکن مؤرخوں کی اکثریت کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ عقہ خالدؓ کی للکار پر مقابلے میں آ گیا۔ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ عقہ کو تاریخ نے ماہر جنگجو اور تیغ زن قرار دیا ہے۔ مستند یہی ہے کہ خالدؓ اور عقہ کے درمیان بڑا سخت مقابلہ ہوا۔ خالدؓ کو اللہ کے رسولؐ نے "اللہ کی تلوار" کا خطاب عطا کیا تھا۔ انہوں نے عقہ کا ہر دار بچایا اور موقع کی تلاش میں رہے۔ انہیں جوں ہی موقع ملا، عقہ کو گھوڑے سے گرا دیا۔ خالدؓ اپنے گھوڑے سے کود کر اُترے۔ عقہ ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ خالدؓ کی تلوار کی نوک عقہ کے پہلو کے ساتھ لگ چکی تھی۔ اُس کے ساتھ ہی خالدؓ کے تین چار محافظوں نے برچھیوں کی انّیاں عقہ کے جسم کے ساتھ لگا دیں۔

عقہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اُس کے کئی محافظ ہلاک اور زخمی ہو چکے تھے۔ جو بچ گئے وہ بھاگ اُٹھے۔ فوراً یہ خبر تمام بدوی قبائلیوں تک پہنچ گئی کہ اُن کا سردارِ اعلیٰ عقہ ہتھیار ڈال چکا ہے۔ یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ عقہ مارا گیا ہے۔ ادھر مسلمانوں کے سالار عاصم اور عدی دشمن کے پہلوؤں کے دستوں کا بہت نقصان کر چکے تھے۔ اس خبر کے ساتھ ہی کہ عقہ پکڑا گیا یا مارا گیا ہے، پہلوؤں کے سپاہی پسپا ہونے لگے۔

تھوڑی دیر تک صورتِ حال یہ ہو گئی کہ بدوی ایک ایک دو دو، عین التمر کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔

عقہ خالدؓ کا قیدی تھا لیکن وہ پریشان نہیں تھا۔ اُسے توقع تھی کہ عین التمر کی فارسی فوج اُس کی مدد کے لیے پابرکاب ہو گی اور آ ہی رہی ہو گی۔ وہ مسلمانوں کی حالت دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ مسلمان تھک کر نڈھال ہو چکے تھے۔ خالدؓ نے اپنے قاصدوں کو بلایا۔

"تمام سالاروں اور کمانداروں کو پیغام دو کہ بدوی لشکر کی پسپائی کو ابھی اپنی فتح نہ سمجھیں"۔۔۔ خالدؓ نے قاصدوں سے کہا۔۔۔ "ابھی مالِ غنیمت کی طرف بھی نہ دیکھیں۔ ایک اور فوج آ رہی ہے۔ وہ تازہ دم ہو گی۔ اس کے مقابلے کے لیے تیار رہو۔"

یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ مہران بن بہرام کی فوج کس طرف سے آئے گی یا وہ عین التمر میں قلعہ بند ہو کر لڑے گی۔ اس فوج پر نظر رکھنے کے لیے مثنیٰ بن حارثہ اپنے چھاپہ مار دستے کے ساتھ عین التمر تک کے علاقے میں موجود اور متحرک تھا۔ اُس نے خالدؓ کو بار بار یہی ایک پیغام بھیجا تھا کہ آتش پرستوں کی فوج کہیں بھی نظر نہیں آ رہی۔ پھر اُس کا یہ پیغام خالدؓ تک پہنچا کہ عقہ کے قبائلی خوف و ہراس کی حالت میں بھاگ بھاگ کر عین التمر میں پناہ لے رہے ہیں۔

مثنیٰ بن حارثہ کے چھاپہ مار بھاگنے والے بدوی قبائلیوں کا تعاقب کر کے انھیں مار رہے تھے۔
جب عقہ کے پہلے چند ایک آدمی عین التمر میں داخل ہوئے تو انہیں مہران کے پاس لے گئے۔
"تم موت سے بھاگ کر آئے ہو" — مہران نے انہیں کہا — "کیا تم نہیں جانتے تھے کہ یہاں بھی تمھارے لیے موت ہے؟" — اُس نے حکم دیا۔ "لے جاؤ ان بزدلوں کو اور انھیں قتل کر دو"۔
"کس کس کو قتل کرو گے؟" — ایک بدوی نے پوچھا۔
"پہلے عقہ کو قتل کرو جس نے ہتھیار ڈال کر سارے لشکر میں بزدلی پھیلائی" — دوسرے نے کہا۔
"مسلمانوں نے جس طرح حملے کیے انہیں ہمارے سردار سمجھ ہی نہ سکے" — ایک اور نے کہا۔
اُنھوں نے میدانِ جنگ کی صُورتِ حال ایسے رنگ میں پیش کی کہ مہران گھبرا گیا۔ مسلمانوں کے لڑنے کے جذبے اور جوش وخروش کو اُنھوں نے مبالغے سے بیان کیا اور بتایا کہ اپنا لشکر جو مسلمانوں کے ہاتھوں کٹنے سے بچ گیا ہے، شہر کی طرف بھاگا آ رہا ہے۔
"تو کیا ہمارے لیے یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم مسلمانوں کو وہاں لے جا کر کاٹیں جہاں ان کا دم ختم ہو چکا ہو؟" — مہران بن بہرام نے اپنے سالاروں سے کہا — "پھر وہ پسپا ہونے کے بھی قابل نہیں رہیں گے؟"
"کیا سوچ کر آپ نے یہ بات کہی ہے؟" — ایک سالار نے کہا — "اتنا بڑا شہر چھوڑ کر ہم چلے جائیں گے تو یہ پسپائی ہو گی۔ یہ کہیں کہ آپ پر مسلمانوں کا خوف طاری ہو گیا ہے اور آپ یہاں سے بھاگنا چاہتے ہیں"۔
"جو میں سوچ سکتا ہوں وہ تم نہیں سوچ سکتے" — مہران نے شاہانہ رعب سے کہا — "میں یہاں کا حاکم ہوں۔ جاؤ اور میرے اگلے حکم کا انتظار کرو"۔
سالار خاموشی سے چلے گئے۔ وہ سالار تھے۔ شہر کا دفاع اُن کی ذمہ داری تھی۔ وہ مسلمانوں کو شہر پیش کرنے کی بجائے لڑ کر مرنا بہتر سمجھتے تھے۔ اُنھوں نے آپس میں طے کر لیا کہ وہ مہران کا یہ حکم نہیں مانیں گے لیکن میدانِ جنگ سے بھاگ کر آنے والے بنی تغلب، نمر اور ایاد کے آدمی ٹولیوں میں شہر کے دروازے میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ دس میل کی مسافت طے کر کے آئے تھے جو انھوں نے خوف اور بھگدڑ کی کیفیت میں طے کی تھی۔ ان میں بعض زخمی تھے۔
"کاٹ دیا... سب کو کاٹ دیا" — وہ گھبراہٹ کے عالم میں کہہ رہے تھے — "ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ بڑے زبردست ہیں"۔
"عقہ بن ابی عقہ مارا گیا ہے" — وہ شہر پر خوف طاری کر رہے تھے — "ھذیل لاپتہ ہے"۔
"دروازے بند کر دو" — بعض چلّا رہے تھے — "وہ آ رہے ہیں"۔
مورخوں نے لکھا ہے کہ زرتشت کے پجاریوں پر پہلے ہی مسلمانوں کی دہشت طاری تھی۔ مسلمانوں نے ان کے بڑے نامور سالار مار ڈالے تھے۔ اب عین التمر والے اپنی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ یہ جنگجو قبیلے کس حالت میں واپس آ رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس شہر پر خوف وہراس طاری ہو گیا۔ شہر میں جو فوج تھی اُس کی ذہنی حالت اُس کمزور اور بزدل کتے جیسی ہو گئی تھی جو دُم پچھلی ٹانگوں میں دبا

لیا کرتا ہے۔
ان کے سالاروں نے جب اپنی فوج کو اس ذہنی کیفیت میں دیکھا تو انہیں شہر کے حاکم اور سالارِ اعلیٰ مہران کے اگلے حکم کی ضرورت نہ پڑی۔ انہیں یہ اطلاع بھی ملی کہ مہران خزانہ مدائن بھجوا رہا ہے اور شہر کے لوگ بھی اپنے اموال چھپا رہے تھے یا ساتھ لے کر شہر سے نکل رہے تھے۔
خالدؓ کے فنِ حرب وضرب کا کمال یہ تھا کہ انھوں نے میدانِ جنگ میں تو دشمن کو شکست دی ہی تھی، دشمن کو انھوں نے نفسیاتی لحاظ سے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ اُس کا لڑنے کا جذبہ مجروح ہو گیا تھا۔ آتش پرستوں کی نفسیاتی کیفیت تو یہ ہو گئی تھی کہ خالدؓ کا یا مسلمانوں کا یا مدینہ کا نام سن کر ہی وہ پیچھے دیکھنے لگتے تھے کہ کمک آ رہی ہے یا نہیں یا پسپائی کا راستہ صاف ہے یا نہیں۔

پھر وہ وقت جلدی آ گیا جب میدانِ جنگ میں لاشیں اور بے ہوش زخمی رہ گئے اور انہیں کچلنے کے لیے وہ گھوڑے رہ گئے جو سواروں کے بغیر بے لگام دوڑتے پھر رہے تھے۔ بدوی قبیلے اپنے سرداروں کے بغیر عین التمر جا پہنچے اور شہر کے دروازے بند کر لیے۔ اُنھوں نے شہر میں واویلا بپا کیا کہ مہران کی فوج وعدے کے مطابق ان کی مدد کو نہیں آئی لیکن وہاں اُن کا واویلا سننے والا کوئی نہ تھا۔ خوف وہراس کے مارے ہوئے شہری تھے جو بھاگ نہیں سکے تھے۔ مہران بن بہرام اپنی فوج سمیت شہر سے جا چکا تھا۔ وہ فوج کو مدائن لے جا رہا تھا۔ وہ عقہ اور ہذیل اور دوسرے قبائلی سرداروں کو کوس رہا تھا۔
"دشمن کا تعاقب کرو" — خالدؓ نے اپنی سپاہ کو حکم دیا — "زخمیوں کو سنبھالنے کے لیے کچھ آدمی یہیں رہنے دو اور بہت تیزی سے عین التمر کا محاصرہ کر لو"۔
عین اُس وقت مثنیٰ بن حارثہ گھوڑا سرپٹ دوڑاتا آیا اور خالدؓ کے پاس گھوڑا روک کر اُترا۔ وہ خالدؓ سے بغل گیر ہو گیا۔
"ولید کے بیٹے!" — مثنیٰ نے کہا — "قسم رب العالمین کی! دشمن عین التمر سے بھاگ گیا ہے"۔
"کیا تیرا دماغ اپنی جگہ سے ہل تو نہیں گیا؟" — خالدؓ نے پوچھا — "یُوں کہہ کہ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا ہے"۔
مثنیٰ بن حارثہ نے خالدؓ کو بتایا کہ اُس نے جو جاسوس عین التمر کے اردگرد بھیج رکھے تھے، اُنھوں نے اطلاع دی ہے کہ فارس کی فوج جو شہر میں تھی، شہر سے نکل گئی ہے۔
"کیا تُو نہیں سمجھ سکتا کہ یہ فوج ہمارے عقب پر اُس وقت حملہ کرے گی جب ہم عین التمر کو محاصرے میں لیے ہوئے ہوں گے؟" — خالدؓ نے کہا۔
"ابن ولید!" — مثنیٰ نے کہا — "مہران اپنی فوج کے ساتھ جا چکا ہے۔ اگر وہ فوج یہاں کہیں چھپی ہوئی ہوتی تو میرے چھاپہ مار اُسے چین سے نہ بیٹھنے دیتے.... آگے بڑھ اور اپنی آنکھوں سے دیکھ۔ عین التمر تیرے قدموں میں پڑا ہے"۔
یہ خبر جب مجاہدین کے لشکر کو ملی تو ان کے جسم جو تھکن سے ٹوٹ رہے تھے تر وتازہ ہو گئے۔ اُنھوں نے فتح ونصرت کے نعروں کی گرج میں عین التمر تک کے دس میل طے کر لیے۔ مثنیٰ کے بڑا دو

پہلے ہی وہاں موجود تھے، اُنہوں نے بتایا کہ شہر کے تمام دروازے بند ہیں۔

خالدؓ کے حکم سے شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ بدوی عیسائی اور ان کے دیگر ساتھی جو شہر میں پناہ لینے آئے تھے، مقابلے پر اُتر آئے۔ اُنہوں نے شہر پناہ کے اُوپر جا کر مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔

"عقہ بن ابی عقہ کو اور تمام جنگی قیدیوں کو آگے لاؤ" — خالدؓ نے حکم دیا۔

ذرا سی دیر میں تمام بدوی قیدیوں کو سامنے لے آئے۔ خالدؓ نے عقہ کو بازو سے پکڑا اور اُسے اتنی آگے لے گئے جہاں وہ شہر پناہ سے آنے والے تیروں کی زد میں تھے۔

"یہ ہے تمہارا سردار!" — خالدؓ نے بڑی بلند آواز سے کہا — "تم اِسے بہادروں کا بہادر سمجھتے تھے۔ اسی نے تمہاری دوستی فارس والوں سے کرائی تھی۔ کہاں ہیں تمہارے دوست؟" — خالدؓ نے عقہ کو آگے کر کے کہا — "اس سے پوچھو مہران اپنی فوج کو بچا کر کہاں لے گیا ہے۔"

پھر بےشمار قیدیوں کو آگے کر دیا گیا۔

"یہ ہیں تمہارے بھائی!" — خالدؓ نے کہا — "چلاؤ تیر! سب اِن کے سینوں میں اُتریں گے۔"

یہ خبر کسی طرح شہر میں پھیل گئی کہ قلعے کے باہر مسلمان بنی تغلب اور دیگر قبیلوں کے قیدیوں کو لائے ہیں۔ ان قیدیوں میں سے کئی ایک کے بیوی بچے اور لواحقین شہر میں تھے۔ ان کی بستیاں تو کہیں اور تھیں لیکن ان کی سلامتی کے لیے انہیں عین التمر میں لے آئے تھے۔ جنگ کی صُورت میں وہ انہیں اپنی بستیوں میں محفوظ نہیں سمجھتے تھے۔ ان عورتوں اور بچّوں کو جب پتہ چلا کہ اُن کے قبیلوں کے قیدی باہر آئے ہیں تو مائیں اپنے بچّوں کو اٹھائے شہر کی دیوار پر آ گئیں۔ میدانِ جنگ میں جانے والوں میں سے جو واپس نہیں آئے تھے، اُن کی بیویاں، بہنیں، مائیں اور بیٹیاں اس امید پر دیوار پر آئی تھیں کہ اُن کے آدمی قیدیوں میں ہوں گے۔

ان عورتوں نے دیوار کے اوپر ہنگامہ بپا کر دیا۔ وہ اپنے آدمیوں کو پکار رہی تھیں جنہیں اپنے آدمی قیدیوں میں نظر نہیں آ رہے تھے، وہ آہ و زاری کر رہی تھیں۔ تیر انداز انہیں پیچھے ہٹا رہے تھے مگر عورتیں پیچھے نہیں ہٹ رہی تھیں۔

"ہم تمہیں زیادہ مہلت نہیں دیں گے" — خالدؓ کے حکم سے اُن کے ایک محافظ نے بلند آواز سے کہا — "ہتھیار ڈال دو اور دروازے کھول دو۔ اگر ہمارے مقابلے میں تم ہار گئے اور دروازوں میں ہم خود داخل ہوئے تو تم سب کا انجام بہت بُرا ہو گا۔"

"ہم اپنی دو تین شرطوں پر دروازہ کھولنے پر آمادہ ہیں" — دیوار کے اوپر سے آواز آئی۔

"تمہاری کوئی شرط نہیں مانی جائے گی" — خالدؓ کی طرف سے جواب گیا — "ہتھیار ڈال دو، دروازے کھول دو۔ تمہاری سلامتی اسی میں ہے۔"

بنی تغلب اور ان کے اتحادی قبیلے جانتے تھے کہ اُن کی سلامتی اسی میں ہے کہ ہتھیار ڈال دیں اور مسلمانوں سے رحم کی درخواست کریں چنانچہ اُنہوں نے دروازے کھول دیئے اور مسلمان شہر میں داخل ہُوئے۔ اُس وقت کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے کسی شہری کو پریشان نہیں کیا، البتہ مسلمانوں کے خلاف جو بدوی لڑے تھے، اُن سب کو قیدی بنا لیا گیا۔ یہ ان قیدیوں کے

لواحقین پر منحصر تھا کہ وہ خالدؓ کا مقرر کیا ہُوا فدیہ ادا کر کے اپنے قیدیوں کو رہا کرا لیں۔

تمام شہر کی تلاشی لی گئی۔ شہر میں ایک عبادت گاہ یا درس گاہ تھی جس میں پادری بننے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اُس وقت چالیس نوعمر لڑکے زیرِ تعلیم تھے۔ ان سب کو پکڑ لیا گیا۔ ان میں سے اکثر نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا اور ان میں سے ایک کو تاریخ اسلام کی ایک نامور شخصیّت کا باپ ہونے کا شرف حاصل ہُوا تھا۔ اس لڑکے کا نام نصیر تھا۔ اُس نے اسلام قبول کیا اور ایک مسلمان عورت کے ساتھ شادی کی جس نے موسیٰ بن نصیر کو جنم دیا۔ یہ موسیٰ بن نصیر شمالی افریقہ کے امیر مقرر ہُوئے۔ اُنہوں نے ہی طارق بن زیاد کو اُندلس فتح کرنے کو بھیجا تھا۔

دو تین متعصّب مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے بنی تغلب، نمر اور ایاد کے اُن تمام آدمیوں کو قتل کر دیا جو اُن کے خلاف لڑے تھے۔ یہ ایک مفروضہ ہے جو خالدؓ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑا گیا تھا۔ مؤرخوں کی اکثریت نے ایسے قتلِ عام کا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں دیا۔ محمد حسین ہیکل نے متعدد تاریخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ عقہ بن ابی عقہ کو کُھلے میدان میں لا کر خالدؓ نے اپنا عہد پورا کرتے ہُوئے اُس کا سر تن سے کاٹ ڈالا۔

خالدؓ نے اعلان کیا تھا کہ بدوی غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیں تو وہ بڑے بُرے انجام سے محفوظ رہیں گے۔ دشمن نے مسلمانوں کی شرائط پر ہتھیار ڈالے تھے۔ اُن کے قتلِ عام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

عین التمر کی فتح کے بعد خالدؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ انبار اور عین التمر کا مالِ غنیمت اکٹھا کر کے مجاہدین میں تقسیم کیا اور خلافت کا حصہ الگ کر کے ولید بن عقبہ کے سپرد کیا کہ وہ مدینہ امیر المومنین کو پیش کریں۔ انہوں نے امیر المومنین کے لیے ایک پیغام بھی بھیجا۔

ولید بن عقبہ نے مدینہ پہنچ کر امیر المومنین ابوبکرؓ کو انبار اور عین التمر کی لڑائی اور فتح کی تفصیل سنائی، مالِ غنیمت پیش کیا پھر خالدؓ کا پیغام دیا۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے خالدؓ کے لیے حکم بھیجا تھا کہ وہ عیّاض بن غنم کے انتظار میں حیرہ میں رُکے رہیں۔ اُس وقت عیّاضؓ دومۃ الجندل میں لڑ رہے تھے لیکن لڑائی کی صورتِ حال عیّاض کے لیے اچھی نہ تھی۔ خالدؓ نے خلافت کے حکم کو نظر انداز کر دیا اور حیرہ سے کوچ کر کے انبار کو محاصرے میں لیا، فتح پائی پھر عین التمر کا معرکہ لڑا اور کامیابی حاصل کی۔

خالدؓ نے اپنے پیغام میں کہا تھا کہ وہ حیرہ میں بیٹھے رہتے تو فارس والوں کو اپنی شکستوں سے سنبھلنے کا اور جوابی حملے کی تیاری کا موقع مل جاتا۔ خالدؓ کی کوشش یہ تھی کہ دشمن کو کہیں بھی قدم جمانے کا اور جوابی وار کرنے کا وقت نہ مل سکے۔ اُنہوں نے آتش پرستوں کی فوج کو نفسیاتی لحاظ سے کمزور کر دیا۔ خالدؓ نے امیر المومنین کی حکم عدولی تو کی تھی لیکن عملاً ثابت کر دیا کہ یہ حکم عدولی کتنی ضروری تھی۔ عیّاضؓ بن غنم ابھی تک دومۃ الجندل میں پھنسے ہُوئے تھے اور اُن کی کامیابی کی توقع بہت [illegible] تھی۔

"خالدؓ نے جو مناسب سمجھا وہ کیا" — خلیفہ ابوبکرؓ نے ولید بن عقبہ سے کہا — "اُس [illegible] نے جو سوچا تھا وہی ہُوا۔ عیّاضؓ کی طرف سے جو اطلاعیں آ رہی ہیں وہ امید افزا نہیں... دومۃ الجندل [illegible] قبضہ بہت ضروری تھا لیکن اب مجھے عیّاضؓ کے متعلق تشویش ہونے لگی ہے.... ابنِ عقبہ! تم عین التمر واپس

نہ جاؤ۔ دومتہ الجندل چلے جاؤ اور وہاں کی صُورتِ حال دیکھ کر خالدؓ کے پاس جاؤ اور اُسے کہو کہ عیاضؓ کی مدد کو پہنچے۔"

ولید بن عقبہ روانہ ہو گئے۔ عیاض بن غنم خود بھی پریشان تھے۔ اُن کے ساتھ جو سالار تھے، وہ انہیں کہہ رہے تھے کہ اِس صُورتِ حال سے نکلنے کے لیے مدد کی ضرورت ہے ورنہ شکست کا خطرہ صاف نظر آرہا تھا۔ آخر (مؤرخ طبری اور ابُو یوسف کی تحریروں کے مطابق) عیاضؓ بن غنم نے خالدؓ کو ایک تحریری پیغام بھیجا جس میں اُنہوں نے اپنی مخدوش صُورتِ حال اور اپنی ضرورت لکھی۔

ولید بن عقبہ بھی عیاضؓ کے پاس پہنچ گئے۔ ان کا جلدی پہنچنا آسان نہ تھا۔ مدینہ سے دومتہ الجندل کا فاصلہ تین سو میل سے کچھ کم تھا اور زیادہ تر علاقہ صحرائی تھا۔ پہنچنا جلدی تھا۔ ولید جب عیاض کے پاس پہنچے تو وہ جیسے ہوش وحواس میں نہیں تھے۔ انہوں نے آرام کی نہ سوچی، عیاضؓ کی صورتِ حال دیکھی۔

"میں نے خالدؓ کو مدد کے لیے کل ہی پیغام بھیجا ہے"۔۔۔ عیاض بن غنم نے ولید بن عقبہ سے کہا۔۔۔ "معلوم نہیں وہ خود کس حال میں ہے لیکن میرے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں، تم دیکھ رہے ہو۔"

"الحمد لِلّٰہ!"۔۔۔ ولید نے کہا۔۔۔ "خالدؓ نے آتش پرستوں کی شہنشاہی اور اُن کی جنگی طاقت کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ امیرالمومنین نے مجھے تمھارے پاس بھیجا ہے کہ تمھاری ضرورت کا جائزہ لے کر انہیں بتاؤں لیکن تمہیں فوری مدد کی ضرورت ہے۔ میں مدینہ جانے کی بجائے عین التمر چلا جاتا ہوں خالدؓ تمھاری مدد کو آئے گا۔"

یہ اُس دَور کی فرض شناسی اور جذبہ تھا جس میں خوشامد، دکھاوے اور کام چوری کا ذرا سا بھی عمل دخل نہ تھا۔ ولید بن عقبہ نے یہ نہ سوچا کہ وہ واپس مدینہ جائیں اور خلیفہ کے حکم کے مطابق انہیں اپنی کارگزاری بڑھا چڑھا کر سنائیں اور ساتھ یہ کہیں کہ حضور عیاض تو بڑا نالائق سالار ہے۔ اگر اُس کی جگہ میں ہوتا تو یوں کرتا مگر ولید نے دیکھا کہ صُورتِ حال مخدوش ہے تو وہ اپنے حاکم خود بن گئے اور مدینہ کی بجائے عین التمر کو گھوڑا دوڑا دیا۔ اُن کے سامنے پُورے تین سو میل صحرائی مسافت تھی۔ عراق اور شام کے صحرا اسی علاقے میں ملتے اور مسافروں کے لیے جان کا خطرہ بن جاتے تھے۔ ولید نے اپنے گھوڑے پر، اپنے آپ پر، اپنے چار محافظوں اور اُن کے گھوڑوں پر یہ ظلم کیا کہ کم سے کم آرام کے لیے کہیں رُکے۔ وہ موسم گرمی کے عروج کا تھا۔ مہینہ اگست ۶۳۳ء تھا۔

دومتہ الجندل بہت بڑا تجارتی شہر تھا۔ دُور دراز ممالک کے تاجر یہاں آیا کرتے تھے۔ تجارت کے علاوہ یا تجارت کی بدولت اس شہر کو دولت اور زر وجواہرات کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ رسولِ اکرمؐ نے اس شہر اور اس سے ملنے والی شاہراہوں کی جغرافیائی پوزیشن دیکھ کر اس پر فوج کشی کی تھی۔ یہ مہم غزوۂ تبوک کے نام سے مشہور ہُوئی۔ اس وقت دومتہ الجندل کا حاکم اور قلعہ دار اُکیدر بن عبدالملک تھا۔ اُس نے مسلمانوں کا مقابلہ بے جگری سے کیا تھا۔ خالدؓ بھی اس معرکے میں شریک تھے۔ انہوں نے اُکیدر کو غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہُوئے زندہ پکڑ لیا تھا اور اُس کی سپاہ نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اُکیدر بن عبدالملک نے رسولِ اکرمؐ کی اطاعت قبول کر لی اور وفاداری کا حلف اٹھایا۔ اُس نے

اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ اس طرح یہ اتنا بڑا شہر مسلمانوں کے زیرِنگیں آگیا تھا۔

رسول اللہ کی وفات کے ساتھ ہی ارتداد کا فتنہ طوفان کی طرح اٹھا تو اُکیدر بھی مدینہ سے منحرف ہو گیا اور اُس نے اطاعت اور وفاداری کے معاہدے کو آگ پھینک دیا۔ اُس نے دومتہ الجندل کو ایک ریاست بنا لیا جس کے باشندے عیسائی بھی تھے اور بُت پرست بھی۔ عیسائیوں کا سب سے بڑا اور طاقتور قبیلہ کلب تھا۔

امیرالمومنین ابوبکرؓ نے اُکیدر بن عبدالملک کی سرکوبی کے لیے اور اُسے اپنی اطاعت میں لانے کے لیے عیاض بن غنم کو ایک لشکر دے کر بھیجا تھا۔ وہاں جا کر عیاض نے دیکھا کہ ان کا لشکر تو بہت تھوڑا ہے اور دشمن کئی گنا طاقت ور ہے لیکن مدینہ سے تقریباً تین سو میل دُور آکر واپس چل پڑنا تو مناسب نہ تھا۔ دومتہ الجندل کی دیوار اونچی اور مضبُوط تھی۔ پورا شہر بڑا مضبوط قلعہ تھا۔

عیاض نے شہر کا محاصرہ کیا جو مکمل نہ تھا۔ ایک طرف راستہ کھُلا تھا۔ اُکیدر کی سپاہ کی کچھ نفری خالی طرف سے باہر آتی اور مسلمانوں پر حملہ کرتی۔ کچھ دیر لڑائی ہوتی اور یہ نفری بھاگ کر قلعے میں چلی جاتی۔ ان حملوں کے علاوہ قلعے کی دیواروں سے مسلمانوں پر تیروں کا مینہ برستا رہتا اور اس کے جواب میں مسلمان تیر انداز دیواروں پر تیر پھینکتے رہتے۔ اُنہوں نے قلعے کے دروازوں پر ہلّے بھی بولے لیکن قلعے کا دفاع توقع سے زیادہ مضبوط تھا۔

مسلمانوں کے خلاف جنگ کا پانسہ اس طرح پلٹ گیا کہ قبیلہ کلب کے عیسائیوں نے عقب سے آکر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ وہ مسلمانوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے اور مسلمان جان کی بازی لگا کر حملوں کو روکتے اور پسپا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی اس بے خوفی کو دیکھ کر عیسائیوں نے حملے کم کر دیئے مگر مسلمانوں کو گھیرے میں رکھا تاکہ وہ پسپا نہ ہوسکیں اور رسد وغیرہ کی کمی سے پریشان ہو کر ہتھیار ڈال دیں۔ عیاض نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ ایک جگہ راستہ کھُلا رکھا اور اس کی حفاظت کے لیے آدمی مقرر کر دیئے تھے۔

یہ صُورتِ حال مسلمانوں کے لیے بڑی ہی خطرناک تھی۔ ان کا جانی نقصان خاصا ہو چکا تھا۔ زخمیوں اور شہیدوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ مسلمان زندہ رہنے کے لیے لڑ رہے تھے۔ صاف نظر آرہا تھا کہ شکست انہی کو ہو گی۔ دن پہ دن گزرتے جارہے تھے۔

خالدؓ عین التمر کو اپنے انتظام میں لانے کے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے عمال مقرر کر دیئے تھے۔ دو چار دنوں میں ہی وہاں کے شہریوں کو یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان نہ انہیں زبردستی مسلمان بنا رہے ہیں نہ اُن کے حقوق پامال کر رہے ہیں نہ اُن کی عورتوں پر بُری نظر رکھتے ہیں اور اُن کے گھر اور اموال بھی محفوظ ہیں، اس لیے وہ اسلامی حکومت کے وفادار بن گئے تھے۔

خالدؓ کے پاس عیاضؓ بن غنم کا قاصد پہنچا اور اُن کا تحریری پیغام دیا۔ عیاض جس مصیبت میں پھنس گئے تھے وہ لکھی تھی، تفصیل قاصد نے بیان کی۔ دوسرے ہی دن ولید بن عقبہ پہنچ گئے۔ اُنہوں نے خالدؓ سے کہا کہ ایک گھڑی جو گزرتی ہے وہ عیاضؓ اور اُس کے مجاہدین کو شکست اور موت کے قریب دھکیل جاتی ہے۔

"شکست؟" ــــ خالدؓ نے پُرجوش لہجے میں کہا ــــ "خُدا کی قسم، اسلام کی تاریخ میں شکست کا لفظ نہیں آنا چاہیئے.... کیا اکیدر بن عبدالملک مجھے بھُول گیا ہے؟ کیا وہ ہمارے رسولؐ کو بھول گیا ہے جنہوں نے اُسے اطاعت پر مجبور کر دیا تھا؟ کیا وہ ہمارے اللہ کو بھول گیا ہے جس نے ہمیں اُس پر فتح عطا کی تھی؟"

تاریخ شاہد ہے کہ بدلے ہیں تو انسان بدلے ہیں، اللہ نہیں بدلا۔ اللہ نے فتوحات کو شکستوں میں اُس وقت بدلا تھا جب مسلمان بدل گئے تھے اور خدا کے بندوں کے "خُدا" بن گئے تھے۔

خالدؓ نے عیاضؓ بن غنم کو پیغام کا تحریری جواب دیا۔ اُس دور میں عربوں کی تحریر کا انداز شاعرانہ ہُوا کرتا تھا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ کا جواب منظوم انداز کا تھا۔ اُنہوں نے لکھا:

"منجانب خالدؓ بن ولید بنام عیاض بن غنم۔ میں تیرے پاس بہت تیز پہنچ رہا ہُوں۔ تیرے پاس اونٹنیاں آرہی ہیں جن پر کالے اور زہریلے ناگ سوار ہیں۔ فوج کے دستے ہیں جن کے پیچھے بھی دستے آگے بھی دستے ہیں۔ ذرا صبر کرو۔ گھوڑے ہوا کی رفتار سے آرہے ہیں۔ ان پر تلواریں لہراتے شیر سوار ہیں۔ دستوں کے پیچھے دستے آرہے ہیں۔"

پیغام کا جواب قاصد کو دے کر خالدؓ نے اُسے کہا کہ وہ جتنی تیز آیا تھا اس سے زیادہ تیز دومتہ الجندل پہنچے اور عیاض کو تسلی دے۔ اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے اپنے ایک نائب سالار عویم بن کاہل اسلمی کو بلایا۔

"ابنِ کاہل اسلمی!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "کیا تُو جانتا ہے میں تجھے کتنی بڑی ذمہ داری سونپ رہا ہُوں؟"

"اللہ مجھے ہر اُس ذمہ داری کو نبھانے کی ہمت و عقل عطا فرمائے جو مجھے سونپی جائے" ــــ عویم نے کہا ــــ "میری ذمّہ داری کیا ہوگی ابنِ ولید؟"

"عین التمر!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "اس کا انتظام اور اس کی حفاظت۔ اندر سے بغاوت اُٹھ سکتی ہے، باہر سے حملہ ہو سکتا ہے۔ میں تجھے اپنا نائب بنا کر دومتہ الجندل جا رہا ہُوں۔ عیاض بن غنم مشکل میں ہے۔"

"اللہ تجھے سلامتی عطا کرے" ــــ عویم نے کہا ــــ "عین التمر کو اللہ کی امان میں سمجھ۔"

خالدؓ کے ساتھ ابتدا میں جو سپاہ تھی وہ جانی نقصان کے علاوہ اس وجہ سے بھی کم ہوگئی کہ ہر مفتوحہ جگہ ایک دو دستے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ عین التمر تک پہنچتے نفری اور کم ہوگئی تھی۔ اُس علاقے کے مسلمان باشندوں سے نفری بڑھانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ کچھ نومسلم بھی سپاہ میں شامل ہو گئے تھے لیکن ابھی اُن پر پوری طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔

خالدؓ نے کچھ دستے عین التمر میں چھوڑے، چھ ہزار سوار اپنے ساتھ لیے اور دومتہ الجندل کو روانہ ہو گئے۔ فاصلہ تین سو میل تھا۔

خالدؓ نے تین سو میل کی یہ صحرائی مسافت صرف دس دنوں میں طے کر لی۔ وہ ابھی راستے میں تھے جب اکُیدر کے آدمیوں نے اس لشکر کو دیکھ لیا۔ وہ مسافر ہوں گے۔ اُنہوں نے خالدؓ کے پہنچنے

سے پہلے دومتہ الجندل میں اطلاع دے دی کہ مسلمانوں کا ایک لشکر آرہا ہے۔ بعض مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ دومتہ الجندل والوں کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اِس اسلامی لشکر کے سالارِ اعلیٰ خالدؓ ہیں۔

اُس وقت تک عیسائیوں کے تین بڑے قبیلے ــــ بنو کلب، بنو بہرا اور بنو غسان ــــ جنگ میں شریک تھے۔ اُکیدر بن عبدالملک کو اطلاع ملی تو اُس نے بڑی عجلت سے عیسائیوں اور بُت پرستوں کے چھوٹے چھوٹے قبیلوں کو بھی جنگ میں شریک ہونے کے لیے بلاوا بھیج دیا۔ خالدؓ کے پہنچنے تک ان چھوٹے قبیلوں نے اپنے آدمی بھیجنے شروع کر دیئے تھے۔

خالدؓ طوفان کی مانند پہنچے۔ مجاہدین نے خالدؓ کے کہنے پر جوش و خروش سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ عیاض بن غنم کے لشکر نے یہ نعرے سنے تو سارے لشکر نے نعرے لگائے۔ اُن کے ہارے ہوئے حوصلے تروتازہ ہو گئے۔ خالدؓ نے میدانِ جنگ کا جائزہ لیا پھر قلعے کے اردگرد گھوڑا دوڑا کر قلعے کی دیواروں کا جائزہ لیا اور قلعے کی دیواروں پر کھڑے دشمن کو دیکھا۔

دشمن کی فوج کے دو حصّے تھے۔ ایک کا سالارِ اعلیٰ اکیدر اور دوسرے کا جودی بن ربیعہ تھا جو قلعے کے باہر تھا۔ قلعے کے باہر اُن چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے آدمی بھی جمع ہو گئے تھے جو اُکیدر کے بلاوے پر ابھی ابھی آئے تھے۔ ان سب کے لیے قلعے کا کوئی دروازہ نہ کھُلا کیونکہ خالدؓ کی آمد قلعے کے لیے بڑی خطرناک تھی۔

خالدؓ ایک دہشت کا دوسرا نام تھا۔ خالدؓ دشمن پر جو نفسیاتی وار کرتے تھے اُس کا اثر مستقل ہوتا تھا۔ ایسا ہی ایک زخم اُکیدر بن عبدالملک پہلے ہی خالدؓ کے ہاتھوں کھا چکا تھا۔ خالدؓ تو سوچ رہے تھے کہ وہ قلعے میں کس طرح داخل ہو سکتے ہیں لیکن اُن کی دہشت قلعے کے اندر پہنچ چکی تھی۔ اُکیدر نے عیسائی سرداروں کو بُلا رکھا تھا اور انہیں کہہ رہا تھا کہ وہ خالدؓ سے ٹکر نہ لیں اور صلح کر لیں۔ عیسائی سردار اُس کا مشورہ نہیں مان رہے تھے۔

"میرے دوستو!" ــــ تقریباً تمام مورخوں نے اُس کے یہ الفاظ لکھے ہیں ــــ "خالدؓ سے جتنا میں واقف ہوں اُتنا تم نہیں ہو۔ میں نہیں بتا سکتا اُس میں کیسی طاقت ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ قسمت ہر میدان میں اُس کے ساتھ ہوتی ہے۔ میدانِ جنگ کا اور قلعوں کی تسخیر کا جو کمال اُس میں ہے وہ کسی اور میں نہیں۔ تم سوچ رہے ہو گے اور وہ تمہارے سر پر کھڑا ہو گا۔ خالدؓ کے مقابلے میں جو قوم آتی ہے، خواہ طاقتور، خواہ کمزور، وہ خالدؓ کے ہاتھوں پٹ جاتی ہے۔ میرا مشورہ تسلیم کرو اور خالدؓ سے صلح کر لو۔"

عیسائیوں نے خالدؓ سے شکستیں کھائی تھیں۔ وہ انتقام لینا چاہتے تھے۔

"تم اُس سے لڑو گے تو ہار جاؤ گے" ــــ اکُیدر نے کہا ــــ "پھر وہ تم پر رحم نہیں کرے گا۔ اگر لڑے بغیر صلح کر لو گے تو وہ تمہاری جان، تمہاری عورتوں اور تمہارے اموال کی حفاظت کرے گا مگر تم اُس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے کیونکہ تم اُس کی چالیں نہیں سمجھتے۔"

"ہم لڑے بغیر شکست تسلیم نہیں کریں گے" ــــ عیسائی سرداروں نے متفقہ فیصلہ دے دیا۔

"پھر تم میرے بغیر لڑو گے" ــــ اکُیدر نے کہا ــــ "میں اتنا بڑا شہر تباہ نہیں کراؤں گا۔"

عیسائی سردار لڑنے کے ارادے سے چلے گئے۔ انہیں اُکیدر کے ارادوں کا اس کے سوا کچھ علم نہ تھا کہ وہ نہیں لڑنا چاہتا۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ خالدؓ کا سالار عاصم بن عمرو قلعے کے اُس طرف گشت پر پھر رہا تھا جدھر علاقہ خالی تھا۔ اُسے چار پانچ آدمی قلعے سے نکل کر اُس کھلے علاقے میں آتے دکھائی دیئے۔ وہ سائے سے لگتے تھے۔ عاصم بن عمرو کے ساتھ چند ایک محافظ تھے۔ انہیں عاصم نے کہا کہ ان آدمیوں کو گھیرے میں لے کر روک لیں۔

محافظوں کو معلوم تھا کہ کس طرح بِکھر کر گھیرا ڈالا جاتا ہے۔ وہ آدمی خود ہی رُک گئے۔ سالار عاصم اُن تک پہنچے۔

"میں دومتہ الجندل کا حاکم اُکیدر بن عبدالملک ہوں" — ان میں سے ایک نے کہا۔

"اپنے اور اپنے آدمیوں کے ہتھیار میرے آدمیوں کے حوالے کر دو" — عاصم نے کہا۔

"مجھے خالدؓ کے پاس لے چلو" — اُکیدر نے اپنی تلوار ایک محافظ کے حوالے کرتے ہوئے کہا — "میں نہیں لڑوں گا۔ خالدؓ کے ساتھ صُلح کی بات کروں گا۔"

"میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا ابنِ عبدالملک!" — خالدؓ نے اپنے خیمے میں اُس کی بات سُن کر کہا — "تو میرا مجرم نہیں میرے رسولؐ کا مجرم ہے۔ تُو نے اللہ کے رسولؐ سے بدعہدی کی تھی۔ تُو نے اسلام قبول کیا پھر ارتداد کے سرداروں سے جا ملا۔"

اُکیدر نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہا۔ بہت کچھ پیش کیا۔ عیسائی قبیلوں سے لاتعلق ہو جانے کا عہد کیا۔

"اگر یہ لڑائی میری اور تیری ہوتی، یہ دشمنی میری اور تیری ہوتی تو تجھے بخش دینے سے کوئی نہ روک سکتا" — خالدؓ نے کہا — "مگر تُو میرے رسولؐ کا، میرے مذہب کا دشمن تھا۔ خدا کی قسم، میں تجھے بخش نہیں سکتا، تجھے زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتا" — خالدؓ نے حکم دیا — "لے جاؤ اسے۔ کل کا سورج اِسے زندہ نہ دیکھے۔"

رات کو ہی اُکیدر بن عبدالملک کا سر قلم کر دیا گیا۔

صبح طلوع ہوتے ہی خالدؓ نے عیاض بن غنم کو بلایا اور اُسے بتایا کہ اب وہ اپنی سپاہ کا خود مختار سالار نہیں۔ اس حکم کے ساتھ خالدؓ نے عیاض کی سپاہ اپنی کمان میں لے لی۔

"اب لڑائی قلعے کے باہر ہو گی" — خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا — "اتنے مضبوط قلعے پر وقت اور طاقت خرچ کرنا محض بیکار ہو گا۔ پہلے اس دشمن کو ختم کرنا ہے جو قلعے کے باہر ہے۔"

خالدؓ نے تمام سپاہ کو ترتیب میں کیا۔ عیاض کی سپاہ میں جو مجاہدین نوجوان اور جوان تھے، انہیں الگ کر کے اُس طرف بھیج دیا جدھر ایک راستہ عرب کی سمت جاتا تھا۔ خالدؓ نے ان جوانوں سے کہا کہ دشمن اِدھر سے بھاگنے کی کوشش کرے گا، اُسے زندہ نہ نکلنے دیا جائے۔

خالدؓ نے کچھ دستے اپنی زیرِ کمان لے کر ایک عیسائی سردار جودی بن ربیعہ کے مقابل رکھے اور عیاض کو کچھ دستے دے کر دشمن کے دو سرداروں — ابنِ حدرجان اور الایہم — کے دستوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اپنے دونوں سالاروں عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم کو حسبِ معمول پہلوؤں پر رکھا۔

عیسائی اور بُت پرست سالار قلعے کے اندر سے بھی فوج کی خاصی نفری باہر لے آئے۔ اس طرح اُن کی تعداد مسلمانوں کی نسبت کئی گنا زیادہ ہو گئی۔

خالدؓ نے ایسی چال چلی جس سے دشمن پریشان ہو گیا۔ چال یہ چلی کہ ذرا سی بھی حرکت نہ کی۔ دشمن اس انتظار میں تھا کہ مسلمان حملے میں پہل کریں گے لیکن مسلمان تو جیسے بُت بن گئے تھے۔ عیسائی سردار لڑائی کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔ جب بہت سا وقت گذر گیا اور مسلمانوں نے دشمن کی للکار کا بھی کوئی جواب نہ دیا تو دشمن نے عیاض کے دستوں پر ہلّہ بول دیا۔ اس کے ساتھ ہی جودی نے خالدؓ کے دستوں پر حملہ کر دیا۔

خالدؓ نے اپنے سالاروں کو جو ہدایات دے رکھی تھیں ان کے مطابق مجاہدین کے دستوں میں دشمن کو اپنی طرف آتا دیکھ کر بھی کوئی حرکت نہ ہوئی۔ دشمن اور زیادہ جوش میں آ گیا۔ جب دشمن کے سپاہی مسلمانوں کی صفوں میں آتے تو مسلمانوں نے انہیں راستہ دے دیا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے گھونسہ کسی کو مارو اور وہ آگے سے ہٹ جائے۔

فوراً ہی عیسائیوں اور بُت پرستوں کو احساس ہو گیا کہ وہ تو مسلمانوں کے پھندے میں آ گئے ہیں۔ خالدؓ نے اپنے محافظوں کے ساتھ عیسائیوں اور بُت پرستوں کے سب سے بڑے سالار جودی بن ربیعہ کو گھیرے میں لے لیا۔ اُس کے خاندان کے چند ایک جوان اُس کے ساتھ تھے۔ وہ تو کٹ گئے اور جودی کو زندہ پکڑ لیا گیا۔

خالدؓ نے اپنے لشکر کو ایسی ترتیب میں رکھا تھا جو دشمن کے لیے پھندہ تھا۔ دشمن کے سپاہی جدھر کو بھاگتے تھے اُدھر مسلمانوں کی تلواریں اور برچھیاں ان کا راستہ روکتی تھیں۔ آخر وہ قلعے کی طرف بھاگے مگر دروازہ بند تھا۔ مسلمان ادپر آ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دروازے کے سامنے عیسائیوں اور بُت پرستوں کی لاشوں کا انبار لگ گیا۔

ایک دروازہ اور بھی تھا۔ اپنے آدمیوں کو پناہ میں لینے کے لیے قلعے والوں نے دروازہ کھول دیا۔ عیسائی اور بُت پرست بھاگ کر دروازے میں داخل ہونے لگے لیکن مسلمان تو جیسے ان کے ساتھ چپکے ہوتے تھے۔ اس طرح صورت یہ پیدا ہو گئی کہ دشمن کا ایک آدمی اندر جاتا تو دو مسلمان اُس کے ساتھ اندر چلے جاتے تھے۔

عیسائیوں اور بُت پرستوں کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے تھے۔ اب جو کچھ ہو رہا تھا وہ لڑائی نہیں تھی، وہ عیسائیوں اور بُت پرستوں کا قتلِ عام تھا۔ خالدؓ چاہتے تھے کہ قتلِ عام کا یہ سلسلہ جاری رہے۔

یہ اگست ۶۳۳ء کے آخری (جمادی الآخر ۱۲ ہجری کے وسط کے) دن تھے۔ خالدؓ نے جودی بن ربیعہ اور اُس کے تمام ساتھی سالاروں اور سرداروں کو سزائے موت دے دی — دومتہ الجندل مسلمانوں کے زیرنگیں آ گیا۔

اسلام دشمن طاقتیں ختم ہونے میں نہیں آتی تھیں۔ ایران کے آتش پرستوں کو جس طرح اسلام کے علمبرداروں نے شکست پہ شکست دی اور جتنا جانی نقصان انہیں پہنچایا تھا، اتنا کوئی قوم برداشت نہیں کر سکتی لیکن وہاں صرف آتش پرست نہیں تھے۔ تمام غیر مسلم قبیلے جن میں اکثریت عربی عیسائیوں کی تھی اُن کے ساتھ تھے۔ آتش پرستوں نے اب ان قبیلوں کو آگے کرنا شروع کر دیا تھا جیسا مہران بن بہرام نے عین التمر میں کیا تھا۔ آتش پرستوں کے سالار میدانِ جنگ سے بھاگ بھاگ کر مدائن میں اکٹھے ہوتے جا رہے تھے۔

ان کے نامور سالار بہمن جاذویہ نے جب مہران بن بہرام کو اپنی فوج کے ساتھ واپس آتے دیکھا تھا تو اُسے اتنا صدمہ ہُوا تھا کہ اُس پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

"مت گھبرا بہمن!"— مہران نے اُسے کہا تھا — "دل چھوٹا نہ کر۔ آخر فتح ہماری ہو گی میں شکست کھا کر نہیں آیا۔ شکست بدوی قبیلوں کو ہُوئی ہے۔"

"اور تو لڑے بغیر واپس آ گیا ہے"— سالار بہمن جاذویہ نے کہا تھا — "تو اتنا بڑا شہر اپنے دشمن کی جھولی میں ڈال آیا ہے۔ تو خوش قسمت ہے کہ یہاں تجھے سزا دینے والا کوئی نہیں۔ سزا دینے والے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ وہ جانشینی پر ایک دوسرے کا خُون بہا رہے ہیں۔"

"بہمن!"— مہران نے طنزیہ لہجے میں کہا — "کیا تو مجھے سرزنش کر رہا ہے؟ کیا تو مسلمانوں سے شکست کھانے والوں میں سے نہیں؟ اگر تو میدان میں جم جاتا تو آج مدینہ والے یوں ہمارے سر پر نہ آ بیٹھتے۔ شکستوں کی ابتدا تجھ سے ہُوئی ہے۔ میری تعریف کر کہ میں اپنے لشکر کو بچا کر لے آیا ہُوں۔ میں اسی لشکر سے مسلمانوں کو شکست دوں گا۔ مدائن میں اس وقت جو لشکر جمع ہو چکا ہے اسے ہم ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار کریں گے۔"

اُس وقت مدائن میں فارس کے جتنے بھی نامور سالار تھے وہ سب خالدؓ سے شکست کھا کر آئے تھے۔ انہوں نے اسے ذاتی مسئلہ بنا لیا تھا، ورنہ وہاں انہیں حکم دینے والا کوئی نہ تھا۔ حکم دینے والے شاہی خاندان کے افراد تھے جو تخت کی وراثت کے لیے جوڑ توڑ میں لگے ہُوئے تھے۔ وہ سالاروں کو بھی اپنی سازشوں میں استعمال کرنا چاہتے تھے لیکن سالار فارس کی شہنشاہی کے تحفظ کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ یہ چند ایک سالار ہی تھے جنہوں نے مدائن کا بھرم رکھا ہُوا تھا ورنہ کسریٰ کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور یہ عمارت زمیں بوس ہُوا ہی چاہتی تھی۔

اُس وقت خالدؓ مدائن سے کم و بیش چار سو میل دُور دومۃ الجندل میں تھے۔ آتش پرستوں اور عیسائیوں کو ابھی معلوم نہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ خالدؓ عین التمر میں ہیں۔ خالدؓ کو دراصل حیرہ واپس آنا تھا۔ ایک تو وہ مفتوحہ علاقوں کے انتظامات وغیرہ کو بہتر بنانا چاہتے تھے، دوسرے یہ کہ فوج کو کچھ آرام دینا تھا اور تیسرا کام یہ تھا کہ فوج کو از سرِ نو منظّم کرنا تھا۔

☆

ایک تو یہ مجاہدین تھے جو میدانِ جنگ میں دشمن کے آمنے سامنے آ کر لڑتے تھے، دوسرے مجاہدین وہ تھے جو دشمن کے مختلف شہروں میں بہروپ دھار کر خفیہ سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ وہ جاسوس تھے۔ وہ ہر لمحہ جان کے خطرے میں رہتے تھے۔ وہ دشمن کی نقل و حرکت اور عزائم معلوم کرتے اور پیچھے اطلاع بھجواتے یا خود اطلاع لے کر آتے تھے۔ تاریخ میں ان میں سے کسی کا بھی نام نہیں آیا۔ ان میں بعض پکڑے گئے اور دشمن کے جلّادوں کے حوالے ہُوئے۔ ان جاسوسوں کی بروقت اطلاعوں پر خالدؓ کئی بار دشمن کے اچانک حملے اور شکست سے بچے۔

خالدؓ جب دومۃ الجندل میں تھے تو مفتوحہ علاقوں کے لیے ایک خطرناک صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ مدائن پر کسریٰ کی شکست اور زوال کی سیاہ کالی گھٹائیں چھائی ہُوئی تھیں۔ لوگوں پر خوف و ہراس طاری تھا۔ کسریٰ کی اُس تلوار پر زنگ لگ چکا تھا جس کا خوف بڑی دور تک پہنچا ہُوا تھا مگر دو چار سالار تھے جو اِس ڈوبتی کشتی کو طوفان سے نکال لے جانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

اِن حالات میں ایک گھوڑسوار مدائن میں داخل ہُوا اور بہمن جاذویہ تک پہنچا۔

"اب اور کیا بُری خبر رہ گئی تھی جو تُو لایا ہے؟"— بہمن نے پوچھا — "کہاں سے آیا ہے تُو؟ کیا مسلمانوں کا لشکر مدائن کی طرف آ رہا ہے؟"

"نہیں"— اس آدمی نے کہا — "مسلمانوں کا لشکر چلا گیا ہے۔"

"چلا گیا ہے؟"— بہمن جاذویہ نے طنزیہ سے لہجے میں پوچھا — "تو اُن لشکریوں میں سے معلوم ہوتا ہے جنہیں مسلمانوں کی دہشت نے پاگل پن تک پہنچا دیا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا تیرے جُرم کی سزا موت ہے؟"

یہ آدمی گھوڑے سے اُتر چکا تھا۔ اُس کی اطلاع پر بہمن جاذویہ باہر آ گیا تھا۔ اُس نے اِس آدمی کو اندر لے جا کر عزت سے بٹھانے کے قابل نہیں سمجھا تھا۔ سزائے موت کا نام سنتے ہی اس آدمی نے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور تیزی سے آگے ہو کر سالار بہمن جاذویہ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"میں عین التمر سے آیا ہوں"— اُس نے گھبرائی ہوئی اور ملتجی آواز میں کہا — "بے شک میں شکست کھانے والوں میں سے ہُوں لیکن میں اُن میں سے بھی ہُوں جو شکست کو فتح میں بدلنا چاہتے ہیں۔ پہلے وہ بات سُن لیں جو میں بتانے آیا ہوں پھر میرا سر کاٹ دینا لیکن میری بات کو ٹالو گے تو یہ نہ بھولنا کہ تم میں سے کسی کا بھی سر مسلمانوں کے ہاتھوں سلامت نہیں رہے گا۔"

"بول، جلدی بول!"— بہمن نے کہا — "کیا بات ہے وہ جو تُو مجھے اتنی دُور سے سنانے آیا ہے؟"

بہمن جاذویہ کی ایک بیٹی جو جوان تھی، ایک آدمی کو اپنے باپ کے قدموں میں بیٹھا دیکھ کر قریب آ گئی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ جب سے اُس کا باپ شکست کھا کر آیا ہے، وہ غصّے سے بھرا رہتا ہے اور سزائے موت کے سوا کوئی بات نہیں کرتا۔ لڑکی تماشہ دیکھنے آئی تھی کہ اُس کا باپ آج ایک اور سپاہی کو جلّاد کے حوالے کرے گا۔

"خالدؓ عراق سے چلا گیا ہے" — عین التمر سے آتے ہوتے آدمی نے کہا — "میں خود نہیں آیا، مجھے شمشیر بن قیس نے بھیجا ہے۔ آپ اُسے جانتے ہوں گے۔ مسلمانوں کے سالار خالدؓ نے عین التمر پر قبضہ کر کے وہیں کے سرکردہ افراد کو عمال مقرر کر دیا ہے۔ اُس کا اور باقی سب حملہ آور مسلمانوں کا سلوک مقامی لوگوں کے ساتھ اتنا اچھا ہے کہ سب اُن کے وفادار ہو گئے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس موقع کی تلاش میں ہیں کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ میں خود دیکھ رہا تھا کہ مسلمانوں کی فوج اچانک عین التمر سے نکل گئی۔"

"زرتشت کی قسم!" — بہمن جاذویہ نے کہا — "خالدؓ اُن شکاریوں میں سے نہیں جو پنجوں میں آتے ہوتے شکار کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں.... کیا اُس کی ساری فوج ہمارے علاقے سے نکل گئی ہے؟"

"میں پوری خبر لایا ہوں سالار!" — اس آدمی نے کہا — "عین التمر، حیرہ اور دوسرے شہروں میں جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہے، مسلمانوں کی بہت تھوڑی فوج رہ گئی ہے اور ایک ایک سالار ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کا بڑا لشکر دومتہ الجندل چلا گیا ہے جہاں اُن کی کسی کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہے۔ شمشیر بن قیس نے مجھے آپ کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔ اِس وقت اپنے مفتوحہ علاقے مسلمانوں سے چھڑائے جا سکتے ہیں۔"

کچھ اور سوال و جواب کے بعد بہمن جاذویہ کو یقین ہو گیا کہ یہ آدمی غلط خبر نہیں لایا۔ بہمن کو معلوم تھا کہ دومتہ الجندل کتنی دُور ہے اور وہاں تک پہنچنے اور واپس آنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔

"تم واپس چلے جاؤ" — بہمن جاذویہ نے اس آدمی سے کہا — "اور شمشیر بن قیس سے کہنا کہ اتنا بڑا انعام تمہارے نام لکھ دیا گیا ہے جسے تم تصوّر میں بھی نہیں لا سکتے۔ ایک آدمی تمہارے پاس تاجر کے روپ میں آئے گا۔ اُس کے ساتھ تمہاری بات ہو گی۔ وہ تمہارا ساتھی ہو گا۔ ہم بہت جلد حملے کے لیے آ رہے ہیں۔ اندر سے دروازے کھولنا تمہارا کام ہو گا۔"

"کیا ہو گیا ہے محترم باپ؟" — بہمن کی بیٹی نے عین التمر کے سوار کے جانے کے بعد بہمن سے پوچھا — "مسلمان کہاں چلے گئے ہیں؟"

"اوہ میری پیاری بیٹی!" — بہمن نے بیٹی کو فرطِ مسرّت سے گلے لگا لیا اور پُرجوش اور پُرعزم آواز میں بولا — "مسلمان وہیں چلے گئے ہیں جہاں سے آتے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ وہ مدائن تک پہنچنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اُنہوں نے جو فتح حاصل کرنی تھی کر چکے ہیں، اب ہماری باری ہے۔ اب میں اپنی بیٹی کو مسلمانوں کی لاشیں دکھاؤں گا۔"

"کب؟" — بیٹی نے بچوں کے سے اشتیاق سے پوچھا — "مجھے خالدؓ کی لاش دکھانا محترم پدر! یہاں سب کہتے ہیں کہ وہ انسانوں کے رُوپ میں آیا ہوا جن ہے۔"

بہمن جاذویہ نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا۔

☆

بہمن جاذویہ کا یہ فاتحانہ اور طنزیہ قہقہہ پہلے کسریٰ کے محلاّت میں پہنچا، وہاں سے سالاروں

تک گیا پھر مدائن کی ہزیمت خوردہ فوج نے سنا اور پھر یہ احکام اور ہدایات کی صُورت اختیار کر گیا۔ بہمن جاذویہ کی بیٹی نے اپنی تمام سہیلیوں کو اور شاہی محل کی عورتوں کو اور جس کے ساتھ بھی اُس نے بات کی، یہ الفاظ کہے — "میں تمہیں خالدؓ کی لاش دکھاؤں گی۔"

"خالدؓ کی لاش؟" — تقریباً ہر لڑکی اور ہر عورت کا ردِّ عمل یہی تھا — "کہتے ہیں خالدؓ کو کوئی نہیں مار سکتا۔ وہ انسان نہیں۔ اُسے دیکھ کر فوجیں بھاگ جاتی ہیں۔"

شاہی اصطبل میں جہاں شاہی خاندان اور سالاروں کے گھوڑے ہوتے تھے، گہما گہمی بڑھ گئی تھی۔ سائیسوں کو حکم مِلا تھا کہ گھوڑے میں ذرا سا بھی کوئی نقص یا کمزوری دیکھیں تو اُسے ٹھیک کریں یا اُسے الگ کر دیں۔

بہمن جاذویہ کی بیٹی اس طرح ہر طرف پھدکتی پھر رہی تھی جس طرح عید کا چاند دیکھ کر ننھے کپڑوں

"میرے گھوڑے کا بہت سارا خیال رکھنا" — اُس نے اپنے خاندان کے سائیس سے کہا۔

ایک ادھیڑ عمر سائیس جو تین چار مہینے پہلے اس اصطبل میں آیا تھا، دوڑا آیا اور لڑکی سے پوچھا کہ اپنی فوج کہیں جا رہی ہے یا مدینہ کے لشکر کے حملے کا خطرہ ہے؟

کی خوشی میں ناچتے کودتے ہیں۔ وہ اصطبل میں گئی۔ وہاں اُس کے باپ کے گھوڑے کے ساتھ اُس کا اپنا گھوڑا بھی تھا جو باپ نے اُسے تحفے کے طور پر دیا تھا۔

"اب تم مدینہ والوں کی لاشیں دیکھو گے" — لڑکی نے کہا۔

باقی گھوڑوں کے سائیس بھی اس کے اِردگرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ وہ بھی تازہ خبر سننا چاہتے تھے۔ لڑکی نے انہیں بتایا کہ خالدؓ تھوڑی سی فوج پیچھے چھوڑ کر زیادہ تر فوج اپنے ساتھ لے گیا ہے اور وہ عراق سے دُور نکل گیا ہے۔ (یہ تمام علاقہ جو خالدؓ نے فارس والوں سے چھینا تھا، عراق تھا)۔ لڑکی نے سائیسوں کو بتایا کہ اب اپنی فوج پہلے عین التمر پر پھر دوسرے شہروں پر حملے کر کے انہیں دوبارہ اپنے قبضے میں لے لے گی۔ اگر خالدؓ واپس آیا بھی تو اُسے اپنی شکست اور موت کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

"کیا اُسے زندہ پکڑا جائے گا؟" — ادھیڑ عمر سائیس نے مسرور سے لہجے میں پُوچھا۔

"زندہ یا مُردہ" اُسے [illegible]ں بیٹی نے جواب دیا — "اُسے مدائن میں لایا جائے گا۔ اگر زندہ ہوا تو تم اُس کا سر قلم ہوتا دیکھو گے۔"

تین چار روز گزرے تو یہ ادھیڑ عمر سائیس لاپتہ ہو گیا۔ اُسے سب عیسائی عرب سمجھتے تھے۔ ہنس مکھ اور ملنسار آدمی تھا۔ صرف ایک سائیس نے اُس کے متعلق بتایا کہ وہ کہتا تھا کہ وہ اپنے قبیلے میں واپس جانا چاہتا ہے جہاں وہ قبیلے کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑے گا۔ وہ اپنے خاندان کے اُن مقتولین کا انتقام لینا چاہتا تھا جو دو جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

☆

جس وقت شاہی اصطبل میں اس سائیس کی غیر حاضری کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں، اُس وقت وہ مدائن سے دُور نکل گیا تھا۔ مدائن سے وہ شام کو نکلا تھا جب شہر کے درواز ے ابھی کھلے تھے۔ اُس کے پاس اپنا گھوڑا تھا۔ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ عیسائی نہیں مسلمان تھا اور وہ اسی علاقے کا رہنے والا تھا جس پر ایران کے آتش پرستوں کا قبضہ رہا تھا۔ وہ مثنیٰ بن حارثہ کا چھاپہ مار جاسوس تھا۔ اُس نے مدائن میں جاکر شاہی اصطبل کی نوکری حاصل کرلی تھی۔

بہمن جاذویہ کی بیٹی سے اُس نے عراق سے خالدؓ اور اُن کے لشکر کی روانگی اور مدائن کے سالاروں کے عزائم کی تفصیل سُنی تو وہ اُسی شام مدائن سے نکل آیا۔ یہ اطلاع بہت قیمتی تھی۔ سورج غروب ہوکر جب اُس کے اور مدائن کی شہر پناہ کے درمیان سیاہ پردہ ڈال دیا تو اس مسلمان جاسوس نے گھوڑے کو ایڑ لگادی۔ اُس کی منزل انبار تھی جہاں تک وہ اڑکر پہنچنے کی کوشش میں تھا۔ جہاں گھوڑا تھکتا محسوس ہوتا، وہ اُس کی رفتار کم کر دیتا۔ صرف ایک جگہ اُس نے گھوڑے کو پانی پلایا۔

اگلے روز کا سورج افق سے اٹھ آیا تھا جب وہ انبار میں داخل ہُوا اور کچھ دیر بعد وہ سالار زبرقان بن بدر کے پاس بیٹھا ہُوا تھا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ اُس نے ہانپتے ہُوئے سنایا کہ مدائن میں کیا ہو رہا ہے۔

"میں اُسی روز آجاتا جس روز مجھے بہمن جاذویہ کی بیٹی سے یہ خبر ملی تھی"۔۔۔ اُس نے سالار زبرقان سے کہا۔۔۔"لیکن میں وہاں تین دن یہ دیکھنے کے لیے رُکا رہا کہ دشمن کیا تیاریاں کر رہا ہے اور وہ سب سے پہلے کہاں حملہ کرے گا۔"

اس جاسوس نے جسے تاریخ نے "ایک جاسوس" لکھا ہے، مدینہ کی فوج کے سالار زبرقان بن بدر کو جو تفصیلی رپورٹ دی، وہ تاریخ کا حصّہ ہے اور تقریباً ہر مؤرخ نے بیان کیا ہے۔ خالدؓ جب عین التمر سے سالار عیاض بن غنم کی مدد کے لیے دومتہ الجندل کو روانہ ہُوتے تو عین التمر سے ایک عیسائی عرب نے مدائن اطلاع بھیج دی کہ خالدؓ عراق سے چلے گئے ہیں۔ اُن کی منزل دومتہ الجندل بتائی گئی۔ اس سے مدائن کے تجربہ کار سالار بہمن جاذویہ نے یہ رائے قائم کی کہ مسلمان تاخت و تاراج اور لوٹ مار کرنے آتے تھے اور اپنے کچھ دستے برائے نام قبضہ برقرار رکھنے کے لیے پیچھے چھوڑ کر چلے گئے اور یہ دستے ذرا سے دباؤ سے بھاگ اُٹھیں گے۔

اُس زمانے میں اکثر یوں ہوتا تھا کہ کوئی بادشاہ بہت بڑی فوج تیار کر کے طُوفان کی مانند یکے بعد دیگرے کئی ملکوں پر چڑھائی کرتا اور قتلِ عام اور لوٹ مار کرتا اپنے پیچھے کھنڈر اور لاشوں کے انبار چھوڑ جاتا تھا۔ وہ کسی بھی ملک پر مستقل طور پر قبضہ نہیں کرتا تھا۔ مدائن کے محل میں خالدؓ کی فوج کے متعلق یہی رائے قائم کی گئی لیکن خالدؓ نے عراق میں فارس کے جو مقبوضہ شہر اور بڑے قلعے فتح کیے تھے، وہاں وہ ایک ایک سالار اور کچھ دستے چھوڑ گئے تھے۔ یہ صُورتِ حال کسریٰ کے سالاروں کو کچھ پریشان کر رہی تھی۔

"فوج کو مدائن سے نکالو اور حملے پہ حملہ کرو"۔۔۔ کسریٰ کے دربار سے حکم جاری ہُوا۔

"ہم تیار ہیں"۔۔۔ شیرزاد نے کہا جو حاکم ساباط تھا اور انبار سے مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگا تھا۔

"ہم بالکل تیار ہیں"۔۔۔ مہران بن بہرام نے کہا جو عین التمر کا بھگوڑا تھا۔

"مگر لشکر تیار نہیں"۔۔۔ بہمن جاذویہ نے کہا جو تجربہ کار سالار تھا۔ شکست تو اُس نے بھی کھائی تھی لیکن اُس نے کچھ تجربہ حاصل کیا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو بہمن؟"۔۔۔ کسریٰ کے اُس وقت کے جانشین نے کہا۔۔۔"کیا ہم نے اس لشکر کو اس لیے پالا تھا کہ شکست کھا کر ہمارے پاس بھاگ آئے اور ہم ان سپاہیوں اور کمانداروں کو سانڈوں کی طرح پالتے رہیں؟"

"اگر ان سپاہیوں اور کمانداروں کو سزا دینی ہے تو آج ہی کُوچ کا حکم دے دیں"۔۔۔ بہمن جاذویہ نے کہا۔۔۔"اپنے لشکر کی حالت مجھ سے سنیں۔"

اُس نے اپنے لشکر کی جو کیفیت بیان کی وہ، مؤرخوں اور بعد کے جنگی مبصّروں کے الفاظ میں یوں تھی کہ فارس کی اس جنگی طاقت کے پرانے اور تجربہ کار سپاہیوں کی بیشتر نفری مسلمانوں کے ہاتھوں چار پانچ جنگوں میں ماری جا چکی تھی یا جسمانی لحاظ سے معذور بلکہ اپاہج ہوگئی تھی۔ خاصی تعداد جنگی قیدی تھی اور لشکر کے جو سپاہی اور ان کے کمانڈر بچ گئے تھے وہ ذہنی طور پر معذور نظر آتے تھے۔ تین الفاظ مدینہ، خالدؓ بن ولید اور مسلمان، اُن کے لیے خوف کا باعث بن گئے تھے۔ وہ فوری طور پر میدانِ جنگ میں جانے اور لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اُن کا جوش اور جذبہ بُری طرح مجروح ہُوا تھا۔ گھوڑوں کی بھی کمی واقع ہوگئی تھی۔

بہمن جاذویہ نے دربارِ خاص میں بتایا کہ جو عیسائی قبیلے ان کے اتحادی بن کر لڑے تھے، اُن کی بھی یہی کیفیت ہے۔ مہران بن بہرام نے انہیں عین التمر میں جو دھوکہ دیا تھا، اس کی وجہ سے وہ فارس والوں کے ساتھ ملنے سے انکار کر سکتے تھے۔

"پھر بھی انہیں ساتھ ملا لیا جائے گا"۔۔۔ بہمن جاذویہ نے کہا۔۔۔"لیکن اپنے لشکر کے لیے ہزارہا جوان آدمیوں کی بھرتی کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے لشکر میں نیا خون شامل کرنا پڑے گا۔ ان جوانوں کو ہم بتائیں گے کہ مسلمانوں نے اُن کی شہنشاہی کو، اُن کی غیرت کو اور اُن کے مذہب کو للکارا ہے۔ اگر اُنہوں نے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا نہ دیا تو اُن پر زرتشت کا قہر نازل ہوگا۔ ان کی جوان اور کنواری بہنوں کو مسلمان اپنی لونڈیاں بنالیں گے۔"

"اتنے زیادہ لشکر کی کیا ضرورت ہے؟"۔۔۔ مہران بن بہرام نے پوچھا۔۔۔"اطلاع تو یہ ملی ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں کی نفری برائے نام ہے۔"

"ہر شہر اور ہر قلعے میں ہمارے اپنے آدمی موجود ہیں"۔۔۔ شیرزاد نے کہا۔۔۔"اِس وقت وہ مسلمانوں کی ملازمت میں ہیں لیکن انہیں جب پتہ چلے گا کہ فارس کی فوج نے شہر کا محاصرہ کیا ہے تو۔۔۔"

"تو وہ اندر سے قلعے کے دروازے کھول دیں گے"۔۔۔ بہمن جاذویہ نے شیرزاد کی بات پوری کرتے ہُوئے کہا۔۔۔"تم جھوٹی امیدوں کے سہارے لڑائی لڑنا چاہتے ہو؟ مجھے اطلاعیں ملتی رہتی ہیں۔ مسلمان اپنے مفتوح اور محکوم لوگوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرتے ہیں کہ اُن کے ساتھ کوئی آدمی بیوفائی نہیں کرتا۔ اگر فاتح اپنے مفتوح کی جوان اور حسین بیٹیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور اُس کی عزت اور اموال کو تحفظ دے تو مفتوح ایسے فاتح کے ساتھ کبھی بیوفائی نہیں کرے گا۔"

"نہ سہی!— شاہی خاندان کے کسی فرد نے کہا —"اتنے زیادہ لشکر کی پھر بھی ضرورت نہیں"۔

"یہ ان سالاروں سے پوچھیں جو مسلمانوں سے شکست کھا کر آتے ہیں" — بہمن جاذویہ نے کہا —"میں تو کہتا ہوں کہ مسلمان جتنے تھوڑے ہوتے ہیں اتنے ہی زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ یہ بھی خیال رکھیں کہ مسلمان قلعہ بند ہوں گے۔ انہیں زیر کرنے کے لیے ہمارے پاس دس گنا نفری ہونی چاہیے۔ میں اپنی جوابی کارروائی کو فیصلہ کُن بنانا چاہتا ہوں۔ یہ خیال بھی رکھو کہ ہم ایک دن میں مقبوضہ شہر مسلمانوں سے واپس نہیں لے سکتے۔ مسلمان جہاں مقابلے میں جم گئے وہاں ہمیں مہینوں تک باندھ لیں گے۔ اس عرصے میں خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ واپس آسکتا ہے۔ اُس کے واپس آجانے سے صُورتِ حال بالکل ہی بدل جائے گی۔ اگر ہمارے لشکر کی نفری کم ہُوئی تو اس جنگ کا پانسہ پلٹ سکتا ہے۔ ہم لشکر تیار کر کے اسے کئی حصّوں میں تقسیم کریں گے اور ایک ہی وقت ہر جگہ حملہ کریں گے"۔

"کیا خالدؓ کے خاتمے کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا؟" — کسریٰ کے جانشین نے پوچھا۔

"یہ انتظام بھی میرے پیشِ نظر ہے" — بہمن جاذویہ نے کہا —"دیکھ بھال کے لیے میں تیز رفتار گھوڑ سوار ہر طرف پھیلا دوں گا۔ خالدؓ جدھر سے بھی آئے گا۔ مجھے اطلاع مِل جائے گی۔ میں اُسے عراق سے دُور روک لوں گا"۔

☆

بہمن جاذویہ کو وسیع اختیارات مل گئے۔ اُس نے اپنے لشکر میں اُن سپاہیوں کو زیادہ ترجیح دی جو مسلمانوں سے لڑ چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی نئی بھرتی شروع کر دی۔ نوجوانوں کو ایسا بھڑکایا گیا کہ وہ ہتھیاروں اور گھوڑوں سمیت لشکر میں آنے لگے۔ عیسائیوں کو زیادہ مراعات دے کر فوج میں شامل کیا گیا۔

عیسائی قبیلوں کے سرداروں کو مدائن بلایا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ خالدؓ اپنے لشکر کو عراق سے نکال لے گیا ہے اور جو مسلمان فوج پیچھے رہ گئی ہے اسے یہیں ختم کرنا ہے اور زندہ بچ رہنے والے مسلمانوں کو صحرا میں بھٹک بھٹک کر مرنے کے لیے چھوڑ دینا ہے۔

"بنی تغلب سے اب یہ توقع نہ رکھو کہ وہ تمھاری لڑائی لڑیں گے" — عیسائی قبیلے بنی تغلب کے ایک سالار نے فارس کے سالاروں سے کہا —"ہم ایک بار پھر وہ دھوکہ نہیں کھانا چاہتے جو ایک بار کھا چکے ہیں۔ عین التمر سے مہران بن بہرام اپنی ساری فوج لے کر بھاگ نہ آتا تو مسلمان وہیں ختم ہو جاتے۔ ہم اپنی لڑائی لڑیں گے۔ ہمیں مسلمانوں سے اپنے سردار عقہ بن ابی عقہ کے خون کا انتقام لینا ہے۔ ہم تمہاری مدد اور تمھارے ساتھ کے بغیر مسلمانوں کو شکست دے سکتے ہیں"۔

"کیا تم اپنی لڑائی الگ لڑو گے؟" — بہمن جاذویہ نے پوچھا —"کیا ایسا نہیں ہو گا کہ مسلمان ہم دونوں کو الگ الگ شکست دے دیں؟"

"لڑیں گے تمھارے دوش بدوش ہی!— بنی تغلب کے سردار نے کہا —"میری عقل میرے قابو میں ہے۔ ہمارا دشمن مشترک ہے۔ ہم تمھارے ساتھ ہوں گے لیکن تم پر بھروسہ نہیں کریں گے۔ ہمیں خالدؓ کا سر چاہیے"۔

"خالد یہاں نہیں" — مہران بن بہرام نے کہا —"وہ جا چکا ہے"۔

"جہاں کہیں بھی ہے" — عیسائی سردار نے کہا —"زندہ تو ہے۔ ہم پہلے اُس کے اِن دستوں کو ختم کریں گے جو یہاں ہیں، پھر ہم خالدؓ بن ولید کے پیچھے جائیں گے .... وہ خود آجائے گا۔ وہ دستوں کی مدد کو ضرور آئے گا لیکن یہاں موت اُس کی منتظر ہو گی"۔

یہ مسلمان جاسوس مدائن میں عیسائی بن کر شاہی اصطبل میں نوکری کر رہا تھا اس لیے وہ عیسائیوں میں گھُل مِل گیا تھا۔ اُس نے سالار زبرقان بن بدر کو بتایا کہ آتش پرستوں کی نسبت عیسائی قبیلے خالدؓ کے زیادہ دشمن بنے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے فارس کے سالاروں سے کہا کہ وہ پیچھے رہیں، مسلمانوں پر پہلا وار عیسائی قبیلے، بنی تغلب، نمر اور ایاد کریں گے۔

☆

سالار زبرقان بن بدر نے مدائن کی یہ رپورٹ سنی اور اُسی وقت دو قاصد بلائے۔ انہیں کہا کہ دو بہترین گھوڑے لیں اور اُڑتے ہوئے دومۃ الجندل پہنچیں۔ زبرقان نے انہیں خالدؓ کے نام زبانی پیغام دیا۔

".... اور سالارِ اعلیٰ ابنِ ولید سے یہ بھی کہنا کہ جب تک انبار میں آخری مسلمان کی سانسیں چل رہی ہوں گی، دشمن شہر کے اندر نہیں آسکے گا" — زبرقان بن بدر نے قاصدوں سے کہا —"تو آجائے گا تو ہمیں سہولت ہو جائے گی۔ نہیں آسکو گے تو وہ اللہ ہمارے ساتھ ہے جس کے رسولؐ کا پیغام ہم اپنے سینوں میں لیے یہاں تک آئے ہیں .... اور ابن ولید سے کہنا کہ دومۃ الجندل کی صورتِ حال تجھے آنے دیتی ہے تو آ اور تو اگر وہاں مشکل میں پھنسا ہُوا ہے تو ہمیں اللہ کے سپرد کر، ہم اُسی طرح لڑیں گے جس طرح تیری شمشیر کے سائے تلے لڑتے رہے ہیں"۔

اِن قاصدوں کو روانہ کر کے سالار زبرقان نے چند ایک اور قاصدوں کو بلایا اور ہر ایک کو اُس کی منزل بتائی۔ اِن قاصدوں کو اُن شہروں میں جانا اور وہاں کے سالاروں کو بتانا تھا کہ خالدؓ کی غیر حاضری سے آتش پرستوں نے کیا تاثر لیا ہے اور وہ حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ پیغام میں زبرقان نے یہ بھی کہا کہ اُس نے دومۃ الجندل کو قاصد بھیج دیا ہے، اگر وہاں سے مدد نہ آئی تو ہم ایک دوسرے کی مدد کو پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

مسلمانوں کے لیے بڑی خطرناک صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ دشمن کے مقابلے میں نفری پہلے ہی تھوڑی تھی۔ وہ بھی بکھری ہوئی تھی۔ اِس صورت میں کہ دشمن بیک وقت تمام اُن شہروں کو جن پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، محاصرے میں لے لیتا تو مسلمان ایک دوسرے کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔

دونوں طرف بے پناہ سرگرمی شروع ہو گئی۔ عیسائی قبیلوں کے سرداروں نے بستی بستی جا کر لوگوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ وہ اُن چھوٹے چھوٹے قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا رہے تھے جو عیسائی نہیں تھے۔ وہ بت پرست تھے۔ عیسائیوں کی جوان لڑکیاں بھی غیر مسلم بستیوں میں چلی گئیں۔ وہ عورتوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتی تھیں کہ وہ اپنے مردوں کو، جوان بھائیوں اور بیٹوں کو باہر [illegible] یں ورنہ تمام جوان لڑکیوں کو مسلمان اپنے ساتھ لے جا کر لونڈیاں بنا لیں گے۔ ایسے نعرے بھی اِن لڑکیوں نے لگائے

—"ہم مسلمانوں کی لونڈیاں بننے جارہی ہیں" — اور دوسرا نعرہ جو بستی بستی لگ رہا تھا وہ یہ تھا — "اپنے مقتولوں کے انتقام کا وقت آگیا ہے .... باہر آؤ، انتقام لو"

اُدھر مدائن میں فارس کے لشکر کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھتی جارہی تھی۔ اب لشکر میں شامل ہونے والوں میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی جو جوش سے پھٹے جا رہے تھے۔ انہیں میدانِ جنگ میں لڑنے کی تربیت دی جارہی تھی۔ گھوڑسواری، تیراندازی، تیغ زنی اور نیزہ بازی تو وہ جانتے تھے، ان میں انہیں مزید طاق کیا جا رہا تھا۔ بہمن جاذویہ تو جیسے پاگل ہُوا جارہا تھا۔ وہ خود لشکر کی تربیت اور مشقوں کی نگرانی کرتا تھا۔ اُس کے ساتھی سالار اُسے کہتے تھے کہ حملہ جلدی ہونا چاہیئے لیکن وہ نہیں مانتا تھا۔ کہتا تھا کہ خالدؓ واپس نہیں آتے گا۔ اگر اُسے واپس آنا ہی ہُوا تو لشکر کے ساتھ اُس وقت یہاں پہنچے گا جب عراق کی زمین پر کھڑا ہونے کے لیے اُسے ایک بالشت بھی زمین نہیں ملے گی۔

مسلمان جن شہروں پر قابض تھے، وہاں کی سرگرمی اپنی نوعیّت کی تھی۔ ہر شہر میں مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ انہوں نے کم تعداد سے قلعوں کے دفاع کی مشقیں شروع کر دی تھیں۔ لاکھوں کے حساب سے تیر اور پھینکنے والے برچھے تیار ہورہے تھے۔ سالاروں نے مجاہدین کا ایک ایک چھاپہ مار جیش تیار کر لیا تھا۔ انہیں زیادہ وقت قلعوں کے باہر گذارنا اور عام راستوں سے دُور رہنا تھا۔ ان کا کام یہ تھا کہ دشمن شہر کا محاصرہ کرلے تو عقب سے اُس پر "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر چھاپے اور شبخون مارتے رہیں۔

خالدؓ کی غیر حاضری میں سالار عاصم بن عمرو کے بھائی قعقاع بن عمرو مفتوحہ علاقوں میں مختلف شہروں میں مقیم دستوں کے سالار تھے۔ اُس کا ہیڈ کوارٹر حیرہ میں تھا۔ اُس کی ذمہ داری صرف حیرہ کے دفاع تک محدود نہیں تھی۔ عراق کے تمام تر مفتوحہ علاقے کا دفاع اُس کی ذمہ داری میں تھا۔ اُس نے اس علاقے میں بکھرے ہوتے تمام سالاروں کو ہدایات بھیج دی تھیں۔ اُس نے سب کو زور دے کر کہا تھا کہ دومتہ الجندل سے خالدؓ اور اپنے لشکر کے انتظار میں نہ بیٹھے رہیں۔ اپنے اللہ پر بھروسہ رکھیں اور یہ سمجھ کر لڑنے کی تیاری کرلیں کہ اُن کی مدد کو کوئی نہیں آتے گا۔

قعقاع نے ایک کارروائی یہ کی خالدؓ نے جو دستے دریاتے فرات کے پار خیمہ زن کتے تھے، ان میں سے زیادہ تر نفری کو حیرہ میں بلا لیا تاکہ اس شہر کے دفاع کو مضبوط کیا جا سکے۔ قعقاع کا اپنا جاسوسی کا نظام تھا۔ اس کے ذریعے قعقاع کو اطلاع ملی کہ فارس کا لشکر کہاں کہاں جمع ہوگا۔ یہ دو جگہیں تھیں۔ ایک حُصید اور دوسری خنافس۔ یہ دونوں مقام انبار اور عین التمر کے درمیان تھے قعقاع نے اپنے ایک دستے کو حصید اور دوسرے کو خنافس اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا کہ فارس کی فوج وہاں آتے تو اس پر نظر رکھیں اور فوج کسی طرف پیشقدمی کرے تو اُس پر چھاپے ماریں اور اس پیشقدمی میں رکاوٹ ڈالتے رہیں شبخون بھی ماریں۔

یہ دونوں دستے جب اِن مقامات پر پہنچے تو دونوں جگہوں پر فارس کے ہراول کے دستے آتے ہوتے تھے۔ وہ جو خیمے گاڑ رہے تھے، ان سے پتہ چلتا تھا کہ یہ خیمے کسی بہت بڑے لشکر کے لیے

گاڑے جارہے ہیں۔ مسلمان دستوں نے ان کے سامنے اُسی انداز سے خیمے گاڑنے شروع کر دیتے جیسے وہ بھی بہت بڑے لشکر کا ہراول ہوں۔

☆

اِدھر یہ تیاریاں ہورہی تھیں۔ مجاہدینِ اسلام کو خس و خاشاک کی مانند اُڑالے جانے کے لیے بڑا ہی تُند طوفان اُٹھ کھڑا ہُوا تھا، اُدھر سالار زبرقان بن بدر کے روانہ کتے ہوتے دونوں قاصد دومتہ الجندل خالدؓ کے پاس پہنچ گتے۔ انہوں نے ساڑھے تین سَو میل فاصلہ صرف پانچ دنوں میں طے کیا تھا۔ خالدؓ جب دومتہ الجندل گتے تھے تو انہوں نے تین سَو میل فاصلہ دس دنوں میں طے کیا تھا۔ اب دو قاصدوں نے ساڑھے تین سَو میل سے زیادہ صحراتی اور دشوار مسافت پانچ دنوں میں طے کی۔ بھوک اور پیاس سے اُن کی زبانیں باہر نکلی ہوتی تھیں۔ اُن کے چہروں پر باریک ریت کی تہہ جم گتی تھی۔ اُن کی زبانیں اکڑ گتی تھیں۔ اُنہوں نے پھر بھی بولنے کی کوشش کی۔

"تم پر اللہ کی رحمت ہو" — خالدؓ نے کہا — "خشک جسموں سے تم کیسے بول سکو گے؟"

انہیں کھلایا پلایا گیا تو وہ بولنے کے قابل ہوتے۔

"سالارِ اعلیٰ کو انبار کے سالار زبرقان بن بدر کا سلام پہنچے" — ایک قاصد نے کہا۔

"وعلیکم السلام!" — خالد نے پوچھا — "اور وہ پیغام کیا ہے جو لاتے ہو؟"

"مدائن میں بہت بڑا لشکر تیار ہورہا ہے" — قاصد نے کہا — "اور ایک لشکر عیساتی قبیلوں کا تیار ہورہا ہے۔ وہ کہتے ہیں ابنِ ولید اُن کے علاقوں سے چلا گیا ہے اور وہ تھوڑے سے جو دستے چھوڑ گیا ہے انہیں ایک ہی حملے میں ختم کر کے اپنے علاقے واپس لیں گے۔"

دونوں قاصدوں نے خالدؓ کو تمام تر تفصیل بتاتی اور کہا کہ خالدؓ کو دومتہ الجندل کے حالات اجازت نہ دیں تو نہ آئیں، دستے جو فارس کی شہنشاہی کے علاقے میں ہیں وہ اُسی طرح لڑیں گے جس طرح خالدؓ کی قیادت میں لڑے تھے۔

خالد دومتہ الجندل پر قبضہ مکمل کر چکے تھے۔ اُنہوں نے وہاں کا انتظام ایک نائب سالار کے حوالے کیا اور فوری طور پر کوچ کا حکم دے دیا۔

"خدا کی قسم!" — مورخوں کے مطابق، خالدؓ نے ان الفاظ میں قسم کھاتی — "بنی تغلب پر اس طرح جھپٹوں گا کہ پھر کبھی وہ اسلام کے خلاف اُٹھنے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

مورخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے مجاہدین سے کہا کہ اتنی تیز چلو کہ صحرا کی ہوائیں پیچھے رہ جائیں پیادے گھوڑوں سے آگے نکل جائیں۔ یہ ایک امتحان ہے جو بڑا ہی سخت ہے۔ یہ ایک دوڑ تھی آتش پرستوں اور حق پرستوں کی۔ آتش پرستوں کو اپنے ہی علاقے میں پہنچنا تھا اور یہ مسافت کچھ بھی نہیں تھی۔ حق پرست بڑی دُور سے چلے تھے۔ اُن کے سامنے سینکڑوں میلوں کی مسافت ہی نہیں تھی، بڑا ظالم صحرا تھا میل ہا میل کی وسعت میں صحراتی ٹیلے تھے اور باقی سب ریت کا سمندر تھا۔ سب سے بڑا مسئلہ پانی کا اور اس سے بڑا مسئلہ رفتار کا تھا جو کم نہیں کی جا سکتی تھی۔ ناممکن کو ممکن کر دکھانا تھا۔

چاند اور ستاروں نے انہیں چلتے دیکھا۔ سورج نے انہیں چلتے دیکھا۔ صحرا کی آندھی بھی انہیں

نہ روک سکی۔ آندھی، سورج، پیاس اور بھوک جسموں کو معذور کیا کرتی ہے۔ وہ جو تپتے صحراؤں میں پیاس سے مر جاتے ہیں وہ جسم ہوتے ہیں، اور وہ جو خالدؓ کی قیادت میں دومتہ الجندل سے چلے تھے وہ اپنے جسموں سے دستبردار ہو گئے۔ اُن کی قوتِ ارادی کا اور قوت ایمانی کا کرشمہ یہ تھا کہ انہوں نے جسمانی ضروریات سے نگاہیں پھیر لیں اور روحانی قوتوں کو بیدار کر لیا تھا۔ اُن کی زبان پر اللہ کا نام تھا، دلوں میں ایمان اور یقینِ محکم تھا۔ اپنی ہی آواز اُن پر وجد طاری کر رہی تھی۔

جنگی ترانے گانے والے لشکر کے وسط میں اونٹوں پر سوار تھے۔ اُن کی آواز آگے بھی اور پیچھے بھی جاتی تھی۔ لشکر کے قدم دفوں اور نفیریوں کی تال پر اُٹھتے تھے اور یہ تال بڑی تیز تھی۔ کچھ فاصلہ طے کر کے ترانے اور دف خاموش ہو جاتے اور تمام لشکر کلمہ طیبہّ کا وِرد بلند آواز میں شروع کر دیتا۔ ہزار ہا حق پرستوں کی آواز ایک ہو جاتی پھر یہ آواز ایک گونج بن جاتی اور یوں لگتا جیسے صحرا اور صحرائی ٹیلوں پر وجد طاری ہو گیا ہو۔

اسلام کے شیدائیوں کا لشکر اپنی ہی آواز سے مسحور ہوتا چلا جا رہا تھا۔

☆

بہمن جاذویہ نے اپنے تیار کیے ہوتے لشکر کو آخری بار دیکھا اور اسے دو حصّوں میں تقسیم کر کے ایک حصّے کو حُصید کی طرف اور دوسرے کو خنافس کی طرف روانہ کر دیا۔ اب اُس نے کمان نئے سالاروں کو دی تھی حُصید والے حصّے کا سالار روزبہ تھا اور خنافس والے حصّے کا زرمہر۔ اِن کے لیے حکم تھا کہ اپنے اپنے مقام پر جا کر خیمہ زن ہو جائیں اور بنی تغلب اور دوسرے عیسائی قبیلوں کے لشکر کا انتظار کریں۔ قعقاع کے جاسوس نے صحیح اطلاع دی تھی کہ مدائن کے لشکر حُصید اور خنافس کو اجتماع گاہ بنائیں گے اور اگلی کارروائی یہیں سے کریں گے۔

عیسائیوں کا لشکر ابھی پوری طرح تیار نہیں ہُوا تھا۔ مورّخوں نے لکھا ہے کہ ایرانیوں کی طرح عیسائی بھی دو حصّوں میں تیار ہو رہے تھے۔ ایک کا سردار ہذیل بن عمران تھا اور دوسرے کا ربیعہ بن بُجیر۔ یہ لشکر حُصید اور خنافس سے کچھ دُور دو مقامات ثنٰی اور زُمَیل پر جمع ہو رہے تھے۔

مدائن کے لشکر کے دو حصوں اور عیسائیوں کے دو حصّوں کو یکجا ہونا تھا۔ یہ بہت بڑی جنگی طاقت تھی مسلمانوں کی تعداد ہر جنگ میں دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑی رہی ہے لیکن اب مسلمان آٹے میں نمک کے برابر لگتے تھے۔ اسلام کے فدائیوں کا سامنا اتنے بڑے لشکر سے کبھی نہیں ہُوا تھا۔

ان چاروں خیمہ گاہوں میں رات کو سپاہی اس طرح ناچتے اور گاتے تھے جیسے انہوں نے مسلمانوں کو بڑی بُری شکست دے دی ہو۔ انہیں اپنی فتح صاف نظر آ رہی تھی۔ حالات اُن کے حق میں تھے، نفری اُن کی بے پناہ تھی، ہتھیار اُن کے بہتر تھے۔ گھوڑوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ انعام و اکرام جو انہیں پیش کیے گئے تھے پہلے کبھی نہیں کیے گئے تھے۔ مالِ غنیمت کے متعلق انہیں بتایا گیا تھا کہ سب اُن کا ہو گا۔ اُن سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔

اِن میں صرف اُن پرانے سپاہیوں پر سنجیدگی سی چھائی ہوئی تھی جو مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکے تھے۔ وہ جب کوئی سنجیدہ بات کرتے تھے تو نوجوان سپاہی اُن کا مذاق اڑاتے تھے۔

☆

ایسی ایک اور رات فارس کے لشکر نے گاتے بجاتے اور پیتے پلاتے گذار دی۔ صبح ابھی سورج نہیں نکلا تھا اور حُصید کی خیمہ گاہ میں مدائن کے لشکر کا ایک حصّہ سویا ہُوا تھا۔ انہیں جاگنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ مسلمان قلعوں میں ہیں اور تعداد میں اتنے تھوڑے کہ وہ باہر آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اُنہوں نے دیکھا تھا کہ اُن سے کچھ دُور مسلمانوں نے آکر جو ڈیرے ڈالے تھے وہ واپس چلے گئے ہیں۔ مسلمان ایک شام پہلے وہاں سے آ گئے تھے۔

آتش پرستوں کی خیمہ گاہ کے سنتری جاگ رہے تھے یا چند ایک وہ لوگ بیدار تھے جو گھوڑوں کے آگے چارہ ڈال رہے تھے۔ پہلے سنتریوں نے واویلا بپا کیا پھر گھوڑوں کو چارہ وغیرہ ڈالنے والے چلّانے لگے۔ "ہوشیار ... خبردار .... مدینہ کی فوج آ گئی ہے"۔ خیمہ گاہ میں ہڑبونگ مچ گئی۔ سپاہی ہتھیاروں کی طرف لپکے۔ سوار اپنے گھوڑوں کی طرف دوڑے لیکن مسلمان صحرائی آندھی کی مانند آ رہے تھے۔ ان کی تعداد آتش پرستوں کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑی تھی لیکن یہ غیر متوقع تھا کہ وہ حملہ کریں گے۔

مسلمانوں کی تعداد صرف پانچ ہزار تھی۔ اُن کا سالار قعقاع بن عمرو تھا۔ گذشتہ شام خالدؓ اپنے لشکر سمیت پہنچ گئے تھے۔ اُنہوں نے آرام کرنے کی بجائے صورتِ حال معلوم کی۔ انہوں نے شام کو اُن مختصر سے دستوں کو حُصید اور خنافس سے واپس بلا لیا تھا۔ اس سے آتش پرستوں کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ وہ یہ سمجھے کہ مسلمان اُن کے اتنے بڑے لشکر سے مرعوب ہو کر بھاگ گئے ہیں۔

خالدؓ نے دوسرا اقدام یہ کیا کہ پانچ ہزار نفری ایک اور سالار ابو لیلیٰ کو دی اور اُسے مدائن کے اُس لشکر پر حملہ کرنے کو روانہ کیا جو خنافس کے مقام پر خیمہ زن تھا۔

"تم پر اللہ کی رحمت ہو میرے دوستو!" — خالدؓ نے ان دونوں سالاروں سے کہا — "تم دونوں صبح طلوع ہوتے ہی بیک وقت اپنے اپنے ہدف پر حملہ کرو گے۔ خنافس حُصید کی نسبت دُور ہے۔ ابو لیلیٰ! تجھے تیز چلنا پڑے گا۔ کیا تم دونوں سمجھتے ہو کہ دونوں لشکروں پر ایک ہی وقت کیوں حملہ کرنا ہے؟"

"اِس لیے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کو نہ جا سکیں" — قعقاع بن عمرو نے جواب دیا — "ابنِ ولید! تیری اس چال کو ہم ناکام نہیں ہونے دیں گے۔"

"فتح اور شکست اللہ کے اختیار میں ہے" — خالدؓ نے کہا — "تمہارے ساتھ صرف پانچ پانچ ہزار سوار اور پیادے ہیں۔ میں دشمن کی تعداد کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ لڑائی نہیں ہو گی، یہ چھاپہ ہو گا۔ اتنے بڑے لشکر پر اتنے کم آدمیوں کا حملہ چھاپہ ہی ہوتا ہے .... وقت بہت کم ہے میرے رفیقو! جاؤ۔ میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

خالدؓ خود عین التمر میں اس خیال سے تیاری کی حالت میں رہے کہ عیسائی قبیلے جو ثنّی اور زمیل میں اکٹھے ہو رہے تھے وہ فارس کے لشکر کے ساتھ جا ملنے کو چلیں تو انہیں وہیں اُلجھا لیا جائے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ خالدؓ کی جنگی ذہانت کا کمال تھا کہ اُنہوں نے دشمن کی اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی کہ اُس کا لشکر ابھی چار حصّوں میں بٹا ہُوا چار مختلف مقامات پر تھا۔ ان چار حصّوں کو یکجا ہونا تھا۔ خالدؓ نے ایسی چال چلی کہ چاروں حصّے الگ الگ رہیں اور ایک دوسرے کی مدد کو نہ پہنچ سکیں اور ہر ایک کو الگ الگ شکست دی جائے۔

یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ کا یہ حکم تھا ــــ "دشمن کو تباہ کر دو" ــــ ان مؤرخوں نے اس حکم کا مطلب یہ لیا ہے کہ جنگی قیدی اکٹھے نہ کیے جائیں، دشمن کا صفایا کر دو۔ خالدؓ اتنے طاقتور دشمن کی طاقت کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن دیکھنا یہ تھا کہ خالدؓ اتنی تھوڑی اور تھکی ہوئی نفری سے اتنے طاقت ور دشمن کو ختم کر سکتے تھے؟

☆

سالار قعقاع بن عمرو توقت پر اپنے ہدف پر پہنچ گئے۔ دشمن کے لیے اُن کا حملہ غیر متوقع تھا۔ حُصَید کی خیمہ گاہ میں ہڑبونگ مچ گئی۔ مسلمان بند توڑ کر آنے والے سیلاب کی مانند آرہے تھے۔ پانچ ہزار نفری کو سیلاب نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن ان پانچ ہزار کی تندی اور تیزی سیلاب سے کم نہ تھی۔

آتش پرستوں کا سالار رُوزبہ اس صورتِ حال سے گھبرا گیا۔ اُس نے ایک قاصد کو اپنے اُس لشکر کے سالار زرمہر کی طرف جو خنافس میں خیمہ زن تھا، اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیا کہ مسلمانوں نے اچانک حملہ کر دیا ہے اور صورتِ حال مخدوش ہے۔

قاصد بہت تیز وہاں پہنچا۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ سالار زرمہر اپنے ساتھی سالار رُوزبہ کے اس پیغام پر ہنس پڑا۔ اُس نے کہا کہ رُوزبہ کا دماغ چل گیا ہے، مسلمانوں میں اتنی جرأت کہاں کہ باہر آکر حملہ کریں۔ قاصد نے اُسے بتایا کہ وہ کیا دیکھ آیا ہے۔ زرمہر اپنے لشکر کو وہاں سے کہیں بھی نہیں لے جا سکتا تھا کیونکہ اُس کے سالارِ اعلیٰ بہمن جاذویہ کا حکم تھا کہ کسی اور جگہ کچھ ہی ہوتا رہے، کوئی لشکر بغیر اجازت اِدھر اُدھر نہیں ہوگا لیکن قاصد نے زرمہر کو پریشان کر دیا تھا۔ اُس نے بہتر سمجھا کہ لشکر کو خنافس رہنے دے اور خود حصید جا کر دیکھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

وہ جب حُصَید پہنچا تو اپنے ساتھی سالار رُوزبہ کو مشکل میں پھنسا ہوا پایا۔ قعقاع کا حملہ بڑا زوردار ہلّہ تھا۔ اُس نے دشمن کو بے خبری میں جا لیا تھا۔ دشمن کو یہ سہولت حاصل تھی کہ اُس کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس افراط کے بل بوتے پر آدھا لشکر بڑی عجلت میں لڑنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

زرمہر بھی آگیا تھا۔ اُس نے رُوزبہ کا ساتھ دیا۔ توقع یہی تھی کہ آتش پرست مسلمانوں پر چھا جائیں گے۔ قعقاع خالدؓ والی شجاعت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ رُوزبہ کو للکار رہا تھا۔ رُوزبہ قلب میں تھا قعقاع کی بار بار للکار پر وہ سامنے آگیا۔ قعقاع اپنے محافظوں کے نرغے میں اُس کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔ وہ اپنے محافظوں کے حصار سے نکل آیا۔ اِدھر قعقاع اپنے محافظوں کو چھوڑ کر آگے ہُوا۔

دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیے، وار روکے، پینترے بدلے اور زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ قعقاع کی تلوار روزبہ کے پہلو میں بغل سے ذرا نیچے اُتر گئی۔ قعقاع نے تلوار کھینچ لی اور گھوڑے کو روک کر پیچھے کو موڑا۔ روزبہ گھوڑے پر سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ قعقاع نے پیچھے سے آکر تلوار اُس کی پیٹھ میں خنجر کی طرح ماری جو روزبہ کے جسم میں کئی انچ اُتر گئی۔ روزبہ گھوڑے سے اس طرح گرا کہ اُس کا ایک پاؤں رکاب میں پھنس گیا۔ قعقاع نے دیکھ لیا اور گھوڑے کو روزبہ کے گھوڑے کے قریب کر کے گھوڑے کو تلوار کی نوک چبھوئی۔ گھوڑا سرپٹ دوڑ پڑا اور روزبہ کو زمین پر گھسیٹتا اپنے ساتھ ہی لے گیا۔

زرمہر قریب ہی تھا۔ کسی بھی مؤرخ نے اُس مسلمان کماندار کا نام نہیں لکھا جس نے زرمہر کو دیکھ لیا

اور اُسے للکارا۔ زرمہر مقابلے کے لیے سامنے آیا اور اُس کا بھی وہی انجام ہُوا جو اُس کے ساتھی رُوزبہ کا ہو چکا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اُسے اُس کے گھوڑے نے گھسیٹا نہیں تھا۔ وہ خون میں لت پت اپنے گھوڑے سے گرا اور مر گیا۔

مدائن کے اس لشکر میں ایک تو وہ کماندار اور سپاہی تھے جو پہلے بھی مسلمانوں کے ہاتھوں پٹ چکے اور انہیں بے جگری سے لڑتے دیکھ چکے تھے۔ انہیں اپنی شکست کا یقین تھا۔ اُن کے حوصلے اور جذبے میں ذرا سی بھی جان نہیں تھی۔ وہ کٹ رہے تھے یا لڑائی سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جاذویہ نے جن نوجوانوں کو بھرتی کیا تھا وہ تیغ زنی، تیر اندازی وغیرہ میں تو طاق تھے اور اُن میں جوش و خروش بھی تھا لیکن اُنہوں نے میدانِ جنگ پہلی بار دیکھا تھا اور مسلمانوں کو لڑتا بھی انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اُنہوں نے تڑپتے ہُوئے اور پیاس سے مرتے ہُوئے زخمی کبھی نہیں دیکھے تھے۔ زخم خوردہ گھوڑوں کو بے لگام دوڑتے اور انسانوں کو کچلتے بھی انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اب اُنہوں نے اتنی غارت گری اور اتنا زیادہ خون دیکھا کہ زمین لال ہو گئی تو انہیں اُن پرانے سپاہیوں کی باتیں یاد آنے لگیں جو مسلمانوں سے لڑے اور بھاگے تھے۔ اب وہ سپاہی زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے یا بھاگ رہے تھے۔ نوجوانوں کے حوصلے جواب دے گئے۔ تلواروں اور برچھیوں پر اُن کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

آتش پرستوں کے لشکر کا حوصلہ تو پہلے ہی ٹوٹ رہا تھا، اُنہوں نے جب دو نعرے سنے تو وہ فرار کا راستہ دیکھنے لگے۔

"خدا کی قسم! ــــ یہ کسی مسلمان کا نعرہ تھا ــــ "زرتشت کے پجاریوں کے دونوں سالار مارے گئے ہیں" ــــ یہ للکار بلند ہوتی چلی گئی۔

پھر دشمن کے اپنے سپاہیوں نے چلّانا شروع کر دیا ــــ "رُوزبہ اور زرمہر ہلاک ہو گئے ہیں"۔

اُس کے ساتھ یہ للکار بھی سنائی دی ــــ "خالدؓ بن ولید آگیا ہے..... خالدؓ بن ولید کا لشکر آگیا ہے"۔

اس نعرے نے مدائن کے لشکر کا رہا سہا دم بھی ختم کر دیا اور لشکر بکھر کر فرداً فرداً بھاگ اُٹھا۔ بھاگنے والوں کا رُخ خنافس کی طرف تھا جہاں مدائن کے لشکر کا دوسرا حصّہ خیمہ زن تھا۔

☆

خنافس کے لشکر پر حملہ کرنے کے لیے خالدؓ نے سالار ابولیلیٰ کو اس ہدایت کے ساتھ بھیجا تھا کہ خنافس اور حُصَید پر بیک وقت حملے ہوں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ وجہ یہ تھی کہ خنافس حُصَید کی نسبت دُور تھا۔ ابولیلیٰ اپنی پانچ ہزار فوج کو لے کر چلے تو بہت تیز لیکن بروقت نہ پہنچ سکے۔ حُصَید پر قعقاع نے پہلے حملہ کر دیا۔ تاخیر کا نقصان یہ ہونا تھا کہ دشمن بیدار ہو تا لیکن تاخیر بھی سُود مند ثابت ہوئی۔ وہ اس طرح کہ ابولیلیٰ کے پہنچنے سے ذرا ہی پہلے خنافس کے لشکر کو اطلاع مل گئی کہ مسلمانوں نے رُوزبہ اور زرمہر کو مار ڈالا ہے اور لشکر بُری طرح کٹ رہا ہے۔

ابولیلیٰ جب دشمن کے سامنے گئے تو دشمن کو لڑائی کے لیے تیار پایا۔ دشمن کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی۔ ابولیلیٰ کو سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا تھا۔ وہ ہلّہ نہیں بول سکتے تھے۔ انہیں چالوں کی جنگ

لڑنی تھی۔

اس انتظار میں کہ دشمن حملے میں پہل کرے، حُصَید سے بھاگے ہُوئے سپاہی خنافس کی خیمہ گاہ میں پہنچنے لگے۔ سب سے پہلے گھوڑسوار آئے۔ ان میں بہت سے زخمی تھے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ بلاوجہ نہیں بھاگے، اُنھوں نے مسلمانوں کے لشکر کی تعداد اور ان کے لڑنے کے قہروغضب کو مبالغے سے بیان کیا اور ایسی دہشت پھیلائی کہ خنافس کے لشکر کا حوصلہ لڑے بغیر ہی ٹوٹ گیا۔ بھگوڑوں نے یہ خبر بھی سنائی کہ خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ آگیا ہے۔

خنافس والے لشکر کی کمان اب ایک اور آتش پرست سالار مہبوذان کے پاس تھی۔ زیادہ تر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مہبوذان اور دیگر تمام سالاروں کو یہ بتایا گیا تھا کہ مسلمان قلعوں میں بند ہیں اور اُن کی نفری بہت تھوڑی ہے اور یہ بھی کہ خالدؓ جاچکا ہے، لہٰذا قلعوں پر حملے کرکے مسلمانوں کو ختم کردینا ہے۔ اب صورتِ حال بالکل ہی بدل گئی تھی۔ مدائن کے سالار مہبوذان نے رُوزبہ کے لشکر کی حالت سنی اور اپنے لشکر کی ذہنی حالت دیکھی اور یہ سنا کہ خالدؓ اپنے لشکر کو لے کر آگئے ہیں تو اُس نے لڑائی کا ارادہ ترک کردیا اور اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔

ابولیلیٰ نے بغیر لڑے فتح حاصل کرلی۔ اُس نے اپنے ایک دو آدمی مہبوذان کے لشکر کے پیچھے بھیجے کہ وہ چھپتے چھپاتے جائیں اور دیکھیں کہ یہ لشکر کہاں جاتا ہے۔

☆

خالدؓ عین التمر میں تھے۔ انہیں پہلی اطلاع یہ ملی کہ حُصَید کا لشکر بھاگ گیا ہے۔ بہت دیر بعد اُبولیلیٰ کا بھیجا ہُوا قاصد خالدؓ کے پاس پہنچا اور یہ خبر سنائی کہ خنافس والا لشکر بغیر لڑے پسپا ہوگیا ہے اور مضیح پہنچ کر عیسائیوں کے ساتھ جا ملا ہے۔ وہاں جو عیسائی قبیلوں کا لشکر جمع تھا، اُس کی کمان ھذیل بن عمران کے پاس تھی۔

اس طرح مضیح میں دشمن کا بہت بڑا لشکر جمع ہوگیا تھا۔ خالدؓ سوچ میں پڑ گئے۔ وہ آتش پرستوں کے مرکزی مقام مدائن پر حملہ کرسکتے تھے۔ مدائن فارس کی جنگی طاقت کا دل تھا۔ خالدؓ نے سوچا کہ وہ اِس دل میں خنجر اتار سکتے ہیں یا نہیں۔ مشہور مؤرخ طبری لکھتا ہے کہ خالدؓ مدائن پر حملہ کرتے تو فتح کا امکان تھا لیکن اُن پر عقب سے یہ لشکر حملہ کرسکتا تھا جو مضیح میں جمع ہوگیا تھا۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں سے مشورہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ پہلے مضیح کی اجتماع گاہ کو ختم کیا جائے۔

یہ فیصلہ اور ارادہ کرلینا کہ اس لشکر کو ختم کیا جائے، آسان تھا، عملاً اتنے بڑے لشکر کو اتنی تھوڑی نفری سے ختم کرنا کہاں تک ممکن تھا، یہ یقینی نہیں تھا مگر خالدؓ اسے یقینی بنانے پر تلے ہُوئے تھے۔ وہ ناممکن کو ممکن کر دکھانے والے جرنیل تھے۔ اُنھوں نے ایسی سکیم بنائی جسے آج کے جنگی مبصّر بے مثال کہتے ہیں۔

"میرے رفیقو!"— خالدؓ نے اپنے سالاروں، نائب سالاروں اور کمانداروں کو بلا کر کہا— "خدا کی قسم، تم نے جتنی کامیابیاں حاصل کی ہیں یہ انسانی سطح سے بالا تھیں۔ تم نے پانچ گنا قوی دشمن کو، اس سے بھی زیادہ نفری کو جس [illegible] اور بھگایا ہے۔ یہ تمھاری مافوق الفطرت طاقت تھی۔ یہ

ایمان کی قوت ہے۔ تمہیں اس کا اجر خدا دے گا.... اب میں تمھیں ایک بڑے ہی کٹھن امتحان میں ڈال رہا ہوں۔"

"ابن ولید!"— سالار قعقاع بن عمرو نے خالدؓ کو ٹوک دیا— "کیا اتنی باتوں کو ضروری سمجھتا ہے؟ ربِّ کعبہ کی قسم، ہم اُس اللہ کے حکم سے لڑ رہے ہیں جس نے تجھے ہمارا امیر بنایا ہے۔ حکم دے کہ ہم آگ میں کود جائیں پھر ہمارے جسموں کو جلتا ہُوا دیکھ۔"

"تجھ پر خدا کی رحمت ابن عمرو!"— خالدؓ نے کہا— "میں نے یہ باتیں اس لیے ضروری سمجھی تھیں کہ میں تمہیں آگ میں کودنے کا حکم دینے والا ہوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی مجاہد یہ نہ کہے کہ ولید کے بیٹے نے بڑا ظالم حکم دے دیا تھا.... میرے رفیقو! ہمیں جان کی بازی لگانی ہے۔ تمام مجاہدین سے کہو کہ تمھارے صبر اور استقلال کا ایک اور امتحان باقی ہے اور اسے اللہ کا حکم سمجھنا۔"

خالدؓ نے اپنی جو سکیم سب کو بتائی وہ یہ تھی کہ دشمن پر رات کے وقت تین اطراف سے حملہ کرنا ہے اور حملے کے مقام تک اتنی خاموشی سے پہنچنا ہے کہ دشمن کو خبر نہ ہونے پائے۔ خالدؓ نے اپنی تمام فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصّے میں تقریباً پانچ ہزار سوار اور پیادے تھے۔ یہ تینوں حصّے ایک جگہ نہیں بلکہ ایک دوسرے سے دور مختلف جگہوں پر تھے — حُصَید، خنافس اور عین التمر — ان سب کو اپنے اپنے مقام سے مقررہ راستوں سے مضیح تک پہنچنا تھا۔ خالدؓ نے حملے کی رات بھی مقرر کردی تھی اور مقام بھی جو مضیح میں دشمن کی اجتماع گاہ سے کچھ دُور تھا۔ تینوں حصّوں کو رات کے وقت اس مقام پر پہنچنا تھا۔ مضیح میں دشمن کا جو لشکر خیمہ زن تھا، اُس کی تعداد کے متعلق مؤرخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دشمن کی تعداد ساٹھ اور ستّر ہزار کے درمیان تھی۔ اس پر حملہ کرنے والے مجاہدین کی تعداد پندرہ ہزار تھی۔

☆

اس قسم کی سکیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ناممکن کی حد تک مشکل تھا۔ پانچ پانچ ہزار کے لشکر کے لیے سفر کے دوران خاموشی برقرار رکھنا آسان کام نہیں تھا لیکن بڑی سختی سے خاموشی برقرار رکھنی تھی۔ دوسری مشکل خالدؓ کے لیے تھی۔ وہ خود عین التمر میں تھے جہاں ان کی فوج کا صرف ایک حصّہ تھا۔ دوسرے دو حصوں کو حُصَید اور خنافس سے چلنا تھا۔ انہیں قاصدوں کے ذریعے اپنے رابطے میں رکھنا تھا تاکہ حملے والے مقام پر بروقت پہنچ سکیں۔

جو رات مقرر کی گئی تھی وہ ۳ نومبر ۶۳۳ء کے پہلے (شعبان ۱۲ ہجری کے چوتھے) ہفتے کی ایک رات تھی۔

خالدؓ کے مجاہدین کے تینوں حصّے اپنے اپنے مقام سے چل پڑے۔ گھوڑوں کے منہ باندھ دیئے گئے تھے۔ تینوں حصّوں نے یہ انتظام کیا تھا کہ چند ایک آدمی لشکر کے آگے اور دائیں بائیں جا رہے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ کوئی بھی آدمی راستے میں مل جائے اُسے پکڑ لیں تاکہ وہ دشمن تک خبر نہ پہنچا سکے۔ دشمن کے بیدار ہوجانے کی صورت میں مجاہدین کی کامیابی مخدوش ہوجاتی اور دشمن گھات بھی لگا سکتا تھا۔

رات کے چلے ہوئے اُسی رات نہیں پہنچ سکتے تھے۔ دن کو لشکر کو چھپا کر رکھا گیا۔ دیکھ بھال والے آدمی دور دور پھیلے رہے۔ خالدؓ نے اپنے جاسوس دشمن کی اجتماع گاہ مضیح تک بھیج رکھے تھے۔ وہ دشمن کے متعلق اطلاعیں دے رہے تھے۔ ان کی آخری اطلاع یہ تھی کہ دشمن نے ابھی تک کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے پتہ چلے کہ وہ کسی طرف حملے کے لیے کوچ کرنے والا ہے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ دشمن کے سالار اپنے سالارِ اعلیٰ بہمن جاذویہ کے اگلے حکم کا انتظار کر رہے تھے خالدؓ کے آجانے سے اُن کے لیے صورتِ حال بدل گئی تھی۔ اس کے مطابق انہوں نے اپنی ساری سکیم بدلنی تھی۔

☆

اُس رات بھی مضیح کی خیمہ گاہ میں دشمن کا لشکر گہری نیند سو رہا تھا جس رات خالدؓ کی فوج کے تینوں حصے بخیر و خوبی سکیم کے عین مطابق مضیح کے قریب مکمل خاموشی سے پہنچ گئے تھے۔ بعض مؤرخوں نے اسے محض معجزہ کہا ہے اور کچھ اسے خالدؓ کی دی ہوئی ٹریننگ اور اُن کے پیدا کیے ہوئے ڈسپلن کا کرشمہ کہتے ہیں۔

آدھی رات سے ذرا بعد دشمن پر قہر ٹوٹ پڑا۔ لشکر سویا ہوا تھا۔ مجاہدین نے جگہ جگہ آگ لگا دی تھی جس کی روشنی میں اپنے پرائے کی پہچان آسان ہو گئی تھی۔ مدائن کے اور عیسائی قبیلوں کے اس لشکر کو سنبھلنے اور تیار ہونے کی مہلت ہی نہ ملی۔ مسلمان نعرے لگا رہے تھے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار اس دہشت میں اضافہ کر رہی تھی جو دشمن کے لشکر پر طاری ہو گئی تھی۔

"مدینہ کے مجاہدو!" ـــ خالدؓ کے حکم سے یہ للکار بڑی بلند تھی ـــ "کسی کو زندہ نہ رہنے دو۔ ولجہ کی طرح دشمن کا صفایا کر دو۔"

دشمن کے گھوڑے جہاں بندھے تھے وہیں بندھے رہے۔ ان کے سوار ان تک پہنچنے سے پہلے ہی کٹ رہے تھے۔ مسلمانوں نے رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اسی اندھیرے سے دشمن نے بھی فائدہ اٹھایا۔ کئی آتش پرست اور عیسائی زندہ نکل گئے۔ ان کی اجتماع گاہ ڈیڑھ دو میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ حملہ تین اطراف سے کیا گیا تھا۔

صبح کا اجالا صاف ہوا تو دشمن کی اتنی وسیع و عریض خیمہ گاہ میں کوئی بھی لشکری زندہ نہیں تھا۔ زندہ وہی رہے تھے جو مسلمانوں کے اس پھندے سے نکل گئے تھے۔ منظر بڑا ہی ہیبت ناک تھا۔ جدھر نظر جاتی تھی سوائے لاشوں کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ لاشوں کے اوپر لاشیں پڑی تھیں۔ زخمی تڑپ تڑپ کر بیہوش ہو رہے تھے۔ فضا خون اور موت کی بُو سے بوجھل تھی۔

سالاروں کے خیمے دیکھے گئے۔ ان میں سامان وغیرہ پڑا تھا۔ شراب کی صراحیاں رکھی تھیں۔ ہر چیز ایسے پڑی تھی جیسے ان شاہانہ خیموں کے مکین ابھی ابھی نکل کے گئے ہیں اور ابھی واپس آجائیں گے۔ کوئی سالار نظر نہ آیا۔ وہ زندہ نکل گئے تھے۔ سالار مہبوذان بھی نکل گیا تھا اور عیسائیوں کا سردار اور سالار ہذیل بن عمران بھی زندہ نکل گیا تھا۔

جاسوسوں کی اطلاعوں کے مطابق آتش پرستوں اور عیسائیوں کے سردار ڈومیل چلے گئے تھے

جہاں عیسائی قبائل کا دوسرا حصہ خیمہ زن تھا۔ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ابھی تیاری ہی کر رہا تھا۔ وہ جس لشکر کا حصہ تھا، اُس کے تین حصے تباہ ہو چکے تھے۔ ذومیل والے اس لشکر کا سردار ربیعہ بن بجیر تھا۔

مالِ غنیمت میں مسلمانوں کو جو سب سے زیادہ قیمتی اور کارآمد چیز ملی وہ ہزاروں گھوڑے تھے جو انہیں زینوں سمیت مل گئے تھے۔

اس سے آگے ثنی اور ذومیل دو مقامات تھے جہاں بنی تغلب، نمر اور ایاد کے عیسائی مسلمانوں کے خلاف خیمہ زن تھے۔ وہ بھی مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے ارادے سے گھروں سے نکلے تھے۔ عیسائیوں کے سردار عقہ بن ابی عقہ کا بیٹا بلال بن عقہ بھی کہیں آ گیا تھا۔ وہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کے لیے عیسائی لشکر کے ساتھ آیا تھا۔

"خدا کی قسم!" ـــ خالدؓ نے مضیح کی معجزہ نما فتح کے بعد اپنے سالاروں سے کہا ـــ "میں دومۃ الجندل سے قسم کھا کر چلا تھا کہ بنی تغلب پر اس طرح جھپٹوں گا کہ پھر کبھی وہ اسلام کے خلاف اٹھنے کے قابل نہیں رہیں گے.... بنی تغلب ابھی آگئے ہیں۔ اُن پر جھپٹنے کی تیاری کرو۔"

مضیح کی بستی پر بھی مسلمانوں نے چھاپہ مارا تھا۔ یہ عیسائیوں کی بستی تھی۔ وہاں دو ایسے آدمیوں کو مسلمانوں نے قتل کر دیا جو مسلمان تھے۔ انہوں نے کسی وقت مدینہ میں آکر اسلام قبول کیا اور واپس اپنی بستی میں چلے گئے تھے۔ انہیں مجاہدین نے انجانے میں عیسائی سمجھ کر مار ڈالا۔

خالدؓ نے اتنی بڑی فتح کی خبر خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کو مدینہ بھیجی اور پیغام میں یہ اطلاع بھی دے دی کہ مجاہدین کے ہاتھوں عیسائیوں کی ایک بستی میں دو مسلمان بھی غلطی سے مارے گئے ہیں۔ خلیفۃ المسلمین نے فتح کی خبر کے ساتھ ان دو مسلمانوں کے قتل کی خبر بھی سب کو سنا دی۔

"خالدؓ کو اس کی سزا ملنی چاہیئے" ـــ عمرؓ نے کہا ـــ "مسلمان کا خون معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

"جو لوگ کفار کے ساتھ رہتے ہیں وہ اس صورتِ حال میں جو وہاں پیدا ہو گئی تھی، مارے جا سکتے ہیں" ـــ خلیفۃ المسلمین نے کہا۔

"اس قتل کا ذمہ دار خالدؓ ہے" ـــ عمرؓ نے اصرار کیا ـــ "اُسے سزا ملنی چاہیئے۔"

"خلافتِ مدینہ کی طرف سے دونوں مقتولین کے پسماندگان کو خون بہا ادا کیا جائے گا" ـــ ابوبکرؓ نے فیصلہ سنایا ـــ "اور یہ خون بہا اسی قاصد کے ہاتھ بھیج دیا جائے جو فتح کی خبر لایا ہے۔"

عمرؓ نے پھر سزا کی بات کی۔

"عمرؓ!" ـــ خلیفۃ المسلمین نے گرج کر کہا ـــ "خالد واپس نہیں آئے گا۔ میں اُس شمشیر کو نیام میں نہیں ڈال سکتا جسے اللہ نے کفار کے خلاف بے نیام کیا ہے۔" (بحوالہ طبری، ابن ہشام، ابو سعید حسین ہیکل)

مضیح کے میدانِ جنگ میں ہڈیاں اور کھوپڑیاں رہ گئی تھیں جو دُور دُور تک بکھری ہوئی تھیں۔ گدّھ، گیدڑ، بھیڑیئے، صحرائی لومڑیاں، گرگٹ، سانپ اور حشرات الارض ان ہڈیوں سے گوشت کھا گئے تھے۔ یہ آتش پرستوں کی اُس جنگی قوت کی ہڈیاں تھیں جس نے عرب، عراق اور شام پر دہشت طاری کر رکھی تھی۔ ان میں اُن عیسائیوں کی ہڈیاں بھی شامل تھیں جو فارس کی جنگی قوت میں اضافہ کرنے آئے تھے۔ یہ عیسائی اپنے سرداروں کے خون کا بدلہ لینے آئے تھے۔ اسے اُنہوں نے مذہبی جنگ بھی سمجھا تھا۔ وہ اسلام کے راستے میں حائل ہونے آئے تھے۔

ان ہڈیوں میں اُن ہاتھوں کی ہڈیاں بھی تھیں جنہوں نے حق پرستوں کو کاٹنے کے لیے نیاموں سے تلواریں نکالی تھیں۔ ان ہاتھوں میں برچھیاں بھی تھیں۔ ان ہاتھوں میں گھوڑوں کی باگیں بھی تھیں وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر آئے تھے کہ ارض و سما کی طاقت انہی کے ہاتھوں میں ہے اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ جب گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں تو اُن کے نیچے زمین کانپتی ہے مگر اب وہ زمین جو کبھی کسی انسان اور اُس کے گھوڑے کے بوجھ اور خوف سے نہیں کانپی، اُن کے نیچے سے نکل گئی تھی اور زمین نے اُن کے مردہ جسموں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

زمین تو حق پرستوں کے بوجھ اور رُعب سے بھی نہیں کانپتی تھی۔ اللہ کا فرمان قرآن کی صورت میں مکمل ہو چکا تھا اور اللہ کو وحدہٗ لاشریک ماننے والے اللہ کے اس فرمان سے آگاہ تھے کہ گردن کو کتنا ہی اکڑا لے، سر کو جتنا بھی اونچا کر لے، تو پہاڑوں سے اونچا نہیں ہو سکے گا اور تُو کتنے ہی رعب اور دبدبے سے کیوں نہ چلے، زمین کو تو نہیں پھاڑ سکے گا۔

حق پرستوں کو اللہ کا یہ وعدہ بھی یاد تھا کہ تم میں دس ایمان والے ہُوئے تو ایک سو کفّار پر غالب آئیں گے۔ یہ ایمان کی ہی قوت تھی کہ دس ایمان والے ایک سو پر اور بیس دو سو پر غالب آ گئے تھے۔

"سالارِ اعلیٰ ابنِ ولید کئے نہ کہے، کیا تم خود نہیں جانتے؟" — مسلمانوں کے سالار ابولیلیٰ اپنے کمانداروں اور چند ایک سپاہیوں کو جو اُن کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے تھے، کہہ رہے تھے — "اگر تم سے ایمان لے لیا جاتے تو تمہارے پاس گوشت اور ہڈیوں کے جسم رہ جائیں گے.... کیا انجام ہو گا ان جسموں کا؟.... وہ دیکھو۔ وہ کھوپڑیاں دیکھو۔ ان کے اوپر کا گوشت کھایا جا چکا ہے۔ ان کے اندر مغز موجود ہیں مگر یہ مغز اب سوچنے کے قابل نہیں رہے۔ ان میں کیڑے داخل ہو چکے ہیں اور ان کے مغز کیڑوں کی خوراک بن رہے ہیں۔"

وہ ذرا اونچی جگہ کھڑے تھے۔ سب نے اس وسیع میدان کی طرف دیکھا جہاں کسریٰ کی فوج کا اور عیسائیوں کے لشکر کا کیمپ تھا۔ تین راتیں پہلے یہاں گہما گہمی تھی۔ سپاہی ناچ رہے تھے۔ ان کے سالار اور سردار خیموں میں شراب پی رہے تھے۔ مسلمانوں کا شب خون ان پر قیامت بن کر ٹوٹا تھا۔

"....اور اب دیکھو!" — سالار قعقاع بن عمرو اپنے ماتحتوں اور سپاہیوں سے کہہ رہے تھے — "یہ اُن کا انجام ہے جنہوں نے اللہ کو نہ مانا، محمدؐ کو اللہ کا رسول نہ مانا۔ اُنہوں نے اپنے خُدا بنا رکھے ہُوتے تھے۔ ان کے سردار خداؤں کے ایلچی بنے ہُوئے تھے۔ فارس کے بادشاہ اللہ کے بندوں کو اپنے بندے سمجھتے تھے۔ سالارِ اعلیٰ ابنِ ولید نے کہا ہے کہ مجاہدین کو بتاؤ کہ تمہیں اللہ دیکھ رہا ہے اور وہی ہے اجر دینے والا اور اُسی نے تمہارے جسموں میں اتنی طاقت بھر دی ہے کہ آرام کا ایک پل نہیں ملتا، تمہارے جسم لڑ رہے ہوتے ہیں یا کوچ کر رہے ہوتے ہیں اور اگلے روز اگلی لڑائی کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ یہ طاقت جسمانی نہیں، یہ روح کی طاقت ہے اور روح کو ایمان تقویّت دیتا ہے۔"

"سالارِ اعلیٰ نے کہا ہے سب سے کہہ دو کہ تم زمین کی ملکیّت پر لڑنے نہیں آئے، تم کفر ختم کرنے آنے کے لیے لڑ رہے ہو" — سالار زبرقان اپنے دستوں کے کمانداروں سے کہہ رہے تھے — "ابنِ ولید نے کہا ہے کہ ان جسموں کو ایمان سے اور پاک عزم سے خالی کر دو تو ابھی گر پڑو گے اور جسم روحوں سے خالی ہو جائیں گے۔ جسم تو دو لڑائیاں لڑ کر ہی ختم ہو گئے تھے، اب تمہاری روحیں لڑ رہی ہیں۔"

سالار عدیؓ بن حاتم بھی اپنے دستوں کو سالارِ اعلیٰ خالدؓ کا یہی پیغام دے رہے تھے۔ سالار عاصم بن عمرو بھی جو سالار قعقاع بن عمرو کے بڑے بھائی تھے، اپنے مجاہدین کے ساتھ یہی باتیں کر رہے تھے۔ خالدؓ نے اپنے تمام سالاروں سے کہا تھا کہ مجاہدین کے جسم لڑنے کے قابل نہیں رہے اور یہ عزم کی پختگی کا کرشمہ ہے کہ شل اور چُور جسموں سے بھی ہر میدان میں یہ تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ خالدؓ نے سالاروں سے کہا تھا کہ ان کے حوصلے اور جذبے کو قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔

"دشمن کے پاؤں اُکھڑے ہُوتے ہیں" — خالدؓ نے کہا تھا — "اسے سنبھلنے کی مہلت مل گئی تو یہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے.... اور میرے رفیقو! جس طرح اللہ ہمیں فتح پہ فتح عطا کرتا چلا جا رہا ہے، یہ فتوحات بھی خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔ ہمارا لشکر یہ نہ سمجھ لے کہ ہمیں شکست ہو ہی نہیں سکتی۔ انہیں بتاؤ کہ انہیں دشمن پر ہر میدان میں غالب کرنے والا صرف اللہ ہے۔ اُس کی ذاتِ باری کو دل سے نہ نکالیں اور تکبّر سے بچیں۔"

مدینہ کے مجاہدین کا حوصلہ تو بھاگتے دشمن کو، میدانِ جنگ میں اُس کے زخمیوں کو تڑپتا اور لاشوں کو سڑتا دیکھ کر تر و تازہ ہو جاتا تھا لیکن وہ آخر انسان تھے اور انسان کوتاہی کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے، اپنا سر تکبّر اور غرور سے اونچا بھی کر سکتا ہے۔ خالدؓ اس خطرے کو محسوس کر رہے تھے۔ اُنہوں نے کفّار پر اپنی دہشت طاری کر کے انہیں نفسیاتی لحاظ سے بہت کمزور کر دیا تھا لیکن ان مؤرخین کے مطابق جو جنگی امور کو سمجھتے تھے، خالدؓ کو یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ اُن کی سپاہ اس مقام تک نہ پہنچ جائے جہاں یکے بعد دیگرے کئی فتوحات کے بعد دشمن کے دباؤ سے تھوڑا سا بھی پیچھے ہٹنا پڑے تو سپاہ بالکل ہی پسپا ہو جائے۔

اس خطرے نے انہیں پریشان سا کر دیا تھا۔ اُنہوں نے یہ سوچا ہی نہیں کہ اپنے لشکر کو آرام کے لیے کچھ دن دے دیں۔ وہ ایسی جنگی چالیں سوچ رہے تھے جن سے دشمن کو بے خبری میں دبوچا جا سکے۔ ایک چال خالدؓ مضیح میں آزما چکے تھے۔ یہ کامیاب رہی تھی۔ یہ تھا شب خون۔ پورے لشکر نے دشمن

کی خیمہ گاہ پر حملہ کر دیا تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ یہ چال ہر بار کامیاب ہوتی کیونکہ پورے لشکر کو خاموشی سے دشمن کی خیمہ گاہ تک پہنچانا آسان کام نہیں تھا۔

اُس وقت دشمن کا لشکر دو مقامات پر جمع تھا۔ ایک ذُمیل تھا اور دوسرا ثنّی۔ انہی دو مقامات کے متعلق اطلاع ملی تھی کہ آتش پرستوں اور عیسائیوں کے لشکر جمع ہیں۔ اب حُصَید کا بھاگا ہُوا لشکر بھی وہیں جا پہنچا تھا اور مضیح سے دشمن کی جو نفری بچ نکلی تھی، وہ بھی انہی دو مقامات پر چلی گئی تھی۔

اس شکست خوردہ نفری نے ثنّی اور ذُمیل میں جا کر دہشت پھیلا دی۔ وہاں سردار اور سالار بھی تھے۔ انہیں بہت مشکل پیش آئی۔ جذبے کے لحاظ سے لشکر لڑنے کے قابل نہیں تھا۔ جسمانی لحاظ سے لشکر تازہ دم تھا۔ ثنّی میں ان کی عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی تھے۔ عورتوں نے مردوں کو بزدلی اور بے غیرتی کے طعنے دیئے اور انہیں لڑنے کے لیے تیار کیا۔

ان دو مقامات پر جنگ کی تیاریوں کا منظر جنگ جیسا ہی تھا۔ سوار اور پیادے تیغ زنی کی مشق صبح سے شام تک کرنے لگے۔ سوار دستوں کو حملہ کرنے اور حملہ روکنے کی مشقیں کرائی جانے لگیں۔ اُس وقت تک کسریٰ کے سالار اور ان کے اتحادی عیسائیوں کے سردار خالدؓ کی جنگی چالیں سمجھ چکے تھے۔

"لیکن چالیں سمجھنے سے کیا ہوتا ہے!" ـــ عیسائیوں کے ایک قبیلے کا سردار ربیعہ بن بجیر کہہ رہا تھا ـــ "دِل کو ذرا مضبوط رکھیں تو ان تھوڑے سے مسلمانوں کو کچلنا کوئی مشکل نہیں۔"

اُس کے پاس عیسائیوں کے بڑے سردار عقّہ بن ابی عقّہ کا بیٹا بلال بن عقّہ بیٹھا ہُوا تھا۔ عقّہ بن ابی عقّہ سرداروں میں سرکردہ سردار تھا۔ اُس نے للکار کر کہا تھا کہ وہ خالدؓ کا سر کاٹ کر لائے گا مگر عین التمر کے معرکے میں وہ پکڑا گیا۔ اس سے پہلے خالدؓ نے قسم کھائی تھی کہ وہ عقّہ کو زندہ پکڑیں گے۔ خالدؓ کی قسم پوری ہوگئی اور اُنہوں نے عقّہ کا سر اپنی تلوار سے کاٹا تھا۔ بلال عقّہ کا جوان بیٹا تھا جو اپنے باپ کے خُون کا بدلہ لینے آیا تھا۔

"ابنِ بجیر!" ـــ اس نے اپنے سردار ربیعہ کی بات سن کر کہا ـــ "میں اپنے باپ کے سر کے بدلے خالدؓ کا سر لینے آیا ہوں۔"

"ایک نہیں ہم پر ہزاروں سروں کا قرض چڑھ گیا ہے" ـــ ربیعہ بن بجیر نے کہا۔

وہ کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر بلال بن عقّہ چلا گیا۔ رات کا وقت تھا۔ رات سرد اور تاریک تھی۔ مہینہ نومبر کا تھا اور اُسی شام رمضان کا چاند نظر آیا تھا۔ بلال باہر جا کر رُک گیا۔ وہ اپنے لشکر کے خیموں سے کچھ دُور تھا۔ اُسے ایک طرف سے اپنی طرف کوئی آتا نظر آیا۔ نیا چاند کبھی کا ڈوب چکا تھا۔ تاریک رات میں چلتے پھرتے انسان متحرک سائے لگتے تھے۔ سایہ جو بلال کی طرف آ رہا تھا، قریب آیا تو بلال نے دیکھا کہ وہ کوئی آدمی نہیں عورت ہے۔

"ابنِ عقّہ!" ـــ عورت نے کہا ـــ "میں صابحہ ہُوں.... صابحہ بنتِ ربیعہ بن بجیر.... ذرا رُک سکتے ہو میری خاطر؟"

"اوہ! ربیعہ بن بجیر کی بیٹی!" ـــ بلال بن عقّہ نے مسرور سے لہجے میں کہا ـــ "کیا میں ابھی ابھی تیرے

گھر سے اٹھ کے نہیں آیا؟"

"لیکن بات جو کہنی ہے وہ میں باپ کے سامنے نہیں کہہ سکتی تھی" ـــ صابحہ نے کہا۔

"کیا تُو نے مجھے اپنے قابل سمجھا ہے؟" ـــ بلال نے کہا ـــ "بات جو تُو کہنا چاہتی ہے وہ پہلے ہی میرے دل میں ہے۔"

"غلط نہ سمجھ ابن عقّہ!" ـــ صابحہ نے کہا ـــ "پہلے میری بات سُن لے!.... مجھے بتا کہ مجھ سے زیادہ خوبصورت لڑکی تُو نے کبھی دیکھی ہے؟"

"نہیں بنتِ ربیعہ!"

"کبھی مدائن گیا ہے تو؟" ـــ صابحہ نے کہا۔

"گیا ہوں؟"

"سنا ہے فارس کی لڑکیاں بہت خوبصورت ہوتی ہیں" ـــ صابحہ نے کہا ـــ "کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہیں؟"

"کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ تو وہ بات کہہ دے جو تیرے دل میں ہے؟" ـــ بلال نے پوچھا اور کہا ـــ "میں نے تجھ سے زیادہ کسی لڑکی کو کبھی حسین نہیں سمجھا۔ میں تجھے تیرے باپ سے مانگنا چاہتا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا تیرے دل میں پہلے ہی میری محبت پیدا ہو چکی ہے۔"

"محبت تو اب بھی پیدا نہیں ہوئی" ـــ صابحہ نے کہا ـــ "میں کسی اور کو چاہتی ہوں۔ آج سے نہیں، اُس دن سے چاہتی ہُوں اُسے جس دن میں نے محسوس کیا تھا کہ میں جوان ہونے لگی ہُوں اور جوانی ایک ساتھی کا مطالبہ کرتی ہے۔"

"پھر مجھے کیا کہنے آئی ہے تُو؟"

"یہ کہ میں نے اُسے اپنے قابل سمجھنا چھوڑ دیا ہے" ـــ صابحہ نے کہا ـــ "مرد کی طاقت عورت کے جسم کے لیے ہی تو نہیں ہوتی۔ وہ طاقتور اور خوبصورت آدمی ہے۔ وہ جب گھوڑے پر بیٹھتا ہے تو مجھے اور زیادہ خوبصورت لگتا ہے۔"

"پھر کیا ہُوا اُسے؟"

"وہ بزدل نکلا" ـــ صابحہ نے کہا ـــ "وہ لڑائیوں میں سے بھاگ کر آیا ہے۔ دونوں بار اُسے خراش تک نہیں آئی تھی۔ مجھے شک ہے کہ وہ لڑے بغیر بھاگ آتا رہا ہے۔ وہ میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اُسے کہہ دیا ہے کہ وہ مجھے بھول جائے۔ میں کسی بزدل کی بیوی نہیں بن سکتی۔ اُس نے میرے باپ کو بتایا تو باپ نے مجھے کہا کہ میں تو اس کی بیوی بننے والی ہُوں۔ میں نے باپ سے بھی کہہ دیا ہے کہ میں میدان سے بھاگے ہوئے کسی آدمی کی بیوی نہیں بنوں گی۔ میں نے باپ سے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے اِس شخص کی بیوی بنانا ہے تو میری لاش اُس کے حوالے کر دو۔"

"کیا تم اب میری بہادری آزمانا چاہتی ہو؟" ـــ بلال نے پوچھا۔

"ہاں!" ـــ صابحہ نے جواب دیا ـــ "اور اس کا انعام دیکھ۔ اتنا حسین جسم تجھے کہاں ملے گا!"

"کہیں نہیں" ـــ بلال نے کہا ـــ "لیکن میں ایک کام کا وعدہ نہیں کروں گا۔ ہمارے سردار اور ہمارے

قبیلوں کے جوشیلے جوان یہ اعلان کرکے مسلمانوں کے خلاف لڑنے جاتے ہیں کہ مسلمانوں کے سالار خالدؓ بن ولید کا سر کاٹ کر لائیں گے مگر خود کٹ جاتے ہیں یا بھاگ آتے ہیں۔ میں ایسا وعدہ نہیں کروں گا۔ خالدؓ کا سر کون کاٹے گا، اُس تک کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا۔"

"میں ایسا وعدہ نہیں لوں گی" — صابحہ نے کہا — "میں تیرے منہ سے نہیں، دوسروں سے سننا چاہتی ہوں کہ تُو نے سب سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کیا ہے اور مسلمانوں کو شکست دینے میں تیرا ہاتھ سب سے زیادہ ہے۔ میں یہ بھی وعدہ کرتی ہوں کہ تُو مارا گیا تو میں کسی اور کی بیوی نہیں بنوں گی، اپنے آپ کو ختم کر دوں گی۔"

"میں تجھے ایک بات بتا دیتا ہُوں صابحہ!" — بلال نے کہا — "میں تیری خاطر میدان میں نہیں اتر رہا۔ میرے اوپر اپنے باپ کے خون کا قرض ہے۔ میں نے یہ قرض چکانا ہے۔ میری روح کو تسکین تب ہی ہو گی کہ میں ابنِ ولید کا سر اپنی برچھی کی انّی پر لاؤں اور بنی تغلب کے بچے بچے کو دکھاؤں لیکن وہ بات کیوں زبان پر لاؤں جو ہاتھ سے کر نہ سکوں۔ اُس تک پہنچوں گا ضرور۔ راستے میں جو آئے گا اُسے کاٹتا جاؤں گا۔ میں نے اپنا گھوڑا تبدیل کر لیا ہے۔ ہوا سے تیز ہے اور بڑا ہی طاقتور۔"

"میں تیری طاقت اور تیری تیزی اور پھرتی دیکھنا چاہتی ہُوں" — صابحہ نے کہا — "اگر ایسا ہو سکے تو مجھے ساتھ لے چل۔ مردوں کی طرح لڑوں گی لیکن تو نے پیٹھ دکھائی تو میری تلوار تیری پیٹھ میں اُتر جائے گی۔"

"میں تجھے مالِ غنیمت میں مسلمانوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتا" — بلال نے کہا — "اور یہ بھی سُن لے صابحہ! میرا باپ عقّہ بن ابی عقّہ یہی عہد کر کے گیا تھا کہ وہ خالدؓ بن ولید کو خون میں نہلا کر آئے گا مگر اُس نے ہتھیار ڈال کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ معلوم نہیں مسلمانوں کو کس نے بتا دیا کہ یہ شخص ابنِ ولید کا خون بہانے کا عہد کر کے آیا تھا۔ ابنِ ولید نے میرے باپ کو قیدیوں سے الگ کیا اور سب کے سامنے اپنی تلوار سے اُس کا سر کاٹ دیا.... میں تجھے بھی یہی کہتا ہوں کہ وہ بات نہ کہہ جو تُو نہیں کر سکتی۔"

"اور میں تجھے ایک بات کہنا چاہتی ہوں جو تجھے اچھی نہیں لگے گی" — صابحہ نے کہا — "اگر اب میرے قبیلے نے میدان ہار دیا تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دوں گی اور اُن سے کہوں گی کہ میں اُس آدمی کی بیوی بننا چاہتی ہوں جو سب سے زیادہ بہادر ہے۔"

"ہم اس کوشش میں اپنی جانیں لڑا دیں گے کہ مسلمان ہماری عورتوں تک نہ پہنچ سکیں" — بلال بن عقّہ نے کہا — "لیکن کوئی نہیں بتا سکتا کیا ہو گا۔ ایک طرف تیرے دل میں مسلمانوں کی دشمنی ہے اور دوسری طرف تم اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کی باتیں کرتی ہو۔"

"میں یہ باتیں اس لیے کرتی ہوں کہ میرے دل میں کچھ شک اور کچھ شبہے پیدا ہوتے جا رہے ہیں" — صابحہ نے کہا — "مجھے ایسے محسوس ہونے لگا ہے جیسے مذہب مسلمانوں کا ہی سچّا ہے۔ اتنی تھوڑی تعداد میں وہ فارس کے اور ہمارے تمام قبیلوں کے لشکروں کو ہر میدان میں شکست دیتے چلے آ رہے ہیں تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہیں کسی غیبی طاقت کی مدد حاصل ہے۔ اگر یسوع مسیحؑ خدا کے بیٹے ہوتے تو کیا خدا اپنے بیٹے کی اُمّت کو اس طرح ذلیل و خوار کرتا؟ مجھے بتانے والا کوئی نہیں کہ مسلمان اِسی خدا کو اللہ کہتے ہیں یا اللہ کوئی اور ہے۔"

"ایسی باتیں منہ سے نہ نکالو صابحہ" — بلال نے جھنجھلا کر کہا — "تم بہت بڑے سردار کی بیٹی ہو۔ اپنے مذہب پر ایسا شک نہ کرو کہ اس کی سزا ہم سب کو ملے۔"

"میں مجبور ہُوں ابنِ عقّہ!" — صابحہ نے کہا — "میری ذات سے کچھ آوازیں سی اُٹھتی ہیں۔ کبھی خیال آتا ہے جیسے میں اپنے قبیلے میں اور اپنے گھر میں اجنبی ہوں۔ ایسے لگتا ہے جیسے میں کہیں اور کی رہنے والی ہُوں.... میں کچھ نہیں سمجھتی بلال! میں جو کہتی ہوں وہ کر دو پھر میں تمہاری ہُوں۔"

"ایسا ہی ہو گا صابحہ!" — بلال نے اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا — "میں اگر زندہ واپس آیا تو فاتح ہو کر آؤں گا۔ اگر مارا گیا تو واپس آنے والوں سے پُوچھ لینا کہ میں نے مرنے سے پہلے کتنے مسلمانوں کو قتل کیا ہے۔"

بلال ثنّی کی رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ صابحہ بنت ربیعہ بن بجیر وہیں کھڑی بلال کو سائے کی طرح رات کی تاریکی میں تحلیل ہوتا دیکھتی رہی۔

۞

تین یا چار راتیں ہی گزری تھیں۔ ثنّی کی خیمہ گاہ اور عیسائیوں کی بستیاں تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ رمضان ۱۲ ھ کا تیسرا یا چوتھا چاند کبھی کا افق میں اُتر چکا تھا۔ انسانوں کا ایک سیلاب ثنی کی طرف بڑھا آ رہا تھا۔ یہ مدینہ کے مجاہدین کی فوج تھی جو سیلاب کہلانے کے قابل نہیں تھی کیونکہ ان کی تعداد پندرہ اور سولہ ہزار کے درمیان تھی اور دشمن کی نفری تین چار گنا تھی۔ خالدؓ نے ثنّی پر بھی مضیح والا داؤ آزمانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے مجاہدین سے کہا تھا کہ دشمن کو اور اپنے آپ کو بھی مہلت دینا خطرناک ہو گا۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ فتح اور شکست اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اُسی کی ذاتِ باری کے نام پر کفر کی آگ میں کُودے ہیں۔ خالدؓ نے اور بھی بہت کچھ کہا تھا۔ مجاہدین کے انداز میں جوش و خروش پہلے والا ہی تھا۔ جسموں میں البتّہ وہ دم خم نہیں رہا تھا لیکن عزم روزِ اوّل کی طرح زندہ و پائندہ تھا۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ پندرہ سولہ ہزار کے لشکر سے دشمن پر شب خُون مارنا اس لیے خطرناک ہوتا ہے کہ خاموشی برقرار نہیں رکھی جا سکتی اور دشمن قبل از وقت بیدار ہو جاتا ہے۔ اس میں دشمن کی گھات کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ خالدؓ نے ان خطروں سے نمٹنے کا یہ اہتمام کر رکھا تھا کہ پہلے شب خون کی طرح اب کے بھی انہوں نے اپنے لشکر کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ سالار بھی وہی تھے جنہیں پہلے شب خون کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔

اب جاسوسوں نے انہیں دشمن کے قیام کی جو اطلاعیں دی تھیں اُن کے مطابق مدائن کی فوج اور عیسائیوں کا لشکر ایک ہی خیمہ گاہ میں نہیں تھے۔ خیمہ گاہ میں صرف مدائن کی فوج تھی اور عیسائی اپنی بستیوں میں تھے۔ یہ بنی تغلب کی بستیاں تھیں۔ جاسوسوں نے ان بستیوں کے محلِ وقوع بتا دیئے تھے۔ خالدؓ نے اپنی فوج کے ایک حصّے کی کمان سالار قعقاع کو اور دوسرے حصّے کی کمان سالار ابولیلیٰ کو دی تھی۔ تیسرا حصہ اپنی کمان میں رکھا تھا۔ اُنہوں نے قعقاع اور ابولیلیٰ کو عیسائی قبیلے بنی تغلب کی بستیوں پر شب خون مارنے کے لیے بھیجا اور اپنے حصّے کو ان کے پیچھے رکھا۔ پیچھے رہنے کی وجہ یہ تھی کہ خالدؓ کو خیمہ گاہ پر شب خون مارنا تھا جو بستیوں کی نسبت ذرا قریب تھی۔ تینوں حصّوں کو بیک وقت حملہ کرنا تھا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے حکم دیا تھا کہ کسی عورت اور کسی بچے پر ہاتھ نہ اُٹھایا جائے۔

کفار کو مضیح کے مقام پر مسلمانوں کے ایک شب خُون کا بڑا ہی تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ اُنہوں نے ثنیؔ کی خیمہ گاہ کے اِردگرد پہرے کا بڑا سخت انتظام کر رکھا تھا گشتی پہرے کا انتظام بھی تھا۔ چار چار گھوڑ سوار خیمہ گاہ سے دور دور تک گشت کرتے تھے۔ مسلمان جاسوسوں نے خالدؓ کو اس انتظام کی بھی اطلاع دے دی تھی۔ خالدؓ نے اس انتظام کو بیکار کرنے کا بندوبست کر دیا تھا۔

۞

ثنیؔ سے کچھ دُور خالدؓ کی فوج پہلے سے طے کئے ہوئے منصوبے کے مطابق رک گئی۔ اسے آگے کی اطلاع کے مطابق آگے بڑھنا تھا۔ چند ایک شتر سوار جو مثنیٰ بن حارثہ کے آزمائے ہوئے چھاپہ مار تھے، آگے چلے گئے تھے۔ وہ اونٹوں کے قافلے کی صُورت میں جا رہے تھے۔ وہ ثنیؔ کی خیمہ گاہ سے ابھی دُور ہی تھے کہ انہیں کسی نے للکارا۔ وہ رک گئے اور اپنی طرف آتے ہوئے گھوڑوں کے ٹاپ سننے لگے۔ چار گھوڑے ان کے پاس آرُکے۔

"کون ہو تم لوگ؟"——ایک گھوڑ سوار نے ان سے پُوچھا۔

"مسافر ہیں"——ایک شتر سوار نے ڈرے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور کسی بستی کا نام لے کر کہا کہ وہاں جا رہے ہیں۔

شتر سوار آٹھ دس تھے۔ ان میں سے ایک تو گھوڑ سواروں کو بتا رہا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ دوسرے شتر سوار اونٹوں کو آہستہ آہستہ حرکت دیتے رہے حتیٰ کہ چار گھوڑ سوار اُن کے نرغے میں آ گئے۔

"اُترو اونٹوں سے!"——ایک گھوڑ سوار نے بڑے رعب سے حکم دیا۔

چار شتر سوار اونٹوں سے اس طرح اترے کہ اُوپر سے ایک ایک گھوڑ سوار پر جھپٹے۔ اُن کے ہاتھوں میں خنجر تھے جو گھوڑ سواروں کے جسموں میں اُتر گئے۔ انہیں گھوڑوں سے گرا کر ختم کر دیا گیا۔ چار مجاہدین چاروں گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور دشمن کی خیمہ گاہ تک چلے گئے۔ ایک سنتری انہیں اپنی سوار گشت سمجھ کر ان کے قریب آیا۔ اندھیرے میں دو گھوڑ سوار اترے اور اس سنتری کو ہمیشہ کی نیند سُلا دیا۔

اُنہوں نے کئی اور سنتریوں کو خاموشی سے ختم کیا اور واپس آ گئے۔ خالدؓ بے صبری سے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ جو اونٹوں پر گئے تھے، چار گھوڑے بھی ساتھ لے آئے۔ انہوں نے خالدؓ کو بتایا کہ راستہ صاف ہے۔

خالدؓ نے سرگوشیوں میں قاصدوں کو دوسرے سالاروں کی طرف اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیا کہ ہلّہ بول دو۔ اُس وقت تک گھوڑوں کے منہ بندھے ہُوئے تھے۔ وہ ہنہنا نہیں سکتے تھے۔ سواروں نے سالاروں کے کہنے پر گھوڑوں کے منہ کھول دیئے۔ اُن کے ہدف دُور نہیں تھے۔ کچھ دُور تک گھوڑے پیادوں کی رفتار کے ساتھ آہستہ چلائے گئے پھر رفتار تیز کر دی گئی اور پیادوں کو دوڑنا پڑا۔

بستیوں کے قریب جا کر مشعلیں جلا لی گئیں۔ خالدؓ نے اپنے دستوں کو اتنی تیزی سے آگے نہ بڑھایا۔ انہیں انہوں نے شب خون کی ترتیب میں پھیلا دیا تھا۔

یہ ایسی پیش قدمی تھی جس میں کوئی نعرہ نہ لگایا گیا، نہ کسی کو للکارا گیا۔

۞

نومبر ۶۳۲ء کے دوسرے اور رمضان المبارک ۱۲ ہجری کے پہلے ہفتے کی وہ رات بہت سرد تھی۔ بنی تغلب کی بستیوں میں اور فارس کی فوج کی خیمہ گاہ میں جو وسیع و عریض تھی، لوگ گرم بستروں میں دبکے ہوئے تھے۔ کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ کون کیا خواب دیکھ رہا تھا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر ایک کے ذہن پر مسلمانوں کی فوج اور اس کی دہشت سوار ہو گی۔ لوگ اسی فوج کی باتیں کرتے سوئے تھے۔

اچانک بستیوں کے گھروں کے دروازے ٹوٹنے لگے۔ گلیوں میں گھوڑے دوڑنے لگے۔ مجاہدین نے مکانوں سے چارپائیاں اور لکڑیاں باہر لا کر جگہ جگہ ان کے ڈھیر لگائے اور آگ لگا دی تاکہ بستیاں روشن ہو جائیں۔ عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار نے سرد رات کو ہلا کے رکھ دیا۔

"عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ باہر آ کر ایک طرف کھڑی ہو جائیں"——یہ مجاہدین کی للکار تھی جو بار بار سنائی دیتی تھی۔

بنی تغلب کے آدمی کٹ رہے تھے۔ خالدؓ کا حکم تھا کہ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کے سوا کسی آدمی کو زندہ نہ رہنے دیا جائے۔

ان لوگوں کو وہ لشکر بچا سکتا تھا جو تھوڑی ہی دور خیمہ گاہ میں پڑا تھا۔ بستیوں کا واویلا لشکر تک پہنچا لیکن وہاں نیند اور سردی نے سب کو بیہوش سا کر رکھا تھا۔ لشکر کو جگانے کے لیے کوئی سنتری زندہ نہ تھا۔

آخر خیمہ گاہ میں کچھ لوگ بیدار ہو گئے۔ انہیں اردگرد کی بستیوں میں روشنی نظر آئی جیسے آگ لگی ہوئی ہو، شور بھی سنائی دیا۔ وہ ابھی سمجھنے بھی نہ پائے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے کہ ویسی ہی ہڑبونگ خیمہ گاہ کے ایک گوشے میں بپا ہوئی جو آندھی کی مانند بڑھتی اور پھیلتی گئی۔ کچھ خیموں کو آگ لگ گئی۔ خالدؓ کے دستوں نے آتش پرستوں کی فوج کو کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ یہ فوج اب کٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

دشمن کے بہت سے سپاہی خیموں میں دبک گئے تھے۔ ان خیموں کی رسیاں مسلمانوں نے کاٹ دیں۔ خیمے سپاہیوں کے لیے جال اور پھندے بن گئے۔ مسلمانوں نے انہیں برچھیوں سے ختم کر دیا۔ مسلمانوں کے نعرے اور ان کی للکار بڑی دہشت ناک تھی۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو اتنے وسیع پیمانے پر شب خون مارنے کا دوسرا تجربہ ہُوا۔ اب اُنہوں نے یہ انتظام کر دیا تھا کہ کسی کو بھاگنے نہ دیا جائے۔ بستیوں اور خیمہ گاہ کے اردگرد مثنیٰ بن حارثہ کے گھوڑ سوار گھوم پھر رہے تھے۔ کوئی آدمی بھاگ کے جاتا نظر آتا تو اُس کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا جاتا اور برچھی یا تلوار سے اُسے ختم کر دیا جاتا۔ اگر کوئی عورت بھاگتی نظر آتی تو اُسے پکڑ کر اُس جگہ پہنچا دیتے جہاں عورتوں اور بچوں کو اکٹھا کیا جا رہا تھا۔

جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی، بنی تغلب کی بستیوں میں اور مدائن کی فوج کی خیمہ گاہ میں شور، [illegible] واویلا کم ہوتا جا رہا تھا اور زخمیوں کی کربناک آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ مسلمانوں کو تباہ و بر[illegible] کرنے کے لیے جو نکلے تھے، اُن کی لاشیں ٹھنڈی ہو رہی تھیں اور ان کے زخمی پیاسے مر رہے [illegible] اور اُن کی بیٹیاں مسلمانوں کے قبضے میں تھیں۔

صبح طلوع ہوئی تو اُجالے نے بڑا ہی بھیانک اور عبرتناک منظر دکھایا۔ لاشوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ لاشیں خون سے نہائی ہوئی تھیں۔ یہ فتح ایسی تھی جیسے کسریٰ کے بازو کاٹ دیئے گئے ہوں خیمہ گاہ اور بستیاں موت کی بستیاں بن گئی تھیں جن گھوڑوں پر ان کفار کو ناز تھا، وہ گھوڑے وہیں بندھے ہوئے تھے جہاں گزشتہ شام انہیں باندھا گیا تھا۔

عورتیں الگ بیٹھی رو رہی تھیں۔ بچے بلبلا رہے تھے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ سب سے پہلے عورتوں اور بچوں کو کھانا دیا جائے۔

مجاہدین مالِ غنیمت لا لا کر ایک جگہ جمع کر رہے تھے۔ سالار ابولیلیٰ کے پاس ایک بہت ہی حسین لڑکی کو لایا گیا۔ اُس نے درخواست کی تھی کہ اُسے سالارِ اعلیٰ یا کسی سالار کے ساتھ بات کرنے کی اجازت دی جائے۔

"یہ ایک سردار کی بیٹی ہے"— اُسے لانے والے نے سالار ابولیلیٰ سے کہا— "سردار کا نام ربیعہ بن بجیر بتاتی ہے۔ یہ اپنے باپ کی لاش کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔"

"کیا نام ہے تیرا!"— ابولیلیٰ نے لڑکی سے پوچھا۔

"صابحہ!"— لڑکی نے جواب دیا— "صابحہ بنت ربیعہ بن بجیر..... میرے باپ کو لڑنے کا موقع ہی نہیں مِلا تھا۔"

"کیا تو یہی بات کہنے کے لیے ہمارے سالارِ اعلیٰ سے ملنا چاہتی ہے؟"— سالار ابولیلیٰ نے پوچھا۔ "جنہیں لڑنے کا موقع مِلا تھا، کیا تو نے اُن کا انجام نہیں دیکھا؟..... اب بتا تو چاہتی کیا ہے!"

"تم لوگ مجھے اجازت نہیں دو گے کہ میں لاشوں میں ایک آدمی کی لاش ڈھونڈ لوں"— صابحہ نے کہا— "اُس کا نام بلال بن عقّہ ہے۔"

"کیا جلی ہوئی لکڑیوں کے انبار میں کسی ایک خاص درخت کی لکڑی کو ڈھونڈ لے گی؟"— ابولیلیٰ نے پوچھا— "تو اُسے ڈھونڈ کے کیا کرے گی؟ زندہ ہے تو ہمارا قیدی ہو گا، مر گیا ہے تو تیرے کس کام کا؟"

صابحہ نے سالار ابولیلیٰ کو وہ گفتگو سنائی جو اُس کے اور بلال بن عقّہ کے درمیان ہوئی تھی اور کہا کہ وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ وہ زندہ ہے یا مارا گیا ہے۔

مسلمان سالاروں نے چند عیسائیوں کو اس مقصد کے لیے زندہ پکڑ لیا تھا کہ ان سے اس علاقے اور علاقے کے لوگوں کے متعلق معلومات اور جنگی اہمیت کی معلومات لی جائیں۔ ابولیلیٰ کے حکم سے ایسے دو تین آدمیوں کو بلا کر بلال بن عقّہ کے متعلق پوچھا۔

"دو تین روز پہلے تک وہ یہیں تھا"— ایک عیسائی نے بتایا— "وہ ذومیل چلا گیا ہے۔"

"کیا اُسے وہاں ہونا چاہیئے تھا یا یہاں؟"— ابولیلیٰ نے پوچھا۔

"وہ قبیلے کے سردار کا بیٹا ہے"— عیسائی نے بتایا— "وہ کسی کے حکم کا پابند نہیں۔ وہ حکم دینے والوں میں سے ہے۔"

"کیا وہ اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے آیا ہے؟"

"اُس نے کئی بار کہا ہے کہ وہ ابنِ ولید سے اپنے باپ کے خون کا انتقام لے گا"— دوسرے

عیسائی نے جواب دیا۔

"اب بتا لڑکی!"— ابولیلیٰ نے صابحہ سے پُوچھا۔

"میں تمہاری قیدی ہوں"— صابحہ نے کہا— "میرے ساتھ لونڈیوں اور باندیوں جیسا سلوک کرو گے تو میں تمہیں روک نہیں سکوں گی۔ سنا ہے مسلمانوں کے دلوں میں رحم ہوتا ہے۔ میری ایک التجا ہے..... میں ایک سردار کی بیٹی ہوں۔ کیا میری اس حیثیت کا خیال رکھا جائے گا؟"

"اسلام میں انسانوں کو درجوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا"— ابولیلیٰ نے کہا— "ہم اُس شخص کو بھی اپنا سردار بنا لیا کرتے ہیں جس کے آباء اجداد نے کبھی خواب میں بھی سرداری نہیں دیکھی ہوتی۔ ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ سرداری کا اہل ہے اور اُس کا اخلاق بہت اونچا اور پاک ہے اور اُس کو اپنی ذات کا کوئی لالچ نہیں..... پریشان نہ ہو لڑکی! تو خوبصورت ہے۔ ایسا نہیں ہو گا کہ تجھے جو چاہے گا اپنا کھلونا بنا لے گا۔ کوئی ہمت والا تجھے خریدے گا اور تیرے ساتھ شادی کرے گا۔"

"تمہاری قیدی ہو کر میری پسند اور ناپسند ختم ہو گئی ہے"— صابحہ نے کہا— "اگر مجھے پسند کی ذرا سی بھی آزادی دی جائے تو میں تم میں سے اُس کی بیوی بننا پسند کروں گی جو سب سے زیادہ بہادر ہے۔ جو اپنی قوم اور قبیلے کی عزت اور غیرت پر جان دینے والا ہو، میدان سے بھاگنے والا نہ ہو..... عورت کا مذہب وہی ہوتا ہے جو اُس آدمی کا مذہب ہے جس کی ملکیت میں اُسے دے دیا جاتا ہے لیکن عقیدے دلوں میں ہوتے ہیں۔ عورت کے جسم کو ملکیت میں لے سکتے ہو، اُس کے دل کا مالک کوئی نہیں بن سکتا..... میں وعدہ کرتی ہوں کہ مجھے کوئی مضبوط دل والا اور قبیلے کی غیرت پر دشمن کا خون بہانے اور اپنا سر کٹوانے والا آدمی مل جائے تو میں اپنا دل اور اپنے عقیدے اُس پر قربان کر دوں گی۔"

"خدا کی قسم! تو غیرت اور عقل والی لڑکی ہے"— ابولیلیٰ نے کہا— "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تو نے بلال بن عقّہ سے جو وعدہ کیا تھا وہ میں پورا کروں گا، شرط یہ ہو گی کہ وہ اپنا وعدہ پورا کر دے۔ وہ ہمارے سالارِ اعلیٰ خالدؓ بن ولید کو اپنے ہاتھوں قتل کر دے۔ لیکن بنتِ ربیعہ! وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ ابنِ ولید کے سر پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تلوار کہا ہے..... پھر بھی تم انتظار کرو۔ ذومیل میں بلال کے ساتھ ہماری ملاقات ہو گی۔"

"کیا میں اپنے گھر میں رہ سکتی ہوں؟"

"کیا ہے اُس گھر میں؟"— ابولیلیٰ نے کہا— "وہاں تیرے باپ، بھائیوں اور محافظوں کی لاشوں کے سوا رہ ہی کیا گیا ہے؟ اپنے قبیلے کی عورتوں کے ساتھ رہ۔ کوئی تکلیف نہیں ہو گی تجھے۔ ہمارا کوئی آدمی کسی عورت کے قریب نہیں جائے گا۔"

صابحہ بنتِ ربیعہ بن بجیر رنجیدہ سی چال چلتی ہُوئی ایک مجاہد کے ساتھ اُس طرف چلی گئی جہاں عورتوں اور بچوں کو رکھا گیا تھا۔ اس کی رنجیدہ چال میں اور ملول چہرے پر تمکنت تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ عام سے کردار کی لڑکی نہیں۔

⭘

"ابنِ حارثہ!"— خالدؓ نے فتح کی مسرت سے لبریز لہجے میں مثنیٰ بن حارثہ سے کہا— "کیا اللہ نے

تیری ہر خواہش پوری نہیں کر دی؟"

"لاریب، لاریب!" ___ مثنیٰ بن حارثہ نے جوشیلے لہجے میں کہا ___ "کفار کی آنے والی نسلیں کہیں گی کہ مسلمانوں نے ان کے آباد اجداد پر بہت ظلم کیا تھا اور ہماری نسلیں انہیں اپنے اللہ کا یہ فرمان سنائیں گی کہ جس پر ظلم ہوا، وہ اگر ظالم پر ظلم کرے تو اس پر کوئی الزام نہیں.... تُو نہیں جانتا ولید کے بیٹے! ان آتش پرستوں نے اور صلیب کے پجاریوں نے جو ظلم ہم پر توڑے ہیں، تو نہیں جانتا۔ تو نے سنے ہیں، ہم نے سہے ہیں"

"اب یہ لوگ اللہ کی گرفت میں آ گئے ہیں" ___ خالدؓ نے کہا ___ "لیکن حارثہ کے بیٹے! میں ڈرتا ہوں تکبّر اور غرور سے.... دل میں بار بار ارادہ آتا ہے حج پر جاؤں۔ میں خانہ کعبہ میں جا کر اللہ کا شکر ادا کروں گا۔ کیا اللہ مجھے موقع دے گا کہ اپنا یہ ارادہ پورا کر سکوں؟"

"تُو نے ارادہ کیا ہے تو اللہ تجھے ہمت بھی دے گا، موقع بھی پیدا کر دے گا" ___ مثنیٰ نے کہا۔

کچھ دیر بعد تمام سالار خالدؓ کے سامنے بیٹھے تھے اور خالدؓ انہیں بتا رہے تھے کہ اگلا ہدف ذومیل ہے جاسوسوں کو ذومیل بھیج دیا گیا تھا۔

"پہلے یوں ہوتا رہا ہے کہ ایک جگہ ہم حملہ کرتے تھے تو دشمن کے آدمی بھاگ کر کہیں اور اکٹھے ہو جاتے تھے" ___ خالدؓ نے کہا ___ "اب ہم نے کسی کو بھاگنے نہیں دیا۔ ثنی سے شاید ہی کوئی بھاگ کر ذومیل پہنچا ہو لیکن ذومیل خالی نہیں۔ وہاں بھی دشمن موجود ہے اور وہ بے خبر بھی نہیں ہو گا۔ کل رات ذومیل کی طرف کوچ ہو گا اور اگلی رات وہاں اسی قسم کا شب خون مارا جائے گا"

تاریخوں میں یہ نہیں لکھا کہ ثنی میں خالدؓ نے کس سالار کو چھوڑا۔ سورج غروب ہوتے ہی مسلمانوں کا لشکر ذومیل کی سمت کوچ کر گیا۔ ساری رات چلتے گزری۔ دن نشیبی جگہوں میں چھپ کر گزرا اور سورج کا سفر ختم ہوا تو مجاہدین اپنے ہدف کی طرف چل پڑے۔

ذومیل میں بھی دشمن سویا ہوا تھا۔ سنتری بیدار تھے۔ یہاں بھی گشتی سنتریوں اور دیگر سنتریوں کو اُسی طریقے سے ختم کیا گیا جو مضیح اور ثنی وغیرہ میں آزمایا گیا تھا۔ مسلمانوں کی ترتیب وہی تھی یعنی ان کا لشکر تین حصوں میں تقسیم تھا۔

یہ شب خون بھی پوری طرح کامیاب رہا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ کسی ایک بھی آدمی کو زندہ نہ نکلنے دیا گیا۔ یہاں بھی عورتوں اور بچوں کو الگ کر لیا گیا تھا۔

ن

سالار ابو لیلیٰ نے بلال بن عقبہ کے متعلق معلوم کیا۔ پتہ چلا کہ وہ ایک روز پہلے یہاں سے نکل گیا تھا۔ یہ بھی پتہ چلا لیا گیا کہ ذومیل سے تھوڑی دور رضاب نام کی ایک بستی ہے جس میں عیسائیوں کی خاصی تعداد جمع ہو گئی ہے اور ان کے ساتھ مدائن کی فوج کے ایک دو دستے بھی ہیں۔

خالدؓ نے دو حکم دیئے۔ ایک یہ کہ ثنی سے مالِ غنیمت اور دشمن کی عورتوں اور بچوں کو ذومیل لایا جائے دوسرا حکم یہ کہ فوری طور پر رضاب پر حملہ کیا جائے۔ آتش پرستوں کا لڑنے کا جذبہ تو جیسے بالکل سرد پڑ گیا تھا۔

مسلمان تین اطراف سے رضاب پر حملہ آور ہوتے لیکن یہ گھونسہ ہوا میں لگا۔ رضاب بالکل خالی

تھا۔ پتہ چلتا تھا کہ یہاں فوج موجود رہی ہے لیکن اب وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اپنے باپ عقہ بن ابی عقہ کا بیٹا بلال بھی لاپتہ تھا۔ فوج کا ایک سوار دستہ دُور دُور تک گھوم آیا۔ دشمن کا کہیں نام و نشان نہیں ملا۔ آخر فوج واپس آ گئی۔

ثنی کی عورتیں ذومیل میں لائی جا چکی تھیں۔ مالِ غنیمت بھی آ گیا۔ خالدؓ نے خلافتِ مدینہ کا حصّہ الگ کر کے باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ ابو لیلیٰ نے صابجہ کو بلایا۔

"بلال بن عقہ یہاں سے بھی بھاگ گیا ہے" ___ ابو لیلیٰ نے اُسے کہا ___ "اُس نے اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا ہوتا تو یوں بھاگا نہ پھرتا۔ کیا اب بھی تُو اُس کا انتظار کرے گی؟"

"میں اپنی مرضی سے تو کچھ بھی نہیں کر سکتی" ___ صابجہ نے کہا۔

ابو لیلیٰ خالدؓ سے بات کر چکے تھے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس لڑکی کی خوبصورتی اور جوانی کو دیکھ کر سب کا خیال یہ تھا کہ خالدؓ اس کے ساتھ شادی کر لیں گے۔ صابجہ کی یہ خواہش بھی پوری ہو سکتی تھی کہ وہ سب سے زیادہ بہادر اور بے خوف آدمی کی بیوی بننا چاہتی ہے لیکن خالدؓ نے کہا کہ مجھ سے زیادہ بہادر موجود ہیں چنانچہ خالدؓ نے خاص پیغام کے ساتھ مالِ غنیمت اور عورتیں مدینہ کو روانہ کر دیں۔

جو دستہ مالِ غنیمت کے ساتھ بھیجا گیا اس کے کماندار نعمان بن عوف شیبانی تھے۔ انہوں نے صابجہ کے متعلق مدینہ میں بتایا کہ یہ لڑکی کون ہے، کیسی ہے اور اس کی خواہش کیا ہے۔

مؤرخوں کے مطابق صابجہ کو حضرت علیؓ نے خرید لیا۔ صابجہ نے بخوشی اسلام قبول کر لیا اور حضرت علیؓ نے اُس کے ساتھ شادی کر لی۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادے عمر اور صاحبزادی رقیہ صابجہ کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔

ن

مدائن میں کسریٰ کے محل پہلے کی طرح کھڑے تھے۔ ان کے در و دیوار پر خراش تک نہ آئی تھی۔ ان کا حُسن ابھی جوان تھا لیکن ان پر ایسا تاثر طاری ہو گیا جیسے یہ کھنڈر ہوں۔ ایران کی اب کوئی رقاصہ نظر نہیں آتی تھی۔ رقص و نغمہ کی محفلیں اب سوگوار تھیں۔ یہ وہی محل تھا جہاں سے انسانوں کی موت کے پروانے جاری ہوا کرتے تھے۔ یہاں کنواریوں کی عصمتیں لٹتی تھیں۔ رعایا کی حسین بیٹیوں کو زبردستی نچایا جاتا تھا۔

عرب کے جو مسلمان عراق میں آباد ہو گئے تھے انہیں فارس کے شہنشاہوں نے بھیڑ بکریاں بنا دیا تھا۔ عراق فارس کی سلطنت میں شامل تھا۔ مسلمانوں کو آتش پرستوں نے دجلہ اور فرات کے سنگھم کے دلدلی علاقے میں رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کے فصل، ان کی خون پسینے کی کمائی اور ان کے مال و اموال پر ان کا کوئی حق نہ تھا۔ حد یہ کہ مسلمانوں کی بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں پر بھی ان کا حق نہیں رہا تھا۔ کسریٰ کا کوئی حاکم کسی بھی مسلمان خاتون کو جب چاہتا، زبردستی اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔

یہی وہ حالات ہوتے ہیں جو مثنیٰ بن حارثہ جیسے مجاہدین کو جنم دیا کرتے ہیں۔ مثنیٰ بن حارثہ کو پکڑ کر قتل کر دینے کا حکم انہی محلات میں سے جاری ہوا تھا اور جب ان محلات میں یہ خبر پہنچی تھی کہ مدینہ کے مسلمانوں کا لشکر فارس کی سرحد میں داخل ہو گیا ہے تو یہاں سے فرعونوں جیسی آواز اٹھی تھی کہ عرب کے ان بدوؤں کو یہ جرأت کیسے ہوئی.... تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ فرعونوں کے ان محلات میں موت کا سناٹا طاری تھا۔ ان کا کوئی

سالار مسلمانوں کے سامنے نہیں ٹھہر سکا تھا۔ نامی گرامی سالار مارے گئے تھے اور جو بچ گئے تھے وہ بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔

"مدائن کو بچاؤ"۔۔۔ اب کسریٰ کے محلات سے بار بار یہی آواز اٹھتی تھی۔

"مدائن مسلمانوں کا قبرستان بنے گا"۔۔۔ یہ آواز ہارے ہوئے سالاروں کی تھی۔۔۔"وہ مدائن تک آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔"

"کیا تم اب بھی اپنے آپ کو دھوکے دے رہے ہو؟"۔۔۔ کسریٰ کا جانشین کہہ رہا تھا۔۔۔"کیا وہ مدائن تک آنے کی جرأت نہیں کریں گے جنہوں نے چند دنوں میں چار میدان اس طرح مار لیے ہیں کہ ہماری تجربہ کار فوج کو ختم کر ڈالا ہے؟ ہماری فوج میں رہ ہی کیا گیا ہے؟ ڈرے ہوئے شکست خوردہ سالار اور اناڑی نوجوان سپاہی.... کیا کوئی عیسائی زندہ رہ گیا ہے؟.... مدائن کو بچاؤ۔"

خالدؓ کی منزل مدائن ہی تھی۔ مدائن فارس کی شہنشاہی کا دل تھا لیکن مدائن پر شب خون نہیں مارا جا سکتا تھا۔ خالدؓ جانتے تھے کہ مدائن کو بچانے کے لیے کسریٰ ساری جنگی طاقت داؤ پر لگا دیں گے اور خالدؓ یہ بھی جانتے تھے کہ غیر مسلموں خصوصاً عیسائیوں کے کئی چھوٹے چھوٹے قبیلے ہیں جو کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوتے۔ خطرہ تھا کہ آتش پرست ان قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیں گے اور مدائن کے اردگرد انسانوں کی بڑی مضبوط دیوار کھڑی ہو جائے گی۔ اس خطرے سے نپٹنے کے لیے ضروری تھا کہ ان قبیلوں کو اپنا وفادار بنا لیا جائے۔ اس مقصد کے لیے خالدؓ نے اپنے ایلچی مختلف قبیلوں کے سرداروں سے ملنے کے لیے روانہ کر دیئے صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ لوگ سوچتے کیا ہیں اور ان کا رجحان کیا ہے۔

۞

"ان قبیلوں پر ہماری دھاک بیٹھی ہوئی ہے"۔۔۔ ایک جاسوس نے خالدؓ کو تفصیلی اطلاع دی۔۔۔"وہ اپنی عورتوں اور اموال کے لیے پریشان ہیں۔ انہیں کسریٰ پر بھروسہ نہیں رہا۔"

".... اور وہ نوشیرواں عادل کے دور کو یاد کرتے ہیں"۔۔۔ ایک ایلچی نے آکر بتایا۔۔۔"وہ مدائن کی خاطر لڑنے پر آمادہ نہیں۔ انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ بنی تغلب، نمر اور ایاد جیسے بڑے اور جنگجو قبیلوں کا کیا انجام ہوا ہے۔"

"وہ اطاعت قبول کرنے کے لیے تیار ہیں"۔۔۔ ایک اور ایلچی نے بتایا۔۔۔"بشرطیکہ اُن کے ساتھ انصاف کیا جائے اور محصولات کے لیے انہیں مفلس اور کنگال نہ کر دیا جائے۔"

"خدا کی قسم، وہ مانگیں گے ہم انہیں دیں گے"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔"کیا کسی نے انہیں بتایا نہیں کہ ہم یہاں قبضہ کرنے اور یہاں کے انسانوں کو غلام بنانے نہیں آئے؟... بلاؤ، ان سب کے سرداروں کو بلاؤ۔"

ایک دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے عراق کے طول و عرض میں جگہ جگہ حملے کر کے اور شب خون مار کر تمام قبیلوں کو اپنا مطیع بنا لیا تھا۔ یہ صحیح نہیں۔ حقیقت یہ ہے جو زیادہ تر مؤرخوں نے بیان کی ہے کہ خالدؓ نے دوستی کا ہاتھ بڑھا کر ان قبیلوں کو اپنا اتحادی بنا لیا تھا۔ ان کے اطاعت قبول کرنے میں خالدؓ کی دہشت بھی شامل تھی۔ یہ خبر صحرا کی آندھی کی طرح تمام تر قبیلوں تک پہنچ گئی تھی کہ مسلمانوں میں کوئی ایسی طاقت ہے جس کے سامنے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی فوج بھی نہیں ٹھہر سکتی۔

ایرانیوں کے متعلق بھی انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ہر میدان میں انہوں نے مسلمانوں سے شکست کھائی ہے اور عیسائیوں کو آگے کر کے خود بھاگ آتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایران کے بادشاہوں اور اُن کے حاکموں نے انہیں زرخرید غلام بنائے رکھا اور ان کے حقوق بھی غصب کیے تھے۔

خالدؓ نے ان کے ساتھ دوستی کے معاہدے کر کے ان سے اطاعت بھی قبول کروالی اور انہی میں سے عمال مقرر کر کے محصولات وغیرہ کی فراہمی کا بندوبست کر دیا۔ انہیں مذہبی فرائض کی ادائیگی میں پوری آزادی دی۔ ان لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ مسلمان ان کی آئی خوبصورت عورتوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ خالدؓ نے ان کے ساتھ معاہدے میں یہ بھی شامل کیا کہ مسلمان ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

"ولید کے بیٹے!"۔۔۔ ایک قبیلے کے بوڑھے سردار نے خالدؓ سے کہا تھا۔۔۔"نوشیرواں عادل کے دور میں ایسا ہی انصاف تھا۔ یہ ہمیں بڑی لمبی مدت بعد نصیب ہوا ہے۔"

۞

خالدؓ نے دریائے فرات کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ آگے عراق (فارس کے زیرِ نگیں) کی سرحد ختم ہوتی اور رومیوں کی سلطنت شروع ہوتی تھی۔ شام پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ خالدؓ نے بڑے خطرے مول لیے تھے مگر یہ خطرہ جس میں وہ جا رہے تھے، سب سے بڑا تھا اور مسلمانوں کی فتوحات پر پانی پھیر سکتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یکے بعد دیگرے اتنی زیادہ فتوحات نے خالدؓ کا دماغ خراب کر دیا ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ حقائق کا جائزہ لے کر سوچتے تھے۔ ان کا کوئی قدم بلا سوچے نہیں اٹھتا تھا۔

"خدا کی قسم، ہم نے مدینہ کو زرتشت کے پجاریوں سے محفوظ کر لیا ہے"۔۔۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا۔۔۔"اب ایسا خطرہ نہیں رہا کہ وہ ہماری خلافت کے مرکز پر حملہ کریں گے۔"

"کیا یہ اللہ کا کرم نہیں کہ فارسیوں کو اب اپنے مرکز کا غم لگ گیا ہے؟"۔۔۔ سالار قعقاع بن عمرو نے کہا۔۔۔"وہ اب عرب کی طرف دیکھنے سے بھی ڈریں گے۔"

"لیکن سانپ ابھی مرا نہیں"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔"اگر ہم یہیں سے واپس چلے گئے تو کسریٰ کی فوج پھر اٹھے گی اور یہ علاقے واپس لینے کی کوشش کرے گی جو ہم نے فارسیوں سے چھین لیے ہیں۔ ہمیں ان کے راستے بند کرنے ہیں.... اور میرے بھائیو! کیا تم میں سے کسی نے ابھی سوچا نہیں کہ آتش پرستوں کے پہلو میں رومی ہیں۔ اگر رومیوں میں کچھ عقل ہے تو وہ اس صورتِ حال سے جو ہم نے عراق میں پیدا کر دی ہے، فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ آگے بڑھیں گے اور اگر وہ کامیاب ہو گئے تو عرب کے لیے وہی خطرہ پیدا ہو جائے گا جو اس سے پہلے ہمیں زرتشت کے پجاریوں سے تھا۔"

خالدؓ نے زمین پر انگلی سے لکیریں کھینچ کر اپنے سالاروں کو بتایا کہ وہ کون سا راستہ ہے جس سے رومی آسکتے ہیں اور وہ کون سا مقام ہے جہاں قبضہ کر کے ہم اس راستے کو بند کر سکتے ہیں۔

وہ مقام فراض تھا۔ یہ شہر فرات کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔ وہاں سے رومیوں اور فارسیوں کی یعنی شام اور عراق کی سرحدیں ملتی تھیں۔ عراق کے زیادہ تر علاقے پر اب مسلمان قابض ہو گئے تھے۔ یہی علاقے

خطرے میں تھے۔ فراض سے خشکی کے راستے کے علاوہ رومی یا فارسی دریائی راستہ بھی اختیار کر سکتے تھے۔ مشہور یورپی مؤرخ لین پول اور ہنری سمتھ جو جنگی امور پر زیادہ نظر رکھتا تھا، لکھتے ہیں کہ خالدؓ نہ صرف میدان جنگ میں دشمن کو غیر متوقع چالیں چل کر شکست دینے کی اہلیت رکھتے تھے بلکہ جنگی تدبر بھی ان میں موجود تھا اور ان کی نگاہ دُور دُور تک دیکھ سکتی تھی۔ وہ آنے والے وقت کے خطروں کو پہلے ہی بھانپ لیا کرتے تھے۔

خالدؓ جب فراض کی طرف کوچ کر رہے تھے اُس وقت ایک خطرے سے وہ آگاہ نہیں تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ دشمن فوجوں کے درمیان آجائیں گے۔

٭

رومیوں کے دربار میں ایسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جن میں ضروری پن تھا اور صاف پتہ چلتا تھا کہ کوئی ہنگامی صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے۔ تختِ شاہی کے سامنے رومی فوج کے بڑے بڑے جرنیل بیٹھے تھے۔

”خبر ملی ہے کہ مسلمان فراض تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔“

”وہ کسی اچھے ارادے سے تو نہیں آئے.... کیا آپ کو فارسیوں کے متعلق کوئی خبر نہیں ملی؟“

”اُن کے پاس مدائن کے سوا کچھ نہیں رہا۔“

”پھر ہمیں انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ پیشتر اس کے کہ مسلمان ہمارے ملک میں داخل ہو جائیں ہمیں اُن پر حملہ کر دینا چاہیے۔“

”کیا تم سے بڑھ کر کوئی احمق ہماری فوج میں ہوگا؟ کیا تم نے سنا نہیں کہ فارس کی فوج کو اور ان کے ساتھی ہزارہا عیسائیوں کو ان مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ ہر جگہ شکست دی ہے بلکہ ان کے نامور جرنیلوں کو اور ہزاروں سپاہیوں کو مار ڈالا ہے؟“

”آپ نے ٹھیک کہا ہے۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مدینہ والوں کا لڑنے کا طریقہ کیا ہے۔“

”بہت ضروری ہے دیکھنا۔ وہ جو اتنی تھوڑی تعداد میں اتنی زیادہ تعداد کو شکست دے کر ختم کر چکے ہیں، ان کا کوئی خاص طریقۂ جنگ ہوگا۔ ہم بھی فارس کی فوج کے خلاف لڑ چکے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہم نے فارسیوں کو شکست دی تھی لیکن ہماری فوج کی نفری اُن سے زیادہ تھی۔“

”اَب میرا فیصلہ سُن لو۔ ہم فارسیوں کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے“۔

”فارسیوں کو ساتھ ملا کر؟ کیا ہمیں بھول جانا چاہیے کہ فارسیوں کے ساتھ ہماری دشمنی ہے؟ ہماری آپس میں جنگیں ہو چکی ہیں“۔

”ہاں! ہمیں بھول جانا چاہیے۔ مسلمان ان کے اور ہمارے مشترکہ دشمن ہیں۔ ایسے دشمن کو شکست دینے کے لیے اپنے دشمن کو دوست بنا لینا دانشمندی ہوتی ہے۔ ہم فارسیوں کی طرح شکست نہیں کھانا چاہتے۔ اگر فارسی ہمارے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیتے ہیں تو ان کے ساتھ عیسائی قبیلے بھی آ جائیں گے“۔

اس فیصلے کے مطابق رومیوں کا ایلچی دوستی کا پیغام لے کر مدائن گیا تو آتش پرستوں نے بازو پھیلا کر ایلچی کا استقبال کیا۔ تحائف کا تبادلہ ہوا اور ایلچی کے ساتھ ہی معاہدے کی شرطیں طے ہو گئیں۔ فارس والوں کو اپنا تختِ الٹتا نظر آ رہا تھا۔ رومیوں کے پیغام کو انہوں نے غیبی مدد سمجھا۔

مدائن کے دربار سے ان تمام عیسائی قبیلوں کے سرداروں کو بلاوا بھیجا گیا۔ یہ وہ تین قبیلے بنی تغلب نمر اور ایاد تھے جو مسلمانوں سے بہت بُری شکست کھا چکے تھے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ انہیں جوں ہی اطلاع ملی تو وہ فوراً مدائن پہنچے۔ وہ اپنے ہزارہا مقتولین کا انتقام لینا چاہتے تھے اور وہ اسلام کے پھیلاؤ کو بھی روکنا چاہتے تھے۔ ان قبیلوں میں جو لڑنے والے تھے وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ جواں سال آدمی بہت کم رہ گئے تھے۔ اب اکثریت ادھیڑ عمر لوگوں کی تھی۔

خالدؓ کا فراض کی طرف کوچ اُن کی خودسری کا مظاہرہ تھا۔ امیرالمومنین حضرت ابوبکرؓ نے انہیں صرف فارس والوں سے لڑنے کی اجازت دی تھی۔ امیرالمومنین کو تو یہ بھی توقع نہیں تھی کہ اپنی اتنی کم فوج فارس جیسی طاقتور فوج کو شکست دے گی لیکن امیرالمومنین ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے کہ اتنی لڑائیاں لڑ کر رومیوں سے بھی ٹکر لی جائے۔ رومیوں کی فوج فارسیوں کی فوج سے بہتر تھی۔

یہ خالدؓ کا اپنا فیصلہ تھا کہ فراض کے مقام پر جا کر رومیوں اور فارسیوں کی ناکہ بندی کر دی جائے۔ خالدؓ چین سے بیٹھنے والے سالار نہیں تھے۔ اس کے علاوہ وہ رسولِ اکرمؐ کے جنگی اصولوں کے [illegible] تھے۔ مثلاً یہ کہ دشمن کے سر پر سوار رہو۔ اگر دشمن کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے تو اُس کے حملے کا انتظار [illegible] کرو۔ آگے بڑھو اور حملہ کر دو۔ خالدؓ نے اپنے آپ پر جہاد کا جنون طاری کر رکھا تھا۔

٭

جب خالدؓ کے جاسوسوں نے انہیں اطلاعیں دینی شروع کیں تو خالدؓ کے چہرے پر ایسی سنجیدگی طاری ہو گئی جو پہلے کم ہی کبھی طاری ہوئی تھی۔ انہیں پتہ چلا کہ وہ دو فوجوں کے درمیان آ گئے ہیں۔ ایک طرف رومی دوسری طرف فارسی اور ان کے ساتھ عیسائی قبیلوں کے بھی لوگ تھے۔

خالدؓ کے ساتھ نفری پہلے سے کم ہو گئی تھی کیونکہ جو علاقے انہوں نے فتح کیے تھے وہیں اپنی کچھ نفری کا ہونا لازمی تھا۔ بغاوت کا بھی خطرہ تھا اور آتش پرست فارسیوں کے جوابی حملے کا بھی۔

خالدؓ فراض میں رمضان ۱۲ھ کے آخری (دسمبر ۶۳۳ء کے پہلے) ہفتے میں پہنچے تھے۔ مجاہدین روزے سے تھے۔

مسلمانوں کی فوج دریائے فرات کے ایک کنارے پر خیمہ زن تھی۔ دوسرے کنارے پر بالکل سامنے رومی، ایرانی اور عیسائی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ دونوں طرف کے سنتری فرات کے کناروں پر ہر وقت پہرے پر کھڑے رہتے اور گشتی سنتری گھوڑوں پر سوار دریا کے کناروں پر پھرتے رہتے تھے۔ خود خالدؓ دریا کے کنارے دور تک چلے جاتے اور دشمن کو دیکھتے تھے۔

ایک شام رومیوں اور ایرانیوں کی خیمہ گاہ میں ہڑبونگ مچ گئی اور وہ لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ وجہ یہ ہوئی کہ مسلمانوں کے کیمپ سے ایک شور اٹھا تھا اور دف اور نقارے بجنے لگے تھے۔ تمام فوج اچھل کود کر رہی تھی۔ دشمن اسے حملے سے پہلے کا شور سمجھا۔ اس کے سالار وغیرہ فرات کے کنارے پر آ کر دیکھنے لگے۔

”ان کے گھوڑے زینوں کے بغیر بندھے ہوئے ہیں“ ---دشمن کے کسی آدمی نے چلا کر کہا۔

"وہ تیاری کی حالت میں نہیں"--- کسی اور نے کہا۔

"وہ دیکھو"--- ایک اور نے کہا--- "آسمان کی طرف دیکھو۔ مسلمانوں نے عید کا چاند دیکھ لیا ہے۔ آج رات اور کل سارا دن یہ لوگ خوشیاں منائیں گے"۔

اگلے روز مسلمانوں نے ہنگامہ خیز طریقے سے عید الفطر کی خوشیاں منائیں۔ اسی خوشی میں فتوحات کی مسرتیں بھی شامل تھیں۔ مسلمان جب عید کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو دریا کے کنارے اور کیمپ کے اردگرد سنتریوں میں اضافہ کر دیا گیا تاکہ دشمن نماز کی حالت میں حملہ نہ کر سکے۔

"مجاہدین اسلام!" خالدؓ نے نماز کے بعد مجاہدین سے مختصر سا خطاب کیا--- "نماز کے بعد ایسے انداز سے اس تقریبِ سعید کی خوشیاں مناؤ کہ دشمن یہ تاثر لے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں اور انہیں اپنی فتح کا پورا یقین ہے۔ دریا کے کنارے جا کر ناچو کودو۔ تم نے جس طرح دشمن پر اپنی تلوار کی دھاک بٹھائی ہے اس طرح اس پر اپنی خوشیوں کی دہشت بٹھا دو، لیکن میرے رفیقو! اس حقیقت کو نہ بھولنا کہ تم اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ایک سے ایک کٹھن آزمائش میں پورے اترے ہو، مگر اب تمہارے سامنے سب سے زیادہ کٹھن اور خطرناک آزمائش آگئی ہے۔ تمہارا سامنا اس وقت کی دو طاقتور فوجوں سے ہے جنہیں عیسائیوں کی مدد بھی حاصل ہے۔ میں جانتا ہوں تم جسمانی طور پر لڑنے کے قابل نہیں رہے، لیکن اللہ نے تمہیں رُوح کی جو قوتیں بخشی ہیں اُنہیں کمزور نہ ہونے دینا، کیونکہ تم ان قوتوں کے بَل پر دشمن پر غالب آتے چلے جا رہے ہو۔ میں بتا نہیں سکتا کل کیا ہوگا۔ ہر خطرے کے لئے تیار رہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے"۔

خالدؓ کے خاموش ہوتے ہی مجاہدین کے نعروں نے اَرض و سما کو ہلا ڈالا۔ پھر سب دوڑتے کودتے دریا کے کنارے جا پہنچے۔ اُنہوں نے دریا کے کنارے گھوڑے بھی دوڑائے اور ہر طرح عید کی خوشی منائی۔

۞

خالدؓ کے سالاروں کو توقع تھی کہ خالدؓ بن ولید یہاں بھی شب خُون کی سوچ رہے ہوں گے۔ خالدؓ نے اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی سالاروں کو نہیں بتایا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ فوجیں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ آخر خالدؓ نے اپنے سالاروں کو مشورے، تجاویز اور احکام کے لیے بلایا۔

"میرے رفیقو!"--- خالدؓ نے کہا--- "شاید تم یہ سوچ رہے ہو گے کہ یہاں بھی شب خُون مارا جائے گا لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں صورتِ حال شب خون والی نہیں۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہم ہمیشہ قلیل تعداد میں لڑے ہیں لیکن یہاں ہمارے درمیان دریا حائل ہے۔ دشمن اس دریا سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ دشمن اتنی زیادہ تعداد کے باوجود ہم پر حملہ نہیں کر رہا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احتیاط سے کام لے رہا ہے۔ ہمارے لیے بہتر یہ ہے کہ اُس کی احتیاط کو ہم اور طول دیں اور حملے میں پہل نہ کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ حملے میں وہ پہل کرے۔ اگر تم کوئی مشورہ دینا چاہو تو میں اُس پر غور اور عمل کروں گا"۔

تقریباً تمام سالاروں نے متفقہ طور پر کہا کہ ہم پہل نہ کریں اور کوئی ایسی صورت پیدا کریں کہ دشمن دریا عبور کر آئے۔ کچھ دیر سالاروں نے بحث مباحثہ کیا اور ایک تجویز پر متفق ہو گئے اور اُسی روز اُس پر عمل شروع کر دیا گیا۔ اس کے مطابق کوئی ایک دستہ تیار ہو کر دریا کے ساتھ کسی طرف چل پڑتا۔ دشمن یہ

سمجھتا کہ مسلمان کوئی نقل و حرکت کر رہے ہیں چنانچہ اُسے بھی اس کے مطابق کوئی نقل و حرکت یا پیش بندی کرنی پڑتی۔

یہ سلسلہ پندرہ سولہ دن چلتا رہا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومی مسلمانوں کی ان حرکات سے تنگ آ گئے۔ وہ پہلے مسلمانوں کے خلاف کسی میدان میں نہیں لڑے تھے۔ اُن کے سالاروں کے ذہنوں پر یہ بات آسیب کی طرح سوار ہو گئی تھی کہ جس قلیل فوج نے فارسیوں جیسی طاقتور فوج کو ہلنے کے قابل نہیں چھوڑا وہ فوج کوئی خاص داؤ چلتی ہے جسے ان کے سوا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ خالدؓ دشمن پر نفسیاتی وار کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔ اس صورتِ حال میں بھی انہوں نے رومیوں کو تذبذب میں مبتلا کر کے اُن کے ذہنوں پر ایسا نفسیاتی اثر ڈالا کہ وہ نہ کچھ سمجھنے کے اور نہ کوئی فیصلہ کرنے کے قابل رہے۔

۞

۲۱ جنوری ۶۳۴ء (۱۵ ذلیقعد ۱۲ھ) کے روز دشمن اس قدر تنگ آ گیا کہ اُس کے ایک سالار نے دریا کے کنارے کھڑے ہو کر بڑی بلند آواز سے مسلمانوں سے کہا--- "کیا تم دریا پار کر کے اِدھر آؤ گے یا ہم دریا پار کر کے اُدھر آ جائیں؟ لڑنا ہے تو سامنے آؤ"۔

"ہم تعداد میں بہت تھوڑے ہیں"--- خالدؓ بن ولید نے اعلان کر دیا--- "ہم سے ڈرتے کیوں ہو؟ تمہاری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تمہیں ہم سے پوچھے بغیر اِدھر آ جانا چاہیئے"۔

"پھر سنبھل جاؤ"--- دشمن کی طرف سے للکار سنائی دی--- "ہم آ رہے ہیں"۔

دشمن نے دریا عبور کرنا شروع کر دیا۔ خالدؓ نے اپنے مجاہدین کو دریا کے کنارے سے ہٹا کر کچھ دور لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ حسبِ معمول ان کی فوج تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی اور خالدؓ خود درمیانی حصے کے ساتھ تھے۔ جنگی مبصروں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے دشمن کے لیے اتنی زیادہ جگہ خالی کر دی کہ دشمن اور اس کے پیچھے دریا، ان دونوں کے درمیان اتنی جگہ خالی رہے کہ اس کے عقب میں جانا پڑے تو جگہ مل جائے ورنہ دریا ان کے عقب کی حفاظت کرتا۔

جب دشمن میدان میں آ گیا تو رومی جرنیلوں نے فارسیوں اور عیسائیوں کے لشکر کو ان کے قبیلوں کے مطابق تقسیم کر دیا۔ انہوں نے ایرانی سالاروں سے کہا کہ اس تقسیم سے یہ پتہ چل جائے گا کہ کون کس طرح لڑتا ہے۔ بھاگنے والوں کے قبیلے کا بھی علم ہو جائے گا۔

یہ تقسیم اس طرح ہوئی کہ رومی الگ ہو گئے۔ مدائن کی فوج اُن سے کچھ دور الگ ہو گئی اور عیسائیوں کے قبیلے مدائن کی فوج سے الگ اور ہر قبیلہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہو گیا۔ رومی جرنیلوں نے (مؤرخوں کے مطابق) یہ تقسیم اس لیے بھی کی تھی کہ مسلمانوں کو بھی اس تقسیم کے مطابق اپنی تقسیم کرنی پڑے گی جس کے نتیجے میں وہ بکھر جائیں گے اور انہیں آسانی سے شکست دی جا سکے گی۔

"میرے رفیقو!"--- خالدؓ نے دشمن کو اس طرح تقسیم ہوتے دیکھ کر اپنے سالاروں کو بلایا اور اُن سے کہا--- "خدا کی قسم، دشمن خود احمق ہے یا ہمیں احمق سمجھتا ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ دشمن نے اپنی جمعیت کو کس طرح بکھیر دیا ہے؟"

"دشمن نے ہمارے لیے مشکل پیدا کر دی ہے ابن ولید!"--- سالار قعقاع بن عمرو نے کہا--- "اس کے

مطابق ہمیں بھی بکھرنا پڑے گا۔ پھر ایک ایک کا مقابلہ دس دس کے ساتھ ہوگا۔"

"دماغوں کو روشنی دینے والا اللہ ہے"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔ "ہم آمنے سامنے کی لڑائی نہیں لڑیں گے۔ سوار دستوں کے سالار سن لیں۔ فوراً سوار دو حصّوں میں تقسیم ہوکر دشمن کے دائیں اور بائیں چلے جائیں۔ پیادے بھی ان کے ساتھ رہیں اور دائیں بائیں پہنچ کر عقب میں جانے کی کوشش کریں۔ میں اپنے دستوں کے ساتھ دشمن کے سامنے رہوں گا۔ دشمن پر ہر طرف سے شدید حملہ کردو۔ دشمن ابھی لڑائی کے لیے تیار نہیں ہُوا۔ چاروں طرف سے دشمن پر ایسا حملہ کرو کہ اُس کی تقسیم درہم برہم ہو جائے۔ اللہ کا نام لو اور نکل جاؤ۔"

۞

رومی، ایرانی اور عیسائی تقسیم تو ہو گئے تھے لیکن ابھی لڑائی کے لیے تیار نہیں ہُوئے تھے۔ خالدؓ کے اشارے پر مسلمانوں نے ہر طرف سے اُن پر حملہ کر دیا۔ دشمن پر جب حملے کے ساتھ ہر طرف سے تیر برسنے لگے تو اُس کے بٹے ہُوئے حِصّے اندر کی طرف ہونے لگے اور ہوتے ہوتے وہ ہجوم کی صورت میں یکجا ہو گئے۔ مسلمان سواروں نے تھوڑی سی تعداد میں ہوتے ہوتے اتنے کثیر دشمن کو گھیرے میں لے لیا۔ دشمن کی حالت ایک گھنے ہجوم کی سی ہوگئی جس سے گھوڑوں کے گھومنے پھرنے کے لیے جگہ نہ رہی۔ ایرانی اور عیسائی پہلے ہی مسلمانوں سے ڈرے ہُوئے تھے۔ وہ چھپنے یا پیچھے ہٹنے کے انداز سے رُومی دستوں کے اندر چلے گئے اور انہیں حرکت کے قابل نہ چھوڑا۔

مسلمان سواروں نے دوڑتے گھوڑوں سے دشمن کے اس ہجوم پر تیر برسائے جن سے دشمن کی اتنی بڑی تعداد اور زیادہ سمٹ گئی۔ اس کیفیّت میں پیادہ مجاہدین نے ہلّہ بول دیا۔ عقب سے حملہ ایک سوار دستے نے کیا۔ خالدؓ نے اپنے تمام دستوں کو ایک ہی بار حملے میں نہ جھونک دیا۔ دستے باری باری حملہ کرتے تھے۔

خالدؓ نے ایسی چال چلی تھی کہ لڑائی کی صورت لڑائی کی نہ رہی بلکہ یہ رومیوں، آتش پرستوں اور عیسائیوں کا قتلِ عام تھا۔ رومیوں نے دفاعی لڑائی لڑنے کی کوشش کی لیکن میدان اُس کے زخمیوں اور اُس کی لاشوں سے بھر گیا۔ سپاہیوں کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور وہ میدان سے بھاگنے لگے۔

"پیچھے جاؤ"۔۔۔ خالدؓ نے حکم دیا۔۔۔ "ان کے پیچھے جاؤ۔ کوئی زندہ بچ کر نہ جائے۔"

مجاہدین نے تعاقب کر کے بھاگنے والوں کو تیروں اور برچھیوں سے ختم کیا اور معرکہ ختم ہوگیا۔ تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس معرکے میں ایک لاکھ رومی، ایرانی اور عیسائی مارے گئے۔ ایک بہت بڑی اتحّادی فوج ختم ہوگئی۔ مسلمانوں کی تعداد پندرہ ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔

خالدؓ دس روز وہیں رہے۔ انہوں نے بڑی تیزی سے وہاں کا انتظامی ڈھانچہ مکمل کیا۔ ایک دستہ وہاں چھوڑا اور ۳۱ جنوری ۶۳۴ء (۲۵ ذیلقعد ۱۲ھ) کے روز لشکر کو حیرہ کی طرف کوچ کا حکم دیا۔

"کیا تم دیکھ نہیں رہے ابنِ ولید چُپ سا ہو گیا ہے؟"۔۔۔ ایک سالار اپنے ایک ساتھی سالار سے کہہ رہا تھا۔۔۔ "خدا کی قسم، میں نہیں مانوں گا کہ ابنِ ولید تھک گیا ہے یا مسلسل معرکوں سے اُکتا گیا ہے۔"

"اور میں یہ بھی نہیں مانوں گا کہ ابنِ ولید ڈر گیا ہے کہ وہ اپنے مستقر سے اتنی دُور دشمن ملک کے اندر آ گیا ہے"۔۔۔ دوسرے سالار نے کہا۔۔۔ "لیکن میں اسے کسی سوچ میں ڈوبا ہُوا ضرور دیکھ رہا ہُوں۔"

"ہاں، وہ کچھ اور سوچ رہا ہے۔"

"پوچھ نہ لیں؟"

"ہم نہیں پوچھیں گے تو اور کون پوچھنے آئے گا؟"

خالدؓ سوچ میں ڈوب ہی جایا کرتے تھے۔ یہ ایک معرکے کی فراغت کے بعد اگلے معرکے کی سوچ ہوتی تھی۔ وہ سوچ سمجھ کر اور تمام تر دماغی قوّتوں کو بروئے کار لاکر لڑا کرتے تھے۔ دشمن کے پاس بے پناہ جنگی قوت تھی۔ وہ گہری سوچ کے بغیر اپنی فوج کی برتری اور افراط کے بل بوتے پر بھی لڑ سکتا تھا۔ مسلمان ایسا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ان کی تعداد کسی بھی معرکے میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ ان کی تعداد پندرہ اور اٹھارہ ہزار کے درمیان رہتی تھی۔ ایک ایک مجاہد کا مقابلہ تین سے چھ کفّار سے ہوتا تھا۔ لہٰذہ انہیں عقل اور ہوشمندی کی جنگ لڑنی پڑتی تھی۔

ایسی عقل اور ہوشمندی میں خالدؓ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ انہی اوصاف کی بدولت رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں اللہ کی تلوار کہا تھا۔ جذبہ تو خالدؓ میں تھا ہی لیکن انہیں دماغ زیادہ لڑانا پڑتا تھا۔ ہر معرکے سے پہلے خالدؓ جاسوسوں سے دشمن کی کیفیت اور اُس کی زمین اور نفری وغیرہ کی تفصیلات معلوم کر کے گہری سوچ میں ڈوب جاتے پھر اپنے سالاروں سے صلاح مشورہ کرتے تھے لیکن فراض کی جنگ کے بعد اُن پر ایسی خاموشی طاری ہوگئی تھی جو کچھ اور ہی قسم کی تھی۔ اُن کی اس خاموشی کو دیکھ کر اُن کے سالار کچھ پریشان سے ہو رہے تھے۔ یہ فراض سے حیرہ کی طرف کوچ (۲۵ ذیلقعد ۱۲ ہجری) سے دو روز پہلے کا واقعہ ہے۔ تین چار سالار خالدؓ کے خیمے میں جا بیٹھے۔

"ابنِ ولید!"۔۔۔ سالار قعقاع بن عمرو نے کہا۔۔۔ "خُدا کی قسم، جس سوچ میں تُو ڈوبا ہُوا ہے اس کا تعلق کسی لڑائی کے ساتھ نہیں۔ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ تجھے اکیلا پریشان نہیں ہونے دیں گے۔"

خالدؓ نے سب کی طرف دیکھا اور مُسکرائے۔

"ابنِ عمرو ٹھیک کہتا ہے"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "میں جس سوچ میں پڑا رہتا ہوں اس کا تعلق کسی لڑائی کے ساتھ نہیں۔"

"کچھ ہمیں بھی بتا ابنِ ولید!"۔۔۔ ایک اور سالار نے کہا۔۔۔ "خُدا کی قسم، تُو پسند نہیں کرے گا کہ ہم سب تجھے دیکھ دیکھ کر پریشان ہوتے رہیں۔"

"نہیں پسند کروں گا"—— خالدؓ نے کہا —"تم میں سے کوئی بھی پریشان ہوگا تو یہ مجھے ناپسند ہوگا۔ میں کسی لڑائی کے لیے کبھی پریشان نہیں ہوا۔ تین تین دشمنوں کی فوجیں مل کر ہمارے خلاف آئیں، میں پریشان نہیں ہوا۔ میں نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رومیوں کو جاللکارا۔ میں نے ایک خطرہ مول لیا تھا۔ میں پریشان نہیں ہوا۔ مجھے ہر میدان میں اور ہر مشکل میں اللہ نے روشنی دکھائی ہے اور تمہیں اللہ نے ہمّت دی ہے کہ تم اتنے جری دشمن پر غالب آئے....

"اب میری پریشانی یہ ہے کہ میں فریضۂ حج ادا کرنا چاہتا ہوں لیکن تم دیکھ رہے ہو میں کہاں ہوں اور میری ذمہ داریاں کیا ہیں۔ کیا میں اس فرض کو چھوڑ کر حج کا فرض ادا کر سکتا ہوں؟ .... نہیں کر سکتا میرے رفیقو! لیکن میرا دل میرے قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ خُدا کی قسم، یہ میری روح کی آواز ہے کہ ولید کے بیٹے، کیا تجھے لقین ہے کہ تُو اگلے حج تک زندہ رہے گا؟ .... مجھے یقین نہیں میرے رفیقو! ہم نے جن دو دشمنوں کو شکستیں دی ہیں، ان کی جنگی طاقت تم نے دیکھ لی ہے اور تم نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ تمام قبیلے فوراً اُن سے جا ملتے ہیں۔ ابھی ہمیں بڑی خونریز جنگیں لڑنی ہیں۔ فارسی اور رُومی تیار ہو کر ہم سے شکستوں کا انتقام لیں گے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ میری زندگی چند روز رہ گئی ہے....

"اور میرے رفیقو! میں کچھ بھی نہیں۔ تم کچھ بھی نہیں۔ صرف اللہ ہے جو ہمارے سینوں میں ہے وہی سب کچھ ہے، پھر میں کیوں نہ اُس کے حضور اُس کے عظیم گھر میں جا کر سجدہ کروں۔ کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں اپنی طرف سے، تم سب کی طرف سے اور ہر ایک مجاہد کی طرف سے خانہ کعبہ جا کر اللہ کے حضور شکر ادا کروں؟"

"بے شک، بے شک"—— ایک سالار نے کہا —"کون رد کر سکتا ہے اس جذبے کو اور اِس خواہش کو جو تُو نے بیان کی ہے!"

"لیکن تُو حج پہ جائے گا کیسے ابنِ ولید!"—— مثنیٰ بن حارثہ نے پوچھا —"پیچھے کچھ ہو گیا تو...."

"میں کسی لڑائی میں مارا جاؤں گا تو خدا کی قسم تم یہ نہیں سوچو گے کہ اب کیا ہوگا"—— خالدؓ نے کہا —"کیا میرے نہ ہونے سے تمہارے حوصلے ٹوٹ جائیں گے؟ .... نہیں .... نہیں .... ایسا نہیں ہوگا۔"

"ربّ کعبہ کی قسم۔ ایسا نہیں ہوگا"—— قعقاع بن عمرو نے کہا —"ہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہوگا تو وہ اسلام کے پرچم کو گرنے نہیں دے گا.... یوں کر ابن ولید! آج ہی قاصد کو روانہ کر دے کہ وہ امیرالمومنین سے اجازت لے آئے کہ تُو حج پہ جا سکتا ہے۔"

"جس سوچ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے وہ یہی سوچ ہے"—— خالدؓ نے مُسکرا کر کہا —"میں جانتا ہوں امیرالمومنین اجازت نہیں دیں گے۔ انہیں یہاں کے حالات کا علم ہے۔ اگر وہ اجازت دے بھی دیں تو یہ خطرہ پیدا ہو جائے گا کہ دشمن کو پتہ چل جائے گا کہ ابنِ ولید چلا گیا ہے۔ میں اپنے لشکر کو بھی نہیں بتانا چاہتا کہ میں ان کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں بہت کم وقت میں جا کر واپس آنا چاہتا ہوں۔"

"خُدا کی قسم، ولید کے بیٹے!"—— مثنیٰ بن حارثہ نے کہا —"تُو نہیں جانتا کہ تُو جو کہہ رہا ہے یہ ناممکن ہے۔"

"اللہ ناممکن کو ممکن بنا دیا کرتا ہے"—— خالدؓ نے کہا —"انسان کو ہمّت کرنی چاہیئے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کیا کروں گا اور کس راستے سے جاؤں گا۔"

خالدؓ نے انہیں پہلے یہ بتایا کہ وہ کیا کریں پھر وہ راستہ بتایا جس راستے سے انہیں حج کے لیے مکّہ جانا اور آنا تھا۔ حج میں صرف چودہ دن باقی تھے اور فراض سے مکّہ تک کی مسافت تیز چلنے سے اڑھائی مہینے سے کچھ زیادہ تھی۔ خالدؓ کو کوئی چھوٹا راستہ دیکھنا تھا لیکن کوئی راستہ چھوٹا نہیں تھا۔ خالدؓ تاجر خاندان کے فرد تھے۔ قبولِ اسلام سے پہلے خالدؓ نے تجارت کے سلسلے میں بڑے لمبے اور کٹھن سفر کیے تھے۔ وہ ایسے راستوں سے بھی واقف تھے جو عام راستے نہیں تھے بلکہ وہ راستے کہلاتے ہی نہیں تھے۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں کو ایک ایسا ہی راستہ بتایا۔

"خُدا کی قسم ابنِ ولید!"—— مثنیٰ بن حارثہ نے کہا —"تیرا دماغ خراب نہیں ہوا پھر بھی تُو نے ایسی بات کہہ دی ہے جو ٹھیک دماغ والے نہیں کہہ سکتے۔ تُو جو راستہ بتا رہا ہے وہ کوئی راستہ نہیں، وہ ایک علاقہ ہے اور اس علاقے سے صحرا کی ہوائیں بھی ڈر ڈر کر گزرتی ہیں۔ کیا تُو مرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں جانتا! کیا میں اس علاقے سے واقف نہیں؟"

"جس اللہ نے ہمیں اتنے زبردست دشمنوں پر غالب کیا ہے وہ مجھے اس علاقے سے بھی گزار دے گا"—— خالدؓ نے ایسی مسکراہٹ سے کہا جس میں عزم اور خود اعتمادی تھی —"میں لقین سے کہتا ہوں کہ تم مجھے جانے سے نہیں روکو گے اور میرے اس راز کو اس خیمے سے باہر نہیں جانے دو گے۔ میں یہ راز امیرالمومنین سے بھی چھپا کر رکھوں گا۔"

"اگر امیرالمومنین بھی حج پر آگئے تو کیا کرے گا تُو؟"—— ایک سالار نے پوچھا۔

"میں اُن سے اپنا چہرہ چھپا لوں گا"—— خالدؓ نے کہا —"تم سب میرے لیے دعا تو ضرور کرو گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس طرح تم سے آملوں گا کہ تم کہو گے کہ یہ شخص راستے سے واپس آگیا ہے۔"

زیادہ تر مؤرخین خصوصاً طبری نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ خالدؓ نے ۱۲ ہجری کا حج کس طرح کیا۔ ان حالات میں کہ ان کی ٹکر فارس کی شہنشاہی سے تھی اور اُنہوں نے روم کی شہنشاہی کے اندر جا کر حملہ کیا تھا یہ خطرہ ہر لمحے موجود تھا کہ یہ دونوں بادشاہیاں مل کر جوابی حملہ کریں گی۔ اس خطرے کے پیشِ نظر خالدؓ وہاں سے غیر حاضر نہیں ہو سکتے تھے لیکن حج کا عزم اتنا پکّا اور خواہش اتنی شدید تھی کہ اسے وہ دبا نہ سکے۔

پہلے سنایا جا چکا ہے کہ لشکر فراض سے حیرہ کو کوچ کر رہا تھا۔ خالدؓ نے لشکر کو تین حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّہ ہراول تھا، دوسرا اس کے پیچھے اور تیسرا حصّہ عقب میں تھا۔ خالدؓ نے خاص طور پر اعلان کرایا کہ وہ عقب کے ساتھ ہوں گے۔ لشکر کو حیرہ تک پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ تیز کُوچ اس صورت میں کیا جاتا تھا جب کہیں حملہ کرنا ہوتا یا جب اطلاع ملتی تھی کہ فلاں جگہ دشمن حملے کی تیاری کر رہا ہے۔ اب ایسی صورت نہیں تھی۔

لشکر کے کوچ کی رفتار تیز نہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی یہ کوچ میدانِ جنگ کی طرف نہیں بلکہ اپنے مفتوحہ شہر کی طرف ہو رہا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مجاہدین متواتر لڑائیاں لڑتے اور پیش قدمی کرتے رہے تھے۔ اُن کے جسم شل ہو چکے تھے۔ خالدؓ نے کوچ معمولی رفتار سے کرنے کا حکم ایک اور وجہ سے بھی دیا تھا۔ اس وجہ کا تین سالاروں اور خالدؓ کے چند ایک ساتھیوں کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔

وہ وجہ یہ تھی کہ خالدؓ کو کوچ کے دوران لشکر کے عقبی حصّے سے کھسک جانا تھا اور ایک گمنام راستے سے مکّہ کو روانہ ہونا تھا۔ لشکر ۳۱ جنوری ۶۳۴ء کے روز چل پڑا۔ تاریخ میں اُس مقام کا پتہ نہیں ملتا جہاں لشکر نے پہلا پڑاؤ کیا تھا رات کو جب لشکر گہری نیند سو گیا تو خالدؓ اپنے چند ایک ساتھیوں کے ساتھ خیمہ گاہ سے نکلے اور غائب ہو گئے۔ کسی بھی مؤرخ نے اُن کے ساتھیوں کے نام نہیں لکھے جو اُن کے ساتھ حج کو گئے تھے۔

خالدؓ اور اُن کے ساتھی اونٹوں پر سوار تھے جس علاقے میں سے انہیں گزرنا تھا، وہاں سے صرف اونٹ گزر سکتا تھا۔ گھوڑا بھی جواب دے جاتا تھا۔ صحراؤں میں بعض علاقے بے حد دشوار گزار ہوتے تھے۔ مسافر اُدھر سے گزرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ صحرائی قزاق اور بڑے پیمانے پر رہزنی کرنے والے انہی علاقوں میں رہتے تھے اور لُوٹ مار کا مال وہیں رکھتے تھے۔ ان میں کچھ علاقے ایسے خوفناک تھے کہ قزاق اور رہزن بھی ان میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ اُس دور میں صحرا کے جس علاقے کو دشوار گزار اور خطرناک کہنا ہوتا تھا تو کہا جاتا تھا کہ وہاں تو ڈاکو اور رہزن بھی نہیں جاتے۔

خالدؓ نے مکّہ تک جلدی پہنچنے کا جو راستہ اختیار کیا تھا وہ ایسا ہی تھا جہاں ڈاکو اور رہزن بھی نہیں جاتے تھے۔ اتنے خطرناک اور وسیع علاقے سے زندہ گزر جانا ہی ایک کارنامہ تھا لیکن خالدؓ دنوں کی مسافت منٹوں میں طے کرنے کی کوشش میں تھے۔ انہیں صرف یہ سہولت حاصل تھی کہ موسم سردیوں کا تھا لیکن سینکڑوں میلوں تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔

اس علاقے میں ایک اور خطرہ ریت اور مٹی کے اُن ٹیلوں کا تھا جن کی شکلیں عجیب و غریب تھیں۔ یہ کئی کئی میل وسیع نشیب میں کھڑے تھے۔ بعض چٹانوں کی طرح چوڑے تھے، بعض گول اور بعض ستونوں کی طرح اوپر کو اُٹھے ہوئے تھے۔ ایسے نشیب بھول بھلیوں کی طرح تھے۔ ان میں بھٹک جانے کا خطرہ زیادہ تھا۔ گھوم پھر کر انسان وہیں کا وہیں رہتا اور سمجھتا تھا کہ وہ بہت سا فاصلہ طے کر آیا ہے، حتیٰ کہ وہ ایک جگہ ہی چلتا اور مرتا تھک کر چُور ہو جاتا تھا۔ پانی پی پی کر پانی کا ذخیرہ وہیں ختم ہو جاتا تھا۔

اُس دور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ صحرا کے اُس حصّے کی صعوبتیں، دشواریاں اور وہاں کے خطرے ایسے تھے جو دیکھے بغیر انسان کے تصوّر میں نہیں آ سکتے۔ کئی جگہوں پر اونٹ یوں بدک گئے جیسے اُنہوں نے کوئی ایسی چیز دیکھ لی ہو جو انسانوں کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ اونٹ صحرائی جانور ہونے کی وجہ سے اُس پانی کی بھی بُو پا لیتا ہے جو زمین کے نیچے ہوتا ہے۔ کہیں چشمہ ہو جو نظر نہ آتا ہو، اونٹ اپنے آپ اُس طرف چل پڑتا ہے اُونٹ خطروں کو بھی دُور سے سونگھ لیتا ہے۔

خالدؓ کے مختصر سے قافلے کے اونٹ کئی جگہوں پر بدکے۔ ان کے سواروں نے اِدھر اُدھر اور پیچھے دیکھا مگر انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ زیادہ خطرہ صحرائی سانپ کا تھا جو ڈیڑھ یا زیادہ سے زیادہ دو بالشت کا ہوتا ہے۔ یہ دنیا کے دوسرے ملکوں کے سانپوں کی طرح آگے کو نہیں رینگتا بلکہ پہلو کی طرف رینگتا ہے۔ انسان یا جانور کو ڈس لے تو دو چار منٹوں میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ صحرائی بچھو اس سانپ کی طرح زہریلا ہوتا ہے۔

ایک مؤرّخ یعقوبی نے خالدؓ کے اس سفر کو بیان کرتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا ہے۔ اُس نے اپنے دور کے کسی عالم کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ ایک معجزے وہ تھے جو خدا نے پیغمبروں کو دکھاتے اور خالدؓ کا یہ

سفر اُن معجزوں میں سے تھا جو انسان اپنی خداداد قوتوں سے کر دکھایا کرتے ہیں۔

خالدؓ اپنے ساتھیوں سمیت بروقت مکّہ پہنچ گئے۔ انہیں اس خبر نے پریشان کر دیا کہ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ بھی فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ خالدؓ نے سنّت کے مطابق اپنا سر اُسترے سے منڈوا دیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ اپنے چہرے چھپا کر رکھیں تاکہ کوئی انہیں پہچان نہ سکے۔

فریضۂ حج ادا کر کے خالدؓ نے بڑی تیزی سے پانی اور دیگر زادِ راہ اکٹھا کیا اور واپسی کے سفر کو روانہ ہو گئے۔ یوں کہنا غلط نہ ہو گا کہ وہ ایک بار پھر موت کی وادی میں داخل ہو گئے۔

تمام مؤرّخ متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ خالدؓ اُس وقت حیرہ پہنچے جب فراض سے چلا ہُوا اُن کا لشکر حیرہ میں داخل ہو رہا تھا۔ لشکر کا عقبی حصّہ جس کے ساتھ خالدؓ کو ہونا چاہیئے تھا، وہ ابھی حیرہ سے کچھ دُور تھا۔ خالدؓ خاموشی سے عقبی حصے سے جا ملے اور حیرہ میں اس انداز سے داخل ہُوئے جیسے وہ فراض سے آ رہے ہوں۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ لشکر نے جب دیکھا کہ اُن کے سالارِ اعلیٰ خالدؓ اور چند اور افراد کے سر اُسترے سے صاف کیے ہُوئے ہیں تو لشکر میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں لیکن سر منڈوانا کوئی عجیب چیز نہیں تھی۔ اگر لشکر کو خالدؓ خود بھی بتاتے کہ وہ حج کر کے آئے ہیں تو کوئی بھی یقین نہ کرتا۔

مشہور مؤرّخ طبری نے لکھا ہے کہ خالدؓ مطمئن تھے کہ انہیں مکّہ میں کسی نے نہیں پہچانا۔ چار مہینے گزر گئے۔ کسریٰ کے خلاف جنگی کارروائیاں ختم ہو چکی تھیں۔ عراق کا بہت سا علاقہ کسریٰ سے چھین کر سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لیا گیا تھا۔ کسریٰ کی جنگی طاقت کا دم خم توڑ دیا گیا تھا۔ آتش پرست فارسیوں کی دھونس اور دھاندلی ختم ہو چکی تھی۔ یہ خطرہ اگر ہمیشہ کے لیے نہیں تو بڑی لمبی مدّت کے لیے ختم ہو گیا تھا کہ فارس کی جنگی طاقت حملہ کر کے مسلمانوں کو کچل ڈالے گی۔ فارسی آتش پرستوں کے نامور جرنیل قارن، ہرمز، بہمن جاذویہ، اندرزغر، رُوزبہ اور زرمہر اور دوسرے جن کی جنگی اہلیت اور دہشت مشہور تھی، خالدؓ اور اُن کے مجاہدین کے ہاتھوں مختلف معرکوں میں مارے گئے تھے۔ ان جیسے جرنیل پیدا کرنے کے لیے بڑی لمبی مدت درکار تھی۔ اب تو پورے عراق میں اور مدائن کے محلّات کے اندر بھی ان مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تھی جنہیں انہی محلّات میں عرب کے بدّو اور ڈاکو کہا گیا تھا۔ سب سے بڑی فتح تو یہ تھی کہ اسلام نے اپنی عظمت کا احساس دلا دیا تھا۔

خالدؓ نے حیرہ میں چار مہینے گزار کر اپنے لشکر کو آرام کرنے کی مہلت دی اور اس خیال سے جنگی تربیت بھی جاری رکھی کہ مجاہدینِ لشکر سست نہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ خالدؓ نے مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق اور محصولات کی وصولی کا انتظام بھی بہتر بنایا۔

مئی ۶۳۴ء کے آخری ہفتے میں خالدؓ کو امیر المومنین ابوبکرؓ کا خط مِلا جس کا پہلا فقرہ خالدؓ کے حج کے متعلق تھا جس کے متعلق خالدؓ مطمئن تھے کہ امیر المومنین اس سے بے خبر ہیں۔ خط میں خالدؓ کے حج کا اشارہ کر کے صرف اتنا لکھا تھا — "آئندہ ایسا نہ کرنا" — باقی خط کا متن یہ تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عتیق بن ابو قحافہ کی طرف سے خالدؓ بن ولید کے نام — یاد رہے کہ امیر المومنین اوّل

ابوبکرؓ کہلاتے تھے لیکن ان کا نام عبداللہ بن ابوقحافہ تھا اور عتیق اُن کا لقب تھا جو انہیں رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عطا فرمایا تھا) ___ السلام علیکم ۔ تعریف اللہ کے لیے جس کے سوا کوئی معبود نہیں : درود و سلام محمد الرسول اللہ پر ....

"حیرہ سے کوچ کرو اور شام (سلطنتِ رُوما) میں اُس جگہ پہنچو جہاں اسلامی لشکر جمع ہے لشکر اچھی حالت میں نہیں، مشکل میں ہے ۔ میں اس تمام لشکر کا جو تم اپنے ساتھ لے جاؤ گے اور اُس لشکر کا جس کی مدد کو تم جا رہے ہو، سپہ سالار مقرر کرتا ہوں ۔ رومیوں پر حملہ کرو ۔ اُبوعبیدہ اور اُس کے ساتھ کے تمام سالار تمہارے ماتحت ہوں گے ....

"ابوسلیمان ! (خالدؓ کا دوسرا نام) پختہ عزم لے کر پیش قدمی کرو ۔ اللہ کی حمایت اور مدد سے اس مہم کو پورا کرو ۔ اپنے لشکر کو جو اس وقت تمہارے پاس ہے ، دو حصّوں میں کر دو ۔ ایک حصّہ مثنیٰ بن حارثہ کے سپرد کر جاؤ ۔ عراق (سلطنتِ فارس کے مفتوحہ علاقوں) کا سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ ہوگا ۔ لشکر کا دوسرا حصّہ اپنے ساتھ لے جاؤ ۔ اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے ۔ اس کے بعد یہیں واپس آجانا اور اس علاقے کے سپہ سالار تم ہو گے ....

"تکبّر نہ کرنا کہ تکبّر اور غرور تمہیں دھوکہ دیں گے اور تم اللہ کے راستے سے بھٹک جاؤ گے کوتاہی نہ ہو ۔ رحمت و کرم اللہ کے ہاتھ میں ہے اور نیک اعمال کا صلہ اللہ ہی دیا کرتا ہے"۔

خط پڑھتے ہی خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور کچھ کھسیانہ سا ہو کے انہیں بتایا کہ اُن کے خفیہ حج کا امیرالمومنین کو پتہ چل گیا ہے ۔

"اور میں خوش ہوں اس پر کہ فراغت ختم ہو گئی ہے" ___ خالدؓ نے کہا ___ "ہم شام جا رہے ہیں"۔

خالدؓ تو جیسے میدانِ جنگ کے لیے پیدا ہوتے تھے ۔ قلعے اور شہر میں بیٹھنا انہیں پسند نہ تھا ۔ اُنہوں نے سالاروں کو خط پڑھ کر سنایا اور تیاری کا حکم دیا ۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے لشکر کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے تمام صحابہ کرام کو اپنے ساتھ رکھا ۔ صحابہ کرام کو لشکر میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ۔

"ولید کے بیٹے !" ___ مثنیٰ بن حارثہ نے کہا ___ "خُدا کی قسم، میں اس تقسیم پر راضی نہیں ہوں جو تُو نے کی ہے ۔ تو رسُولؐ اللہ کے تمام ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہے ۔ صحابہ کرام کو بھی صحیح تقسیم کر ۔ آدھے صحابہ کرام تیرے ساتھ جائیں گے آدھے میرے ساتھ رہیں گے ۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ انہی کی بدولت اللہ ہمیں فتح عطا کرتا ہے"۔

خالدؓ نے مسکرا کر صحابہ کرام کی تقسیم مثنیٰ بن حارثہ کی خواہش کے مطابق کر دی اور اپنے لشکر کے سالاروں کو حکم دیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو، تیاری مکمل کریں ۔

"اور یہ نہ بھولنا کہ ہم اپنے اُن بھائیوں کی مدد کو جا رہے ہیں جو وہاں مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں" ___ خالدؓ نے کہا ___ "ضائع کرنے کے لیے ہمارے پاس ایک سانس جتنا وقت بھی نہیں"۔

مسلمانوں کا وہ لشکر جو شام میں جا کر مشکل میں پھنس گیا تھا، وہ ایک سالار کی جلد بازی کا اور حالات

کو قبل از وقت نہ سمجھ سکنے کا نتیجہ تھا ۔ اُس نے شام کے اندر جا کر رومیوں پر حملہ کرنے کی اجازت امیرالمومنین سے اس طرح مانگی کہ جس طرح وہ خود آگے کے احوال و کوائف کو نہیں سمجھ سکا تھا، اِسی طرح اُس نے امیرالمومنین کو بھی گمراہ کیا ۔ امیرالمومنین ابوبکرؓ دانشمند انسان تھے ۔ انہوں نے اس سالار کو حملہ کرنے کی کھلی چھٹی نہ دی بلکہ یہ لکھا:

"....رومیوں سے ٹکر لینے کی خواہش میرے دل میں بھی ہے اور یہ ہماری دفاعی ضرورت بھی ہے ۔ رومیوں کی جنگی طاقت کو اتنا کمزور کر دینا ضروری ہے کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کر سکیں لیکن ابھی ہم اُن سے ٹکر نہیں لے سکتے ۔ تم اُن کے خلاف بڑے پیمانے کی جنگ نہ کرنا ۔ محتاط ہو کر آگے بڑھنا تاکہ خطرہ زیادہ ہو تو پیچھے بھی ہٹ سکو ۔ تم یہ جائزہ لینے کے لیے حملہ کرو کہ رومیوں کی فوج کس طرح لڑتی ہے اور اس کے سالار کیسے ہیں"۔

امیرالمومنین نے صاف الفاظ میں لکھا کہ اپنے لشکر کو ایسی صورت میں نہ ڈال دینا کہ پسپائی اختیار کرو اور تمہیں اپنے علاقے میں آکر بھی پناہ نہ ملے ۔

اس سالار کا نام بھی خالد تھا، خالد بن سعید لیکن میدانِ جنگ میں وہ خالدؓ بن ولید کی گردِ پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا ۔ اُسے جن دستوں کا سالار بنایا گیا تھا وہ سرحدی فرائض سرانجام دینے والے دستے تھے ۔ ان میں لڑنے کی اہلیّت بھی اور ان میں لڑنے کا جذبہ بھی تھا لیکن انہیں جنگ کا ویسا تجربہ نہ تھا جیسا خالدؓ کے دستوں نے حاصل کر لیا تھا ۔ امیرالمومنین نے خالد بن سعید کو اپنی سرحدوں پر پہرہ دینے کے لیے بھیجا تھا ۔ ان دستوں کا ہیڈکوارٹر تیما کے مقام پر بنایا گیا تھا ۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ کی پے بہ پے کامیابیاں دیکھ دیکھ کر خالد بن سعید کو خیال آیا کہ خالدؓ نے فارس کو شکستیں دی ہیں تو وہ رومیوں کو ایسی ہی شکستیں دے کر خالدؓ کی طرح نام پیدا کرے ۔ ابنِ ہشام اور ایک یورپی مؤرخ ہنری سمتھ نے یہ بھی لکھا ہے کہ خلیفۃ المسلمین خالد بن سعید کی قیادت اور صلاحیتوں سے واقف تھے اسی لیے انہوں نے اس سالار کو بڑی جنگوں سے دور رکھا تھا لیکن وہ اُس کی باتوں میں آگئے ۔

خالدؓ نے بھی فراض کے مقام پر رومیوں سے ٹکر لی تھی لیکن سرحد پر معرکہ لڑا تھا ۔ اُنہوں نے آگے جانے کی غلطی نہیں کی تھی ۔ خالد بن سعید نے امیرالمومنین کا جواب ملتے ہی اپنے دستوں کو کوچ کا حکم دیا اور شام کی سرحد میں داخل ہو گئے ۔ اُس وقت شام میں ہرقل رومی حکمران تھا جسے جنگوں کا بہت تجربہ تھا ۔ رومیوں کی اپنی جنگی تاریخ اور روایات تھیں ۔ وہ اپنی فوج کو انہی کے مطابق ٹریننگ دیتے تھے ۔

یہ تقریباً انہی دنوں کا واقعہ ہے جب خالدؓ فراض کے مقام پر رومیوں، فارسیوں اور عیسائیوں کے متحدہ لشکر کے خلاف لڑے اور انہیں شکست دی تھی ۔ اس سے رومی محتاط، مستعد اور چوکس ہو گئے تھے ۔ اُنہوں نے اپنی فوج کو ہر لمحہ تیار رہنے کا حکم دے رکھا تھا ۔

خالد بن سعید نے آگے کے احوال و کوائف معلوم نہ کیے، کوئی جاسوس آگے نہ بھیجا اور اندھا دھند بڑھتے گئے ۔ آگے رومی فوج کی کچھ نفری خیمہ زن تھی ۔ خالد بن سعید نے دائیں بائیں دیکھے بغیر اس پر حملہ کر دیا ۔ رومیوں کا سالار باہان تھا جو جنگی چالوں کے لحاظ سے خالدؓ کے ہم پلّہ تھا ۔ خالد بن سعید نہ سمجھ سکا کہ رومیوں کی جس نفری پر اس نے حملہ کیا ہے، اس کی حیثیت جال میں دانے کی ہے ۔ وہ انہی میں اُلجھ گیا ۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُسے پتہ چلا کہ اس کے اپنے دستے رومیوں کے گھیرے میں آگئے ہیں اور عقب سے رومی اُن پر ہلّہ بولنے کے لیے بڑھے آرہے ہیں۔ خالد بن سعید کے لیے اپنے دستوں کو بچانا ناممکن ہوگیا۔ اُس نے یہ حرکت کی کہ اپنے محافظوں کو ساتھ لے کر میدانِ جنگ سے بھاگ گیا اور اپنے دستوں کو رومیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ گیا۔

مسلمانوں کے ان دستوں میں مشہور جنگجو عکرمہؓ بن ابوجہل بھی تھے۔ اس ابتر صورتِ حال میں اُنہوں نے اپنے ہراساں دستوں کی کمان لے لی اور ایسی چالیں چلیں کہ اپنے دستوں کو تباہی سے بچالائے۔ جانی نقصان تو ہُوا اور زخمیوں کی تعداد بھی خاصی تھی۔ خالد بن سعید کے بھاگ جانے سے تمام دستوں کے جنگی قیدی بننے کے حالات پیدا ہو گئے تھے۔ عکرمہؓ نے مسلمانوں کو اس ذلّت سے بچالیا۔

مدینہ اطلاع پہنچی تو خلیفۃ المسلمین نے خالد بن سعید کو معزول کر کے مدینہ بلالیا۔ خلیفۃ المسلمین کے غصے کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے خالد بن سعید کو بھری محفل میں بزدل اور نالائق کہا۔ خالد بن سعید خاموشی کی زندگی گزارنے لگا۔ اس سے زیادہ افسردہ آدمی اور کون ہوسکتا تھا۔ آخر خدا نے اُس کی سُن لی۔ بہت عرصے بعد جب مسلمانوں نے شام کو میدانِ جنگ بنالیا تھا، خالد بن سعید کو وہاں ایک دستے کے ساتھ جانے کی اجازت مل گئی۔ اس نے اپنے نام سے شکست کا داغ یوں دھویا کہ بے جگری سے لڑتا ہُوا شہید ہوگیا۔

امیرالمومنین ابوبکرؓ نے اپنی مجلسِ مشاورت کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا۔ اس مجلس میں جو اکابرین شامل تھے۔ ان میں عمرؓ، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

"میرے دوستو!" ——خلیفہ ابوبکرؓ نے کہا—— "رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارادہ تھا کہ شام کی طرف سے رومیوں کے حملے کا سدّباب کیا جائے۔ آپؐ نے جو تدبیریں سوچی تھیں، ان پر عمل کرنے کی آپؐ کو مہلت نہ ملی۔ آپؐ انتقال فرما گئے۔ اب تم نے سن لیا ہے کہ ہرقل جنگی تیاری مکمل کر چکا ہے اور ہمارا ایک سالار شکست کھا کر بھی آگیا ہے۔ اگر ہم نے رومیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی تو ایک تو اپنے لشکر کے حوصلے کمزور ہوں گے اور وہ رومیوں کو اپنے سے زیادہ بہادر سمجھنے لگیں گے، دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ رومی آگے بڑھ آئیں گے اور ہمارے لیے خطرہ بن جائیں گے۔ اس صورتِ حال میں تم مجھے کیا مشورہ دو گے؟ یہ بھی یاد رکھنا کہ ہمیں مزید فوج کی ضرورت ہے۔"

"امیرالمومنین!" ——عمرؓ نے کہا—— "آپ کے عزم کو کون رد کر سکتا ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ شام پر حملے کا اشارہ اللہ کی طرف سے ملا ہے۔ لشکر کے لیے مزید نفری بھرتی کریں اور جو کام رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کرنا چاہا تھا اُسے ہم پورا کریں۔"

"امیرالمومنین!" ——عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا—— "اللہ کی سلامتی ہو تم پر! غور کر لے، رومی ہم سے طاقتور ہیں۔ خالد بن سعید کا انجام دیکھ۔ ہم رسولؐ اللہ کے ارادوں کو ضرور پورا کریں گے لیکن ہم اس قابل نہیں کہ رومیوں پر بڑے پیمانے کا حملہ کریں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہمارے دستے رومیوں کی سرحدی چوکیوں پر حملے کرتے رہیں اور ہر حملے کے بعد دور پیچھے آجائیں۔ اس طرح رومیوں کا آہستہ آہستہ نقصان ہوتا رہے

گا اور اپنے مجاہدین کے حوصلے کھلتے جائیں گے۔ اس دوران ہم اپنے لشکر کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے رہیں۔ امیرالمومنین! لشکر میں اضافہ کر کے تم خود جہاد پر روانہ ہو جاؤ اور چاہو تو قیادت کسی اور سردار کو دے دو۔"

مؤرخوں نے اُس دَور کی تحریروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ تمام مجلس پر خاموشی طاری ہوگئی۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بڑی جرأت سے اپنا مشورہ پیش کیا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اب کوئی اور بولے گا ہی نہیں۔

"خاموش کیوں ہو گئے ہو تم؟" ——امیرالمومنین نے کہا—— "اپنے مشورے دو۔"

"کون شک کر سکتا ہے تمہاری دیانتداری پر!" ——عثمانؓ بن عفان نے کہا—— "بے شک تم مسلمانوں کی اور دین کی بھلائی چاہتے ہو۔ پھر کیوں نہیں تم حکم دیتے کہ شام پر حملہ کرو۔ نتیجہ جو بھی ہوگا ہم سب بھگت لیں گے۔"

مجلس کے دوسرے شرکاء نے عثمانؓ بن عفّان کی تائید کی اور متفقہ طور پر کہا کہ دین اور رسولؐ اللہ کی اُمّت کے وقار کے لیے مسندِ خلافت سے جو حکم ملے گا اسے سب قبول کریں گے۔

"تم سب پر اللہ کی رحمت ہو" ——خلیفۃ المسلمین نے آخر میں کہا—— "میں کچھ امیر مقرر کرتا ہوں۔ اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کے بعد اپنے امیروں کی اطاعت کرو۔ اپنی نیّتوں اور ارادوں کو صاف رکھو بے شک اللہ انہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔"

امیرالمومنین ابوبکرؓ کا مطلب یہ تھا کہ شام پر حملہ ہوگا اور رومیوں کے ساتھ جنگ لڑی جائے گی مجلس پر پھر خاموشی طاری ہوگئی۔ محمد حسین ہیکل لکھتا ہے کہ یہ خاموشی ایسی تھی جیسے وہ رومیوں سے ڈر گئے ہوں یا انہیں امیرالمومنین کا فیصلہ پسند نہ آیا ہو۔ عمرؓ نے سب کی طرف دیکھا اور اُن کی آنکھیں جذبات کی شدت سے سرخ ہو گئیں۔

"اے مومنین!" ——عمرؓ نے گرج کر کہا—— "کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ خلیفہ کی آواز پر لبّیک کیوں نہیں کہتے؟ کیا خلیفہ نے اپنی بھلائی کے لیے کوئی حکم دیا ہے؟ کیا خلیفہ کے حکم میں تمہاری بھلائی نہیں؟ اُمّتِ رسولؐ کی بھلائی نہیں؟ .... بولو.... لبیک کہو اور آواز اپنے دلوں سے نکالو۔"

مجلس کا سکوت ٹوٹ گیا۔ لبیک لبیک کی آوازیں اٹھیں اور سب نے متفقہ طور پر کہا کہ وہ رومیوں سے ٹکر لیں گے۔

حج سے واپس آکر خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے مدینہ میں گھوڑ دوڑ، نیزہ بازی، تیغ زنی، تیر اندازی اور کشتیوں کا مقابلہ منعقد کرایا۔ اردگرد کے قبیلوں کو بھی اس مقابلے میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ تین دن مدینہ میں انسانوں کے ہجوم کا یہ عالم رہا کہ گلیوں میں چلنے کو رستہ نہیں ملتا تھا۔ کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔ جدھر نظر جاتی تھی۔ گھوڑے اور اونٹ کھڑے نظر آتے تھے۔ دف اور نفیریاں بجتی ہی رہتی تھی۔ قبیلے اپنے شہسواروں اور پہلوانوں کو جلوسوں کی شکل میں لا رہے تھے۔

تین دن ہر طرح کے مقابلے ہوتے رہے۔ جن قبیلوں کے آدمی جیت [illegible] نے وہ قبیلے میدان میں آ

کرنا چنتے کودتے اور چلّا چلّا کر خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ اُن کی عورتیں اپنے جیتنے والے آدمیوں کی مدح میں گیت گاتی تھیں۔ مقابلے میں باہر کا کوئی گھوڑ سوار یا تیغ زن یا کوئی شتر سوار زخمی ہو جاتا تھا تو مدینہ کا ہر باشندہ اُسے اُٹھا کر اپنے گھر لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ مدینہ والوں کی میزبانی نے قبیلوں کے دل موہ لیے۔

مقابلوں اور میلے کا یہ اہتمام خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے کیا تھا۔ مقابلے کے آخری روز مدینہ کا ایک آدمی گھوڑے پر سوار میدان میں آیا۔ میدان کے اِردگرد لوگوں، گھوڑوں اور اونٹوں کا ہجوم جمع تھا۔

"اے رسولؐ اللہ کے اُمتیو!" — میدان میں اُترنے والے سوار نے بڑی بلند آواز سے کہا — "خُدا کی قسم، کوئی نہیں جو تمھیں نیچا دکھا سکے۔ تم نے اس میدان میں اپنی طاقت اور اپنے جوہر دیکھ لیے ہیں۔ کون سا دشمن ہے جو تمھارے سامنے اپنے پاؤں پر کھڑا رہ سکے گا۔ یہ طاقت جو تم نے ایک دوسرے پر آزمائی ہے، اب اِسے اُس دشمن پر آزمانے کا وقت آگیا ہے جو تمھاری طرف بڑھا آرہا ہے....

"اے مومنین! اپنی زمین کو دیکھو، اپنے اموال کو دیکھو، اپنی عورتوں کو دیکھو جو تمھارے بچوں کو دُودھ پلاتی ہیں، اپنی جوان اور کنواری بیٹیوں کو دیکھو جو تمھارے دامادوں کے انتظار میں بیٹھی ہیں کہ حلال کے بچے پیدا کریں۔ اپنے دین کو دیکھو جو اللہ کا سچا دین ہے۔ خدا کی قسم، تم غیرت والے ہو، عزّت والے ہو، اللہ نے تمہیں برتری دی ہے۔ تم پسند نہیں کرو گے کہ کوئی دشمن اُس وقت تم پر آپڑے جب تم سوئے ہوئے ہو گے اور تمھارے گھوڑے اور تمھارے اونٹ بغیر زینوں کے بندھے ہوئے ہوں گے اور تم نہیں بچا سکو گے اپنے اموال کو، اپنے بچوں کو، اپنی عورتوں کو اور اپنی کنواری بیٹیوں کو اور دشمن تمہیں مجبور کر دے گا کہ سچے دین کو چھوڑ کر دشمن کے دیوتاؤں کی پوجا کرو۔"

"بتاہمیں وہ دشمن کون ہے؟" — ایک شتر سوار نے چلّا کر پُوچھا — "کون ہے جو ہماری غیرت کو للکار رہا ہے؟"

"رومی!" — گھوڑ سوار نے اعلان کرنے کے لہجے میں کہا — "وہ جو ملک شام پر قبضہ کئے بیٹھے ہیں اُن کی فوج ہم سے زیادہ ہے۔ بہت زیادہ ہے۔ اُن کے ہتھیار ہم سے اچھے ہیں لیکن وہ تمھارا وار نہیں سہہ سکتے۔ تم نے اس میدان میں اپنی طاقت اور اپنی ہمت دیکھ لی ہے، اب اُس میدان میں چلو جہاں تمھاری طاقت اور ہمت تمھارا دشمن دیکھے گا۔"

"ہمیں اُس میدان میں کون لے جائے گا؟" — ہجوم میں سے کسی نے پوچھا۔

"مدینہ والے تمھیں اپنے ساتھ لے جائیں گے" — مدینہ کے گھوڑ سوار نے کہا — "دیکھو اُنہیں جو برسوں سے محاذ پر لڑ رہے ہیں، کٹ رہے ہیں اور وہیں دفن ہو رہے ہیں۔ اُنہیں اپنے بچوں کی یاد نہیں رہی۔ اُنہیں اپنے گھر یاد نہیں رہے۔ وہ بڑی تھوڑی تعداد میں ہیں اور اُس دشمن کو شکست پہ شکست دے رہے ہیں جو تعداد میں اُن سے بہت زیادہ ہے۔ وہ راتوں کو بھی جاگتے ہیں، تمھاری عزتوں کے لیے.... انہوں نے آتش پرست فارسیوں کا سر کچل ڈالا ہے۔ اب رومی رہ گئے ہیں مگر ہمارے مجاہدین تھک گئے ہیں۔ محاذ ایک دوسرے سے دُور ہیں۔ وہ ہر جگہ فوراً نہیں پہنچ سکتے.... کیا تم جو غیرت اور عزت والے ہو، طاقت اور ہمت والے ہو، ان کی مدد کو نہیں پہنچو گے؟"

ہجوم جو پہلے ہی بے چین تھا، جوش و خروش سے پھٹنے لگا۔ امیرالمومنین کا یہی منشا تھا کہ لوگوں کو اسلامی لشکر میں شامل کیا جاتے۔ قبیلوں کی جو عورتیں مدینہ آئی تھیں، انہوں نے اپنے مردوں کو لشکر میں بھرتی ہونے پر اکسانا شروع کر دیا۔

اُس روز جو مقابلوں کا آخری روز تھا، مقابلوں میں کچھ اور ہی جوش اور کچھ اور ہی شور تھا۔ مقابلوں میں اُترنے والوں کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ لشکر میں اچھی حیثیت حاصل کرنے کے لیے اپنے جوہر دکھا رہے ہوں۔ اس کے بعد ان لوگوں میں سے کئی اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔

* * *

یمن میں اسلام مقبولِ عام مذہب بن چکا تھا۔ ارتداد بھی ختم ہو گیا تھا اور وہاں کا غالب مذہب اسلام تھا۔ خلیفۃ المسلمین نے اہلِ یمن کے نام ایک خط لکھا جو ایک قاصد لے کر گیا۔ خط میں لکھا تھا:

"اہلِ یمن! تم پر اللہ کی رحمتیں برسیں۔ تم مومنین ہو اور مومنین پر اُس وقت جہاد فرض ہو جاتا ہے جب ایک طاقتور دشمن کا خطرہ موجود ہو۔ حکم ربّ العالمین ہے کہ تم تنگدستی میں ہو یا خوشحالی میں، تمہارے پاس سامان کم ہے یا زیادہ، تم جس حال میں بھی ہو، دشمن کے مقابلے کے لیے نکل پڑو۔ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو۔ تمھارے جو بھائی مدینہ آئے تھے، انہیں میں نے شام بغرضِ جہاد جانے کی ترغیب دی تو وہ بخوشی تیار ہو گئے اور اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ میں یہی ترغیب تمھیں دیتا ہوں۔ میری آواز تم تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں اللہ کا حکم ہے وہ سنو اور جس نے تمھیں پیدا کیا ہے اُس کے حکم کی تعمیل کرو۔"

اُس دَور کے رواج کے مطابق مدینہ کے قاصد نے یمن میں تین چار جگہوں پر لوگوں کو اکٹھا کیا اور امیرالمومنین کا پیغام سنایا۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ ایک سردار ذوالکلاع حمیری نے نہ صرف اپنے قبیلے کے جوان آدمیوں کو تیار کر لیا بلکہ اپنے زیرِاثر چند اور قبیلوں کے لڑنے والے آدمیوں کو ساتھ لیا اور مدینہ کو روانہ ہو گیا۔

مدینہ کا قاصد ہر قبیلے میں گیا تھا۔ تین اور قبیلوں کے سرداروں — قیس بن ھبیر مرادی، جندب بن عمرو الدوسی اور حالس بن سعد طائی — نے اپنے اپنے قبیلے کے جوانوں اور لڑنے کے قابل افراد کو ساتھ لیا اور شام کی جنگی مہم میں شریک ہونے کے لیے عازمِ مدینہ ہُوئے۔

یہ ایک اچھا خاصا لشکر بن گیا۔ ہر فرد گھوڑے یا اونٹ پر سوار اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلّح ہو کر آیا۔ یہ لوگ تیروں کا بہت بڑا ذخیرہ بھی ساتھ لے آئے۔ مدینہ میں اس لشکر کا اجتماع مارچ ۶۳۴ء (محرم ۱۳ھ) میں ہُوا تھا۔

امیرالمومنین ابوبکرؓ نے خود اس اجتماع کے ہر آدمی کو اچھی طرح دیکھا کہ وہ تندرست ہے اور وہ کسی کے مجبور کرنے پر نہیں بلکہ جہاد کا مطلب اور مقصد سمجھ کر خود آیا ہے۔ پھر اس لشکر کی چھان بین یہ معلوم کرنے کے لیے کی گئی کہ ان میں کئی افراد مُرتدین کے ساتھ رہے اور مسلمانوں نے ارتداد کے خلاف جو جنگ لڑی تھی، اس میں وہ مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے۔ انہوں نے اسلام تو قبول کر لیا تھا لیکن ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مُرتدین نے یہ عادت بنا لی تھی کہ مُرتد بنے رہے۔ جب مسلمانوں کے ہاتھوں میدانِ جنگ

میں بٹ گئے تو اسلام قبول کر لیا مگر مسلمان ان پر بھروسہ کر کے ان کی بستیوں سے ہٹے تو ان میں سے کئی ایک اسلام سے منحرف ہو کر پھر مرتد ہو گئے۔

مدینہ میں چھان بین کی گئی تو ان میں سے بعض کو لشکر سے نکال دیا گیا۔ باقی لشکر کو چار حصّوں میں بانٹ کر ہر حصّے کا سالار مقرر کیا گیا۔ ہر حصّے میں سات ہزار آدمی تھے، یعنی لشکر کی تعداد اٹھائیس ہزار تھی۔ زیادہ تر مؤرخوں نے یہ تعداد تیس ہزار لکھی ہے۔ ایک حصّے کے سالار تھے عمرو بن العاص، دوسرے کے یزید بن ابی سفیان، تیسرے کے شرجیل بن حسنہ اور چوتھے حصّے کے سالار ابوعبیدہ بن الجراح تھے۔

ان سالاروں نے چند دن لشکر کو بڑے پیمانے کی جنگ لڑنے کی ٹریننگ دی جس میں معرکے کے دوران دستوں کا آپس میں رابطہ اور نظم و نسق قائم رکھنا شامل تھا۔

⁂

اپریل ۶۳۴ء (صفر ۱۳ھ) کے پہلے ہفتے میں اس لشکر کو شام کی طرف کوچ کا حکم ملا۔ ہر حصے کو الگ الگ مقامات پر پہنچنا اور ایک دوسرے سے الگ کوچ کرنا تھا۔ عمرو بن العاص کو اپنے دستوں کے ساتھ فلسطین تک جانا تھا۔ یزید بن ابی سفیان کی منزل دمشق تھی۔ انہیں تبوک کے راستے سے جانا تھا۔ شرجیل بن حسنہ کو اُردن کی طرف جانا تھا۔ انہیں کہا گیا تھا کہ یزید بن ابی سفیان کے دستوں کے پیچھے پیچھے جائیں۔ ابوعبیدہ بن الجراح کی منزل حمص تھی۔ انہیں بھی تبوک کے راستے سے جانا تھا۔

”اللہ تم سب کا حامی و ناصر ہو“ — خلیفۃ المسلمین نے آخری حکم یہ دیا — ”سالار اپنے اپنے دستے ایک دوسرے سے الگ رکھیں گے۔ اگر رومیوں کے ساتھ کہیں ٹکر ہو گئی تو سالار ایک دوسرے کو مدد کے لیے بلا سکتے ہیں۔ اگر لشکر کے چاروں حصّوں کو مِل کر لڑنا پڑا تو ابوعبیدہ بن الجراح تمام لشکر کے سپہ سالار ہوں گے۔“

سب سے پہلے یزید بن ابی سفیان اپنے دستوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے۔ مدینہ کی عورتیں اور بچے بھی باہر نکل آئے تھے۔ چھتوں پر عورتیں کھڑی ہاتھ اوپر کر کے ہلا رہی تھیں۔ بوڑھی عورتوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہُوئے تھے۔ کئی بوڑھوں کی آنکھیں اس لیے اشکبار ہو گئی تھیں کہ وہ لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

یزید بن ابی سفیان اپنے دستوں کے آگے آگے جا رہے تھے۔ یزید کے ساتھ امیرالمومنین ابوبکرؓ پیدل جا رہے تھے۔ یزید گھوڑے سے اُتر آئے۔ امیرالمومنین کے اصرار کے باوجُود وہ گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ امیرالمومنین ضعیف تھے پھر بھی وہ دستوں کی رفتار سے چلے جا رہے تھے۔ یزید نے انہیں کئی بار کہا کہ وہ واپس چلے جائیں لیکن ابوبکرؓ نہ مانے۔ مدینہ سے کچھ دور جا کر یزید رک گئے۔

”امیرالمومنین واپس نہیں جائیں گے تو میں ایک قدم آگے نہیں بڑھوں گا“ — یزید بن ابی سفیان نے کہا۔

”خدا کی قسم ابی سفیان!“ — امیرالمومنین نے کہا — ”تو مجھے سُنّتِ رسول اللہ سے روک رہا ہے۔ کیا تجھے یاد نہیں کہ رسول اللہ جہاد کو رخصت ہونے والے ہر لشکر کے ساتھ دُور تک جاتے اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے تھے؟ آپ فرمایا کرتے تھے کہ پاؤں جو جہاد فی سبیل اللہ کے راستے پر گرد آلود ہو جاتے ہیں دوزخ کی آگ ان سے دُور رہتی ہے۔“

تاریخ کے مطابق امیرالمومنین لشکر کے اس حصّے کے ساتھ مدینہ سے دو میل دور تک چلے گئے تھے۔

”ابی سفیان!“ — امیرالمومنین نے کہا — ”اللہ تجھے فتح و نصرت عطا فرمائے۔ کُوچ کے دوران اپنے

آپ پر اور اپنے لشکر پر کوئی سختی نہ کرنا۔ فیصلہ اگر خود نہ کر سکو تو اپنے ماتحتوں سے مشورہ لے لینا اور تلخ کلامی نہ کرنا.... عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑنا۔ ظلم سے باز رہنا کہ ظلم اور بے انصافی کرنے والی قوم کو اللہ پسند نہیں کرتا اور ایسی قوم کبھی فاتح نہیں ہوتی.... میدانِ جنگ میں پیٹھ نہ دکھانا کہ جنگی ضرورت کے بغیر پیچھے ہٹنے والے پر اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے.... اور جب تم اپنے دشمن پر غالب آ جاؤ تو عورتوں، بچّوں اور بُوڑھوں پر ہاتھ نہ اٹھانا اور جو جانور تم کھانے کے لیے ذبح کرو، ان کے سوا کسی جانور کو نہ مارنا۔“

مؤرخین واقدی، ابو یوسف، ابنِ خلدون اور ابنِ اثیر نے امیرالمومنین کے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ ان مؤرخین کے مطابق امیرالمومنین ابوبکرؓ نے یزید ابی سفیان سے کہا — ”تجھے خانقاہیں یا عبادت گاہیں سی نظر آئیں گی اور ان کے اندر راہب بیٹھے ہُوئے ہوں گے۔ وہ تارک الدنیا ہوں گے۔ انہیں اپنے حال میں مست رہنے دینا، نہ خانقاہوں اور عبادت گاہوں کو کوئی نقصان پہنچانا نہ ان کے راہبوں کو پریشان کرنا... اور تمہیں صلیب کو پوجنے والے بھی ملیں گے۔ ان کی نشانی یہ ہو گی کہ ان کے سروں کے اوپر درمیان میں بال ہوتے ہی نہیں۔ منڈوا دیتے ہیں۔ ان پر اسی طرح حملہ کرنا جس طرح میدانِ جنگ میں دشمن پر حملہ کیا جاتا ہے۔ انہیں صرف اس صورت میں چھوڑنا کہ اسلام قبول کر لیں یا جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں.... اللہ کے نام پر لڑنا، اعتدال سے کام لینا، غدّاری نہ کرنا اور جو ہتھیار ڈال دے اُسے بلا وجہ قتل نہ کرنا نہ ایسے لوگوں کے اعضاء کاٹنا۔“

یہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا طریقہ تھا کہ رخصت ہونے والے ہر لشکر کے ساتھ کچھ دور تک جاتے، سالاروں کو اُن کے فرائض یاد دلاتے اور لشکر کو دعاؤں سے رخصت کرتے تھے۔ خلیفۂ اوّل ابوبکرؓ نے رسولِ اکرمؐ کی پیروی کرتے ہوئے چاروں سالاروں کو آپؐ ہی کی طرح رخصت کیا۔

لشکر اور دستے تو محاذوں کو روانہ ہوتے ہی رہتے تھے لیکن یہ لشکر بڑے ہی خطرناک اور طاقتور دشمن سے نبرد آزما ہونے جا رہا تھا۔ شہنشاہ ہرقل جو حمص میں تھا، صرف شہنشاہ ہی نہیں تھا، وہ میدانِ جنگ کا اُستاد اور جنگی چالوں کا ماہر تھا۔ اس لشکر کو مدینہ سے روانہ کر کے مدینہ والوں پر خاموشی سی طاری ہو گئی تھی اور خاموشی کی زبان میں ہر کسی کے سینے سے دعائیں پھوٹ رہی تھیں۔

⁂

یہ تھی وہ جنگی مہم جس کے لیے امیرالمومنین نے فیصلہ کیا تھا کہ اس کی کمان اور قیادت کے لیے خالدؓ سے بہتر کوئی سالار نہیں۔ مدینہ کا یہ اٹھائیس ہزار کا لشکر پندرہ دنوں میں شام کی سرحدوں پر اپنے بتائے ہوئے مقامات پر پہنچ چکا تھا۔

حمص میں شہنشاہ ہرقل کے محل میں وہی شان و شوکت تھی جو شہنشاہوں کے محلّات میں ہُوا کرتی تھی۔ مدائن کے محل کی طرح حمص کے محل میں بھی حسین اور نوجوان لڑکیاں ملازم تھیں۔ ناچنے اور گانے والیاں بھی تھیں اور ایک ملکہ بھی تھی اور جس کی وہ ملکہ تھی اُس کی ملکہ ہونے کی دعویدار چند ایک اور بھی تھیں۔

شہنشاہ ہرقل کے دربار میں ایک ملزم پیش تھا۔ اُس کا جرم یہ تھا کہ وہ شاہی خاندان سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اُس کا تعلق اُس خاندان کے ساتھ تھا جو شہنشاہ کا نام سن کر ہی سجدے میں گر پڑتا تھا۔ یہ ملزم اُن لوگوں میں سے تھا جو شہنشاہ کو روزی رساں سمجھا کرتے تھے۔

اس ملزم کا دوسرا جرم یہ تھا کہ شاہی خاندان کی ایک شہزادی اس پر مرمٹی تھی۔ شہزادی غزال کے شکار کو گئی تھی اور جنگل میں کہیں اُسے یہ آدمی مل گیا تھا۔ شہزادی نے ایک غزال کو تیر سے معمولی سا زخمی کر دیا تھا اور اُس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا تھا لیکن غزال معمولی زخمی تھا، وہ گھوڑے کی رفتار سے کہیں زیادہ تیز بھاگ رہا تھا۔

اس ملزم نے دیکھ لیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ اُس نے غزال کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا۔ غزال مڑتا تھا تو سوار راستہ چھوٹا کر کے اُس کے قریب پہنچ جاتا تھا۔ وہ غزال کو اُس طرف لے جاتا جدھر شہزادی رُکی کھڑی تھی۔ شہزادی نے تین چار تیر چلائے، سب خطا گئے۔ اس جوان اور خوبرو آدمی نے گھوڑے کو ایسا موڑا کہ غزال کے راستے میں آ گیا۔ اُس نے برچھی تاک کر پھینکی جو غزال کے پہلو میں اُتر گئی اور وہ گر پڑا۔

شہزادی اپنا گھوڑا وہاں لے آئی تو یہ آدمی اپنے گھوڑے سے کود کر اُترا اور شہزادی کے گھوڑے کے قدموں میں سجدہ ریز ہو گیا۔

"میں اگر شہزادی کے شکار کو شکار کرنے کا مجرم ہوں تو مجھے معاف کر دیا جائے"—— اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا —"لیکن میں غزال کو شہزادی کے سامنے لے آیا تھا کہ شہزادی اسے شکار کرے۔"

تم شہسوار ہو"—— شہزادی نے مسکرا کر کہا —"کیا کام کرتے ہو؟"

"ہر وہ کام کر لیتا ہوں جس سے دو وقت کی روٹی مل جائے"—— اس آدمی نے کہا —"صرف چوری نہیں کرتا اور حرام کی نہیں کھاتا۔"

"تمہیں شہنشاہ ہرقل کی فوج میں ہونا چاہیئے"—— شہزادی نے کہا —"میں تجھے محل کے محافظوں میں شامل کر دوں گی۔"

رعایا کے اس ناچیز بندے میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ انکار کرتا۔ شہزادی اسے ساتھ لے آئی اور محافظوں میں رکھوا دیا۔ اسے جب شاہی محافظوں کا لباس ملا اور جب وہ اس لباس میں شاہی اصطبل کے گھوڑے پر سوار ہوا تو اس کی مردانہ وجاہت نکھر آئی۔ وہ شہزادی کا منظورِ نظر بن گیا پھر شہزادی نے اسے اپنا دیوتا بنا لیا۔

شہزادی کی شادی ہونے والی تھی لیکن اس نے اپنے منگیتر کے ساتھ بے رخی برتنی شروع کر دی۔ منگیتر نے اپنے مخبروں سے کہا کہ وہ شہزادی کو دیکھتے رہا کریں کہ وہ کہاں جاتی ہے اور اُس کے پاس کون آتا ہے۔

ایک رات شہزادی کے منگیتر کو اطلاع ملی کہ شہزادی شاہی محل کے باغ میں بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ محل سے تھوڑی ہی دور ایک بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ وہاں چشمہ تھا اور سبزہ زار تھا۔ درخت تھے اور پھولدار پودوں کی باڑیں تھیں۔ چاندنی رات تھی۔ شہزادی اور اُس کا منظورِ نظر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بیٹھے تھے کہ انہیں بھاری بھر کم قدموں کی دھمک سنائی دی، وہ شاہی محافظوں کے نرغے میں آ گئے تھے۔

اس محافظ کو قید میں ڈال دیا گیا۔ شہنشاہ ہرقل کو صبح بتایا گیا اور محافظ کو زنجیروں میں باندھ کر دربار میں پیش کیا گیا۔ اُس پر الزام یہ تھا کہ اُس نے ایک شہزادی کی شان میں گستاخی کی ہے۔ یہ الزام دربار میں بلند آواز سے سنایا گیا۔

"شہنشاہِ ہرقل کی شہنشاہی ساری دنیا میں پھیلے!"—— ملزم نے کہا —"شہزادی کو دربار میں بلا کر پوچھا جائے کہ میں نے گستاخی کی ہے یا محبت کی ہے...... اور محبت میں نے نہیں شہزادی نے کی ہے۔"

"لے جاؤ اسے!"—— شہنشاہِ ہرقل نے گرج کر کہا —"رتھ کے پیچھے باندھ دو اور رتھ اُس وقت تک دوڑتی رہے جب تک اس کا گوشت اس کی ہڈیوں سے الگ نہیں ہو جاتا۔"

"شہنشاہِ ہرقل!"—— ملزم للکار کر بولا —"تُو ایک شہزادی کی محبت کا خون کر رہا ہے۔"

اُسے دربار سے گھسیٹ کر لے جا رہے تھے اور اُس کی پکار اور للکار سنائی دے رہی تھی۔ وہ رحم کی بھیک نہیں مانگ رہا تھا۔

"تیرا انجام قریب آ رہا ہے ہرقل!"—— وہ چلّاتا جا رہا تھا —"اپنے آپ کو دیوتا نہ سمجھ ہرقل! ذلت اور رسوائی تیری طرف آ رہی ہے۔"

محبت کے اس مجرم کو ایک رتھ کے پیچھے باندھ دیا گیا اور دو گھوڑوں کی رتھ دوڑ پڑی۔ محل سے شور اُٹھا —"شہزادی نے اپنے پیٹ میں تلوار اتار لی ہے۔"

❈

یہ خبر شہنشاہ ہرقل تک پہنچی تو اُس نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا۔ وہ تخت پر بیٹھا۔ درباریوں پر سناٹا طاری تھا۔ کچھ دیر بعد اٹھا اور اپنے خاص کمرے میں چلا گیا۔ وہ سر جھکائے ہوئے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ملکہ کمرے میں آئی۔ ہرقل نے اُسے قہر کی نظروں سے دیکھا۔

"شگون اچھا نہیں"—— ملکہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا —"صبح ہی صبح دو خون بہہ گئے ہیں۔"

"یہاں سے چلی جاؤ"—— ہرقل نے کہا —"میں شاہی خاندان کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میں کچھ اور کہنے آئی ہوں"—— ملکہ نے کہا —"سرحد سے ایک عیسائی آیا ہے۔ اُس نے تمام رات سفر میں گھوڑے کی پیٹھ پر گزاری ہے۔ اُسے کسی نے دربار میں داخل نہیں ہونے دیا۔ مجھے اطلاع ملی تو......"

"وہ کیوں آیا ہے"—— ہرقل نے جھنجھلا کر پوچھا —"کیا وہ سرحد سے کوئی خبر لایا ہے؟"

"مسلمانوں کی فوجیں آ رہی ہیں"—— ملکہ نے کہا۔

"اندر بھیجو اُسے!"—— ہرقل نے کہا۔

ملکہ کے جانے کے بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی کمرے میں آیا۔ اُس کے کپڑوں پر اور چہرے پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ وہ سلام کے لیے جھکا۔

"تُو نے محل تک آنے کی جرأت کیسے کی؟"—— ہرقل نے شاہانہ جلال سے پوچھا —"کیا تُو یہ خبر کسی سالار یا ناظم کو نہیں دے سکتا تھا؟"

"یہ جرم ہے تو مجھے بخش دیں"—— اس آدمی نے کہا —"مجھے ڈر تھا کہ اس خبر کو کوئی سچ نہیں مانے گا۔"

"تُو نے مسلمانوں کا لشکر کہاں دیکھا ہے؟"

"حمص سے تین روز کے فاصلے پر!"—— اُس نے جواب دیا۔

یہ ایک عیسائی عرب تھا جس نے ابوعبیدہ بن الجراح کے دستوں کو شام کی سرحد سے کچھ دُور دیکھ لیا تھا۔ اُسی شام دو اور جگہوں سے اطلاعیں آئیں کہ مسلمانوں کی فوج ان جگہوں پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ مسلمانوں کے لشکر کے چوتھے حصے کی اطلاع ابھی نہیں آئی تھی۔ رات کو ہرقل نے اپنے جرنیلوں اور مشیروں کو بلایا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کیا ہو رہا ہے؟"—— ہرقل نے پوچھا —"مدینہ کی فوج تین جگہوں پر آ گئی ہے۔ اپنی کسی سرحدی چوکی نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ کیا وہاں سب سوئے رہتے ہیں؟ کیا تم برداشت کر سکتے ہو کہ عرب کے چند ایک لٹیرے قبیلے تمہیں سرحدوں پر آ کر للکاریں؟ کیا تم اُن کے ایک سالار کو اپنی

طاقت نہیں دکھا چکے ؟ وہ خوش قسمت تھا کہ نکل گیا۔ اب وہ زیادہ تعداد میں آ رہے ہیں۔ وہ مالِ غنیمت کے بھوکے ہیں۔ فوراً تیاری شروع کر دو۔ ان کا کوئی ایک آدمی اور کوئی گھوڑا یا اونٹ واپس نہ جائے۔"

"شہنشاہِ ہرقل!"___ شام کی فوجوں کے کمانڈر نے کہا ___"آپ اتنے ناتجربہ کار تو نہیں جیسی آپ نے بات کی ہے۔ اگر یہ معاملہ کچھ اور ہوتا ہے تو ہم آپ کی تائید کرتے لیکن یہ مسئلہ جنگی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ شکست کے بعد کیا ہوتا ہے۔"

"مجھے سبق نہیں مشورہ چاہیئے"___ ہرقل نے کہا ___"وہ کیا ہے جو میں نہیں جانتا؟"

"شہنشاہ سب کچھ جانتے ہوئے ایسی بات نہ کریں جس نے فارس کے شہنشاہ اُردشیر کی جان لے لی تھی"___ رومی فوجوں کے کمانڈر نے کہا ___"اُس کی جنگی طاقت ہماری ٹکر کی تھی۔ آپ بھی اس فوج سے لڑ چکے ہیں۔ اس کے بعد آپ کو بھی عراق پر فوج کشی کی جرأت نہیں ہوئی۔ اب فراض کے میدان میں ہمیں مسلمانوں کے خلاف فارسیوں کا اتحادی بننا پڑا اور ہم نے عیسائی قبیلوں کو ساتھ ملایا مگر خالدؓ بن ولید ہمیں شکست دے گیا۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہمیں مسلمانوں سے ڈرنا چاہیئے ؟"___ ہرقل نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں شہنشاہ!"___ کمانڈر نے کہا ___"اُردشیر بھی مدائن میں بیٹھا ایسی ہی باتیں کیا کرتا تھا جیسی آپ حمص میں بیٹھے کر رہے ہیں۔ میں آپ کو یاد دلا رہا ہوں کہ فارسیوں کا انجام دیکھیں۔ مدائن کے محل اب بھی کھڑے ہیں لیکن مقبروں کی طرح۔ اُردشیر نے پہلے پہل مسلمانوں کو عرب کے بدّو اور ڈاکو کہا تھا۔ میں نے فارسیوں کی شکست کی چھان بین پوری تفصیل سے کی ہے۔ اُردشیر کے منہ سے یہی الفاظ نکلتے تھے، کچل دو، مگر اُس کا جو بھی جرنیل مسلمانوں کے مقابلے کو گیا وہ کچلا گیا۔ مسلمان اُن کے علاقوں پہ علاقے فتح کرتے آئے، حتیٰ کہ اُن کے تیر مدائن میں گرنے لگے ....

"اور شہنشاہ ہرقل! مجھے معلوم ہُوا ہے کہ مسلمان مذہبی جنون سے لڑتے ہیں، مالِ غنیمت کے لیے نہیں۔ ہم زمین کے لیے لڑتے ہیں۔ مسلمان جنگ کو ایک عقیدہ سمجھتے ہیں۔ ہم ان کے عقیدے کو سچّا سمجھیں یا نہ سمجھیں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے ؟ .... شہنشاہ کو اس پر بھی غور کرنا پڑے گا کہ مسلمان ہر میدان میں تھوڑی تعداد میں ہوتے ہیں۔ وہ جذبے اور جنگی چالوں کے زور پر لڑتے ہیں۔ فراض میں ہم نے اپنی، فارسیوں کی اور عیسائیوں کی نفری کو اتنا زیادہ پھیلا دیا تھا کہ مسلمانوں کی تھوڑی سی نفری ہمارے پھیلاؤ میں آکر گم ہو جاتی لیکن مسلمانوں نے ایسی چال چلی کہ ہمارا پھیلاؤ سکڑ گیا اور ہم پٹ کر رہ گئے۔"

دوسرے جرنیلوں نے بھی اسی طرح کے مشورے دیئے اور ہرقل قائل ہو گیا کہ مسلمانوں کو طاقتور اور خطرناک دشمن سمجھ کر جنگ کی تیاری کی جائے۔

"لیکن میں اسے اپنی توہین سمجھتا ہوں کہ مسلمان جو کچھ ہی سال پہلے وجُود میں آئے ہیں عظیم سلطنتِ روم کو للکاریں"___ ہرقل نے کہا ___"ہمارے پاس ہماری صدیوں پرانی تاریخ ہے۔ رومیوں نے ساری دنیا پر دہشت طاری کیے رکھی ہے۔ ہمارا مذہب دیوتاؤں کا مذہب ہے۔ آسمانوں پر اور زمین پر ہمارے دیوتاؤں کی حکمرانی ہے۔ اسلام ایک انسان کا بنایا ہُوا مذہب ہے جس کے پھیل جانے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ میں صرف یہ حکم دوں گا کہ اس مذہب کے پیروکاروں کو اس طرح ختم کر دو کہ اسلام کا نام لینے والا کوئی زندہ نہ رہے۔"

اگلے ہی روز ہرقل کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کے ساتھ رومی فوج کی ٹکر ہوئی ہے اور رومی فوج بڑی بُری طرح پسپا ہوئی ہے۔

یہ عمرو بن العاص کے دستے تھے جو تبوک سے آگے بڑھے تو رومی فوج کے کچھ دستے ان کی راہ میں حائل ہو گئے۔ یہ شام کے عیسائی عربوں کے دستے تھے جن کے ذمے سرحدوں کی دیکھ بھال کا کام تھا۔ عمرو بن العاص بڑے ہوشیار سالار تھے۔ انہوں نے ایسی چال چلی کہ اپنے ہراول دستے کو دشمن سے ٹکر لینے کے لیے آگے بھیجا اور دشمن کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن شام کے عیسائی عربوں کے دستے تھوڑا سا نقصان اٹھا کر پسپا ہو گئے۔

عمرو بن العاص ایلہ کے مقام پہ پہنچ گئے۔ یزید بن ابی سفیان بھی اپنے دستوں کے ساتھ اُن سے آملے۔ جُوں ہی مدینہ کے لشکر کے یہ دونوں حصّے اکٹھے ہُوئے روم کی فوج ان کا راستہ روکنے کے لیے سامنے آگئی۔ مؤرخوں کے مطابق روم کی اس فوج کی نفری تقریباً اتنی ہی تھی جتنی مسلمانوں کی تھی۔ اب دو مسلمان سالار اکٹھے ہو گئے تھے۔ انہوں نے رومیوں کے ساتھ آمنے سامنے کی ٹکر لی .... رومیوں نے جم کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن قدم جما نہ سکے اور پسپا ہو گئے۔

یزید بن ابی سفیان نے ایک سوار دستے کو ان کے تعاقب میں بھیج دیا۔ رومیوں پر کچھ ایسی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ وہ سوائے کٹ کٹ کر مرنے کے اور کچھ بھی نہ کر سکے۔

شہنشاہ ہرقل کو جب اپنے دستوں کی اس پسپائی کی اطلاع ملی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے اپنے جرنیلوں کو ایک بار پھر بلایا اور حکم دیا کہ زیادہ سے زیادہ فوج اکٹھی کر کے شام کی سرحد کے باہر کسی جگہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ لڑی جائے اور انہیں وہیں ختم کیا جائے۔

مسلمان سالاروں نے ان جگہوں سے جہاں وہ پڑاؤ ڈالے ہُوئے تھے چند آدمیوں کو اپنے زیرِ اثر لے لیا اور انہیں بے انداز انعام و اکرام کا لالچ دیا جس کے عوض وہ مسلمانوں کے لیے جاسوسی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چند دنوں میں ہی وہ مطلوبہ خبریں لے آتے۔ اُن کی رپورٹوں کے مطابق رومی جو فوج اکٹھی کر رہے تھے اس کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی۔ اس فوج کا ایک حصّہ اجنادین کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ رومی فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو کر آ رہے ہیں۔ جاسوسوں نے تیاریوں کی پوری تفصیل بیان کی۔

ابو عبیدہ بن الجراح کو امیر المومنین نے یہ حکم دیا تھا کہ لشکر کے چاروں حصّوں کو اکٹھے لڑنا پڑا تو وہ یعنی ابو عبیدہ پورے لشکر کے سالار ہوں گے۔ صورت ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ لشکر کے چاروں حصّوں کو اکٹھا ہونا پڑا۔ ابُو عبیدہ نے پورے لشکر کی کمان لے لی لیکن لشکر کو مکمل طور پر ایک جگہ اکٹھا نہ ہونے دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے امیر المومنین کو تیز رفتار قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجا جس میں مکمل صورتِ حال لکھی اور یہ بھی کہ رومیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہو گی۔

یہ تھے وہ حالات جن کے پیشِ نظر امیر المومنین نے خالدؓ کو حکم بھیجا تھا کہ وہ شام کی سرحد پر اُس جگہ پہنچیں جہاں مدینہ کا لشکر خیمہ زن ہے۔ اس حکم میں یہ بھی لکھا تھا کہ اپنا لشکر کچھ مشکلات میں اُلجھ گیا ہے۔

اس پیغام نے خالدؓ کو پریشان کر دیا تھا۔ یہ سنایا جا چکا ہے کہ اُنہوں نے امیر المومنین کے حکم کے مطابق اپنے لشکر کو دو حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّہ مثنیٰ بن حارثہ کے حوالے کر دیا۔ خالدؓ نے فوری کوچ کا حکم دے دیا۔ انہوں نے جب فاصلے کا اندازہ کیا تو وہ اتنا زیادہ تھا کہ خالدؓ کو وہاں پہنچتے بہت دن لگ جاتے۔ انہیں ڈر تھا کہ اتنے دن ضائع ہو گئے تو معلوم نہیں کیا ہو جائے گا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ رومیوں کی فوج فارسیوں کی نسبت زیادہ طاقتور اور برتر ہے۔ خالدؓ ان راستوں سے واقف تھے۔ سیدھا اور آسان راستہ بہت طویل تھا۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ بہت جلد پہنچنے کے لیے انہیں کوئی راستہ معلوم نہیں۔ سالاروں میں سے کسی کو چھوٹا راستہ معلوم نہیں تھا۔

"اگر کوئی راستہ چھوٹا ہُوا بھی تو وہ سفر کے قابل نہیں ہوگا"—— ایک سالار نے کہا——"اگر کسی ایسے راستے سے ایک دو مسافر گزر تے بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ وہ راستہ ایک لشکر کے گزرنے کے قابل ہو۔"

"میں ایک آدمی کو جانتا ہوں"—— ایک اور سالار بولا—— "رافع بن عمیرہ... وہ ہمارے قبیلے کا زبردست جنگجو ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ خدا نے اُسے کوئی ایسی طاقت دی ہے کہ وہ زمین کے نیچے کے بھید بھی بتا دیتا ہے۔ وہ اس صحرا کا بھیدی ہے۔"

خالدؓ کے حکم سے رافع بن عمیرہ کو بلایا گیا اور اُس سے منزل بتا کر پوچھا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹا راستہ کوئی ہے؟

"زمین ہے تو راستے بھی ہیں"—— رافع نے کہا——"یہ مسافر کی ہمّت پر منحصر ہے کہ وہ ہر راستے پر چل سکتا ہے یا نہیں۔ تم منزل تک کسی بھی راستے سے پہنچ سکتے ہو لیکن بعض راستے ایسے ہوتے ہیں جن پر سانپ بھی نہیں رینگ سکتا۔ میں ایک راستہ بتا سکتا ہوں لیکن یہ نہیں بتا سکتا کہ اس سے لشکر کے کتنے آدمی منزل تک زندہ پہنچیں گے، اور میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ گھوڑا اس صحرائی راستے سے نہیں گزر سکتا۔ گھوڑا اتنی پیاس برداشت نہیں کر سکتا اور گھوڑوں کے لیے پانی ساتھ لے جایا نہیں جا سکتا۔"

خالدؓ نے اپنا بنایا ہُوا نقشہ اُس کے آگے رکھا اور پوچھا کہ وہ کون سا راستہ بتا رہا ہے۔

"یہ قراقر ہے"—— رافع بن عمیرہ نے نقشے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا——"یہاں ایک نخلستان ہے جو اتنا سرسبز اور شاداب ہے کہ مسافروں پر اپنا جادو طاری کر دیتا ہے۔ یہاں سے ایک راستہ نکلتا ہے جو سوی کو جاتا ہے۔ سوی میں پانی اتنا زیادہ ہے کہ سارا لشکر اور لشکر کے تمام جانور پانی پی سکتے ہیں لیکن یہ پانی اُسے ملے گا جو سوی تک زندہ پہنچ جائے گا۔ اوپر سورج کی تپش دیکھو۔ دن کو کتنا چل سکو گے؟ کتنی دور تک چل سکو گے؟ یہ میں نہیں جانتا۔ اتنے اونٹ لاؤ کہ لشکر کا ہر فرد اونٹ پر سوار ہو..... ابنِ ولید! تم صحرا کے بیٹے ہو مگر اس صحرا سے نہیں گزر سکو گے۔"

رافع بن عمیرہ نے جو راستہ بتایا یہ مؤرخوں کی تحریروں کے مطابق ایک سو بیس میل تھا۔ یہ ایک سو بیس میل فاصلہ طے کرنے سے منزل تک کتنے دن جلدی پہنچا جا سکتا تھا۔ خالدؓ وہ سالار تھے جو مشکلات کی تفصیلات سن کر نہیں بلکہ مشکلات میں پڑ کر اندازہ کیا کرتے تھے کہ ان کی شدت کتنی کچھ ہے۔ اُن کے دماغ میں صرف یہ سمائی ہوئی تھی کہ مدینہ کا لشکر مشکل میں ہے اور اس کی مدد کو پہنچنا ہے۔ سیدھے راستے سے فاصلہ چھ سے سات سو میل تک بنتا تھا۔ رافع کے بتاتے ہوئے راستے سے جانے سے فاصلہ آدھا رہ جاتا تھا مگر رافع بتاتا تھا کہ اس خطرناک راستے سے جاؤ تو پانچ چھ دن ایسی دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے جو انسان کیا برداشت کرے گا، گھوڑا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ پانی تو مِل ہی نہیں سکتا اور سب سے بڑی مشکل یہ کہ مہینہ مئی کا تھا جب ریگستان جل رہے ہوتے ہیں۔

"خدا کی قسم ابنِ ولید!"—— ایک سالار نے کہا——"تُو اتنے بڑے لشکر کو اس راستے پر نہیں لے جائے گا جو تباہی کا اور بہت بُری موت کا راستہ ہو گا۔"

"اور جس کا دماغ صحیح ہو گا وہ اس راستے پر نہیں جائے گا"—— ایک اور سالار نے کہا۔

"ہم اسی راستے سے جائیں گے"—— خالدؓ نے ایسی مُسکراہٹ سے کہا جس میں عجیب سی سنجیدگی تھی۔

"ہم پر فرض ہے کہ تیری اطاعت کریں"—— رافع بن عمیرہ نے کہا——"لیکن ایک بار پھر سوچ لے۔"

"میں وہ حکم دیتا ہوں جو حکم اللہ مجھے دیتا ہے"—— خالدؓ نے کہا——"ہارتے وہ ہیں جن کے ارادے کمزور ہوتے ہیں۔ اللہ کی خوشنودی ہمیں حاصل ہے، اور پھر اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں آئیں گی ہم کیوں نہ انہیں بھی برداشت کریں۔"

یہ واقعہ اور یہ گفتگو طبری نے ذرا تفصیل سے بیان کی ہے۔ خالدؓ کے سالاروں نے اُن کے عزم کی یہ پختگی دیکھی تو سب نے پُرجوش لہجے میں لبیک کہی۔ اُن میں سے کسی نے کہا——"ابن ولید! تجھ پر اللہ کا کرم۔ وہ کر جو تُو بہتر سمجھتا ہے۔ ہم تیرے ساتھ ہیں۔"

خالدؓ نے اس سفر پر روانگی سے پہلے ایک حکم یہ دیا کہ لشکر کا ہر فرد اونٹ پر سوار ہو گا۔ گھوڑے سوار کے بغیر پیچھے پیچھے چلیں گے۔ دوسرا حکم یہ کہ عورتوں اور بچوں کو مدینہ بھیج دیا جائے۔ سالاروں کو خالدؓ نے کہا تھا کہ تمام لشکر کو اچھی طرح بتا دیں کہ وہ ایسے راستے پر جا رہے ہیں جس راستے سے پہلے کبھی کوئی لشکر نہیں گزرا۔ ہر کسی کو ذہنی طور پر تیار کیا جائے۔

مئی کا مہینہ اونٹوں کی فراہمی میں گزر گیا۔ جون ۶۳۴ء (ربیع الآخر ۱۳ھ) کا مہینہ شروع ہو گیا۔ اب تو صحرا جل رہا تھا۔ خالدؓ نے کوچ کا حکم دے دیا۔ ان کے ساتھ نو ہزار مجاہدین تھے جو اس خودکُش سفر پر جا رہے تھے۔

قراقر تک سفر ویسا ہی تھا جیسا اس لشکر کا ہر سفر ہُوا کرتا تھا۔ وہ سفر قراقر سے شروع ہونا تھا جسے مُسلمان مؤرخوں نے اور یورپی مؤرخوں نے بھی تاریخ کا سب سے خطرناک اور بھیانک سفر کہا ہے۔ مثنیٰ بن حارثہ قراقر تک خالدؓ کے ساتھ گئے۔ مثنیٰ کو حیرہ واپس آنا تھا۔

قراقر سے جس قدر پانی ساتھ لے جایا جا سکتا تھا مشکیزوں میں بھر لیا گیا۔ مٹکے بھی اکٹھے کر لیے گئے تھے ان میں بھی پانی بھر لیا گیا۔ اگلی صبح جب لشکر روانہ ہونے لگا تو مثنیٰ بن حارثہ خالدؓ سے اور اُس کے سالاروں سے گلے لگ کے ملے۔ یعقوبی اور ابنِ یوسف نے لکھا ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ پر رقّت طاری ہو گئی تھی۔ اُن کے منہ سے کوئی دعا نہ نکلی، آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ دعائیں اُن کے دل میں تھیں۔ انہیں یقین نہیں تھا کہ وہ خالدؓ کو اور ان نو ہزار مجاہدین کو پھر کبھی دیکھ سکیں گے۔

خالدؓ اونٹ پر سوار ہونے لگے تو رافع بن عمیرہ دوڑتا آیا۔

"ابنِ ولید!"—— رافع نے خالدؓ کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا——"اب بھی سوچ لے۔ رستہ بدل لے اتنی جانوں کے ساتھ مت کھیل!"

"ابنِ عمیرہ!— خالدؓ نے غصے سے کہا — "اللہ تجھے غارت کرے۔ مجھے اللہ کی راہ سے مت روک یا مجھے وہ رستہ بتا جو مجھے مدینہ کے لشکر تک جلدی پہنچا دے۔ تو نہیں جانتا تو ہٹ میرے سامنے سے اور حکم مان جو میں نے دیا ہے۔"

رافع خالدؓ کے آگے سے ہٹ گیا۔ خالدؓ اونٹ پر سوار ہوئے اور لشکر چل پڑا۔ سب سے آگے رافع کا اونٹ تھا۔ اُسے رہبری کرنی تھی۔

تغلبی کھڑے دیکھتے رہے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا — "امیر المومنین نے ٹھیک کہا تھا کہ اب کوئی ماں خالدؓ جیسا بیٹا پیدا نہیں کرے گی۔"

❖

وہی صحرا جو رات کو خنک تھا، سورج نکلتے ہی تپنے لگا اور جب سورج اور اوپر آیا تو زمین سے پانی کے رنگ کے شعلے اُٹھنے لگے۔ پانی کے رنگ کا جھلمل کرتا ایک پردہ تھا جو آگے آگے چل رہا تھا۔ اس کے آگے کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کیا ہے۔ جون کا سورج جب سر پر آیا تو لشکر کے افراد ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ ہر کوئی زمین سے اٹھتی ہوئی تپش کے لرزتے پردے میں لرزتا کانپتا یا لٹکے ہوئے باریک کپڑے کی طرح لہروں کی طرح ہلتا نظر آتا تھا۔

مجاہدین نے ایک جنگی ترانہ مل کر گانا شروع کر دیا۔ خالدؓ نے انہیں روک دیا کیونکہ بولنے سے پیاس بڑھ جانے کا امکان تھا۔ اونٹ کئی دنوں تک پیاسا سفر کر سکتا ہے لیکن انسان پیدل جا رہا ہو یا اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہو، وہ چند گھنٹوں سے زیادہ پیاس برداشت نہیں کر سکتا۔ پہلی شام جب پڑاؤ ہوا تو تمام لوگ پانی پر ٹوٹ پڑے۔ اُن کے جسم جل رہے تھے۔ کھانے کی جگہ بھی اُنہوں نے پانی پی لیا۔

دوسرے دن لشکر کا ہر آدمی محسوس کرنے لگا تھا کہ یہ وہ صحرا نہیں جس میں اُنہوں نے بے شمار بار سفر کیا ہے یہ تو جہنم ہے جس میں وہ چلے جا رہے ہیں۔ ایک تو تپش تھی جو جلا رہی تھی، دوسرے ریت کی چمک تھی جو آنکھیں نہیں کھولنے دیتی تھی۔ ریت کا سمندر تھا بلکہ یہ آگ کا سمندر تھا اور لشکر شعلوں میں تیرتا جا رہا تھا۔

تیسرے روز کا سفر اس طرح ہولناک اور اذیّت ناک ہو گیا کہ ٹیلوں اور نشیب و فراز کا علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ یہ ریت اور مٹی کے ٹیلے تھے جو آگ کی دیواروں کی مانند تھے۔ پہلے تو لشکر سیدھا جا رہا تھا، اب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مڑنا پڑتا تھا۔ دیواروں جیسے ٹیلے مجاہدین کو جلا رہے تھے۔ یہاں سب سے زیادہ خطرہ بھٹک جانے کا تھا۔ بعض دیواروں جیسے ٹیلوں کے درمیان جگہ اتنی تنگ تھی کہ اونٹ دونوں طرف رگڑ کھا کر گزرتے تھے۔ اونٹ بدک جاتے تھے کہ ان کے جسموں کے ساتھ گرم لوہا لگا دیا گیا ہے۔

تیسری شام پڑاؤ ہوا تو سب کے منہ کھلے ہوئے تھے اور وہ آپس میں بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اُس شام لشکر نے پانی پیا تو یہ ہولناک انکشاف ہوا کہ باقی سفر کے لیے پانی نہیں رہا۔ پانی کا ذخیرہ پانچ دنوں کے لیے کافی تھا مگر یہ تیسرے روز ختم ہو گیا۔ راستے میں بھی مجاہدین پانی پیتے تھے۔

چوتھا دن قیامت سے کم نہ تھا۔ پانی کی ایک بوند نہیں تھی۔ پیاس کا اثر جسمانی ہوتا ہے اور ایک اثر صحرا کا اپنا ہوتا ہے جو ذہن کو بگاڑ دیتا ہے۔ یہ ہوتی ہے وہ کیفیت جب سراب نظر آتے ہیں۔ پانی اور نخلستان دکھائی دیتے ہیں، شہر اور سمندری جہاز نظر آتے ہیں اور مسافر انہیں حقیقت سمجھتے ہیں۔ ریت کی چمک کا اثر بھی بڑا ہی

خوفناک تھا۔

لشکر میں کسی نے چلّا کر کہا — "وہ پانی آ گیا.... پہلے میں پیوں گا" — اور وہ آدمی چلتے اونٹ سے کود کر ایک طرف دوڑ پڑا۔ تین چار مجاہدین اُس کے پیچھے گئے۔

"اُسے اللہ کے سپرد کرو" — رافع بن عمیرہ نے دُور سے کہا — "صحرا نے قربانیاں وصول کرنی شروع کر دی ہیں.... اُس کے پیچھے مت دوڑو۔ سب مر جاؤ گے۔"

تھوڑی دیر بعد ایک مجاہد بے ہوش ہو کر اونٹ سے گرا۔ وہ اُٹھا اور اونٹ کی طرف آنے کی بجائے دوسری طرف چل پڑا۔ کوئی بھی اُس کے پیچھے نہ گیا۔ پیچھے نہ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سب کی آنکھیں بند تھیں۔ ریت کی چمک اور تپش آنکھیں کھولنے ہی نہیں دیتی تھی۔

❖

چوتھا دن جو پانی کے بغیر گذر رہا تھا صحیح معنوں میں جہنّم کے دنوں میں سے ایک تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے سورج اور نیچے آ گیا ہو۔ پہلے تو سب خود آنکھیں بند رکھتے تھے کیونکہ چمک اور تپش آنکھوں کو جلاتی تھیں، اب آنکھیں کھلتی ہی نہیں تھیں۔ اونٹ ہارنے لگے تھے۔ کوئی اونٹ بڑی خوفناک آواز نکالتا، بیٹھنے کے لیے اگلی ٹانگیں دوہری کرتا اور ایک پہلو پر لڑھک جاتا تھا۔ سوار بھی گرتا مگر اُس میں اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ لشکر میں ہر کسی کی آنکھیں بند تھیں اور دماغ بیکار ہو گئے تھے۔ انہیں محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ اُن کا کوئی ساتھی اونٹ سے گر پڑا ہے یا یہ کہ اُس کا اونٹ بھی گر پڑا ہے اور اُسے اُٹھا کر اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا لیں۔

سراب کا شکار ہونے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ خود خالدؓ کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ انہیں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ لشکر میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو عزم اور ایمان کی قوّت تھی جو انہیں زندہ رکھے ہوئے تھی، اور یہ اونٹ تھے جو چلے جا رہے تھے۔ اگر اونٹ رُک جاتے تو لشکر کا کوئی ایک بھی فرد ایک قدم نہ چل سکتا۔

گھوڑوں کے منہ کُھل گئے تھے اور زبانیں لٹک آئی تھیں۔ مجاہدین کی زبانیں سُوج گئی تھیں۔ حلق میں کانٹے چُبھ رہے تھے۔ اس وجہ سے اُن کے منہ بھی کُھل گئے تھے۔ وہ تو اب لاشوں کی مانند ہو گئے تھے۔ اونٹوں کی پیٹھوں پر اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتے تھے، اسی لیے ان میں سے کوئی نہ کوئی گر پڑتا تھا۔ اب وہ عالمِ نزع کے قریب پہنچ رہے تھے۔ جسموں کی نمی خشک ہو چکی تھی۔

رات کو لشکر رُکا۔ تمام رات مجاہدین نے جاگتے گذاری۔ جسموں کے اندر سُوئیاں چُبھتی تھیں۔ زبانوں کی حالت ایسی تھی جیسے منہ میں کسی نے لکڑی کا ٹکڑا رکھ دیا ہو۔

سفر کے آخری دن کا سورج طلوع ہو کر مجاہدین کو موت کا پیغام دینے لگا۔ کئی مجاہدین اونٹوں پر بے ہوش ہو گئے۔ وہ خوش قسمت تھے جو لڑھک کر گرے نہیں۔ یہ لشکر اب ایک لشکر کی طرح نہیں جا رہا تھا۔ اونٹ بکھر گئے تھے۔ بعض بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ کئی دائیں اور بائیں پھیل گئے تھے۔ رفتار خطرناک حد تک سُست ہو گئی۔

یہ پانی کے بغیر دوسرا دن تھا اور یہ ایک معجزہ تھا کہ وہ ابھی زندہ تھے۔ کونسی طاقت تھی جو انہیں زندہ رکھے ہوئے تھی؟ وہ اللہ کا وہ پیغام تھا جو رسولِ کریمؐ لائے تھے اور یہ مجاہدین انسان[illegible]ت کی نجات کے

لیے اللہ کا یہ پیغام زمین کے گوشے گوشے تک پہنچانے کے لیے صحرا کی آگ میں سے گذر رہے تھے۔ اللہ نے انہیں بڑی ہی اذیت ناک آزمائش میں ڈال دیا تھا اور اُسی کی ذات انہیں زندہ رکھے ہوئے تھی۔

غروبِ آفتاب سے بہت پہلے خالدؓ اپنے اونٹ کو رافع بن عمیرہ کے اونٹ کے قریب لے گئے

"ابنِ عمیرہ!" — خالدؓ نے بڑی مشکل سے یہ الفاظ زبان سے نکالے — "کیا اب ہمیں اُس چشمے پر نہیں ہونا چاہئے تھا جس کا تُو نے ذکر کیا تھا؟ — سوئی ایک ہی منزل دُور رہ گیا ہوگا۔"

"اللہ تجھے سلامت رکھے ولید کے بیٹے!" — رافع بن عمیرہ نے کہا — "میں آشوبِ چشم کا مریض تھا۔ اس صحرا نے میری آنکھوں کا نُور ختم کر دیا ہے۔ میں اب کیسے دیکھوں؟"

"کیا تُو اندھا ہو گیا ہے؟" — خالد نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا — "جو تُو دیکھ سکتا تھا وہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ کیا ہم بھٹک گئے ہیں؟"

مؤرخ واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ رافع بن عمیرہ کی بینائی ختم ہو گئی تھی۔ اُس نے ذہن میں کچھ حساب رکھا ہوا تھا۔ ان دونوں مؤرخوں نے اُس کے صحیح الفاظ اپنی تحریروں میں نقل کیے ہیں۔

"ابنِ ولید!" — رافع نے کہا — "لشکر یہیں روک لے۔ اپنے کچھ آدمیوں کو آگے بھیج۔ انہیں کہہ کہ وہ عورت کے پستانوں کی شکل کے دو ٹیلوں کو تلاش کریں۔"

خالدؓ نے کچھ آدمیوں کو آگے بھیج دیا۔ یہ آدمی جلدی ہی واپس آ گئے اور اُنہوں نے بتایا کہ وہ دو ٹیلے دیکھ آئے ہیں۔ رافع نے خالدؓ سے کہا کہ اللہ کے کرم سے وہ صحیح راستے پر جا رہے ہیں۔ لشکر کو آگے لے چلو۔

"ابنِ ولید!" — رافع بن عمیرہ نے کہا — "اب اپنے آدمیوں سے کہہ کہ ایک درخت کو ڈھونڈیں جس پر کانٹے ہی کانٹے ہوں گے اور وہ کوئی اونچا درخت نہیں ہوگا، وہ دُور سے اس طرح نظر آئے گا جیسے کوئی آدمی بیٹھا ہوا ہو۔ یہ درخت ان دو ٹیلوں کے درمیان ہوگا۔"

آدمی گھوم پھر کر واپس آ گئے اور اُنہوں نے یہ جانکاہ خبر سُنائی کہ اُنہیں ٹیلوں کے درمیان اور ارد گرد بلکہ دُور دُور تک کوئی ایسا درخت نظر نہیں آیا۔

"اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون" — رافع بن عمیرہ نے کہا — "سمجھ لو کہ ہم سب مر گئے۔" — اُس نے کچھ سوچ کر اور قدرے جھنجھلا کر کہا — "ایک بار پھر جاؤ۔ درخت مل جائے گا۔ ریت کے اندر ڈھونڈو۔"

آدمی پھر گئے، برچھیاں اور تلواریں ریت میں مار مار کر سطلوبہ درخت کو کھوجنے لگے۔ ایک جگہ انہیں ریت کی ڈھیری نظر آئی۔ ریت ہٹائی تو وہاں ایک درخت کا ٹُنڈ مُنڈ سا تنا ظاہر ہُوا۔ یہ خاردار تھا۔

"اُکھاڑ دو اس درخت کو" — رافع نے کہا — "اور اس جگہ سے زمین کھود دو۔"

زمین اتنی زیادہ نہیں کھودی گئی تھی لیکن پانی اُمڈ پڑا اور ندی کی طرح بہنے لگا۔ اس گڑھے کو کھود کھود کر کُھلا کرتے چلے گئے حتیٰ کہ یہ ایک وسیع تالاب بن گیا۔ لشکر کے مجاہدین اس پانی پر ٹوٹ پڑے۔ واقدی لکھتا ہے کہ یہ پانی اتنا زیادہ تھا کہ اتنے بڑے لشکر نے پیا، پھر اونٹوں اور گھوڑوں نے پیا تب بھی یہ اُمڈتا رہا۔ مجاہدین نے مشکیزے بھر لیے تب اُنہیں خیال آیا کہ معلوم نہیں اُن کے کتنے ساتھی پیچھے رہ گئے ہیں۔

اونٹ بھی تر و تازہ ہو چکے تھے اور انسان بھی۔ اپنے ساتھیوں کا خیال آتے ہی کئی مجاہدین اونٹوں پر سوار ہوئے اور واپس چلے گئے۔ وہ منظر بڑا ہولناک تھا۔ جگہ جگہ کوئی نہ کوئی مجاہد اور کوئی اونٹ یا گھوڑا ریت پر بے ہوش پڑا اجل رہا تھا۔ مجاہدین نے اُن کے منہ میں پانی ڈالا اور اُنہیں اپنے ساتھ لے آئے۔ بعض مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ اُنہیں اُن کے ساتھیوں نے وہیں دفن کر دیا۔

"ابنِ عمیرہ!" — خالدؓ نے رافع بن عمیرہ کو گلے لگا کر کہا — "تُو نے لشکر کو بچا لیا ہے۔"

"اللہ نے بچایا ہے ابنِ ولید!" — رافع نے کہا — "میں اس چشمے پر صرف ایک بار آیا تھا اور یہ تیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ میں اُس وقت کمسن لڑکا تھا اور میرا باپ مجھے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس چشمے کو اب ریت نے چھپا لیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ یہاں چشمہ موجود ہے۔ یہ اللہ کا خاص کرم ہے کہ چشمہ موجود تھا۔"

ان مجاہدین کی مہم اس سفر پر ختم نہیں ہو گئی تھی۔ یہ تو آزمائش کی ایک کڑی تھی جس میں سے وہ گذر آئے تھے۔ اُن کا اصل امتحان ابھی باقی تھا۔ شام کی سرحد تک پہنچنے کے لیے ابھی دو منزلیں باقی تھیں لیکن وہ کٹھن نہیں تھیں۔ اصل مشکل یہ تھی کہ رومی ان کے مقابلے کے لیے اور انہیں شام کی سرحدوں سے دور ہی ختم کرنے کے لیے اتنی زیادہ فوج اکٹھی کر رہے تھے جس کے مقابلے میں مسلمانوں کی یہ نفری کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی تھی۔

اسلامی فوج کی نفری تو پہلے ہی کم تھی اور خالدؓ نو ہزار نفری کی جو کمک لے کر گئے تھے اس کے ہر فرد کو بالکل خشک اور ناقابلِ برداشت حد سے بھی زیادہ گرم صحرا نے پانچ دنوں میں چوس لیا تھا۔ ان کے جسموں میں دم خم ختم ہو چکا تھا۔ ان میں کچھ تو شہید ہو گئے تھے اور کچھ ایسے تھے جن پر صحرا نے بہت بُرا اثر کیا تھا۔ وہ آٹھ دس دنوں کے لیے بیکار ہو گئے تھے۔ باقی نفری کو بھی دو تین دن آرام کی ضرورت تھی لیکن احوال و کوائف ایسے تھے کہ آرام کے لیے مہلت نہیں مل سکتی تھی۔ دشمن بیدار اور تیار تھا اور یہ بڑا ہی طاقت ور دشمن تھا۔

اُس وقت کے ملک شام پر رُومی حکمران تھے اور اُن کی فوج اُس دَور کی مشہور طاقتور اور مضبوط فوج تھی۔ اُس دور میں دو ہی شہنشاہی فوجیں مشہور تھیں۔ ایک فارس کی فوج دوسری رُومیوں کی۔ دُور دُور تک ان دونوں فوجوں کی دھاک بیٹھی ہُوئی تھی۔ نفری زیادہ ہونے کے علاوہ ان کے ہتھیار برتر تھے۔ رُوم کی فوج کے متعلق تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ جس راستے سے گزرتی تھی اُس راستے کی بستیاں خالی ہو جاتی تھیں۔

فارس کی جنگی طاقت کو تو مسلمانوں نے بڑی تھوڑی نفری سے ختم کر دیا تھا اور عراق کے بے شمار علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب مسلمان دوسری بڑی جنگی طاقت کو للکار رہے تھے۔ رُومی اکیلے نہیں تھے۔ ان کا اتحادی غسان کا بڑا ہی طاقتور قبیلہ تھا۔ رومی جب ان علاقوں میں آئے تھے تو غسان واحد قبیلہ تھا جس نے رومیوں کا مقابلہ کیا تھا۔ یہ مقابلہ چند دنوں یا مہینوں میں ختم نہیں ہو گیا تھا بلکہ غسانی بڑی لمبی مدت تک لڑتے رہے تھے۔ رومیوں نے شام کے وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا تو بھی غسانی لڑتے رہے۔ وہ رومی فوج کی سرحدی چوکیوں پر شب خُون مارتے رہتے اور کبھی رومیوں کے مقبوضہ علاقے میں دُور اندر جا کر بھی حملے کرتے تھے۔

غسانیوں اور رومیوں کی یہ جنگ نسل بعد نسل چلتی رہی۔ آخر رومیوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ غسانی ایک قبیلہ نہیں ایک قوم ہیں اور انہیں تہ تیغ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ رومیوں نے غسانیوں کی الگ قومی حیثیت تسلیم کر لی اور انہیں شام کا کچھ علاقہ دے کر انہیں اس طرح کی خود مختاری دے دی کہ ان کا اپنا بادشاہ ہوگا اور وہ کسی حد تک روم کے بادشاہ کے تحت ہوگا۔ یہ بڑا پرانا واقعہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ غسانی قبیلہ ایسی صورت اختیار کر گیا کہ اس کے شاہی خاندان کو روم کا شاہی خاندان سمجھا جانے لگا۔

آج کے اُردن اور جنوبی شام پر غسانیوں کی حکمرانی تھی۔ یہ بھی رومیوں کی طرح ایک بادشاہی تھی جس کی فوج منظم اور طاقت ور تھی اور اسے ہتھیاروں کے معاملے میں بھی برتری حاصل تھی۔ اس بادشاہی کا پایۂ تخت بصرہ تھا۔

مسلمان رومیوں اور غسانیوں کو للکار کر بہت بڑا خطرہ مول لے رہے تھے۔ جنگ کا یہ دستور ہے کہ حملہ آور فوج کی نفری اُس ملک کی فوج سے تین گُنا نہ ہو تو دگنی ضرور ہونی چاہیئے کیونکہ جس فوج پر حملہ کیا جاتا ہے وہ قلعہ بند ہوتی ہے اور وہ تازہ دم بھی ہوتی ہے۔ حملہ آور فوج بڑا لمبا سفر کر کے آتی ہے اس لیے وہ تازہ دم

نہیں ہوتی۔ جس فوج پر حملہ کیا جاتا ہے، وہ اپنے ملک میں ہوتی ہے جہاں اُسے رسد اور کمک کی سہولت ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں حملہ آور فوج اس سہولت سے محروم ہوتی ہے۔ وہاں کا بچہ بچہ حملہ آور فوج کا دشمن ہوتا ہے۔

مسلمان جب شام پر حملہ کرنے گئے تو اُن کی نفری ۳۰ ہزار تھی۔ اٹھائیس ہزار پہلے وہاں موجود تھی اور نو ہزار خالدؓ لے کر گئے تھے۔ یہ نو ہزار مجاہدین فوری طور پر لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ جس ملک پر وہ حملہ کرنے گئے تھے وہاں کم و بیش ڈیڑھ لاکھ نفری کی تازہ دم فوج موجود تھی اور مقابلے کے لیے بالکل تیار۔

۞

پانچ دنوں کے بھیانک سفر کے بعد جب مجاہدین نے چشمے سے پانی پی لیا، کھانا بھی کھا لیا تو اُن پر غنودگی کا طاری ہونا قدرتی تھا۔ انہیں توقع تھی کہ انہیں کچھ دیر آرام کی مہلت ملے گی۔ آرام اُن کا حق بھی تھا لیکن اپنے سالارِ اعلیٰ خالدؓ کو دیکھا۔ خالدؓ اب اونٹ کی بجائے اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک لمحے کا بھی آرام نہیں ملے گا۔

مؤرخ واقدی نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے ہلکی سی زرہ پہن رکھی تھی۔ اُنہوں نے یہ زرہ اِس چشمے پر آ کر پہنی تھی۔ یہ زرہ مسیلمہ کذّاب کی تھی۔ خالدؓ نے جب اُسے شکست دی تھی تو اُس کی زرہ اُتروا کر اپنے پاس رکھ لی تھی۔ یہ ارتداد پر فتح حاصل کرنے کی یادگار تھی۔ اس فتح کی ایک نشانی اور بھی خالدؓ کے پاس تھی۔ یہ تلوار تھی۔ یہ بھی مسیلمہ کذّاب کی ہی تھی۔ خالدؓ نے وہی تلوار کمر سے باندھ رکھی تھی۔

واقدی کے مطابق، خالدؓ کے سر پر زنجیروں والی خود تھی اور خود پر اُنہوں نے عمامہ باندھا ہُوا تھا عمامہ کا رنگ سرخ تھا۔ خود کے نیچے انہوں نے جو ٹوپی پہن رکھی تھی وہ بھی سرخ رنگ کی تھی۔ خالدؓ کے ہاتھ میں سیاہ و سفید رنگ کا پرچم تھا جو صرف اس لیے مقدس نہیں تھا کہ یہ قومی پرچم تھا بلکہ اس لیے کہ یہ پرچم ہر لڑائی میں رسول کریمؐ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور جب آپؐ نے خالدؓ کو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب عطا فرمایا تو اس کے ساتھ انہیں یہ پرچم بھی دیا تھا۔ پرچم کا نام عقاب تھا۔

ان نو ہزار مجاہدین میں جہاں صحابہ کرامؓ بھی تھے وہاں خالدؓ کے اپنے فرزند عبدالرحمٰن بھی تھے جن کی عمر اٹھارہ سال تھی اور ان میں امیر المومنین ابوبکرؓ کے نوجوان فرزند بھی تھے۔ ان [illegible] رحمٰن ہی تھا۔

مجاہدین کھا پی کر اِدھر اُدھر بیٹھ گئے تھے۔ اُنہوں نے اپنے سالارِ اعلیٰ کو گھوڑے پر سوار اپنے درمیان گھومتے پھرتے دیکھا تو سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ خالدؓ نے زبان سے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ ہر ایک کی طرف دیکھتے اور مسکراتے تھے۔ اُن کی خود اور زرہ دیکھ کر اور اُن کے ہاتھ میں رسولؐ اللہ کا پرچم دیکھ کر مجاہدین سمجھ گئے کہ اُن کے سالارِ اعلیٰ چلنے کو تیار ہیں۔ تمام مجاہدین کسی حکم کے بغیر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اب اونٹوں کی بجائے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ وہ جان گئے کہ اللہ کی شمشیر تھوڑی سی دیر کے لیے بھی نیام میں نہیں جائے گی۔

خالدؓ کی جانفزا مسکراہٹ نے پورے لشکر کی تھکن دُور کر دی۔ لشکر چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔

"ولید کے بیٹے! یہ دیکھ!" ــــ ایک آدمی پُرجوش لہجے میں کہتا اور دوڑتا آ رہا تھا ــــ "یہ دیکھ ولید کے بیٹے! اللہ نے میری بینائی مجھے لوٹا دی ہے۔ میں دیکھ سکتا ہوں۔ میں تجھے دیکھ رہا ہوں۔"

"بے شک اللہ ایمان والوں پر کرم کرتا ہے" ــــ کسی نے بلند آواز سے کہا۔

"اللہ رحیم و کریم ہے"۔۔۔ کسی اور نے نعرہ لگایا۔

یہ تھا رافع بن عمیرہ جس نے اس لشکر کی راہنمائی اس خطرناک صحرا میں کی تھی۔ وہ آشوبِ چشم کا مریض تھا۔ ریت کی چمک اور تپش سے اُس کی بینائی ختم ہوگئی تھی لیکن جسم میں چشمے کا پانی گیا اور آنکھوں میں پانی کے چھینٹے پڑے تو رافع کی بینائی واپس آگئی۔ خالدؓ کو اس کی بہت زیادہ خوشی ہوئی جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اُن کے لشکر کا راہنما اور میدانِ جنگ کا شہسوار ہمیشہ کے لیے اندھا نہیں ہوگیا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ رافع بن عمیرہ خالدؓ کا داماد تھا۔

مجاہدین بغیر آرام کیے اپنی اگلی منزل کو جا رہے تھے۔ اب ان کا سفر سہل تھا لیکن اُس دشمن پر فتح سہل نظر نہیں آتی تھی جس سے لڑنے وہ جا رہے تھے۔ وہ دشمن بہت طاقتور تھا۔ اُس کے وہاں قلعے تھے۔ وہ اُس کی زمین اور اُس کا ملک تھا۔ مسلمان کھلے میدان میں تھے اور اپنے مستقر سے سینکڑوں میل دُور تھے۔ انہیں اپنے لیے اور اپنے جانوروں کے لیے خوراک کا خود ہی انتظام کرنا تھا، اور ان کے لیے یہ بہت بڑا مسئلہ تھا۔

خالدؓ جب اپنے لشکر کے ساتھ شام کی سرحد کی طرف بڑھ رہے تھے، اُس وقت غسانی بادشاہ جبلہ بن الایہم اپنے امراء اور سالاروں کو حکم دے چکا تھا کہ مسلمانوں کی فوج سرحدوں پر آگئی ہے اور اسے سرحدوں پر ہی ختم کر دینا ہے۔ اُس وقت خالد بن سعید کو رومی فوج شکست دے چکی تھی اور مدینہ کا اٹھائیس ہزار مجاہدین کا لشکر چار حصوں میں شام کی سرحد پر پہنچ چکا تھا۔

"ہم نے رومیوں کو شکستیں دی ہیں"۔۔۔ غسانی شاہ جبلہ نے اپنے امراء اور سالاروں سے کہا تھا۔۔۔ "رومیوں سے بڑھ کر جابر اور جنگجو کون ہو سکتا ہے۔ ہم نے اس زبردست فوج کو گھٹنوں بٹھا کر اس سے یہ علاقہ لے لیا تھا جس پر آج ہماری حکمرانی ہے۔ تمہارے سامنے مسلمانوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ یہ مت سوچو کہ مسلمانوں نے فارسیوں کو شکست دی ہے اور اُنہیں اٹھنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ فارسی بزدل تھے۔ اپنے آباؤ اجداد کی شجاعت کو یاد کرو۔ اگر تم نے اپنے اوپر مسلمانوں کا خوف طاری کر لیا تو رومی ہی جو آج ہمارے بھائی بنے ہوئے ہیں تم پر چڑھ دوڑیں گے۔ پھر تم دو دشمنوں کے درمیان پس جاؤ گے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ وہ زیادہ دن تمہارے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے۔"

"شہنشاہِ غسان!"۔۔۔ ایک معمر سالار نے کہا۔۔۔ "اُن کی تعداد تھوڑی ہے تو کیا وجہ ہے کہ فارس کے تمام نامور سالار اُن کے ہاتھوں مارے گئے ہیں؟ یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ فارسی بزدل تھے۔ کیا ہم اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دے رہے ہیں؟ کیا مسلمانوں نے فراض کے میدان میں رومیوں اور فارسیوں کی متحدہ فوج کو شرمناک شکست نہیں دی؟"

"ضرور دی ہے"۔۔۔ جبلہ بن الایہم نے کہا۔۔۔ "میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔ اگر تم نے مسلمانوں کو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیا تو رومیوں اور فارسیوں پر تمہاری بہادری کی دہشت بیٹھ جائے گی اور تم جانتے ہو کہ اس کا تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔ میرا حکم یہ ہے کہ سرحد کی ہر ایک بستی میں یہ پیغام پہنچا دو کہ مسلمانوں کا لشکر یا ان کا کوئی دستہ کسی بھی طرف سے گزرے اُس پر حملہ کر دو اور اسے زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی

کوشش کرو۔ ہر وہ شخص جس نے غسانی ماں کا دودھ پیا ہے وہ اپنے قبیلے کی آن پر جان قربان کر دے لیکن تین چار مسلمانوں کی جان ضرور لے۔۔۔ میں اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دے رہا۔ میں ان مسلمانوں کو کمزور نہیں سمجھتا جو اپنے وطن سے اتنی دُور آگئے ہیں۔ وہ اپنے عقیدے کے بل بوتے پر آئے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ اُن کا مذہب سچا ہے اور وہ خُدا کے برتر بندے ہیں اور خدا اُن کی مدد کرتا ہے۔ اگر تم اپنے عقیدے کو مضبوطی سے پکڑو تو تم انہیں کچل کر رکھ دو۔ قبیلے کے بچے بچے کو لڑاؤ۔ عورتوں کو بھی لڑاؤ اور ہر کوئی یہ کوشش کرے کہ مسلمانوں کو یہاں سے کھانے کو ایک دانہ نہ ملے۔ پینے کو پانی کی بوند نہ ملے اور ان کے اونٹ اور گھوڑے اُس گھاس کی ایک پتی بھی نہ کھا سکیں جو تمہاری زمین نے اگائی ہے۔"

خالدؓ کی اگلی منزل سوئی تھی جس کے متعلق انہیں بتایا گیا تھا کہ سرسبز اور شاداب جگہ ہے۔ ان کے راستے میں پہلی بستی آئی تو اس سے کچھ دور کم و بیش چالیس گھوڑ سواروں نے مسلمانوں کے ہراول پر اس طرح حملہ کیا کہ گھوڑے اچانک ٹیلوں کے پیچھے سے نکلے، سرپٹ دوڑتے آئے اور برچھیوں سے مجاہدین پر ہلّہ بول دیا۔ مجاہدین بھی شہسوار تھے اور اس طرح کی چھاپہ مار لڑائی میں مہارت رکھتے تھے اس لیے انہیں زیادہ نقصان نہ اٹھانا پڑا۔ کچھ مجاہدین زخمی ہو گئے اور انہوں نے حملہ آور سواروں میں سے تین چار کو گرا لیا۔

یہ غسانی سوار تھے جنہوں نے پہلے ہلے میں مسلمانوں کو بتا دیا تھا کہ وہ لڑنا جانتے ہیں اور اُن میں لڑنے اور مرنے کا جذبہ بھی ہے۔ وہ ہلّہ بول کر آگے نکل گئے اور بکھر گئے تھے۔ دور جا کر وہ پھر واپس آئے۔ اب مسلمان پوری طرح تیار تھے۔ غسانیوں نے ہلّہ بولا۔ وہ برچھیوں اور تلواروں سے مسلح تھے۔ مسلمانوں نے انہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن وہ بے جگری سے لڑتے ہوئے نکل گئے۔ ان کا انداز جم کر لڑنے والا تھا ہی نہیں۔

تقریباً اتنے ہی غسانی سواروں نے مجاہدین کے لشکر کے عقبی حصے پر حملہ کیا۔ یہ بھی چھاپہ مار قسم کا ہلّہ تھا۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے اور آگے نکل گئے۔ خالدؓ لشکر کے وسط میں تھے۔ انہیں اطلاع ملی تو انہوں نے لشکر کی ترتیب بدل دی لیکن وہ لشکر کو زیادہ پھیلا نہ سکے کیونکہ وہ علاقہ ہموار نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد خالدؓ کے سامنے چند ایک غسانی قیدی لائے گئے۔ انہیں مجاہدین نے گھوڑوں سے گرا لیا تھا۔ ان سے جب جنگی نوعیت کی معلومات حاصل کی جانے لگیں تو ان سب نے بڑی جرأت سے باتیں کیں۔

"تم جدھر جاؤ گے تم پر حملے ہوں گے"۔۔۔ ایک قیدی نے کہا۔

"جب آدمی نہیں ہوں گے وہاں تم پر عورتیں حملہ کریں گی"۔۔۔ ایک اور قیدی نے کہا۔

"تمہیں کس نے بتایا ہے کہ ہم تمہارے دشمن ہیں؟"۔۔۔ خالدؓ نے پوچھا۔

"دشمن نہیں ہو تو یہاں آئے کیوں ہو؟"۔۔۔ ایک قیدی نے جواب دیا۔

ان قیدیوں نے اور تو کچھ نہ بتایا کہ اُن کی فوج کتنی ہے اور کہاں کہاں ہے، ان سے یہ پتہ چل گیا کہ تمام سرحدی بستیوں میں ان کے بادشاہ کا یہ حکم پہنچا تھا کہ مسلمانوں پر حملے کرتے رہیں تاکہ جب مسلمان غسانیوں کی فوج کے مقابلے میں آئیں تو وہ تھکے ہوئے ہوں اور کمزور ہو چکے ہوں۔

"یہاں سے تمہیں اناج کا ایک دانہ نہیں ملے گا"۔۔۔ ایک قیدی نے کہا۔۔۔ "پینے کو پانی کا ایک قطرہ نہیں ملے گا۔"

"تمھارے اونٹوں اور گھوڑوں کو ہم بھوکا ماردیں گے" ــــ ایک اور قیدی نے کہا ــــ "ہماری زمین سے یہ گھاس کی ایک پتی نہیں کھاسکیں گے"

"کیا تمھاری موت تمھیں یہاں لے آئی ہے؟" ــــ ایک اور قیدی بولا۔

"لڑنے آئے تھے تو خالدؓ بن ولید کو ساتھ لاتے" ــــ ایک اور قیدی نے کہا۔

"وہ آجاتا تو تم کیا کرتے؟" ــــ خالدؓ نے پوچھا۔

"سنا ہے اُس کے سامنے اُس کا کوئی دشمن پاؤں پر کھڑا نہیں رہ سکتا" ــــ قیدی نے جواب دیا ــــ "اور سُنا ہے وہ بڑا ظالم آدمی ہے۔ قیدیوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیتا ہے"

"اگر وہ اتنا ظالم ہوتا تو تم اس وقت اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوتے" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "تمھارے سر تمھارے کندھوں پر نہ ہوتے"

"کہاں ہے وہ؟" ــــ قیدی نے پوچھا۔

"تمھارے سامنے کھڑا ہے" ــــ خالدؓ بن ولید نے مسکراتے ہوئے کہا ــــ "میں تمھاری بہادری کی تعریف کرتا ہوں۔ ایسا حملہ بہادر کیا کرتے ہیں جیسا تم نے کیا ہے"

تمام قیدیوں پر خاموشی طاری ہوگئی تھی اور وہ حیرت زدہ تاثر چہروں پر لیے خالدؓ کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا تم مجھ سے ڈر رہے ہو کہ میں تمھیں قتل کر دوں گا؟" ــــ خالدؓ نے پوچھا۔

ان میں سے کوئی بھی نہ بولا۔

"نہیں" ــــ خالدؓ نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا ــــ "تمھیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ تمھارے ابھی بہت سے بھائی ہماری قید میں آئیں گے۔ کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ قتل وہی ہوگا جو ہمارے مقابلے میں آئے گا۔۔۔۔ کیا تم غسان کے لشکر کے آدمی ہو؟"

"نہیں" ــــ ایک قیدی نے جواب دیا ــــ "ہم اس بستی کے رہنے والے ہیں"

"تم میرا نام کس طرح جانتے ہو؟" ــــ خالدؓ نے پوچھا۔

"ابنِ ولید!" ــــ ایک ادھیڑ عمر قیدی نے جواب دیا ــــ "تیرا نام غسان کے بچے بچے نے سنا ہے۔ غسان کی فوج تیرے نام سے واقف ہے۔ فارس کی فوج کو شکست دینے والا سالار عام قسم کا انسان نہیں ہو سکتا لیکن ابنِ ولید! اب تیرا مقابلہ قبیلہ غسان سے ہے"

خالدؓ اس شخص کے ساتھ بحث نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کے ساتھ اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ دوستانہ انداز میں باتیں جاری رکھیں اور ان سے کچھ باتیں معلوم کرلیں۔ مؤرخ واقدی نے لکھا ہے کہ خالدؓ کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ غسانیوں اور رومیوں تک ان کا صرف نام ہی نہیں پہنچا تھا بلکہ ان کے نام کے ساتھ کچھ روایتیں اور حکایتیں بھی پہنچ گئی تھیں۔ بعض لوگ خالدؓ کو مافوق الفطرت شخصیت سمجھنے لگے تھے۔

ں

خالدؓ آگے بڑھتے گئے۔ غسانیوں کے گروہوں نے دو اور جگہوں پر مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کیا۔ ایک حملہ جو چھاپہ مار قسم کا تھا، خاصا سخت تھا۔ مسلمان چونکہ چوکس اور تیار تھے اس لیے ان کا زیادہ نقصان نہ ہوا۔ حملہ آوروں کا جانی نقصان زیادہ ہوا۔ خالدؓ کو قیدیوں سے معلوم ہوچکا تھا کہ اُن پر ان حملوں کا مقصد کیا ہے۔

اُنہوں نے سوچا کہ اس طرح مزاحمت جاری رہی تو انہیں اپنے لشکر کے کھانے پینے کے لیے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

وہ سوٰی کے قریب ظہر اور عصر کے درمیان پہنچے تو انہیں بڑا ہی وسیع سبزہ زار نظر آیا۔ اس میں بے شمار بھیڑیں، بکریاں اور مویشی چر رہے تھے۔ یہ وسیع چراگاہ تھی۔ اس کے قریب سوٰی کی بستی تھی۔ خالدؓ نے اس خیال سے کہ پیشتر اس کے کہ ان پر حملہ ہو، اُنہوں نے حکم دے دیا کہ تمام بھیڑ بکریاں اور مویشی پکڑ لیے جائیں اور انہیں کھانے کے لیے اور ان میں جو دودھ دینے والے جانور تھے انہیں دودھ کے لیے استعمال کیا جائے۔

مجاہدین ان جانوروں کو پکڑنے لگے تو بستی والوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ غسانیوں کے گھوڑے اچھے تھے اور ان کے ہتھیار بھی اچھے تھے لیکن مسلمانوں کے آگے وہ زیادہ دیر ٹھہر نہ سکے۔ خالدؓ نے چراگاہ پر قبضہ کرلیا۔ جب بستی میں گئے تو وہاں لڑنے والا کوئی ایک بھی آدمی نہیں تھا۔ وہ بوڑھے تھے، عورتیں تھیں اور بچے تھے مسلمانوں کو دیکھ کر وہ بھاگنے لگے۔ عورتیں اپنے بچوں کو اٹھائے چھپ گئیں یا بھاگ اٹھیں۔ خالدؓ کے حکم سے ان سب کو روک کر کہا گیا کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ اگر بستی سے مسلمان لشکر کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی تو بستی کو اجاڑ دیا جائے گا۔

ں

مخبروں نے خالدؓ کو اطلاع دی کہ کچھ دور آگے ایک قلعہ ہے جس میں عیسائی فوج ہے اور اس کا سالار رومی ہے۔ یہ اطلاع بھی ملی کہ سوٰی کے بھاگے ہوئے غسانی اس قلعے میں چلے گئے ہیں۔

اس قلعے کا نام اَرک تھا۔ سورج غروب ہوچکا تھا۔ شام گہری ہوگئی۔ قلعے کے دروازے سورج غروب ہوتے ہی بند ہوگئے تھے۔ اس کے بعد قلعے کے سنتریوں کو جو دیوار پر ٹہل رہے تھے، گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دیئے۔ سنتریوں نے "خبردار، ہوشیار" کی صدائیں لگانی شروع کردیں۔ کماندار دیوار پر گئے اور نیچے دیکھا۔ بہت سے گھوڑے دوڑے آرہے تھے۔ وہ قلعے کے بڑے دروازے پر آکر رُک گئے۔ ابھی اور گھوڑے اور اونٹ آرہے تھے۔

"کون ہو تم لوگ؟" ــــ دروازے کے اوپر ایک برج سے ایک کماندار نے پوچھا۔

"ہم غسانی ہیں" ــــ باہر سے ایک سوار نے جواب دیا ــــ "مسلمانوں کا لشکر آرہا ہے۔ ہم نے سوٰی میں انہیں روکنے کی کوشش کی تھی لیکن ہم اُن کے مقابلے میں جم نہ سکے۔ ہم بستی میں جاتے تو مسلمان ہمیں زندہ نہ چھوڑتے"

"کیا تم پناہ لینے آتے ہو؟"

"پناہ بھی لیں گے" ــــ ایک غسانی سوار نے جواب دیا ــــ "اور مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے بھی تمھیں ہماری ضرورت ہوگی"

رومی سالار کو بلایا گیا۔ اُس نے ان لوگوں سے اپنی تسلی کے لیے کئی سوال کیے اور ان کے لیے قلعے کا دروازہ کھلوا دیا۔ انہوں نے رومی سالار کو تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں کی نفری کتنی ہے اور اب وہ کہاں ہیں۔

اگلی صبح طلوع ہوئی تو خالدؓ کا لشکر قلعے تک پہنچ گیا تھا اور قلعے کو محاصرے میں لے رہا تھا۔ عیسائی فوج جو قلعے میں تھی، قلعے کی دیواروں پر چلی گئی اور فوج کا ایک حصہ قلعے کے بڑے دروازے سے کچھ دور کھڑا ہو

گیا۔ اس حصے کو ایسی صورتِ حال کے لیے تیار رکھا گیا کہ دروازہ ٹوٹ جائے تو یہ دستہ حملہ آوروں کو اندر نہ آنے دے اور حکم ملنے پر باہر جا کر مسلمانوں پر حملے کرے۔ قلعے کے باہر للکار اور نعرے گرج رہے تھے۔

"قلعہ ہمارے حوالے کر دو" —— خالدؓ کے حکم سے رافع بن عمیرہ نے بلند آواز سے کہا —— "ورنہ ہر غسانی قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔ ہتھیار ڈال دو اور کسی کو باہر بھیجو جو ہمارے ساتھ صلح کی شرطیں طے کر لے۔"

"اے مسلمانو!" —— اوپر سے ایک کماندار نے للکار کر کہا —— "یہ قلعہ تمہیں اتنی آسانی سے نہیں ملے گا۔"

واقدی لکھتا ہے کہ قلعے میں ایک ضعیف العمر عالم تھا۔ اُس نے رومی سالار کو بلایا۔ اس عالم کی قدر و منزلت تھی اور غسانی اُس کا حکم مانتے اور اُس کی ہر بات کو برحق تسلیم کرتے تھے۔

"کیا اس فوج کا پرچم کالے رنگ کا ہے؟" —— عالم نے پوچھا۔

"ہاں مقدس باپ!" —— رومی سالار نے جواب دیا —— "اُن کا جھنڈا نظر آ رہا ہے جو سفید اور کالے رنگ کا ہے۔"

"کیا یہ فوج صحرا میں سے اُس راستے سے گزر کر آئی ہے جس راستے سے کبھی کوئی نہیں گزرا؟" —— عالم نے پوچھا۔

مؤرخ واقدی، طبری اور ابنِ یوسف نے لکھا ہے کہ دو مخبروں نے اس عالم کو بتایا کہ مسلمانوں کی فوج صحرا کے اُس حصے میں سے گزر کر آئی ہے جہاں اونٹ بھی نہیں جاتے اور جہاں سانپ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

"کیا اس فوج کے سالار کا قد اونچا ہے؟" —— معمر عالم نے پوچھا —— "کیا اُس کا جسم گٹھا ہوا ہے اور اُس کے کندھے چوڑے ہیں؟"

"مقدس باپ!" —— کسی نے جواب دیا —— "قد تو ان سب کے اونچے ہیں اور جسم بھی سب کے گٹھے ہوئے ہیں لیکن اُس کے کندھے سب سے چوڑے ہیں۔"

"کیا اُس کی داڑھی زیادہ گھنی ہے؟" —— عالم نے پوچھا —— "اور کیا اُس کے چہرے پر کہیں کہیں چیچک کے گہرے داغ ہیں؟"

"ہاں مقدس درویش!" —— کسی اور نے جواب دیا —— "اُس کی داڑھی دوسروں سے زیادہ گھنی ہے اور یہ داڑھی اُس کے چہرے پر بہت اچھی لگتی ہے اور اُس کے چہرے پر چیچک کے کچھ داغ ہیں۔"

اس عالم درویش نے رومی سالار اور عیسائی سرداروں کی طرف دیکھا اور کچھ دیر خاموش رہا پھر اُس نے اپنا سر دائیں بائیں دو بار ہلایا۔

"یہ وہی شخص ہے جس کا مقابلہ کرنے کی ہمت تم میں سے کسی میں بھی نہیں" —— اُس نے کہا۔

"اے کہ تو جس کا احترام ہم سب پر لازم ہے، کیا کہہ رہا ہے؟" —— رومی سالار نے کہا —— "وہ تو ہمارا قیدی ہوگا جس سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے۔"

"کیا تو نے اُن کا انجام نہیں دیکھا جنہوں نے اُس کا مقابلہ کیا تھا؟" —— عالم نے کہا۔

"کیا وہ آسمانوں کا کوئی دیوتا ہے جسے زمین کا کوئی انسان شکست نہیں دے سکتا؟" —— ایک عیسائی سردار نے پوچھا۔

"اے عیسائی سردار!" —— عالم نے کہا —— "وہ چوڑے کندھوں اور چیچک کے داغوں والا جو مدینہ سے آیا ہے اُس کے پاس عَلَم ہے اور میرے پاس عِلم ہے۔ تیرے پاس عَلَم ہے نہ عِلم۔ تو رومی نہیں تو غسانی بھی نہیں،

اور جو مجھے نظر آتا ہے وہ تو نہیں دیکھ سکتا ہے.... اور تو کہتا ہے کہ وہ آسمان کا دیوتا تو نہیں.... سن رومی سالار اور تو بھی سن عیسائی سردار! جو اُس صحرا میں سے اپنے لشکر کو زندہ گزار لایا ہے جہاں کی ریت پہلے اندھا کرتی پھر جسم کو خشک لکڑی بناتی اور پھر جلا دیتی ہے، وہ انسان آسمانوں کے دیوتاؤں کو بھی شکست دے سکتا ہے.... میں اور کچھ نہیں کہتا سوائے اس کے کہ قلعہ اُس کے حوالے کر دو اور اگر لڑنا چاہو تو عقل اور ہوش سے کام لینا لیکن عقل تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔"

❂

اُس وقت جب یہ عالم اور درویش قلعہ دار اور عیسائی سرداروں کو بتا رہا تھا کہ وہ خالدؓ کے مقابلے میں آئیں تو ذرا سوچ لیں، اُس وقت قلعے کے اندر مسلمانوں کی للکار سنائی دے رہی تھی۔

"دروازے کھول دو.... ہتھیار ڈال دو.... ہم قلعہ لینے آئے ہیں.... اپنے لشکر کو، اپنی عورتوں اور بچوں کو بچاؤ۔"

رومی سالار عیسائی سرداروں کے ساتھ قلعے کی دیوار پر آیا اور ہر طرف جا کر دیکھا۔ اُسے مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ نظر نہیں آ رہی تھی کہ وہ قلعہ سر کر لیتی لیکن وہ مسلمانوں کا پرچم "عقاب" دیکھتا تھا تو وہ اپنے آپ میں دھچکہ سا محسوس کرتا تھا۔

"کیا یہی ہے سارا لشکر؟" —— رومی سالار نے کسی سے پوچھا —— "یہی نہیں ہو سکتا۔"

"یہ لشکر اتنا ہی ہے" —— اُسے جواب ملا۔

"تیروں کا مینہ برسا دو ان پر!" —— اُس نے حکم دیا —— "قریب آئیں تو برچھیاں پھینکو۔"

دیوار سے تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔

"خدا کی قسم، یہ تیر ہمیں نہیں روک سکتے" —— خالدؓ نے گلا پھاڑ کر کہا —— "ایسے تیر ہم پر بہت برسے ہیں۔ تیر اندازوں کو آگے کر دو۔ دروازوں پر ہلہ بول دو.... اور سب سے کہہ دو کہ یہ شام کا پہلا قلعہ ہے۔ اگر ہم پہلے قلعے پر ہار گئے تو شکست ہمارا مقدر بن جائے گی۔"

خالدؓ کے قاصدوں نے جب قلعے کے چاروں طرف یہ پیغام پہنچا دیا تو تیر انداز تیروں کی بوچھاڑوں میں آگے بڑھے اور اندھا دھند نہیں بلکہ ایک ایک آدمی کا نشانہ لے کر تیر چلانے لگے۔ سب سے زیادہ تیر انداز قلعے کے بڑے دروازے کے سامنے جمع ہو گئے تھے اور دروازے کے اوپر اور برجوں میں جو تیر پھینک رہے تھے۔ مجاہدین کی بے خوفی اور شجاعت کا یہ عالم تھا کہ کئی مجاہدین دروازے تک پہنچ گئے اور کلہاڑیوں سے دروازہ توڑنے لگے

دروازہ مضبوط تھا جسے اس حالت میں توڑنا آسان نہیں تھا کہ اوپر سے تیر آ رہے تھے لیکن مجاہدین کی اس جرأت نے اور لشکر کے نعروں نے قلعے والوں کا حوصلہ توڑ دیا۔ اُن پر اپنے عالم درویش کی باتوں کا اثر بھی تھا۔

"اب بھی وقت ہے" —— خالدؓ کے حکم سے ایک بلند آواز مجاہد نے اعلان کیا —— "قلعہ دے دو گے تو فائدے میں رہو گے۔ قلعہ ہم نے لیا تو ہم سے رحم کی امید نہ رکھنا۔"

تھوڑی ہی دیر بعد قلعے پر سفید جھنڈا لہرانے لگا۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں کی طرف قاصد دوڑا دیئے کہ رک جاؤ۔

"باہر آکر بات کرو" — مسلمانوں کی طرف سے اعلان ہُوا۔

قلعے کا دروازہ کھلا۔ رومی سالار دو تین عیسائی سرداروں کے ساتھ باہر آیا اور مدینہ کے اُس سالار کے سامنے آن کھڑا ہُوا جس کے کندھے چوڑے، داڑھی گھنی اور جس کے چہرے پر چیچک کے چند ایک داغ تھے۔

"خُدا کی قسم، تُو عقل والا ہے" — خالدؓ نے رومی سالار سے کہا — "تُو نے اپنی آبادی کو اور اپنے لشکر کو قتلِ عام سے بچا لیا ہے۔ اب تُو مجھ سے وہ توقع رکھ سکتا ہے جو دوست دوستوں سے رکھا کرتے ہیں۔"

خالدؓ نے اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا۔ رومی سالار نے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

"ہاتھ نہیں" — خالدؓ نے کہا — "پہلے تلوار۔"

رومی سالار نے اپنے کمربند سے تلوار مع نیام کھول کر خالدؓ کے حوالے کر دی، پھر عیسائی سرداروں نے اپنی اپنی تلواریں اتار کر خالدؓ کے آگے پھینک دیں۔

"اب بتا اے سالارِ مدینہ!" — رومی سالار نے پوچھا — "تیری اور شرط کیا ہے؟ کیا ہماری جوان لڑکیاں اور بچے تیرے لشکر سے محفوظ رہیں گے؟"

"ہم تمہاری لڑکیاں اٹھانے نہیں آئے اے رومی سالار!" — خالدؓ نے کہا — "ہم جزیہ لیں گے۔ کوئی اور محصول نہیں لیں گے۔ اگر تُو کچھ دیر اور لڑتا اور ہم قلعہ اپنے زور پر لیتے تو ارک کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی اور اندر لاشوں کے ڈھیر لگے ہوتے۔ تُو امن سے آیا ہے امن سے جا۔ اپنی لڑکیوں کو، بچّوں کو اور اُن کی ماؤں کو ساتھ لے جا.... اور دل میں یہ بات رکھ کہ ہم لُوٹ مار کرنے نہیں آئے، ہم کچھ دینے آئے ہیں۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ اسلام۔ اس پر غور کرنا۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رومی سالار اور عیسائی سردار خوف زدہ حالت میں آئے تھے۔ خوف یہ تھا کہ خالدؓ انہیں قتل کرا دے گا اور قلعے میں کچھ بھی نہیں چھوڑے گا لیکن خالدؓ نے جزیہ کے سوا کوئی اور شرط عائد نہ کی۔ اب رومی اور عیسائی خوف زدہ نہیں حیرت زدہ تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی فاتح مفتوح کے ساتھ اتنی فیاضی سے پیش آ سکتا ہے۔ ان لوگوں پر کرم یہ کیا گیا کہ صرف فوج کو وہاں سے نکالا گیا۔ باقی تمام آبادی امن و امان میں وہاں موجود رہی۔

۞

خالدؓ کو وہاں سے مقامی گائیڈ مل گئے تھے۔ ارک سے آگے دو مقامات سخنہ اور قدمہ تھے۔ خالدؓ نے ارک پر قبضہ کر لیا تھا لیکن اپنے لشکر کو قصبے کے باہر خیمہ زن کیا۔ رات کو خالدؓ نے اپنے سالاروں کے ساتھ بڑے جذباتی انداز سے اللہ کا شکر ادا کیا۔ شام کے پہلے ہی قلعہ دار نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ شام کی سرحد کے قریب پہنچ کر خالدؓ کی چال ڈھال میں تبدیلی سی آ گئی تھی۔ وہ سرخ رنگ کا عمامہ سر پر رکھتے تھے۔ مسیلمہ کذّاب کی تلوار ان کے پاس رہتی تھی۔ رسولِ اکرمؐ کا دیا ہُوا مقدس پرچم اُن کے خیمے پر لگا رہتا اور خالدؓ کو اکثر دیکھا گیا کہ اس مقدس پرچم پر نظریں گاڑے کھڑے ہیں۔ کوچ اور پیشقدمی کے دوران بھی وہ اس پرچم "عقاب" کو دیکھتے تو اُن کی نظریں کچھ دیر پرچم پر جمی رہتی تھیں۔ انہیں شاید یہ احساس پریشان کر رہا تھا کہ وہ وطن سے بہت دور ایک طاقتور ملک کو فتح کرنے آ گئے ہیں لیکن اُن کی باتوں اور مسکراہٹوں میں حوصلہ مندی صاف نظر آتی تھی۔

رات کو خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا۔

"بیشک اللہ غفور الرحیم ہے" — خالدؓ نے کہا — "فتح اور شکست اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہم لڑتے ہیں تو اللہ ہی کے نام پر لڑتے ہیں۔ جانیں دیں گے تو اُسی کے نام پر دیں گے.... میرے دوستو! کیسے شکر بجا لاؤ گے ربِّ کریم کا جس نے تمہارے نام کا خوف تمہارے قدم یہاں پڑنے سے پہلے ہی دشمنانِ اسلام کے دلوں پر طاری کر دیا تھا۔ کیسے احسان چکاؤ گے اپنے اللہ کا جس نے پہلا ہی قلعہ کسی جانی نقصان کے بغیر تمہاری جھولی میں ڈال دیا ہے۔ تکبّر نہ کرنا اور یہ نہ بھولنا کہ ہمارے ساتھ وہ پرچم ہے جو رسول اللہؐ اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ یہ پرچم نہیں، یہ ہمارے رسولؐ کی روحِ مقدس ہے جو ہمارے ساتھ ہے....

"تم نے صبر اور تحمل کی، جرأت اور شجاعت کی جو روایت قائم کی ہے یہ ہماری آنے والی نسلوں کو راستہ دکھانے والی روشنی کا کام دے گی۔ ہمیں ابھی اور روایات قائم کرنی ہیں اور یہی روایات اسلام کو زندہ رکھیں گی۔"

ایسی کچھ اور باتیں کر کے خالدؓ اپنی اگلی پیشقدمی کے متعلق احکام دینے لگے۔ انہوں نے دو دستوں کے سالاروں سے کہا کہ وہ اگلے دو مقامات پر قبضے کے لیے جائیں گے۔ ایک کو سخنہ اور دوسرے کو قدمہ جانا تھا۔ خالدؓ نے انہیں کہا کہ انہیں ایک ایک دستے سے ان دونوں بستیوں کو لینا ہے۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق یہ دونوں بستیاں چھوٹے چھوٹے قلعوں یا قلعہ نما حویلیوں کا مجموعہ تھیں۔

"ارک کی فتح دونوں بستیوں کی فتح کو مشکل بنا چکی ہوگی" — خالدؓ نے سالاروں سے کہا — "ارک کے شکست خوردہ آدمی وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ عیسائی اور رومی ارک کی شکست کا انتقام ضرور لیں گے۔ تمہیں بڑے سخت مقابلے کا سامنا ہوگا۔ پسپا نہ ہونا۔ میں کمک تیار رکھوں گا۔ اللہ نے ہمیں یہ اڈہ دے دیا ہے۔ میں تمہاری مدد کو پہنچوں گا۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

خالدؓ نے سالار ابوعبیدہ کے نام ایک پیغام لکھوایا اور ایک قاصد کو دے کر کہا کہ فجر کی نماز کے فوراً بعد وہ روانہ ہو جائے اور یہ پیغام ابوعبیدہ کو دے آئے۔

ابوعبیدہ اُن اٹھائیس ہزار مجاہدین کے ایک حصے کے سالار تھے جو امیر المومنین ابوبکرؓ نے مدینہ سے تیار کر کے شام کی فتح کے لیے روانہ کیا تھا۔ اس لشکر کے چار حصّے کیے گئے تھے اور ہر حصہ شام کی سرحد پر ایک دوسرے سے دور مختلف جگہوں پر پہنچ گیا تھا۔ سالار ابوعبیدہ جابیہ کے علاقے میں تھے۔ خالدؓ نے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں اور جب تک انہیں خالدؓ کی طرف سے کوئی حکم نہ ملے وہ کوئی حرکت نہ کریں۔

"اور میں تدمُر جا رہا ہوں" — خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بتایا — "تدمُر با قاعدہ قلعہ ہے۔ اسے سر کرنا آسان نہیں ہوگا، اس لیے اسے میں نے اپنے ذمے لے لیا ہے.... میرے رفیقو! معلوم نہیں ہم ایک دوسرے کو زندہ مل سکیں گے یا نہیں، یہ خیال رکھنا کہ ہم اللہ کے حضور اکٹھے ہوں تو اللہ کے آگے شرمسار ہوں نہ ایک دوسرے کے آگے!"

۞

خالدؓ کے ساتھ مجاہدین کا جو لشکر تھا اس کی تعداد نو ہزار پوری نہیں تھی۔ اسے بھی خالدؓ نے تین حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر حصّے کو ایک ایک مقام فتح کرنا تھا۔ خالدؓ نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا لیکن انہیں اللہ کی ذات پر اور رسولِ اکرمؐ کے "عقاب" پر اتنا بھروسہ تھا کہ انہوں نے اتنا بڑا خطرہ مول لے لیا۔

صبح ہوتے ہی خالدؓ تدمُر کی طرف کوچ کر گئے اور دو سالار اپنے اپنے دستوں کو لے کر سخنہ اور قدمہ کو روانہ ہو گئے۔

خالدؓ نے جاتے ہی تدمُر کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اس میں بھی عیسائیوں کی فوج تھی۔ خالدؓ نے نعروں کے ساتھ قلعے کے دروازوں پر ہلّے بولے اور بار بار اعلان کرایا کہ قلعہ اُن کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ دیکھا گیا کہ قلعے کے دفاع میں لڑنے والوں میں کوئی جوش وخروش نہیں تھا۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ قلعے کا دروازہ کھلا اور عیسائی سردار باہر آ گئے۔ انہوں نے خالدؓ سے پوچھا کہ وہ کن شرطوں پر صلح کرنا چاہتے ہیں۔

"جزیہ ادا کرو"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "اور یہ معاہدہ کہ یہاں سے مسلمانوں کا جو بھی لشکر یا دستہ گزرا کرے گا اُسے کھانے پینے کا سامان تم مہیا کرو گے اور قلعے میں رکنا ہوا تو تم اُسے جگہ دو گے۔"

"تمہاری فوج لوٹ مار تو نہیں کرے گی؟"۔۔۔ ایک عیسائی سردار نے پوچھا۔

"جزیئے کے عوض تمہاری عزت اور تمہاری جانوں اور تمہارے اموال کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہو گی"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "کسی اور نے تم پر حملہ کیا تو مسلمان تمہاری مدد کو پہنچیں گے اور تم رومی اور غسانیوں کا ساتھ نہیں دو گے۔"

"ابن ولید!"۔۔۔ ایک سردار نے کہا۔۔۔ "ہم نے جیسا سنا تھا تجھے ویسا ہی پایا۔ اب تو ہمیں اپنا دوست پائے گا۔"

عیسائیوں کے سب سے بڑے سردار نے اعلیٰ نسل کا ایک گھوڑا خالدؓ کو تحفہ پیش کیا۔ یہ بڑا قیمتی گھوڑا تھا۔ یہ دوسرا قلعہ تھا جو خالدؓ کے قدموں میں آن پڑا اور خالدؓ اللہ کے حضور سجدے میں گر پڑے۔

اُدھر سخنہ اور قدمہ میں ایک جیسا ہی معجزہ ہُوا۔ دونوں دستوں کے سالاروں پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ ایک خطرہ یہ تھا کہ وہ دشمن ملک کے زیادہ اندر یعنی گہرائی میں جا رہے تھے۔ دوسرا خطرہ یہ کہ ارک سے فوجی چلے گئے تھے۔ ان کا ان قصبوں میں ہونا اور وہاں کے لوگوں کو ساتھ ملا کر مقابلے میں آنا لازمی تھا، اور سب سے بڑا خطرہ تو یہ تھا کہ دونوں سالاروں کے پاس صرف ایک ایک دستہ تھا۔

دونوں دستے تقریباً ایک ہی وقت اپنے اپنے ہدف پر پہنچے۔ دونوں سالاروں نے اپنے اپنے طور پر طے کر لیا تھا کہ اُن کا مقابلہ اگر زیادہ تعداد سے ہو گیا تو وہ جم کر نہیں لڑیں گے بلکہ گھوم پھر کر اور دشمن کو بکھیر کر لڑیں گے۔ انہوں نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ خالدؓ سے مدد نہیں مانگیں گے کیونکہ خالدؓ ایک قلعے پر حملہ کرنے گئے تھے۔

ایمان کے جذبے کی یہ انتہا تھی کہ وہ اتنی قلیل تعداد میں کہاں جا پہنچے تھے۔ انہوں نے اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کے سپرد کر دیئے تھے۔ وہ اپنی بیویوں اور اپنے ماں باپ اور اپنے بہن بھائیوں کو فراموش کیے ہوئے تھے۔ اُن پر یہ نشہ طاری تھا کہ کُفر کے فتنے کو ختم کر کے اللہ کے پیغام کو زمین کے دوسرے سرے تک پہنچانا ہے۔ ان کے دلوں میں اللہ کا نام اور رسولؐ کا عشق تھا اور اُن کے ذہنوں میں کوئی وہم اور کوئی شک نہ تھا۔ جہاد ان کی عبادت تھی اور وہ اللہ سے ہی مدد مانگتے تھے۔۔۔ اور اب وہ

اُس مقام پر اور ایسے حالات میں جا پہنچے تھے کہ اللہ ہی اُن کا حافظ تھا۔

ایک سالار سخنہ کے قریب اور دوسرا قدمہ کے قریب پہنچا تو دونوں جگہوں پر ایک ہی جیسا منظر دیکھنے میں آیا۔ وہاں کے لوگ باہر نکل آئے اور ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ سالاروں نے اپنے اپنے دستے کو پھیلا دیا۔ پہلا کوئی دھوکہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ لوگ مسلّح نہیں تھے۔ اُن کی عورتیں اور بچے بھی باہر آ گئے اور سب ہاتھ اوپر کر کے ہلا رہے تھے۔

سالاروں نے اپنے اپنے دستے کو محاصرے کی ترتیب میں کر دیا۔ اُن کی نظریں اُن مکانوں پر لگی ہوئی تھیں جو چھوٹے چھوٹے قلعوں کی مانند تھے۔ سالاروں کو خطرہ یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ آگے بڑھیں گے تو ان مکانوں سے ان پر تیر برسنے لگیں گے۔

وہ رک رک کر آگے بڑھنے لگے۔ دونوں بستیوں کی آبادی عربی عیسائیوں کی تھی۔ ان میں سے چار پانچ معمر سفید ریش آگے بڑھے۔ قریب آ کر انہوں نے استقبال کے انداز میں بازو پھیلا دیئے۔

"ہم تمہارا استقبال کرتے ہیں"۔۔۔ ایک سفید ریش عیسائی نے کہا۔۔۔ "آؤ۔۔۔۔ دوستوں کی طرح آؤ۔ ہم امن کے بندے ہیں۔"

"اور اگر ہم پر ایک بھی تیر آیا تو اس بستی کی تباہی دیکھ کر بھی یقین نہیں کرو گے"۔۔۔ سالار نے کہا۔

"مکانوں کے دروازے کھلے ہیں"۔۔۔ عیسائی بزرگ نے کہا۔۔۔ "آبادی کا ایک بچہ بھی اندر نہیں۔ دیکھ لو کسی کے ہاتھ میں کمان نہیں، برچھی نہیں، تلوار نہیں۔"

"کہاں ہیں وہ جو ارک سے یہاں آئے تھے؟"۔۔۔ سالار نے پوچھا۔

"کچھ ہیں کچھ چلے گئے ہیں"۔۔۔ ایک معمر عیسائی نے کہا۔۔۔ "انہوں نے ہی ہمیں بتایا ہے کہ تمہاری فوج لوٹ مار نہیں کرتی، نہتوں اور بے کسوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتی اور تم ایسی شرطوں پر دوستی قبول کر لیتے ہو جو کبھی پر بار نہیں ہوتیں۔"

"اور جو ہماری شرطیں قبول نہ کرے اُس کا انجام کچھ اور ہوتا ہے"۔۔۔ سالار نے کہا۔

"اے مدینہ کے سالار!"۔۔۔ عیسائی سردار نے کہا۔۔۔ "بتا تیری شرطیں کیا ہیں؟"

"وہی جو تمہاری پیٹھ اٹھا سکے گی اور کمر کو توڑ دے گی نہیں"۔۔۔ سالار نے کہا۔۔۔ "جزیہ۔۔۔۔ ہم خود دیکھیں گے کہ جو جزیہ ادا کرنے کے قابل نہیں اُس سے ہم کچھ بھی نہیں لیں گے۔"

"کچھ اور؟"

"مسلمانوں کا لشکر یا کوئی دستہ یا کوئی قاصد یہاں سے گزرے گا تو یہ اس بستی کی ذمہ داری ہو گی کہ اُس پر حملہ نہ ہو"۔۔۔ سالار نے کہا۔۔۔ "اگر وہ یہاں رکنا چاہیں گے تو اُن کے جانوروں کا چارہ بستی کے ذمے ہو گا۔ ان کی کوئی اور ضرورت جو تم پر بار نہیں ہو گی وہ تم پوری کرو گے۔ ہمارے لشکر کا کوئی فرد بستی کے کسی گھر میں داخل نہیں ہو گا۔ تمہاری عزتوں کی اور تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہم ہوں گے۔ رومیوں کی طرف سے، غسانیوں اور فارسیوں کی طرف سے تمہیں کوئی دھمکی ملے گی یا تم پر کوئی حملہ کرے گا تو اس کا جواب ہم دیں گے۔"

دونوں بستیوں میں ایسے ہی ہُوا۔ اُس دور میں فوجوں کا یہ رواج تھا کہ بستیوں کو لوٹتی اور اجاڑتی چلی جاتی

تھیں۔ کوئی عورت ان سے محفوظ نہیں رہتی تھی۔ جو آبادیاں ان کے آگے جھک جاتی تھیں، ان کے ساتھ تو فاتح فوجیں اور زیادہ بُرا سلوک کرتی تھیں لیکن یہ روایت مسلمانوں نے قائم کی کہ جس نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا اُسے اپنی پناہ میں لے لیا اور اُس کی عزت کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھا۔ اسی کا اثر تھا کہ کفار کی بستیاں اُن کے ساتھ دوستی کے معاہدے کرتی جا رہی تھیں۔

خالدؓ کو اطلاع ملی کہ سخنہ اور قدمہ کی آبادی نے اطاعت قبول کر لی ہے تو انہوں نے وہاں کے لیے عمال مقرر کر کے دونوں دستوں کو اپنے پاس بلا لیا۔

☪

خالدؓ نے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ آگے قریتین کا قصبہ تھا جس کی آبادی دوسری بستیوں کی نسبت زیادہ تھی۔ خالدؓ نے اس کے قریب پہنچ کر لشکر کو روک لیا اور اپنے دو نائبین سے کہا کہ وہ بستی میں جا کر صلح اور معاہدے کی بات کریں۔ یہ دونوں ابھی چلے ہی نہیں تھے کہ وہاں کی آبادی نے دائیں اور بائیں سے مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کر دیا۔

یہ حملہ اگر غیر متوقع نہیں تو اچانک ضرور تھا۔ خالدؓ نے اپنے لشکر کو ہجوم کی صورت میں نہیں بلکہ جنگی ترتیب میں رکھا ہُوا تھا۔ وہ آخر دشمن ملک میں تھے، اُنہوں نے ایک دو دستے پیچھے رکھے ہوئے تھے۔ جوں ہی حملہ ہُوا، خالدؓ نے پیچھے والے دستوں کو آگے بڑھا دیا۔

حملہ آوروں میں بستی کے لوگ زیادہ معلوم ہوتے تھے اور ان میں کچھ تعداد باقاعدہ فوجیوں کی بھی تھی یہ دوسری جگہوں مثلاً ارک اور تدمر سے آتے ہوئے فوجی تھے۔ یہ سب لوگ تعداد میں تو زیادہ تھے لیکن اُن کے لڑنے کا انداز اپنا ہی تھا اور یہ انداز باقاعدہ فوج والا نہیں تھا۔ خالدؓ کی جنگی چالوں کے سامنے تو بڑے تجربہ کار سالار بھی نہیں ٹھہر سکے تھے۔ تھوڑے سے وقت میں مجاہدین نے اس ہجوم کی یہ حالت کر دی کہ اُن کے لیے بھاگ نکلنا بھی محال ہو گیا۔

چونکہ یہ لڑائی تھی اور مسلمانوں پر باقاعدہ حملہ ہُوا تھا اس لیے خالدؓ نے جنگی اصولوں کے تحت احکام دیئے۔ مسلمانوں نے بستی پر حملہ کیا اور مالِ غنیمت اکٹھا کیا۔ قیدی بھی پکڑے اور آگے بڑھے۔ اب خالدؓ پہلے سے زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے جاتے تھے، انہیں دشمن قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا جاتا تھا۔

اس جھڑپ سے فارغ ہو کر آگے گئے تو آٹھ نو میل آگے بے شمار مویشی چر رہے تھے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ تمام مویشی اپنے قبضے میں لے لیے جائیں۔ یہ حوّارین کا علاقہ تھا۔ مجاہدین مویشیوں کو پکڑ رہے تھے تو ہزاروں آدمیوں نے اُن پر حملہ کر دیا۔ یہ سب عیسائی تھے۔ غسانیوں کی خاصی تعداد نہ جانے کہاں سے اُن کی مدد کو آن پہنچی۔ یہ ایک شدید حملہ تھا۔ حملہ آور قہر اور غضب سے لڑ رہے تھے۔ ان کا ایک ہی نعرہ سنائی دے رہا تھا ——"انہیں (مسلمانوں کو) کاٹ دو..... انہیں زندہ نہ جانے دو۔"

خالدؓ کی حاضر دماغی اور مجاہدین کی ہمت اور ان کے استقلال نے انہیں اس میدان میں بھی فتح دی لیکن مجاہدین کے جسموں میں اگر کچھ تازگی رہ گئی تھی تو وہ بھی ختم ہو گئی۔

کسی بھی تاریخ میں مجاہدین کی شہادت اور زخمی ہونے کے اعداد و شمار نہیں ملتے۔ ان پر جو حملے ہوئے تھے

ان میں یقیناً کئی مجاہدین شہید ہوئے ہوں گے۔ بعض شدید زخمی ہو کر ساری عمر کے لیے معذور بھی ہُوتے ہوں گے۔ شہیدوں کی تعداد دشمن کے مقابلے میں کم ہو سکتی ہے، یہ کہنا کہ کوئی بھی شہید نہیں ہُوا، درست نہیں۔ اس طرح مجاہدین کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی اور کمک کی کوئی امید نہیں تھی، پھر بھی مجاہدین سیلاب کی مانند بڑھے جا رہے تھے۔

☪

خالدؓ اب زنجیروں والی خَود جس پر وہ سُرخ عمامہ باندھے رکھتے تھے، رات کو ہی اتارتے تھے۔ لشکر کا کہیں قیام ہوتا تھا تو خالدؓ مجاہدین کے درمیان گھومتے پھرتے رہتے۔ اُن کے چہرے پر تازگی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔ اُن کی مسکراہٹ میں طلسماتی سا تاثر تھا جو مجاہدین کے حوصلوں اور جذبے کو تر و تازہ کر دیتا تھا۔

حوّارین کے لوگوں کو شکست دے کر خالدؓ نے وہاں صرف ایک رات قیام کیا اور صبح دمشق کی سمت کوچ کر گئے۔

شام اور لبنان کے درمیان ایک سلسلۂ کوہ ہے۔ اس کی ایک شاخ شام میں چلی جاتی ہے۔ دمشق سے تقریباً بیس میل دور دو ہزار فٹ کی بلندی پر ایک درّہ ہے جس کا نام ثنیۃ العقاب (درّہ عقاب) ہے۔ اسے یہ نام خالدؓ نے دیا تھا۔ دمشق کی طرف کوچ کے دوران خالدؓ کا لشکر تقریباً ایک گھنٹے کے لیے رُکا تھا اور خالدؓ نے اپنا پرچم "عقاب" یہاں گاڑا تھا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ خالدؓ جتنی دیر وہاں رُکے رہے، ایک جگہ کھڑے دمشق کی طرف دیکھتے رہے۔ اُن کے سامنے زرخیز، سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ صحراؤں کے یہ مجاہد اتنا سرسبز اور دِل نشیں خطّہ دیکھ کر حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔

دمشق سے گیارہ بارہ میل دور مرج راہط نام کا ایک شہر تھا۔ اس کی تمام تر آبادی غسانیوں کی تھی۔ غسانیوں کی بادشاہی میں ہلچل بپا تھی۔ ان کے پایۂ تخت بصرہ میں اطلاع پہنچ چکی تھی کہ مسلمان بڑی تیزی سے بڑھے آ رہے ہیں اور عیسائی ان کے آگے ہتھیار ڈالتے چلے جا رہے ہیں۔

غسانیوں کا بادشاہ جبلہ بن الایہم غصے میں رہنے لگا تھا۔ فارسیوں کی طرح وہ بھی بار بار کہتا تھا کہ ان ذرا جتنے مسلمانوں کو اُس کی بادشاہی میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہُوئی ہے۔ اُس نے اپنے جاسوس بھیج کر معلوم کر لیا تھا کہ مسلمان کس طرف سے آ رہے ہیں اور ان کی نفری کتنی ہے۔ اسے آخری اطلاع یہ ملی کہ خالدؓ بن ولید دمشق سے کچھ دور رہ گیا ہے اور وہ مرج راہط کے راستے دمشق تک پہنچے گا۔

"مرج راہط!" —— جبلہ غسانی نے کہا اور سوچ میں پڑ گیا پھر بھڑک کر بولا —— "مرج راہط.... کیا ان دنوں وہاں میلہ نہیں لگا کرتا؟"

"میلہ شروع ہے" —— اُسے جواب ملا۔

جبلہ نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں کچھ احکام دیئے اور کہا کہ ان احکام پر فوراً عمل شروع ہو جائے۔ یہ ایک جال تھا جو اُس نے خالدؓ کے لشکر کے لیے مرج راہط کے میلے میں بچھا دیا تھا۔

"وہ عیسائی تھے جنہوں نے مسلمانوں کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں" —— اُس نے کہا —— "مان اس

خوشی کے ساتھ بڑھتے آرہے ہیں کہ اُن کے راستے میں جو بھی آئے گا ان کی اطاعت قبول کرلے گا۔ رومیوں کو نیچا دکھانے والے غسانی عرب کے بدّوؤں کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ ہم مرج راہط میں ہی ان کا خاتمہ کردیں گے۔"

۞

خالدؓ مرج راہط کے قریب پہنچ رہے تھے اور انہیں میلہ نظر آرہا تھا۔ بہت بڑا میلہ تھا۔ یہ غسانیوں کا کوئی تہوار تھا۔ ہزارہا لوگ جمع تھے۔ کھیل تماشے ہو رہے تھے۔ گھوڑ دوڑ اور شتر دوڑ بھی ہو رہی تھی۔ کہیں ناچ تھا کہیں گانے تھے۔ ایک وسیع میدان تھا جس میں آدمی ہی آدمی تھے۔ ان کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔

خالدؓ کا لشکر جب کچھ اور قریب گیا تو تہوار منانے والا یہ ہجوم دیکھتے ہی دیکھتے فوج کی صورت اختیار کرکے جنگی ترتیب میں آگیا۔ گھوڑسوار باقاعدہ رسالہ بن گئے۔ ہر آدمی تلوار یا برچھی سے مسلح تھا۔ عورتیں اور بچے بھاگ کر قصبے میں چلے گئے اور ہجوم جو فوج کی صورت اختیار کرگیا تھا، اس طرح دائیں اور بائیں پھیلنے لگا جیسے مجاہدین کو گھیرے میں لینا چاہتا ہو۔

مجاہدین کو اپنے پیچھے سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کا قیامت خیز شور سنائی دیا۔ اُدھر دیکھا۔ غسانی سواروں کا ایک دستہ تلواریں اور برچھیاں تانے سمندر کی طوفانی لہروں کی طرح چلا آرہا تھا۔ یہ تھا وہ جال جو جبلہ بن الایہم نے خالدؓ کے لیے بچھایا تھا۔

ممکن نظر نہیں آتا تھا کہ خالدؓ اپنے لشکر کو اس جال میں سے نکال سکیں گے۔ مجاہدین کی تعداد نو ہزار بھی نہیں رہ گئی تھی اور جس دشمن نے انہیں اپنے جال میں لے لیا تھا اُس کی تعداد تین گنا تھی۔ مجاہدین تھکے ہوئے بھی تھے۔ پانچ روزہ صحرائی سفر کے بعد وہ مسلسل پیشقدمی اور معرکہ آرائی کرتے آرہے تھے۔

غسانیوں کے بادشاہ جبلہ نے ٹھیک سوچا تھا کہ مسلمان کوچ کی ترتیب میں آرہے ہوں گے اور انہیں جنگی ترتیب میں آتے کچھ وقت لگے گا اور اُن پر حملہ اس طرح ہوگا کہ انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں ملے گا۔ اُس نے مسلمانوں کی قلیل تعداد کو بھی پیشِ نظر رکھا تھا اور یہ بھی کہ مسلمان میلے کو بے ضرر لوگوں کا میلہ ہی سمجھیں گے۔

غسانیوں کو معلوم نہیں تھا کہ خالدؓ میلے پر نہیں آتے تھے۔ وہ تجربہ کار سالار تھے۔ انہیں اچانک حملوں کا تجربہ ہو چکا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ جوں جوں وہ دشمن ملک کے اندر ہی اندر جارہے ہیں، حملوں اور چھاپوں کا خطرہ بڑھتا جارہا ہے۔ چنانچہ وہ لشکر کو ایسی ترتیب میں رکھتے تھے کہ اچانک اور غیر متوقع حملے کا فوراً مقابلہ کیا جائے ان کے عقب سے غسانیوں کے جو سوار طوفانی موجوں کی طرح آرہے تھے وہی مسلمانوں کو کچلنے کے لیے کافی تھے۔ خالدؓ کی توجہ اس رسالے پر تھی اور وہ مطمئن تھے۔ مجاہدین ایک مشین کی طرح اس صورتِ حال سے نمٹنے کی ترتیب میں آگئے۔ خالدؓ نے خود نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کا مجاہدین نے رعد کی کڑک کی طرح جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بلند آواز سے کچھ احکام دیئے۔

"خدا کی قسم، ہم انہیں سنبھال لیں گے" — خالدؓ نے بلند آواز سے کہا — "اللہ کے نام پر، محمدؐ الرسول اللہ کے نام پر!"

غسانیوں کا رسالہ بڑی تیزی سے قریب آرہا تھا۔ اس کے پیچھے اور کچھ دائیں سے ایک اور رسالہ نکلا۔ سینکڑوں گھوڑے انتہائی رفتار سے دوڑتے آرہے تھے۔ ان کا رخ غسانی سواروں کی طرف تھا۔

"پیچھے دیکھو" — کسی غسانی سوار نے چلّا کر کہا — "یہ مسلمان سوار معلوم ہوتے ہیں۔"

پیچھے سے آنے والے سوار مسلمان ہی تھے۔ یہ مجاہدین کے لشکر کا عقبی حصہ (رئیر گارڈ) تھا۔ ان سواروں نے غسانی سواروں کو آن لیا۔ غسانی سوار اس حملے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کا ہلّہ (چارج) بے ترتیب ہونے ہوتے رُک گیا۔ اِدھر سے خالدؓ نے اپنے سوار دستے کو تیز حملے کا حکم دے دیا۔ غسانی سوار گھیرے میں آکر سکڑنے لگے۔ پھر وہ اتنے سکڑ گئے کہ ان کے گھوڑوں کو ایک قدم بھی دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہلنے جلنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔

اس کے ساتھ ہی خالدؓ نے شتر سوار تیر اندازوں کو میلے والے لشکر پر تیر برسانے کا حکم دے دیا اور دوسرے دستوں کو دشمن کے پہلوؤں پر حملے کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے اپنے دستے سے سامنے سے حملہ کیا۔

یہ عقل اور جذبے کی لڑائی تھی۔ غسانی پیادوں کو اپنے گھوڑسواروں پر بھروسہ تھا جو اب مجاہدین کی تلواروں سے کٹ رہے تھے یا معرکے سے نکل کر بھاگ رہے تھے۔

خالدؓ کی کوشش یہ تھی کہ دشمن کے لشکر کے عقب میں چلے جائیں تاکہ دشمن شہر میں نہ جا سکے۔ خالدؓ کے حکم سے غسانیوں کے خیموں کو آگ لگادی گئی۔ یہ خیمے میلے کے لیے لگے ہوتے تھے۔ شعلوں نے غسانیوں پر خوف طاری کردیا۔ ان کے حوصلے تو یہی دیکھ کر ٹوٹ گئے تھے کہ انہوں نے جو جال بچھایا تھا وہ بُری طرح ناکام ہوگیا تھا۔

غسانیوں کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ ان کا جانی نقصان اتنا زیادہ ہو رہا تھا کہ خون دیکھ کر وہ گھبرا گئے۔ آخر وہ بھاگنے لگے۔ خالدؓ بار بار اعلان کرا رہے تھے کہ اپنے شہر کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو تو باہر رہو۔

شام تک خالدؓ اس شہر سے مالِ غنیمت اور بہت سے قیدی اکٹھے کرچکے تھے۔ شہر میں اُن عورتوں کے بین سنائی دے رہے تھے جن کے خاوند، بھائی، باپ اور بیٹے مارے گئے تھے۔

خالدؓ نے رات کو ابوعبیدہؓ کے نام پیغام بھیجا کہ وہ خالدؓ کو بصرہ کے قرب وجوار میں ملیں۔ بصرہ غسانی حکومت کا پایۂ تخت تھا۔ غسانی اور رومی مل کر بصرہ کے دفاع کا انتظام کررہے تھے۔ مجاہدین کا بڑا ہی سخت امتحان ابھی باقی تھا۔

وہ جو محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا بھیجا ہُوا رسول نہیں مانتے تھے اور اللہ کو وحدہٗ لاشریک نہیں سمجھتے تھے، وہ ابھی تک جنگی طاقت کو افراد کی کمی بیشی اور ہتھیاروں کی برتری اور کمتری سے ناپ تول رہے تھے۔ حیران تو وہ ہوتے تھے کہ مسلمان کس طرح اور کس طاقت کے بل بوتے پر فتح حاصل کرتے آرہے ہیں لیکن اپنی فوجوں اور گھوڑوں کی افراط اور اپنے ہتھیاروں کی برتری کا اُن کو ایسا گھمنڈ تھا کہ وہ سوچتے ہی نہیں تھے کہ انسان میں کوئی اور طاقت بھی ہو سکتی ہے اور یہ طاقت عقیدے اور مذہب کی سچائی ہوتی ہے۔

غسانیوں کا بادشاہ جبلہ بن الایہم بصرہ میں اس خبر کا انتظار بڑی بے تابی سے کر رہا تھا کہ مرج راہط میں اُس کا دھوکہ کامیاب رہا ہے اور مسلمانوں کو کاٹ دیا گیا ہے۔ اُس نے فرض کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو شکست دی جا چکی ہے۔ اُسے آخری اطلاع یہ ملی تھی کہ مسلمانوں کے لیے میلے کی صورت میں پھندا تیار ہو چکا ہے اور مسلمان تیزی سے اس پھندے میں آرہے ہیں۔

جبلہ کے طور اور انداز ہی بدل گئے تھے۔ گذشتہ رات اُس نے اپنے ہاں جشن کا سماں بنا دیا تھا۔ شراب کے مٹکے خالی ہو گئے تھے۔ جبلہ بن الایہم شراب میں تیرتا اور نشے میں اُڑتا جوان ہو گیا تھا۔ اُس نے بڑھاپے کا مذاق اڑایا تھا۔ اُس نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ اُس کے حرم کی جوان عورتیں من مانی کر رہی ہیں اور ان میں سے بعض اُس کی قید و بند سے آزاد ہو کر اپنی پسند کے آدمیوں کے ساتھ محل کے باغیچوں میں غائب ہو گئی ہیں۔

خود جبلہ کی بدمستی کا یہ عالم تھا کہ اس جشن مے نوشی میں ایک بڑی حسین اور نوجوان لڑکی اُس کے سامنے سے گزری تو اُس نے لپک کر لڑکی کو پکڑ لیا اور اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ کر بیہودہ حرکتیں کرنے لگا۔ لڑکی اُس کے بازوؤں میں آزاد ہونے کو تڑپنے لگی۔

"تیری یہ جرأت؟" — اُس نے لڑکی کو الگ کر کے ایک جھٹکے سے اپنے سامنے کھڑا کیا اور بڑے سخت غصے میں بولا — "کون ہے تُو جو میرے جسم کو ناپسند کر رہی ہے؟"

"تیری بھانجی!" — لڑکی نے روتے ہُوئے چلّا کر کہا — "تیرے باپ کی بیٹی کی بیٹی۔"

جبلہ بن الایہم نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا۔

"فتح کی خوشی کا نشہ شراب کے نشے سے تیز ہوتا ہے" — جبلہ نے کہا۔ اُس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی — "کل جب مجھے خبر ملے گی کہ مسلمانوں کو کچل دیا گیا ہے اور ان میں سے کوئی بھی بھاگ نہیں سکا تو میری حالت اور زیادہ بُری ہو جائے گی۔"

اُس کی بھانجی روتی ہوئی جشن سے نکل گئی۔

☆

پھر وہ وقت آگیا جب وہ مسلمانوں پر اپنی فتح کی خبر کا منتظر تھا۔ اب تک خبر آجانی چاہیے تھی۔ وہ باغ میں جا بیٹھا تھا۔ ایک جواں سال خادمہ طشتری میں شراب کی صراحی اور پیالہ رکھے اُس کی طرف جا رہی تھی۔ اُدھر سے دربان بڑا تیز چلتا اُس تک پہنچا۔

"آیا ہے کوئی؟" — جبلہ نے بیتاب ہو کر دربان سے پوچھا — "کوئی مرج راہط سے آیا ہے؟"

"قاصد آیا ہے" — دربان نے دبے دبے سے لہجے میں کہا — "زخمی ہے۔"

"بھیجو اُسے!" — جبلہ نے جوش سے اُٹھتے ہُوئے کہا — "وہ فتح کی خبر لایا ہے۔ اُسے جلدی میرے پاس بھیجو۔"

خادمہ طشتری اٹھائے اُس کے قریب کھڑی تھی۔ اُدھر سے ایک زخمی چلا آرہا تھا۔

"وہیں سے کہو کہ تم فتح کی خبر لائے ہو" — جبلہ بن الایہم نے کہا۔

زخمی قاصد نے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ چلتا آیا۔ اُس کے کپڑے اپنے زخموں کے خون سے لال تھے۔ اُس کا سر کپڑے میں لپٹا ہُوا تھا۔

"کیا تم اتنے زخمی ہو کہ بول نہیں سکتے؟" — جبلہ نے بلند آواز سے پوچھا۔

"بول سکتا ہوں" — قاصد نے کہا — "لیکن جو خبر لایا ہوں وہ اپنی زبان سے سنانے کی جرأت نہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" — جبلہ کی آواز دب سی گئی — "کیا مسلمان پھندے میں نہیں آئے؟ .... آکر نکل گئے ہیں؟"

"ہاں!" — قاصد نے شکست خوردہ آواز میں کہا — "وہ نکل گئے .... اُنہوں نے ایسی چال چلی کہ ہم اُن کے پھندے میں آگئے .... اپنی فوج کٹ گئی ہے۔ مرج راہط کو اُنہوں نے لُوٹ لیا ہے۔"

جبلہ بن الایہم نے طشتری سے شراب کی صراحی اٹھائی۔ خادمہ نے پیالہ اٹھا کر اُس کے آگے کیا۔ جبلہ نے صراحی بڑی زور سے قاصد پر پھینکی۔ قاصد بہت قریب کھڑا تھا۔ صراحی اُس کے ماتھے پر لگی۔ وہ تیورا کر گرا۔ جبلہ نے خادمہ کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر اُس کے منہ پر مارا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔

غسانیوں کے بادشاہ کا محل ماتمی فضا میں ڈوب گیا۔ مرج راہط کے بھگوڑے غسانی بصرہ میں آگئے اور بصرہ ماتمی شہر بن گیا۔ اصل ماتم تو اُن کے ہاں تھا جن کے بیٹے، بھائی، خاوند اور باپ اُس پھندے میں آکر مارے گئے تھے جو اُنہوں نے خالدؓ کے مجاہدین کے لیے تیار کیا تھا۔

اس ماتم کے ساتھ ایک دہشت بھی آئی تھی اور یہ دہشت ہر گھر میں پہنچ گئی تھی۔

"اُن کے تیر زہر میں بجھے ہُوتے ہوتے ہیں۔ کسی کو اس تیر سے خراش آجائے تو بھی وہ مر جاتا ہے۔"

"اُن کے گھوڑے پروں والے ہیں۔ کہتے ہیں ہوا سے باتیں کرتے ہیں۔"

"اِن مسلمانوں کا رسولؐ جادوگر تھا۔ اُس کا جادو چل رہا ہے۔"

"اُن کے سامنے لاکھوں کی فوج بھی نہیں ٹھہر سکتی۔"

"سنا ہے دل کے بڑے نرم ہیں جو اُن کے آگے ہتھیار ڈال دیتے ہیں، انہیں وہ گلے لگا لیتے ہیں۔"

"جس شہر میں اُن کا مقابلہ ہوتا ہے اُس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں۔"

"کسی کو زندہ نہیں چھوڑتے۔ لڑنے والوں کو پکڑ کر لے جاتے ہیں۔"

دبی دبی ایسی آوازبھی سنائی دیتی تھیں ــــ "مذہب ان کا سچا معلوم ہوتا ہے۔ وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کو مانتے ہیں۔ یہی ان کی طاقت ہے۔ جنون سے لڑتے ہیں۔"

ان لوگوں پر جو حیرت اور دہشت طاری ہوگئی تھی اس میں وہ حق بجانب تھے۔

☆

"تم لوگ بصرہ کو بھی نہیں بچا سکو گے" ــــ جبلہ بن الایہم قہر بھرے لہجے میں اپنے سالاروں سے کہہ رہا تھا ــــ "تمھاری بزدلی کو دیکھ کر میں نے رومیوں کو مدد کے لیے پکارا ہے۔ اگر تم مسلمانوں کو شکست دے دیتے تو میں رومیوں کے سینے پر کُودتا۔ اُن پر میری دھاک بیٹھ جاتی مگر تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ رومی ہمارے پایۂ تخت کی حفاظت کرنے آئے ہیں۔"

وہ اپنے سالاروں کو کوس ہی رہا تھا کہ اُسے اطلاع ملی کہ مسلمانوں کی ایک فوج بصرہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔

"اتنی جلدی؟" ــــ اُس نے گھبراتے ہوئے لہجے میں کہا ــــ "مرج راہط سے وہ اتنی جلدی بصرہ تک کس طرح آ گئے ہیں؟ رومی سالار کو اطلاع دو۔"

رومی فوج جو خالدؓ کی کامیابیوں کی خبریں سن کر جبلہ بن الایہم کی مدد کو آئی تھی وہ بصرہ کے باہر خیمہ زن تھی۔ اس کے سالار کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کی فوج آرہی ہے تو سالار نے فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ اس فوج میں عرب عیسائی بھی تھے۔

فوج جو بصرہ کی طرف بڑھ رہی تھی وہ خالدؓ کی نہیں تھی۔ یہ ایک مسلمان سالار شرحبیلؓ بن حسنہ کا لشکر تھا جس کی نفری چار ہزار تھی۔ مسلمان لشکر جو شام کی فتح کے لیے بھیجا گیا تھا۔ یہ اُس کا ایک حصّہ تھا۔ خلیفۃ المسلمین کے احکام کے مطابق سالار ابو عبیدہؓ نے لشکر کے دوسرے حصّوں کو بھی یکجا کر کے اپنی کمان میں لے لیا تھا۔

بصرہ پر شرحبیلؓ کے حملے کا پسِ منظر یہ تھا کہ خلیفۃ المسلمین نے ابو عبیدہؓ کو ایک خط لکھا تھا:

"میں نے خالدؓ بن ولید کو یہ کام سونپا ہے کہ رومیوں پر چڑھائی کرے۔ تم پر اس کی اطاعت فرض ہے۔ کوئی کام اُس کے حکم کے خلاف نہ کرنا۔ میں نے اُسے تمھارا امیر مقرر کیا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ دین کے معاملات میں تم خالدؓ سے برتر ہو اور تمھارا رتبہ اونچا ہے لیکن جنگ کی جو مہارت خالدؓ کو ہے وہ تمھیں نہیں۔ اللہ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔"

خالدؓ کو اس لشکر کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ جس وقت خالدؓ اپنے راستے میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو کچلتے جا رہے تھے، اُس وقت ابو عبیدہؓ فارغ بیٹھے تھے۔ خالدؓ نے جب مرج راہط کے مقام پر بھی دشمن کو شکست دے دی تو ابو عبیدہؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا۔ اُس وقت ابو عبیدہؓ کے دستے دریائے یرموک کے شمال مشرق میں ایک مقام حوران میں تھے۔ ان کے ماتحت دو سالار تھے۔ ایک شرحبیلؓ بن حسنہ اور دوسرے یزیدؓ بن ابی سفیان۔

"رفیقو!" ــــ ابو عبیدہؓ نے دونوں سالاروں سے کہا ــــ "ہم کس طرح شکر ادا کریں اللہ تبارک و تعالیٰ کا جو ابنِ ولید کو راستے میں آنے والے ہر دشمن پر حاوی کرتا جا رہا ہے۔ کیا تم نے نہیں سوچا کہ ہم ابنِ ولید کے کسی کام نہیں آ رہے؟ وہ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے اُس کی مشکلات خطرناک ہوتی جا رہی ہیں۔ اُس کا لشکر

تھک کر بے حال ہو چکا ہو گا۔ آگے دمشق ہے، بصرہ ہے۔ غسانی ہیں، عیسائی اور رومی ہیں۔ کیا یہ تینوں نہیں سوچ رہے ہوں گے کہ مسلمان کو آگے آنے دیں اور جب وہ مسلسل کوچ اور لڑائیوں سے شل ہو جائیں اور ان کی نفری کم ہو جاتے تو انہیں کسی مقام پر گھیر کر ختم کر دیا جاتے؟"

"رومیوں نے ایسا ضرور سوچا ہو گا" ــــ سالار یزیدؓ نے کہا ــــ "رُومی لڑنے والی قوم ہے اور اس کے سالار عقل والے ہیں۔"

"خُدا کی قسم، میں رومیوں کو ایسا موقع نہیں دوں گا" ــــ ابو عبیدہؓ نے پُرجوش لہجے میں کہا ــــ "کیا ہم اتنی دُور سے ابنِ ولید کی کوئی مدد نہیں کر سکتے؟.... بے شک کر سکتے ہیں۔"

"تُو نے جو سوچا ہے وہ ہمیں بتا ابو عبیدہؓ!" ــــ شرحبیلؓ بن حسنہ نے کہا ــــ "اللہ اُس کا مددگار ہے۔"

"ابنِ ولید کے آگے دمشق اور بصرہ دو ایسے مقام ہیں جہاں رومیوں اور غسانیوں نے اپنی فوجیں جمع کر رکھی ہوں گی" ــــ ابو عبیدہؓ نے کہا ــــ "اِس سے پہلے کہ سالارِ اعلیٰ ابنِ ولید بصرہ پہنچے ہم بصرہ پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اس سے یہ ہو گا کہ رُومی اور غسانی بھی تازہ دم نہیں رہیں گے.... ابنِ حسنہ!" ــــ ابو عبیدہؓ نے شرحبیلؓ سے کہا ــــ "میں یہ کام تمھیں سونپتا ہُوں۔ چار ہزار نفری کافی ہو گی۔"

ابو عبیدہؓ نے سالار شرحبیلؓ بن حسنہ کو ہدایات دیں اور بصرہ کو روانہ کر دیا۔

☆

اس وقت خالدؓ مرج راہط سے فارغ ہو چکے تھے اور اُنہوں نے ابُو عبیدہ کے نام یہ پیغام دے کر قاصد کو روانہ کر دیا تھا کہ ابو عبیدہؓ اپنے دستوں کے ساتھ انہیں بصرہ کے قریب کہیں ملیں۔ خالدؓ نے مرج راہط کے قصبے کے باہر دو چار روز قیام کیا تھا۔

شرحبیلؓ چار ہزار مجاہدین کے ساتھ بصرہ پہنچ گئے۔ رومی بصرہ کے باہر خیمہ زن تھے۔ وہ سمجھے کہ یہ خالدؓ کی فوج ہے۔ ان کے جاسوسوں نے انہیں بتایا کہ اس فوج کا سالار کوئی اور ہے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس رومی فوج کے سالار یہ سمجھے کہ یہ مسلمانوں کی فوج کا ہراول ہے اور پوری فوج پیچھے آرہی ہے۔ وہ مان نہیں سکتے تھے کہ اتنی فوج اتنے بڑے شہر کو محاصرے میں لینے آئی ہو گی۔ رومی فوج جس کی تعداد بارہ ہزار تھی قلعے کے اندر چلی گئی۔ بصرہ قلعہ بند شہر تھا۔

شرحبیلؓ نے قلعے کے قریب مغرب کی طرف کیمپ کیا اور اپنے لشکر کو کئی دستوں میں تقسیم کر کے قلعے کے ہر طرف متعین کر دیا۔

دو دن گزر گئے۔ رومی اور غسانی قلعے کی دیواروں کے اوپر سے مسلمانوں کو دیکھتے رہے۔ شرحبیلؓ نے قلعے کے اردگرد کچھ نہ کچھ حرکت جاری رکھی۔ دشمن قلعے سے دُور دُور بھی دیکھتا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ مسلمانوں کی پوری فوج آرہی ہے۔ اُسے اب اپنے جاسوسوں کے ذریعے کوئی خبر نہیں مل سکتی تھی کیونکہ قلعہ محاصرے میں تھا۔

سالار شرحبیلؓ بن حسنہ کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ رسولِ اکرمؐ کے قریبی صحابی تھے۔ جو صحابہ کرام وحی لکھتے تھے، ان میں شرحبیلؓ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اسی حوالے سے انہیں کاتبِ رسولؐ کہا جاتا تھا۔ شرحبیلؓ کا زہد و تقویٰ تو مشہور تھا ہی، وہ فنِ حرب و ضرب اور میدانِ جنگ میں قیادت کی مہارت رکھتے

اور کہا کرتے تھے کہ اُنہوں نے یہ فن خالدؓ سے یمامہ کی جنگ میں پھر آتش پرستوں کے خلاف لڑائیوں میں سیکھا ہے۔ محاصرۂ بصرہ کے وقت اُن کی عمر ستّر سال سے کچھ ہی کم تھی۔ جذبے اور جوش وخروش کے لحاظ سے وہ جوان تھے اور ان کی شہسواری اور تیغ زنی جوانوں جیسی تھی۔

☆

محاصرے کا تیسرا دن تھا۔ رومیوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی نفری اتنی ہی ہے جس نے محاصرہ کر رکھا ہے۔ اگر مزید فوج نے آنا ہوتا تو اب تک آچکی ہوتی۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنی بارہ ہزار نفری کی فوج باہر نکال لی۔ نفری کی افراط کے بل پر وہ ایسی دلیرانہ کارروائی کر سکتے تھے۔ مسلمان کل چار ہزار تھے۔

شرجیلؓ نے بڑی تیزی سے اپنے دستوں کو اکٹھا کر کے جنگی ترتیب میں کر لیا۔ اس طرح دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔

"اے رومیو!" ——شرجیلؓ نے آگے آکر بلند آواز سے کہا—"خدا کی قسم، ہم بھاگنے کے لیے نہیں آئے۔ اپنی پہلی شکستوں کو یاد کرو۔ تم ہر میدان میں ہم سے زیادہ تھے۔ خون خرابے سے تم بچتے کیوں نہیں؟ ہماری شرطیں سُن لو اور اپنے شہر اور اپنی آبادی کو تباہی سے بچالو۔"

"ہم شکست کھانے کے لیے باہر نہیں آئے" —— رومی سالار نے آگے آکر کہا—"واپس چلے جاؤ اور زندہ رہو۔ وہ کوئی اور تھے جنہوں نے تم سے شکستیں کھائی ہیں۔"

"خدا کی قسم، ہم لڑائی سے منہ نہیں موڑیں گے" ——شرجیلؓ نے اعلان کیا—"لیکن تمہیں ایک موقع دیں گے کہ سوچ لو۔ آگے آؤ اور ہماری شرطیں سن لو۔"

مکالموں اور للکار کا تبادلہ ہُوا اور رومی سالاروں نے شرائط پر بات چیت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کا سپہ سالار آگے گیا۔ اُدھر سے شرجیلؓ آگے گئے۔

"بول اے مسلمان سالار!" —— رومی سالار نے کہا—"اپنی شرائط بتا۔"

"اسلام قبول کر لو" ——شرجیلؓ نے کہا—"یہ منظور نہیں تو جزیہ ادا کرو۔ یہ بھی منظور نہیں تو لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"ہم اپنا مذہب نہیں چھوڑیں گے" —— رومی سالار نے کہا—"اور ہم جزیہ نہیں دیں گے۔ لڑائی کے لیے ہم تیار ہیں" —— اس کے ساتھ ہی رومی سالار نے مسلمانوں پر حملے کا حکم دے دیا۔

رومیوں کی تعداد تین گنا تھی۔ شرجیلؓ نے اپنے چار ہزار مجاہدین کو جنگی ترتیب میں صف آراء کر رکھا تھا۔ انہیں اپنی نفری کی قلّت کا بھی احساس تھا۔ انہوں نے اپنے دونوں پہلوؤں کو پھیلا دیا تھا تاکہ دشمن گھیرے میں نہ لے سکے۔

رومی جنگجو تھے اور ان کے سالار تجربہ کار تھے۔ وہ مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کی ہی کوشش کر رہے تھے۔ لڑائی گھمسان کی تھی۔ شرجیلؓ قاصدوں کو دائیں بائیں دوڑا رہے تھے اور مجاہدین کو للکار بھی رہے تھے۔ مجاہدین اپنی روایت کے مطابق بے جگری سے لڑ رہے تھے لیکن رومی بارہ ہزار تھے۔ ان کے سالار انہیں دائیں بائیں پھیلاتے جا رہے تھے۔

شرجیلؓ نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا تو انہیں اپنے دستوں کی صُورتِ حال بڑی تشویشناک دکھائی

دی۔ ایسی صورتِ حال پسپائی کا مطالبہ کیا کرتی ہے لیکن شرجیلؓ کی للکار پر مجاہدین کا جوش اور جذبہ بڑھ گیا۔ وہ پسپائی کے نام سے ناواقف تھے۔ اُن پر جنونی کیفیّت طاری ہو گئی —— اور چار پانچ گھنٹے گزر گئے۔

☆

پھر وہ صورت پیدا ہو ہی گئی جس سے شرجیلؓ بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دشمن کے پہلو پھیل کر مسلمانوں کے پہلوؤں سے آگے نکل گئے تھے۔ وہ گھیرے میں آچکے تھے۔

"اندر کی طرف نہیں سکڑنا" —— شرجیلؓ نے اپنے دونوں پہلوؤں کے کمانداروں کو پیغام بھیجے—"باہر کی طرف ہونے کی کوشش کرو۔"

شرجیلؓ کی چالیں بیکار ہونے لگیں۔ بے شک مسلمانوں کا جذبہ رومیوں کی نسبت زیادہ تھا لیکن رومی تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ مسلمانوں پر غالب آسکتے تھے۔

"اللہ کے پرستارو!" ——شرجیلؓ نے للکار کر کہا—"فتح یا موت.... فتح یا موت.... فتح یا موت.... اللہ سے مدد مانگو۔ اللہ کی راہ میں جانیں دے دو.... اللہ کی مدد آئے گی۔"

مسلمانوں کے لیے یہ زندگی اور موت کا معرکہ بن گیا تھا۔ شرجیلؓ کی پکار اور للکار پر مجاہدین نے بلند آواز سے کلمہ طیّبہ کا ورد شروع کر دیا جس سے انہیں تقویت ملی لیکن رومی اُن پر حاوی ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے جوش اور جذبے میں قہر پیدا ہو گیا تھا۔

رومی فوج مسلمانوں کے عقب میں چلی گئی۔ اب مسلمانوں کا کچلا جانا یقینی ہو گیا تھا۔

رومی جو مسلمانوں کے عقب میں چلے گئے تھے انہیں اپنے عقب میں گھوڑے سرپٹ دوڑنے کا طوفانی شور سنائی دیا۔ انہوں نے پیچھے دیکھا تو سینکڑوں گھوڑے ان کی طرف دوڑے آرہے تھے۔ ان کے آگے دو سوار تھے جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ ان میں سے ایک کے سر پر جو عمامہ تھا اس کا رنگ سرخ تھا —— وہ خالدؓ تھے۔

خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ کی طرف آرہے تھے۔ اُن کے راستے میں دمشق آیا تھا لیکن وہ دمشق سے ہٹ کر گزر آئے تھے۔ پہلے وہ بصرہ کو فتح کرنا چاہتے تھے۔ یہ اللہ کے اشارے پر ہُوا تھا۔ اللہ نے کاتبِ رسولؐ کی پکار اور دعا سن لی تھی۔ خالدؓ جب کوچ کرتے تھے تو اپنے جاسوسوں کو بہت آگے بھیج دیا کرتے تھے۔ بصرہ کی طرف آتے وقت بھی انہوں نے جاسوسوں کو بہت آگے بھیج دیا تھا۔

خالدؓ بصرہ سے تقریباً ایک میل دُور تھے جب اُن کا ایک شُتر سوار جاسوس اونٹ کو بہت تیز دوڑاتا واپس خالدؓ کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ مسلمانوں کا کوئی لشکر بصرہ کے باہر رومیوں کے گھیرے میں آرہا ہے۔

"کون ہے وہ سالار!" —— خالدؓ نے کہا اور سوار دستوں کو ایڑ لگانے اور برچھیاں اور تلواریں نکال لینے کا حکم دے دیا۔

خالدؓ کے ساتھ جو دوسرا سوار گھوڑ سواروں کے آگے آگے آرہا تھا وہ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کا بیٹا عبدالرحمٰن تھا۔ اُس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

رومیوں نے مقابلے کی نہ سوچی۔ ان کے سالاروں نے تیزی دکھائی۔ اپنے پہلوؤں کے دستوں کو پیچھے ہٹا لیا اور اپنے تمام دستوں کو قلعے کے اندر لے گئے۔ ان کا مسلمانوں کی تلواروں سے کٹ جانا یقینی تھا۔ قلعے میں داخل ہوتے ہوتے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور کئی رومیوں کو ختم کر دیا۔

قلعے کے دروازے بند ہو گئے۔ خالدؓ غصے میں تھے۔ انہوں نے ایک حکم یہ دیا کہ زخمیوں اور لاشوں کو سنبھالو اور دوسرا حکم یہ کہ تمام لشکر اکٹھا کیا جائے۔ انہوں نے سالار شرجیلؓ کو بلایا۔

"ولید کے بیٹے!" — شرجیلؓ نے آتے ہی خالدؓ سے کہا — "خدا کی قسم، تو اللہ کی تلوار ہے۔ تو اللہ کی مدد بن کر آیا ہے۔"

"لیکن تو نے یہ کیا کیا ابنِ حسنہ!" — خالدؓ نے غصے سے کہا — "کیا تو نہیں جانتا تھا کہ یہ قصبہ دشمن کا مضبوط قلعہ ہے اور یہاں بے شمار فوج ہوگی؟ کیا اتنی تھوڑی نفری سے تو یہ قلعہ سر کر سکتا تھا؟"

"میں نے ابو عبیدہؓ کے حکم کی تعمیل کی ہے ابنِ ولید!" — شرجیلؓ نے کہا۔

"آہ ابو عبیدہؓ!" — خالدؓ نے آہ لے کر کہا — "میں اُس کا احترام کرتا ہوں۔ وہ متقی اور پرہیزگار ہے لیکن میدانِ جنگ کو وہ اچھی طرح نہیں سمجھتا۔"

مؤرخ واقدی لکھتا ہے کہ ابو عبیدہؓ کو سب، خصوصاً خالدؓ، بزرگ و برتر سمجھتے تھے لیکن جس نوعیت کی لڑائیاں لڑی جا رہی تھیں ان کے لیے ابو عبیدہؓ موزوں نہیں تھے لیکن جہاں نفری کی کمی تھی وہاں سالاروں کی بھی کمی تھی۔ بہرحال، مؤرخ لکھتے ہیں کہ ابو عبیدہؓ جذبے اور حوصلے میں کسی سے پیچھے نہیں تھے اور وہ بڑی تیزی سے تجربہ حاصل کرتے جا رہے تھے۔ بصرہ پر اُن کا حملہ جرأت مندانہ اقدام تھا۔

☆

خالدؓ قلعے کے باہر اپنی اور شرجیلؓ کی نفری کا حساب کر رہے تھے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی کر رہے تھے کہ قلعے کے اندر کتنی نفری ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں چند ایک رومی سپاہی آ گئے تھے جو زخمی تھے۔ خالدؓ کے لشکر کے آ جانے سے مسلمانوں کی نفری تیرہ ہزار کے قریب ہو گئی تھی لیکن رومیوں، غسانیوں اور عیسائیوں کی تعداد دگنی سے بھی زیادہ تھی۔

"کیا تم بھی ڈر کر بھاگ آئے ہو؟" — قلعے کے اندر جبلہ بن الایہم رومی فوج کے سپہ سالار پر غصہ جھاڑ رہا تھا — "کیا تم نے اُس فوج کا جو قلعے کے اندر تھی اور شہر کے لوگوں کا حوصلہ توڑ نہیں دیا؟"

"نہیں!" — رومی سپہ سالار نے کہا — "میں مسلمانوں پر باہر نکل کر حملہ کر رہا ہوں۔ اگر میں اُن کے عقب میں گئے ہوئے دستوں کو پیچھے نہ ہٹا لیتا تو اُن کے عقب سے مسلمان سالار انہیں بُری طرح کاٹ دیتے۔ مجھے ان کی نفری کا اندازہ نہیں تھا۔ میں صرف ایک دن انتظار کروں گا۔ ہو سکتا ہے ان کی مزید فوج آ رہی ہو۔ میں انہیں آرام کرنے کی مہلت نہیں دوں گا۔"

"پھر انہیں قلعے کا محاصرہ کر لینے دو" — جبلہ نے کہا — "انہیں قلعے کے اردگرد پھیل جانے دو، پھر تم قلعے سے اتنی تیزی سے نکلنا کہ انہیں اپنے دستے اکٹھے کرنے کی مہلت نہ ملے.... اور شہر میں اعلان کر دو کہ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ دشمن کو قلعے کے باہر ہی ختم کر دیا جائے گا۔"

قلعے کے اندر ہڑبونگ بپا تھی۔ شہریوں میں بھگدڑ اور افراتفری مچی ہوئی تھی۔ رومی فوج کا باہر جا کر لڑنا اور اندر آ جانا شہریوں کے لیے دہشت ناک تھا۔ مسلمان فوج کی ڈراؤنی ڈراؤنی سی باتیں تو شہر میں پہلے ہی پہنچی ہوئی تھیں۔

مؤرخوں کے مطابق رومیوں نے یہ سوچا تھا کہ مسلمانوں کو آرام کی مہلت نہ دی جائے لیکن انہیں معلوم

نہ تھا کہ مسلمان آرام کرنے کے عادی ہی نہیں۔ انہیں اتنی ہی مہلت کی ضرورت تھی کہ زخمیوں کو سنبھال لیں اور شہیدوں کی لاشیں دفن کر لیں۔

☆

اگلے روز کا سورج طلوع ہونے تک رومی فوج قلعے سے باہر آ گئی اور دروازے بند ہو گئے۔ خالدؓ نے اپنے لشکر کو جنگی ترتیب میں کر لیا۔ قلعے کے باہر کھلا میدان تھا۔

خالدؓ نے حسبِ معمول اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ قلب کی کمان اپنے پاس رکھی۔ اب چونکہ انہیں شرجیلؓ کے چار ہزار مجاہدین مل جانے سے اُن کے پاس نفری کچھ زیادہ ہو گئی تھی اس لیے انہوں نے قلب کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک دستہ قلب کے آگے رکھا۔ اس دستے کی کمان خلیفۃ المسلمین کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے پاس تھی۔

ایک پہلو کے دستوں کے سالار رافع بن عمیرؓ اور دوسرے پہلو کے سالار ضرار بن الازور تھے۔

جنگ کا آغاز مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر سے ہُوا۔ رومی سپہ سالار اپنے قلب کے آگے آگے آ رہا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ جوان تھے۔ خالدؓ نے جوں ہی اُن کے دستے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، عبدالرحمٰنؓ سیدھے رومی سالار کی طرف گئے۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی اُن کی نظریں اس رومی سپہ سالار پر لگی ہوئی تھیں۔

عبدالرحمٰنؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تلوار سونت کر اُس کی طرف گئے مگر اُس کے قریب گئے تو وہ بڑی پھرتی سے آگے سے ہٹ گیا۔ عبدالرحمٰنؓ آگے نکل گئے۔ رومی سالار نے گھوڑا موڑا اور عبدالرحمٰنؓ کے پیچھے گیا۔ عبدالرحمٰنؓ نے گھوڑا موڑتے موڑتے دیکھ لیا۔ رومی نے وار کر دیا جو عبدالرحمٰنؓ بچا گئے۔ تلوار کا زنّاٹہ اُن کے سر کے قریب سے گزرا۔

اب عبدالرحمٰنؓ اُس کے پیچھے تھے۔ رومی گھوڑا موڑ رہا تھا۔ عبدالرحمٰنؓ نے تلوار کا زوردار وار کیا جس سے رومی تو بچ گیا لیکن اُس کے گھوڑے کی زین کا تنگ کٹ گیا اور ضرب گھوڑے کو بھی لگی۔ گھوڑے کا خون پھوٹ آیا اور وہ رومی کے قابو سے نکلنے لگا۔

رومی تجربہ کار جنگجو تھا۔ اُس نے بڑی مہارت سے گھوڑے کو قابو میں رکھا اور اُس نے وار بھی کیے۔ عبدالرحمٰنؓ نے ہر وار بچایا اور جب اُنہوں نے رکابوں میں کھڑے ہو کر وار کیے تو رومی گھبرا گیا۔ اُس کے آہنی خود اور زرہ نے اُسے بچا لیا لیکن اپنی ایک ٹانگ کو نہ بچا سکا۔ گھٹنے کے اُوپر سے اس کی ٹانگ زخمی ہو گئی۔ تابڑ توڑ وار اُسے مجبور کرنے لگے کہ وہ بھاگے اور وہ بھاگ اُٹھا۔ اسے اپنی جان کا غم تھا یا نہیں، اُسے خطرہ یہ نظر آیا تھا کہ وہ گر پڑا تو اس کا سارا لشکر بھاگ اٹھے گا۔ یہ سوچ کر وہ اپنے لشکر میں غائب ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ عبدالرحمٰنؓ اس کے تعاقب سے نہ ہٹے۔ وہ اُن کے ہاتھ تو نہ آیا لیکن اپنے لشکر کی نظروں سے بھی اوجھل ہو گیا۔

خالدؓ نے رومیوں پر اس طرح حملہ کیا کہ سالار رافع بن عمیرؓ اور سالار ضرار بن الازور کو حکم دیا کہ وہ باہر کو ہو کر رومیوں پر دائیں اور بائیں سے تیز اور شدید حملہ بولیں۔ مجاہدین شدید کا مطلب سمجھتے تھے۔ مؤرخوں کی تحریروں کے مطابق یہ حملہ اتنا تیز اور اتنا سخت تھا جیسے مجاہدین تازہ دم ہوں اور ان کی تعداد دشمن سے دگنی ہو۔ دونوں سالاروں کے دستے دیوانگی کے عالم میں حملہ آور ہوتے۔

مؤرخ واقدی اور ابنِ قتیبہ لکھتے ہیں کہ سالار ضرار نے جوش میں آ کر اپنی زرہ اتار پھینکی۔ یہ ہلکی سی تھی لیکن

جولائی کا آغاز تھا اور گرمی عروج پر تھی۔ ضرار نے گرمی سے تنگ آکر اور لڑائی میں آسانی پیدا کرنے کے لیے زرہ اتاری تھی۔ اُنہوں نے اپنے دستوں کو حملے کا حکم دیا۔ ان کا گھوڑا ابھی دشمن کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ انہوں نے قمیض بھی اتار پھینکی۔ اس طرح ان کا اُوپر کا دھڑ بالکل ننگا ہو گیا۔

ایسی خونریز لڑائی میں زرہ ضروری تھی اور سر کی حفاظت تو اور زیادہ ضروری تھی لیکن ضرار بن الازور نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لی تھی۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر اُن دستوں میں کوئی اور ہی جوش پیدا ہو گیا۔ ضرار دشمن کو للکارتے اور ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے۔ اُن کے سامنے جو آیا ان کی تلوار سے کٹ گیا۔ وہ سالار سے سپاہی بن گئے تھے۔

رافع بن عمیرؓ نے رومیوں کے دوسرے پہلو پر ہلّہ بولا تھا۔ اُن کا انداز ایسا غضب ناک تھا کہ دشمن پر خوف طاری ہو گیا۔

خالدؓ نے جب دیکھا کہ ضرار اور رافع نے دونوں پہلوؤں سے ویسا ہی ہلّہ بولا ہے جیسا وہ چاہتے تھے اور دشمن کے پہلو قلب کی طرف سکڑ رہے ہیں تو خالدؓ نے سامنے سے ہلّہ بول دیا۔

رومی پیچھے ہٹنے لگے لیکن پیچھے قلعے کی دیوار تھی جو دراصل شہر پناہ تھی۔ اُن کے لیے پیچھے ہٹنے کو جگہ نہ رہی۔ مجاہدین انہیں دباتے چلے گئے۔

”دروازے کھول دو“ــــــ دیوار کے اوپر سے کوئی چلاّیا۔

قلعے کے اُس طرف کے دروازے کھل گئے اور رومی سپاہی قلعے کے اندر جانے لگے۔ انہیں قلعے میں ہی پناہ مل سکتی تھی۔ مسلمانوں نے دباؤ جاری رکھا اور رومی جم کر مقابلے کرتے رہے۔ ان میں سے جسے موقع مل جاتا وہ قلعے کے اندر چلا جاتا۔

☆

جو رومی قلعے میں پناہ لینے کو جا رہے تھے وہ ان کی تمام نفری نہیں تھی۔ اُن کی آدھی نفری بھی نہیں تھی۔ اُن کی آدھی نفری خالدؓ کے دستوں سے نبرد آزما تھی۔ خالدؓ نے جب دیکھ لیا تھا کہ اُن کے پہلوؤں کے سالاروں نے ویسا ہی حملہ کیا ہے جیسا وہ چاہتے تھے تو اُنہوں نے دشمن کے قلب پر حملہ کر دیا۔ رومی بڑے اچھے سپاہی تھے۔ وہ پسپا ہونے کی نہیں سوچ رہے تھے اور خالدؓ انہیں پسپائی کے مقام تک پہنچانے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔

خالدؓ نے شجاعت کا اور بے خوف قیادت کا یہ مظاہرہ کیا کہ گھوڑے سے اُتر آئے اور سپاہیوں کی طرح پا پیادہ لڑنے لگے۔ اس کا اثر مجاہدین پر ایسا ہُوا کہ وہ بجلیوں کی مانند کوندنے لگے۔ یہ اُن کے ایمان کا اور عشقِ رسولؐ کا کرشمہ تھا کہ مسلسل کوچ اور معرکوں کے تھکے ہوئے جسموں میں جان اور تازگی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ مبالغہ نہیں کہ وہ روحانی قوت سے لڑ رہے تھے۔

خالدؓ اس کوشش میں تھے کہ رومیوں کو گھیرے میں لے لیں لیکن رومی زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہے تھے۔ وہ اب وار اور ہلّے روکتے اور پیچھے یا دائیں بائیں ہٹتے جاتے تھے۔ وہ محاصرے سے بچنے کے لیے پھیلتے بھی جا رہے تھے۔ آخر وہ بھی بھاگ کر قلعے کے ایک اور کھلے دروازے میں غائب ہونے لگے۔

خالدؓ نے بلند آواز سے حکم دیا ــــ ”اِن کے پیچھے قلعے میں داخل ہو جاؤ“ــــ لیکن دیوار کے اُوپر سے تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ برچھیاں بھی آئیں۔ مجاہدین کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا اور رومی جو بچ گئے تھے وہ قلعے میں چلے گئے اور قلعے کا دروازہ بند ہو گیا۔

باہر رومیوں اور ان کے اتحادی عیسائیوں کی لاشیں بکھری ہُوئی تھیں۔ زخمی تڑپ رہے تھے۔ زخمی گھوڑے بدکے اور ڈرے ہوئے بے لگام اور منہ زور ہو کر دوڑتے پھر رہے تھے۔ چند ایک گھوڑسواروں کے پاؤں رکابوں میں پھنسے ہُوتے تھے اور گھوڑے انہیں گھسیٹتے پھر رہے تھے۔ سوار خون میں نہاتی ہوئی لاشیں بن چکے تھے۔

لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ مجاہدین کے فاتحانہ نعرے گرج رہے تھے۔ فتح ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ دشمن کا نقصان تو بہت ہُوا تھا لیکن وہ قلعہ بند ہو گیا تھا۔ فتح مکمل کرنے کے لیے قلعہ سر کرنا ضروری تھا۔ خالدؓ نے اپنے زخمیوں کو اٹھانے کا حکم دیا اور قاصد سے کہا کہ تمام سالاروں کو بلا لائے۔

☆

خالدؓ نے ایک سوار کو دیکھا جو اُن کی طرف آ رہا تھا۔ وہ دوسروں سے کچھ الگ تھلگ لگتا تھا۔ ایک اس لیے کہ اُس کا قد لمبا تھا اور جسم دُبلا پتلا تھا۔ عرب ایسے دبلے پتلے نہیں ہوتے تھے۔ یہ سوار کچھ آگے کو جُھکا ہُوا بھی تھا۔ اُس کی داڑھی گھنی نہیں تھی اور لمبی بھی نہیں تھی۔ اس داڑھی کو اس شخص نے مصنوعی طریقے سے کالا کر رکھا تھا۔

وہ اس لیے بھی الگ تھلگ لگتا تھا کہ خالدؓ نے اُسے لڑتے دیکھا تھا اور اس کا انداز کچھ مختلف سا تھا۔ سب کی توجہ اس شخص کی طرف اس وجہ سے بھی ہُوئی تھی کہ اُس کے ہاتھ میں پیلے رنگ کا پرچم تھا۔ یہ وہ پرچم تھا جو خیبر کی لڑائی میں رسولِ اکرمؐ نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔

خالدؓ اُسے پہچان نہ سکے۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ اُس نے سر پر کپڑا ڈال رکھا تھا جس سے اُس کا آدھا چہرہ ڈھکا ہُوا تھا۔ خالدؓ کے قریب آکر وہ شخص مسکرایا تو خالدؓ نے دیکھا کہ اس آدمی کے سامنے کے دو تین دانت ٹوٹے ہوئے ہیں۔

”ابو عبیدہؓ!“ــــ خالدؓ نے مسرت سے کہا اور اُس کی طرف دوڑے۔

وہ ابو عبیدہؓ تھے۔ مرج راہط سے خالدؓ نے انہیں پیغام بھیجا تھا کہ وہ انہیں بصرہ کے باہر ملیں۔ ابو عبیدہؓ حوارین کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہُوتے تھے جہاں سے انہوں نے شرجیلؓ بن حسنہ کو چار ہزار مجاہدین دے کر بصرہ پر حملہ کرایا تھا۔ اُن کے پاس خالدؓ کا قاصد بعد میں پہنچا تھا۔ ابو عبیدہؓ پیغام پر اُس وقت بصرہ پہنچے جب خالدؓ رومیوں کے ساتھ بڑے سخت معرکے میں اُلجھے ہُوتے تھے۔ انہوں نے تلوار نکالی اور معرکے میں شامل ہو گئے۔

ابو عبیدہؓ کی اُس وقت عمر پچپن سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ رسولِ کریمؐ کے خاص ساتھیوں میں سے تھے۔ ان کے دادا اپنے وقتوں کے مشہور جراح تھے۔ اسی نسبت سے انہوں نے اپنا نام ابو عبیدہؓ بن الجراح رکھ لیا تھا۔ ان کا نام عامر بن عبداللہ بن الجراح تھا لیکن اُنہوں نے ابو عبیدہؓ کے نام سے شہرت حاصل کی۔ دبلا پتلا اور کچھ جھکا ہونے کے باوجود اُن کے چہرے پر جلال جیسی رونق رہتی تھی۔ وہ دانشمند تھے۔ میدانِ جنگ میں وہ کوئی مقام پیدا نہ کر سکے لیکن ذہانت اور عقلمندی میں اُن کا مقام اُونچا تھا۔

ابو عبیدہؓ کے سامنے کے دانت جنگِ اُحد میں ٹوٹے تھے۔ اس معرکے میں رسولِ اکرمؐ زخمی ہو گئے تھے۔ آپؐ کے خود کی زنجیروں کی دو کڑیاں آپؐ کے رخسار میں ایسی گہری اتری تھیں کہ ہاتھ سے نکلتی نہیں تھیں۔ ابو عبیدہؓ نے یہ دونوں اپنے دانتوں سے نکالی تھیں اور اس کامیاب کوشش میں ان کے سامنے کے دو تین

دانت ٹوٹ گئے تھے۔

ابن قتیبہ نے لکھا کہ رسول اللہ ابوعبیدہؓ سے بہت محبت کرتے تھے اور آنحضورؐ نے ایک بار فرمایا تھا کہ ابوعبیدہؓ میری امّت کا امین ہے۔ اس حوالے ابوعبیدہؓ کو لوگ امین الامّت کہنے لگے۔

اُس دور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ نے جب ابوعبیدہؓ کو بصرہ کے میدان میں دیکھا تو انہیں خدشہ محسوس ہُوا کہ ابوعبیدہؓ ان کی سپہ سالاری کو قبول نہیں کریں گے۔ گو خلیفۃ المسلمین نے ابوعبیدہؓ کو تحریری حکم بھیجا تھا کہ جب خالدؓ شام کے محاذ پر پہنچ جائیں تو تمام لشکر کے سالارِ اعلیٰ خالدؓ ہوں گے لیکن خالدؓ کو احساس تھا کہ معاشرے میں جو مقام اور رتبہ ابوعبیدہؓ کو حاصل تھا وہ انہیں حاصل نہیں تھا۔ خالدؓ خود بھی ابوعبیدہؓ کا بہت احترام کرتے تھے۔

یہ احترام ہی تھا کہ بصرہ کے میدان جنگ میں خالدؓ نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو خالدؓ دوڑ کر اُن تک پہنچے۔ ابوعبیدہؓ گھوڑے سے اترنے لگے۔

"نہیں ابنِ عبداللہ!" — خالدؓ نے ابُوعبیدہؓ سے کہا — "گھوڑے سے مت اُتر۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ امین الامّت میرے لیے گھوڑے سے اترے۔"

ابوعبیدہؓ گھوڑے پر سوار رہے اور جھک کر دونوں ہاتھ خالدؓ کی طرف بڑھائے۔ خالدؓ نے احترام سے مصافحہ کیا۔

"اُبوسلیمان!" — ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا — "امیرالمومنینؓ کا پیغام مجھے مل گیا تھا جس میں اُنہوں نے تمہیں ہم سب کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا ہے۔ میں اس پر بہت خوش ہوں۔ کوئی شک نہیں کہ جنگ کے معاملوں میں جتنی عقل تجھ میں ہے وہ مجھ میں نہیں۔"

"خدا کی قسم ابنِ عبداللہ!" — خالدؓ نے کہا — "امیرالمومنینؓ کے حکم کی تعمیل مجھ پر فرض ہے ورنہ میں تم پر سپہ سالار کبھی نہ بنتا۔ رتبہ جو تمہیں حاصل ہے وہ مجھے نہیں۔"

"ایسی بات نہ کر اُبوسلیمان!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "ابوبکرؓ نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے۔ میں تیرے ماتحت ہوں۔ تیرے حکم پر آیا ہوں۔ اللہ تجھے غسانیوں اور رومیوں پر فتح عطا فرمائے۔"

☆

خالدؓ نے بصرہ کو محاصرے میں لینے کا حکم دیا۔ رومیوں اور عیسائیوں کی لاشیں جہاں پڑی تھیں وہیں پڑی رہیں۔ اُوپر گدھوں کے غول اڑ رہے تھے اور درختوں پر اتر رہے تھے۔ مجاہدین اپنے شہیدوں کی لاشیں اُٹھا رہے تھے۔ ان کی تعداد ایک سو تیس تھی۔

خالدؓ نے شہرپناہ کے اردگرد گھوڑا دوڑا کر جائزہ لیا کہ دیوار کہیں سے توڑی جا سکتی ہے یا نہیں۔ دیوار کے اوپر سے تیر آ رہے تھے لیکن مسلمان ان کی زد سے دُور تھے۔

قلعے کے اندر مایوسی چھائی ہُوئی تھی۔ جبلہ بن الایہم اور رومی سپہ سالار خاموشی سے ایک دوسرے کا مُنہ دیکھ رہے تھے۔

"کیا تم ہمّت بالکل ہی ہار بیٹھے ہو؟" — جبلہ بن الایہم نے رومی سالار سے پوچھا۔

"ہم نے کہاں کہاں ہمّت نہیں ہاری!" — رومی سالار نے شکست کا غصہ جبلہ پر نکالا اور کہا — "مسلمانوں کے راستے میں سب سے پہلے تم اور عیسائی آئے تھے اور مسلمانوں کو نہ روک سکے۔ مرج راہط میں بھی تمہاری فوج ناکام رہی۔ کیا تو مجھے اور میری فوج کو مروانا چاہتا ہے؟ باہر نکل کے دیکھ۔ فوج کی کتنی نفری رہ گئی ہے ہمارے ساتھ؟ کچھ نفری میدانِ جنگ میں ماری گئی ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے بہت سے سپاہی اور کمانڈر اجنادین کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ قلعے میں تھوڑی سی نفری آئی ہے۔ دیوار پر جا کے باہر دیکھ اور لاشوں سے حساب کر کہ ہمارے پاس کیا رہ گیا ہے۔"

باہر سے مسلمانوں کی للکار سنائی دے رہی تھی۔

"رومی سالار باہر آ کر صلح کی بات کرے۔"

"رومیو! قلعہ ہمارے حوالے کر دو۔"

"ہم نے خود قلعہ سر کیا تو ہم سے رحم کی امید نہ رکھنا۔"

اس کے ساتھ ہی خالدؓ کے حکم سے مجاہدین دروازہ توڑنے کے لیے آگے جاتے رہے مگر اُوپر کے تیروں نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔ اُنہوں نے ایک جگہ سے دیوار توڑنے کی کوشش بھی کی لیکن کامیابی نہ ہوتی۔

شہر کے لوگوں پر خوف طاری تھا۔ وہ مسلمانوں کی للکار سن رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ فاتح فوجیں شہر کے لوگوں کو کس طرح تباہ کیا کرتی ہیں۔ مسلمان کہہ رہے تھے کہ قلعہ خود دے دو گے تو شہری اور ان کے گھر محفوظ رہیں گے۔

جبلہ بن الایہم اور رومی سالار کمرے سے باہر نہیں آتے تھے۔ شہر کے لوگ ایک ایک لمحہ خوف و ہراس میں گزار رہے تھے۔ وہ تنگ آ کر جبلہ کے محل کے سامنے اکٹھے ہو گئے۔

"مسلمانوں سے صلح کر لو" — وہ کہہ رہے تھے — "ہمیں بچاؤ۔ قلعہ انہیں دے دو۔ ہمارا قتلِ عام نہ کراؤ۔"

جبلہ اور رومی سالار نے تین چار دنوں تک کوئی فیصلہ نہ کیا۔ خالدؓ نے محاصرے کے بہانے اپنے لشکر کو آرام کی مہلت دے دی۔ اُنہوں نے شہیدوں کا جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کر دیا۔

آخر ایک روز قلعے پر سفید جھنڈا نظر آیا۔ قلعے کا دروازہ کھُلا اور رومی سالار باہر آیا۔ اس نے صلح کی بھیک مانگی۔ خالدؓ نے اُن پر یہ شرط عائد کی وہ جزیہ ادا کریں۔ رومی سالار نے قلعہ خالدؓ کے حوالے کر دیا۔ یہ جولائی ۶۳۴ء (جمادی الاوّل) کا وسط تھا۔

رومی اور غسانی قلعے سے نکلنے لگے۔

شرحبیلؓ بن حسنہ نے دیکھا تھا کہ رومی سپاہی اجنادین کی طرف بھاگ رہے تھے۔ شرحبیلؓ نے اپنا ایک جاسوس اجنادین بھیج دیا۔ اس جاسوس نے آ کر اطلاع دی کہ رومی فوج اجنادین میں جمع ہو رہی ہے اور توقع ہے کہ وہاں نوّے ہزار فوج تیار ہو جائے گی۔

"ہماری اگلی منزل اجنادین ہو گی" — خالدؓ نے کہا۔

نپولین اُن جرنیلوں میں سے تھا جنہوں نے اپنے اپنے دَور میں تاریخ کا پانسہ پلٹا اور کرۂ ارض کو ہلا دیا تھا۔ فرانس کے تاریخ ساز جرنیل حکمران نپولین نے خالدؓ بن ولید کے متعلق کہا تھا ـــــ "اگر مسلمانوں کی فوج کا سپہ سالار کوئی اور ہوتا تو یہ فوج اجنادین کی طرف پیش قدمی ہی نہ کرتی۔"

نپولین کا دَور خالدؓ کے دَور کے تقریباً بارہ سو سال بعد کا تھا۔ تاریخ کے اس نامور جرنیل نے تاریخ کے معدودے چند جرنیلوں کی جنگی قیادت کا، ان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا اور ان کی فوجوں کی کیفیت اور کارکردگی کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ جولائی ۶۳۴ء میں بصرہ کی فتح کے بعد خالدؓ نے اپنی فوج کو اجنادین کی طرف پیش قدمی کا جو حکم دیا تھا وہ مسلمانوں کی فوج کی جسمانی کیفیت اور تعداد کے بالکل خلاف تھا۔ انہیں جاسوس نے صحیح رپورٹ دی تھی کہ اجنادین میں رومیوں نے جو فوج مسلمانوں کو کچلنے کے لیے اکٹھی کر رکھی ہے، اس کی تعداد نوّے ہزار سے زیادہ ہو سکتی ہے کم نہیں۔ یہ فوج تازہ دم تھی۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی اور یہ فوج مسلسل لڑتی چلی جا رہی تھی۔ صرف بصرہ کی لڑائی میں ایک سو تیس مجاہدین شہید اور بہت سے زخمی ہُوئے تھے۔

یہاں موزوں معلوم ہوتا ہے کہ اُس دَور کی اسلامی فوج کے متعلق کچھ تفصیل پیش کی جائے۔ اسلامی فوج کی کوئی وَردی نہیں تھی۔ جس کسی کو جیسے کپڑے میسّر آتے تھے وہ پہن لیتا تھا۔ ایسا تو اکثر دیکھنے میں آتا تھا کہ کئی سپاہیوں نے بڑے قیمتی کپڑے پہن رکھے ہیں اور سالار، نائب سالار وغیرہ بالکل معمولی لباس میں ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ سپاہی مالِ غنیمت میں ملے ہُوئے کپڑے پہن لیتے تھے۔

اسلامی فوج کی ایک خوبی یہ تھی کہ سالاروں، کمانداروں یعنی افسروں کا کوئی امتیازی نشان نہ تھا۔ افسری کا یہ تصوّر تھا ہی نہیں جو آج کل ہے۔ بعض قبیلوں کے سردار سپاہی تھے اور انہی قبیلوں کے بعض ادنیٰ سے آدمی کمانڈر تھے۔ عہدے اور ترقیاں نہیں تھیں۔ آج ایک آدمی جذبے کے تحت فوج میں سپاہی کی حیثیت سے شامل ہُوا ہے تو ایک دو روز بعد وہ ایک دستے کا کمانڈر بن گیا ہے۔ جذبہ اور جنگی اہلیت دیکھی جاتی تھی۔ ایسے بھی ہوتا تھا کہ ایک معرکے کا افسر اگلے معرکے میں سپاہی ہو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق افسری اور ماتحتی کا تصوّر کچھ اور تھا۔ جس کسی کو افسر بنایا جاتا تھا وہ فرائض کی حد تک افسر ہوتا تھا۔ اُس کا کوئی حکم ذاتی نوعیت کا نہیں ہوتا تھا۔ چونکہ افسر کے انتخاب کا معیار کچھ اور تھا اس لیے اُس وقت کا معاشرہ خوشامد اور سفارش سے آشنا ہی نہیں ہُوا تھا۔

اتنی وسیع اسلامی سلطنت کا زوال اُس وقت شروع ہُوا تھا جب مسلمان افسر اور ماتحت میں تقسیم ہو گئے تھے اور حاکموں نے ماتحتوں کو محکوم سمجھنا شروع کر دیا تھا اور وہ خوشامد پسند ہو گئے تھے۔

ہتھیاروں کا بھی کوئی معیار نہ تھا۔ فوج میں شامل ہونے والے اپنے ہتھیار خود لاتے تھے۔ زرہ اور خود ہر کسی کے پاس نہیں ہوتی تھی۔ مسلمان سپاہی جو زِرہ اور خود پہنتے تھے وہ دشمن سے چھینی ہوئی ہوتی

تھیں۔ ان میں اُس قسم کی یکسانیت نہیں ہوتی تھی جیسی فوجوں میں ہُوا کرتی ہے۔

اسلامی فوج کا کُوچ منظم فوج جیسا نہیں ہوتا تھا۔ یہ فوج غیر منظم قافلے کی مانند چلتی تھی۔ ان کی خوراک اور رسد ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ بیل، گائیں، دُنبے اور بھیڑ بکریاں جو فوج کی خوراک بنتی تھیں، فوج کے ساتھ ہوتی تھیں۔ رسد کا باقاعدہ انتظام بہت بعد میں کیا گیا تھا۔

گھوڑسوار کُوچ کے وقت پیدل چلا کرتے تھے تاکہ گھوڑے سواروں کے وزن سے تھک نہ جائیں۔ سامان اونٹوں پر لدا ہوتا تھا۔ عورتیں اور بچے ساتھ ہوتے تھے۔ انہیں اونٹوں پر سوار کرایا جاتا تھا۔

اُس وقت کی اسلامی فوج کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ فوج ہے۔ اسے قافلہ سمجھا جاتا تھا لیکن اس فوج کی ایک تنظیم تھی۔ آگے ہراول دستہ ہوتا تھا جسے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا پورا احساس ہوتا تھا۔ اس کے پیچھے فوج کا بڑا حصّہ، اس کے پیچھے عورتیں اور بچے اور اس کے پیچھے عقب کی حفاظت کے لیے ایک دستہ ہوتا تھا۔ اسی طرح پہلوؤں کی حفاظت کا بھی انتظام ہوتا تھا۔

یہ فوج عموماً دشوار راستہ اختیار کیا کرتی تھی۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوتا تھا کہ منزل تک کا راستہ چھوٹا ہو جاتا تھا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ راستے میں دشمن کے حملے کا خطرہ نہیں رہتا تھا۔ اگر دشمن حملہ کر بھی دیتا تو اسلامی فوج فوراً علاقے کی دشواریوں یعنی نشیب و فراز وغیرہ میں رُوپوش ہو جاتی تھی۔ دشمن ایسے علاقے میں لڑنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

☆

جولائی ۶۳۴ء کے آخری ہفتے میں خالدؓ کی فوج اسی طرح اجنادین کی طرف پیش قدمی کر رہی تھی۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ مدینہ کی فوج کے چار حصّے مختلف مقامات پر تھے۔ خالدؓ نے ان کے سالاروں کو پیغام بھیج دیئے تھے کہ سب اجنادین پہنچ جائیں۔

خالدؓ نے بصرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ رومیوں اور غسانیوں کے لیے یہ چوٹ معمولی نہیں تھی۔ بصرہ شام کا بڑا اہم شہر تھا۔ یہ مسلمانوں کا اڈہ بن گیا تھا۔ سب سے بڑا نقصان رومیوں کو یہ ہُوا تھا کہ لوگوں پر اور اُن کی فوج پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ مسلمانوں نے بصرہ تک شکستیں دی تھیں، کہیں بھی شکست کھائی نہیں تھی۔ کہیں ایک سالار کو پسپا ہونا پڑا تو فوراً دوسرے سالار نے شکست کو فتح میں بدل دیا۔ قیصرِ رُوم کی تو نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ خالدؓ نے جب بصرہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا اور صُورتِ حال بتا رہی تھی کہ بصرہ رومیوں کے ہاتھ سے جا رہا ہے تو شہنشاہِ ہرقل رومی نے حمص کے حاکم وردان کو ایک پیغام بھیجا تھا۔

"کیا تم شراب میں ڈوب گئے ہو یا تم اُن عورتوں جیسی عورت بن گئے ہو جن کے ساتھ تمہاری راتیں گزرتی ہیں؟" ـــــ ہرقل نے لکھا تھا ـــــ "اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا دن اونگھتے گزرتا ہے۔ کیا ہے ان مسلمانوں کے پاس جو تمہارے پاس نہیں؟ اگر میں کہوں کہ قیصرِ روم کی ذلت کے ذمہ دار تم جیسے حاکم ہیں تو کیا جواب دو گے؟ تم شاید یہ بھی نہیں سوچ رہے کہ مسلمانوں کی اتنی تیز پیش قدمی اور فتح پہ فتح حاصل کرتے چلے آنے کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ کیا تمہاری تلواروں کو زنگ نے کھا لیا ہے؟ کیا تمہارے گھوڑے مر گئے ہیں؟ لوگوں کو تم بتاتے کیوں نہیں کہ مسلمان تمہارے مال و [illegible] لوٹ لیں گے، تمہاری بیٹیوں کو، تمہاری بیویوں اور تمہاری بہنوں کو اپنے قبضے میں لے لیں گے!.... مجھے

بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار سے ذرا کم یا زیادہ ہے۔ تم زیادہ سے زیادہ فوج اکٹھی کرو اور اجنادین کے علاقے میں پہنچ جاؤ۔ محاذ کو اتنا پھیلا دو کہ مسلمان اس کے مطابق پھیلیں تو ان کی حالت کچے دھاگے کی سی ہو جاتے...... انہیں اپنی تعداد میں جذب کر لو۔ انہیں اپنی تعداد میں گم کر دو۔"

رومیوں کی بادشاہی میں ہنگامہ بپا ہو گیا تھا۔ رومیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہوں میں پادریوں اور پروہتوں نے مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز وعظ شروع کر دیئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اسلام اُن کے مذہبوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا اور انہیں مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑے گا اور یہ ایسا گناہ ہو گا جس کی سزا بڑی بھیانک ہو گی۔

رومیوں کی فوج ایک منظم لشکر تھا۔ ان کے پاس گھوڑوں کی تعداد زیادہ تھی اور ان کے پاس گاڑیاں بھی تھیں جو گھوڑے اور بیل کھینچتے تھے۔ رسد کا انتظام بہت اچھا تھا۔ عبادت گاہوں میں لوگوں نے وعظ سنے تو وہ فوج میں شامل ہونے لگے۔ اس طرح فوج کی تعداد بڑھ گئی۔ حمص کا حاکم وردان جب فوج کے ساتھ اجنادین کو روانہ ہوا اُس وقت فوج کی تعداد نوّے ہزار تھی۔

مسلمانوں کے جاسوسوں نے اس لشکر کو اجنادین کے علاقے میں خیمہ زن ہوتے دیکھا تھا۔ اتنے بڑے اور ایسے منظم لشکر کے مقابلے کے لیے جانا ہی بہت بڑی جرأت تھی، مقابلہ تو بعد کا مسئلہ تھا۔

☆

۲۴ جولائی ۶۳۴ء کے روز خالدؓ اپنی فوج کے ساتھ اجنادین پہنچ گئے۔ وہ بیت المقدس کے جنوب میں پہاڑیوں میں سے گزرے تھے۔ ان پہاڑیوں کے ایک طرف میدان تھا۔ خالدؓ نے وہاں قیام کا حکم دیا۔ تقریباً ایک میل دور رومی فوج خیمہ زن تھی۔ اس کا سالارِ اعلیٰ وردان اور سالار قُبقُلار تھا۔ رُومی فوج تو جیسے انسانوں کا سمندر تھا۔ مسلمانوں کی فوج اس کے مقابلے میں چھوٹا سا دریا لگتی تھی۔

اسلامی فوج کے جو دستے دوسری جگہوں پر تھے وہ آ گئے اور مسلمانوں کی تعداد بتیس ہزار ہو گئی۔ ایک میل کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا۔ مسلمان اونچی جگہوں پر کھڑے ہو کر رومیوں کی خیمہ گاہ کی طرف دیکھتے تھے۔ انہیں حدِ نگاہ تک انسان اور گھوڑے نظر آتے تھے۔ دو تین دنوں بعد خالدؓ کو بتایا گیا کہ فوج میں کچھ گھبراہٹ سی پائی جاتی ہے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ اُن نو ہزار مجاہدین میں ذرا سی بھی گھبراہٹ نہیں تھی جو خالدؓ کے ساتھ تھے۔ وہ عیسائیوں، غسانیوں اور رومیوں کے خلاف لڑتے چلے آ رہے تھے۔ وہ رومیوں کی اتنی زیادہ فوج سے خوفزدہ نہیں تھے۔ دوسرے دستوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے خالدؓ خیمہ گاہ میں گھومنے پھرنے لگے۔ وہ جہاں رُکتے اُن کے ارد گرد مجاہدین کا مجمع لگ جاتا۔ خالدؓ نے سب سے ایک ہی جیسے الفاظ کہے:

"اسلام کے سپاہیو! میں جانتا ہوں تم نے اتنی زیادہ رومی فوج پہلے کبھی نہیں دیکھی لیکن تم اتنی بڑی فوج کو پہلے شکست دے چکے ہو۔ خدا کی قسم، تم ڈر گئے تو ہار جاؤ گے اور اگر تم نے اس لشکر پر فتح پائی تو رومی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔ اپنے اللہ کے نام پر لڑو۔ اسلام کے نام پر لڑو۔ اگر تم نے پسپائی اختیار کی تو دوزخ کی آگ میں جلو گے۔ جب لڑائی شروع ہو جائے تو اپنی صفوں میں بدنظمی پیدا نہ ہونے دینا۔ قدم جما کر رکھنا۔ جب تک میری طرف سے حکم نہ ملے، نہ پیچھے ہٹنا نہ حملہ کرنا..... اللہ تمہارے ساتھ ہے

اور اللہ کے رسولؐ کی روح مقدس تمہیں دیکھ رہی ہے۔"

اُدھر رومیوں کا سالارِ اعلیٰ وردان اپنے کمانڈروں سے کہہ رہا تھا:

"اے رومیو! قیصرِ روم کو شکست کی ذلت سے بچانا تمہارا فرض ہے۔ قیصرِ روم کو تم پر اعتماد ہے۔ اگر تم نے ان عربی مسلمانوں کو فیصلہ کُن شکست نہ دی تو یہ تم پر ہمیشہ کے لیے غالب آ جائیں گے۔ یہ تمہاری بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں کو بے آبرو کریں گے۔ اپنے آپ کو منتشر نہ ہونے دینا۔ صلیب کی مدد مانگو۔ فتح تمہاری ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ ایک کے مقابلے میں تم تین ہو۔"

☆

دو تین دن مزید گزر گئے۔ خالدؓ دشمن کی صحیح تعداد اور کیفیت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ وہ کسی بھی جاسوس کو بھیج سکتے تھے لیکن انہیں جس قسم کی معلومات کی ضرورت تھی، وہ کوئی ذہین اور دلیر آدمی حاصل کر سکتا تھا۔ انہوں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ انہیں کوئی آدمی دیا جاتے۔

"ابن ولید!"— سالار ضرار ابن الازور نے کہا — "کیا میں یہ کام نہیں کر سکوں گا؟ خدا کی قسم، مجھ سے بہتر یہ کام کوئی اور نہیں کر سکے گا۔"

ضرار وہ سالار تھے جنہوں نے بصرہ کے معرکے میں اپنی نہ صرف زرہ اتار پھینکی بلکہ قمیض بھی اتار کر کمر تک برہنہ ہو گئے اور ایسے جوش سے لڑے تھے کہ سارے لشکر کے جوش و جذبے میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔

"ہاں ابن الازور!"— خالدؓ نے کہا — "تمہارے سوا یہ کام اور کون کر سکتا ہے۔ تم ہی بہتر جانتے ہو کہ تمہیں وہاں کیا دیکھنا ہے۔"

ضرار نے قمیض اتار پھینکی اور کمر تک برہنہ ہو گئے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئے تو خالدؓ اور دوسرے سالاروں نے قہقہہ لگایا۔

"خدا حافظ میرے رفیقو!"— ضرار نے ہلکی سی ایڑ لگا کر کہا۔

"اللہ تجھے سلامت رکھے ابن الازور!"— خالدؓ نے کہا۔

رومیوں کی خیمہ گاہ کے قریب ایک اونچی ٹیکری تھی۔ ضرار نے گھوڑا نیچے چھوڑا اور ٹیکری پر چڑھ گئے۔ مسلمانوں اور رومیوں کی خیمہ گاہوں کے درمیان ایک میل علاقہ خالی تھا۔ دونوں فریقین کے گشتی سنتری اس علاقے میں گشت کرتے رہتے تھے۔ یہ سنتری گھوڑ سوار ہوتے تھے۔

ضرار کو رومیوں کے گشتی سوار نہیں دیکھ سکے تھے۔ ضرار ٹیکری پر چڑھے تو دوسری طرف رومیوں کے سنتری موجود تھے۔ اُنہوں نے ضرار کو دیکھ لیا۔ ضرار تیزی سے نیچے اُترے اور کود کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ انہیں پکڑنے کے لیے رومی سوار ٹیکری کے دونوں طرف سے آئے۔ ان کی تعداد (مؤرخوں کے مطابق) تیس تھی۔ ضرار نے گھوڑے کو ایڑ لگائی لیکن گھوڑے کو تیز نہ دوڑایا۔

رومی سواروں نے بھی گھوڑے تیز نہ دوڑائے۔ وہ غالباً محتاط تھے کہ مسلمان سنتری قریب کہیں موجود ہوں گے۔ پھر بھی رومی سواروں نے ضرار کا تعاقب جاری رکھا اور ضرار معمولی رفتار سے چلتے آتے۔ رومی سوار انہیں گھیرے میں لینے کے لیے پھیلتے چلے گئے اور وہ ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے۔

ضرّار ان کے بکھرنے کے ہی منتظر تھے۔ اُن کے پاس برچھی تھی۔ ان کی اپنی خیمہ گاہ قریب آگئی تھی۔ اچانک ضرّار نے گھوڑے کو تیزی سے پیچھے موڑا اور ایڑ لگائی۔ ان کا رخ اُس رومی سوار کی طرف تھا جو ان کے قریب تھا۔ انہوں نے اس رومی پر برچھی کا وار کیا۔ وار بڑا زور دار تھا۔ رومی سنبھل نہ سکا۔ ضرار کا حملہ غیر متوقع تھا۔ یہ سوار گھوڑے سے گر پڑا۔

دوسرے رومی سوار ابھی سمجھ بھی نہ پائے تھے کہ یہ کیا ہُوا ہے کہ ضرّار کی برچھی ایک اور رومی کے پہلو میں اتر چکی تھی۔ تیسرا سوار ضرار کی طرف آیا تو ضرّار کی برچھی میں پرو دیا گیا۔ مسلمانوں کی خیمہ گاہ قریب ہی تھی پھر بھی رومی ضرّار کو گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ ضرّار مانے ہوئے شہسوار تھے۔ وہ رومیوں کے ہاتھ نہیں آرہے تھے۔ رومیوں کی تعداد اب ستائیس تھی۔ ضرار بھاگ نکلنے کی بجائے، انہی میں گھوڑا دوڑاتے اور پینترے بدلتے پھر رہے تھے۔ اُن کی برچھی کا کوئی وار خالی نہیں جاتا تھا۔

واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ ضرّار نے برچھی کے ساتھ ساتھ تلوار بھی استعمال کی تھی۔ ان کی تحریروں کے مطابق ضرّار نے تیس میں سے انیس رومی سواروں کو مار ڈالا تھا۔ ضرّار کو زد میں لینے کی کوشش میں رومی مسلمانوں کی خیمہ گاہ کے اور قریب آگئے تھے۔ بہت سے مسلمان سوار ضرّار کی مدد کو پہنچنے کے لیے تیار ہونے لگے۔ رومیوں نے یہ خطرہ بر وقت بھانپ لیا اور وہ بھاگ گئے۔

ضرّار جب اپنی خیمہ گاہ میں داخل ہوتے تو مجاہدین نے داد و تحسین کا شور و غوغا بپا کر کے اُن کا استقبال کیا لیکن خالدؓ کے سامنے گئے تو خالدؓ کے چہرے پر خفگی تھی۔

"کیا میں نے تجھے کسی اور کام کے لیے نہیں بھیجا تھا؟" — خالدؓ نے درشت لہجے میں کہا — "اور تُو نے دشمن سے لڑائی شروع کر دی۔ کیا تُو نے اپنے فرض کے ساتھ بے انصافی نہیں کی؟"

"ابنِ ولید!" — ضرار بن الازور نے کہا — "خدا کی قسم، تیرے حکم کا اور تیری ناراضگی کا خیال نہ ہوتا تو جو رومی بچ کر نکل گئے ہیں وہ بھی نہ جاتے۔ انہوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔"

اس کے بعد خالدؓ نے کسی کو رومی خیمہ گاہ کی جاسوسی کے لیے نہ بھیجا۔

☆

تین چار دن اور گزر گئے۔ خالدؓ کے لشکر نے آرام کر لیا لیکن خالدؓ کے اپنے شب و روز جاگتے، سوچتے اور خیمے میں ٹہلتے گزرے۔ اپنے سے تین گنا طاقتور دشمن کو شکست دینا تو ذرا دور کی بات ہے اُس کے مقابلے میں اُترنا ہی ایک بہادری تھی، لیکن خالدؓ فتح کے سوا کچھ سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ ہر شام سالاروں اور کمانداروں کو بلا کر ان سے مشورے لیتے اور ہدایات دیتے تھے۔

رومی کیمپ میں کچھ اور ہی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ ان کے سالار قُبقلار کا حوصلہ جواب دے رہا تھا۔ متعدد مؤرخوں نے، خصوصاً واقدی نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔

"میں بڑا ہی خوش قسمت ہوتا اگر میں مسلمانوں کی فوج سے دور رہتا" — قُبقلار نے اپنے سالارِ اعلیٰ وِردان سے کہا — "ایسے نظر آرہا ہے کہ وہ ہم پر غالب آجائیں گے۔"

"ایسی بے معنی بات میں آج پہلی بار سن رہا ہوں" — وِردان نے کہا — "کیا ایک آدمی کبھی تین آدمیوں پر غالب آیا ہے؟"

"ایسا کئی بار ہُوا ہے" — قبقلار نے کہا۔

"ہاں، ایسا کئی بار ہُوا ہے" — وِردان نے کہا — "اور وہ تم جیسے تین آدمی تھے جو میدان میں اُترنے سے پہلے ہی حوصلہ ہار بیٹھے تھے۔"

"کیا وہ ایک آدمی نہیں تھا جس نے ہمارے تیس میں سے انیس سواروں کو مار گرایا ہے؟" — قُبقلار نے کہا — "تیس سوار ایک سوار پر غالب نہیں آسکے۔"

"وہ سپاہی تھے، بزدل تھے" — وِردان نے کہا — "تم سالار ہو۔ تم یہ بھی بھول گئے ہو کہ میدانِ جنگ میں بزدلی کی سزا موت ہے۔ ...لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں ہُوا کیا ہے؟ کیا تم پر مسلمانوں کا جادو چل گیا ہے؟"

"جب سے ایک مسلمان نے ہمارے تیس آدمیوں کا مقابلہ کیا اور انیس کو مار گیا ہے، میں سوچ میں پڑ گیا ہوں کہ اس ایک آدمی میں اتنی طاقت اور اتنی پھرتی کہاں سے آگئی تھی؟" — سالار قبقلار نے کہا — "میں نے ایک عربی عیسائی کو مسلمانوں کے کیمپ میں بھیج رکھا تھا۔ وہ تین چار دن مسلمان بن کر اُن کی خیمہ گاہ میں رہا۔ کل وہ واپس آیا ہے۔ اُس نے جو کچھ بتایا ہے اس سے مجھے پتہ چلا ہے کہ اُن کی طاقت کیا ہے۔"

"اُس نے کیا بتایا ہے؟" — وِردان نے پوچھا۔

"میں اُسے ساتھ لایا ہوں" — قبقلار نے کہا — "ساری بات اُسی سے سن لیں۔"

جاسوس کو بلایا گیا۔ وِردان نے اُس سے پوچھا کہ مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں اُس نے کیا دیکھا ہے۔

"سالارِ اعلیٰ کا رتبہ قیصرِ روم جتنا ہو" — جاسوس نے تعظیم سے کہا — "میں نے اُس خیمہ گاہ میں عجیب لوگ دیکھے ہیں۔ وہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں، ہم جیسے نہیں۔"

"تم اتنے دن اُن کے درمیان کس طرح رہے؟" — وِردان نے پوچھا — "کیا تم پر کسی نے شک نہیں کیا؟"

"میں اُن کی زبان بولتا ہوں" — جاسوس نے جواب دیا — "اُن کے طور طریقے جانتا ہُوں۔ اُن کے مذہب اور اُن کی عبادت سے واقف ہوں۔ وہ اپنی فوج میں آپ کی طرح کسی کو بھرتی نہیں کرتے جو کوئی اُن کی فوج میں شامل ہونا چاہتا ہے، اپنے ہتھیار اور اپنا گھوڑا ساتھ لے کر شامل ہو جاتا ہے۔ میں مسلمان بن کر اُن کی فوج میں شامل ہو گیا تھا...

"میں نے ان مسلمانوں میں کچھ نئے اصول دیکھے ہیں۔ رات کو وہ عبادت گزار ہوتے ہیں اور دن کو ایسے جنگجو جیسے وہ لڑنے مرنے کے سوا کچھ جانتے ہی نہ ہوں۔ اپنے عقیدے کے تحفظ اور اس کے فروغ کے لیے لڑنے اور جان دینے کو یہ اپنا ایمان کہتے ہیں۔ ان کا ہر ایک سپاہی اس طرح باتیں کرتا ہے جیسے وہ کسی سالار کے حکم سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی لڑائی لڑنے آیا ہو۔ وہ سب ایک جیسے ہیں۔ لباس سے سالار اور سپاہی میں فرق معلوم نہیں کیا جا سکتا....

"میں نے ان میں مساوات کے علاوہ انصاف دیکھا ہے۔ اگر ان کے حاکم یا امیر کا بیٹا چوری کرے تو اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتے ہیں۔ اگر وہ کسی عورت کے ساتھ بدکاری کرتے پکڑا جائے تو اُسے

سرِعام کھڑا کر کے پتھر مارتے ہیں حتیٰ کہ وہ مرجاتا ہے۔ یہ لوگ اتنے مطمئن ہیں کہ انہیں کوئی فکر اور کوئی پریشانی نہیں....

"سالارِ اعلیٰ اگر مجھے معاف کر دیں تو کہوں.... ہماری فوج میں وہ وصف نہیں جو میں مسلمانوں میں دیکھ کر آیا ہوں۔ مسلمانوں کا کوئی بادشاہ نہیں۔ ہمارے سپاہی بادشاہ کے حکم سے لڑتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ بادشاہ انہیں دیکھ نہیں رہا تو وہ اپنی جانیں بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلمان ایک خدا کو اپنا بادشاہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔"

مشہور مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ قبقلار بول پڑا۔ اُس نے کہا — "میں کہتا ہوں میں اُس زمین کے نیچے چلا جاؤں جس زمین پر ان سے مقابلہ کرنا پڑے۔ کاش، میں اُن کے قریب نہ جا سکوں، نہ خدا اُن کے خلاف میری نہ میرے خلاف اُن کی مدد کرے۔"

وردان نے قبقلار سے کہا کہ اُسے لڑنا پڑے گا، لیکن قبقلار کا لڑنے کا جذبہ ماند پڑ گیا تھا۔

☆

۲۷ جمادی الاوّل ۱۳ ہجری (۲۹ جولائی ۶۳۴ء) کی شام خالدؓ نے اپنے سالاروں کو آخری ہدایات دیں اور اپنے لشکر کی تقسیم کر دی۔

۲۸ جمادی الاوّل ۱۳ ہجری (۳۰ جولائی ۶۳۴ء) کو مجاہدین نے روزمرہ کی طرح فجر کی نماز باجماعت پڑھی۔ سب نے گڑگڑا کر بڑے ہی جذباتی انداز میں دعائیں مانگیں۔ بہت سے ایسے تھے جن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان میں سے نہ جانے کس کس کی یہ آخری نماز تھی۔ نماز کے فوراً بعد انہیں اپنے اپنے دستوں کے ساتھ اُن جگہوں پر چلے جانا تھا جو اُن کے لیے گذشتہ رات مقرر کی گئی تھیں۔

سورج نکلنے سے پہلے پہلے خالدؓ کا لشکر اپنی جگہوں پر پہنچ چکا تھا۔ رومیوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ اپنی اتنی زیادہ تعداد کے بل بوتے پر اتنا پھیل جائیں گے کہ مسلمان اتنا پھیلے تو اُن کی صفوں میں شگاف پڑ جائیں گے لیکن خالدؓ نے تعداد کی قلت کے باوجود محاذ پانچ میل لمبا بنا دیا۔ اس سے یہ خطرہ ختم ہو گیا کہ رومی پہلوؤں میں جا کر یا پہلوؤں سے عقب میں جا کر حملہ کریں گے۔

خالدؓ نے دوسری دانشمندی یہ کی کہ اپنے لشکر کا منہ مغرب کی طرف رکھا تاکہ سورج اُن کے پیچھے اور رومیوں کے سامنے رہے اور وہ آنکھوں میں سورج کی چمک پڑنے کی وجہ سے آنکھوں کو کھول نہ سکیں۔

حسبِ معمول خالدؓ نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک پہلو کے دستوں کے سالار سعید بن عامر تھے، دوسرے کے امیر المومنین ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن اور قلب کی کمان معاذ بن جبل کے پاس تھی۔ خالدؓ نے دونوں پہلوؤں کے دستوں کی حفاظت کا یا مشکل کے وقت اُن کی مدد کو پہنچنے کا یہ اہتمام کیا تھا کہ ان دستوں کے آگے ایک ایک دستہ کھڑا کر دیا تھا۔

چار ہزار نفری جس کے سالار یزید بن ابی سفیان تھے، خالدؓ نے قلب کے عقب میں محفوظہ کے طور پر رکھ لی۔ وہاں اس نفری کی موجودگی اس لیے بھی ضروری تھی کہ وہاں عورتیں اور بچے تھے۔

خالدؓ نے سالاری کے رُتبے کے افراد کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ مقصد یہ تھا کہ جہاں کہیں سالار کی

ضرورت پڑے، ان میں سے ایک کو وہاں بھیج دیا جائے۔ یہ چاروں بڑے قابل اور تجربہ کار سالار تھے۔ یہ تھے، عمرؓ کے بیٹے عبداللہ، عمرو بن العاص، ضرار بن الازور اور رافع بن عمیرہ۔

سورج طلوع ہُوا تو رومی سنتریوں نے اپنے سالاروں کو اطلاع دی کہ مسلمان جنگی ترتیب میں تیار ہو گئے ہیں۔ رومیوں کے اجتماع میں ہڑبونگ مچ گئی۔ ان کا یہ خدشہ بجا تھا کہ مسلمان حملہ کر دیں گے۔ رومی سالاروں نے بڑی تیزی سے اپنے لشکر کو تیار کیا اور مسلمانوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان فاصلہ تقریباً چار فرلانگ تھا۔

خالدؓ نے اپنے محاذ کو کم و بیش پانچ میل لمبا کر دیا تھا۔ رومی اپنے لشکر کو اس سے زیادہ پھیلا سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے محاذ کی لمبائی تقریباً اتنی ہی رکھی جتنی خالدؓ نے رکھی تھی۔ اس سے خالدؓ کا یہ مسئلہ تو حل ہو گیا کہ رومی مسلمانوں کے پہلوؤں کے لیے خطرہ نہ بن سکے لیکن رومی لشکر کی گہرائی زیادہ بلکہ بہت زیادہ تھی۔ دستوں کے پیچھے دستے اور ان کے پیچھے دستے تھے۔ مسلمانوں کے لیے اُن کی صفیں توڑنا تقریباً ناممکن تھا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رومیوں کا لشکر جب اس ترتیب میں آیا تو دیکھنے والوں پر ہیبت طاری کرتا تھا۔ بہت سی صلیبیں جن میں کچھ بڑی اور کچھ ذرا چھوٹی تھیں، اس لشکر میں سے اوپر کو اُبھری ہُوئی تھیں اور کئی رنگوں کے جھنڈے اوپر کو اُٹھے ہُوئے لہرا رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی فوج نہایت معمولی اور بے رعب سی لگتی تھی۔

رومیوں کا سالار وردان اور سالار قبقلار اپنے لشکر کے قلب کے سامنے گھوڑوں پر سوار کھڑے تھے۔ اِن کے ساتھ ان کے محافظوں کا ایک ایک دستہ تھا جو لباس وغیرہ سے بڑی شان والے لگتے تھے۔

☆

رومیوں کی تعداد اور اُن کے ظاہری جاہ و جلال کو دیکھ کر خالدؓ نے محسوس کیا ہو گا کہ اُن کے مجاہدین پر رومیوں کا ایسا اثر ہو سکتا ہے کہ ان کا جذبہ ذرا کمزور ہو جاتے۔ شاید اسی لیے خالدؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھوڑے کا رُخ اپنی فوج کے ایک سرے کی طرف کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اپنا محاذ اتنا زیادہ پھیلایا تھا۔ انہوں نے گھوڑا ایک پہلو کے دستے کے سامنے جا روکا۔

"یاد رکھنا کہ تم اُس اللہ کے نام پر لڑنے آئے ہو جس نے تمھیں زندگی عطا کی ہے" — خالدؓ نے ایک ہاتھ اور اس ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی آسمان کی طرف کر کے انتہائی بلند آواز میں کہا — "اللہ کسی اور طریقے سے بھی اپنی دی ہوئی زندگی تم سے واپس لے سکتا ہے۔ اللہ نے تمھارے ساتھ ایک رشتہ قائم کر رکھا ہے۔ کیا یہ اچھا نہیں کہ تم اللہ کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دو؟ اللہ اس کا اجر دے گا۔ ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے کہ تم تھوڑے تھے اور تمھارا مقابلہ اُس دشمن سے ہُوا کہ جو تم سے دوگُنا اور تین گُنا تھا اور اتنا طاقتور دشمن تمھاری ضرب سے اس طرح بھاگا جس طرح بکری شیر کو اور بھیڑ بھیڑیئے کو دیکھ کر بھاگتی ہے.... رومیوں کی ظاہری شان و شوکت کو نہ دیکھو۔ شان و شوکت ایمان والوں کی ہوتی ہے۔ جاہ و جلال اُن کا ہے جن کے ساتھ اللہ ہے۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے۔ آج اپنے اللہ پر اور اللہ کے رسولؐ کی رُوح پر ثابت کر دو کہ تم باطل کے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے والے ہو۔"

یہ تو جذباتی باتیں تھیں جو خالدؓ نے کیں اور ان کا اثر وہی ہُوا جو ہونا چاہیئے تھا، خالدؓ نے ان باتوں

کے علاوہ کچھ ہدایات دیں۔ مؤرخوں نے ان کے صحیح الفاظ لکھے ہیں:

"جب آگے بڑھ کر حملہ کرو تو مل کر دشمن پر دباؤ ڈالو جیسے ایک دیوار بڑھ رہی ہو۔ جب تیر چلاؤ تو سب کے تیر اکٹھے کمانوں سے نکلیں اور دشمن پر بوچھاڑ کی طرح گریں۔ دشمن کو اپنے ساتھ بہا لے جاؤ۔"

خالدؓ تمام دستوں کے سامنے رُکے اور یہی الفاظ کہے۔ اس کے بعد وہ عقب میں عورتوں کے پاس چلے گئے۔

"دعا کرتی رہنا اپنے خاوندوں کے لیے، اپنے بھائیوں اور اپنے باپوں کے لیے!" — خالدؓ نے عورتوں سے کہا — "تم دیکھ رہی ہو کہ دشمن کی تعداد کتنی زیادہ ہے اور ہم کتنے تھوڑے ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ دشمن ہماری صفوں کو توڑ کر پیچھے آ جائے۔ خدا کی قسم! مجھے پوری امید ہے کہ اپنی عزت اور اپنی جانیں بچانے کے لیے تم مردوں کی طرح لڑو گی ہم انہیں تم تک نہیں پہنچنے دیں گے لیکن وہ سب کچھ ہو سکتا ہے جو ہم نہیں چاہتے کہ ہو جائے۔"

"ولید کے بیٹے!" — ایک عورت نے کہا — "کیا وجہ ہے کہ ہمیں آگے جا کر لڑنے کی اجازت نہیں؟"

"مرد زندہ ہوں تو عورت کیوں لڑے!" — خالدؓ نے کہا — "اور اپنے آپ کو بچانے کے لیے لڑنا تم پر فرض ہے اور تم پر فرض ہے کہ مرد تھوڑے رہ جائیں، دشمن غالب آ رہا ہو تو آگے بڑھو اور مردوں کی طرح لڑو اور اپنے اوپر غیر مرد کا غلبہ قبول نہ کرو۔"

یہ پہلا موقع تھا کہ خالدؓ نے عورتوں کو بھی دشمن سے خبردار کیا اور انہیں اپنے دفاع میں لڑنے کے لیے تیار کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں خاصی تشویش تھی۔ انہوں نے کسریٰ کی فوجوں کو شکست پہ شکست دی تھی لیکن رومی فارسیوں کی نسبت زیادہ منظم اور طاقت ور تھے۔ خالدؓ کے سامنے یقیناً یہ پہلو بھی ہو گا کہ مجاہدین کو گھروں سے نکلے خاصا عرصہ گزر چکا تھا اور وہ مسلسل لڑائیوں کے تھکے ہوئے بھی تھے۔ انہیں اپنے اللہ پر، اللہ کی دی ہوئی روحانی طاقتوں اور ایمان پر بھروسہ تھا۔

دونوں فوجیں لڑائی کے لیے تیار ہو گئیں۔

☆

رومیوں کی طرف سے ایک معمّر پادری آگے آیا اور مسلمانوں سے کچھ دور آ کر رُک گیا۔

"اے مسلمانو!" — اُس نے بلند آواز سے کہا — "تم میں کوئی ایسا ہے جو میرے پاس آ کر بات کرے؟"

خالدؓ نے اپنے گھوڑے کی لگام کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور پادری کے سامنے جا گھوڑا روکا۔

"تم سالار ہو" — بوڑھے پادری نے کہا — "کیا تم میں مجھ جیسا کوئی مذہبی پیشوا نہیں؟"

"نہیں!" — خالدؓ نے جواب دیا — "ہمارے ساتھ کوئی مذہبی پیشوا نہیں ہوتا۔ سالار ہی امام ہوتا ہے۔ میں سپہ سالار ہوں اور میں معزز پادری کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ میں اُس وقت تک سپہ سالار رہوں گا جب تک میری قوم اور میری فوج چاہے گی۔ اگر میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کے احکام اور اُس کے رسولؐ کے فرمان سے انحراف کروں گا تو مجھے سپہ سالار نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اگر اس حالت میں بھی سپہ سالار رہوں گا تو سپاہیوں کو حق حاصل ہے کہ وہ میرا کوئی حکم نہ مانیں۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ معمّر پادری پر خاموشی طاری ہو گئی اور وہ کچھ دیر خالدؓ کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔

"شاید یہی وجہ ہے" — پادری نے ذرا دبی زبان میں کہا — "یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ فتح ہمیشہ تمہاری ہوتی ہے۔"

"وہ بات کر معزّز پادری جو تُو کرنے آیا ہے" — خالدؓ نے کہا۔

"ہاں!" — پادری نے جیسے بیدار ہو کر کہا — "اے عرب سے فتح کی امید لے کر آنے والے! کیا تُو نہیں جانتا کہ جس زمین پر تُو فوج لے کر آیا ہے، اس پر کسی بادشاہ کو کبھی پاؤں رکھنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی؟ تُو اپنے آپ کو کیا سمجھ کر یہاں آ گیا ہے! فارسی آتے تھے لیکن اُن پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بھاگ گئے۔ کئی دوسرے بھی آئے تھے۔ وہ بڑی بہادری سے لڑے تھے لیکن ناکامی اور مایوسی کے سوا اُنہیں کچھ حاصل نہ ہُوا اور وہ چلے گئے ..... تجھے ہمارے خلاف کچھ کامیابیاں حاصل ہُوئی ہیں لیکن یہ خیال دماغ سے نکال دے کہ ہر میدان میں تُو فتح ہی پائے گا۔"

مؤرخوں کے مطابق، خالدؓ خاموشی سے سن رہے تھے اور بوڑھا پادری پُراثر لہجے میں بول رہا تھا۔

"میرا سپہ سالار وِردان جو میرا آقا ہے، تجھ پر کرم اور نوازش کرنا چاہتا ہے" — پادری کہہ رہا تھا — "اس سے بڑی نوازش اور کیا ہو گی کہ اُس نے تیری فوج کو کاٹ دینے کی بجائے مجھے یہ پیغام دے کر تیرے پاس بھیجا ہے کہ اپنی فوج کو ہمارے ملک سے واپس لے جا۔ میرا آقا تیرے ہر سپاہی کو ایک دینار، ایک قبا اور ایک عمامہ دے گا اور تجھے ایک سو عمامے، ایک سو قبائیں اور ایک سو دینار عطا کرے گا۔ تیرے لیے یہ فیاضی معمولی نہیں۔ کیا تُو دیکھ نہیں رہا کہ ہمارا لشکر ریت کے ذرّوں کی طرح بے حساب ہے؟ تُو جن فوجوں سے لڑ چکا ہے، ہماری فوج اُن فوجوں جیسی نہیں۔ تُو نہیں جانتا کہ اس فوج کے سر پر قیصرِ روم کا ہاتھ ہے اس نے منجھے ہُوئے تجربہ کار سالار اور چوٹی کے پادری اس فوج کو دیئے ہیں .... بول ... تیرا کیا جواب ہے؟ انعام چاہتا ہے یا اپنی اور اپنی فوج کی تباہی؟"

"دو میں سے ایک!" — خالدؓ نے جواب دیا — "میری دو شرطوں میں سے ایک پوری کر دو تو میں اپنی فوج کو لے کر چلا جاؤں گا .... اپنے آقا سے کہو کہ اسلام قبول کر لو یا جزیہ ادا کرو۔ اگر نہیں تو ہماری تلواریں فیصلہ کریں گی۔ میں تیرے آقا کے کہنے پر واپس نہیں جاؤں گا .... تیرے آقا نے جو دینار، قبائیں اور عمامے پیش کیے ہیں وہ تو ہم وصول کر ہی لیں گے۔"

"ایک بار پھر سوچ عربی سالار!"

"عرب کے سالار نے سوچ کر جواب دیا ہے" — خالدؓ نے کہا — "جا، اپنے آقا تک میرا جواب پہنچا دے۔"

☆

بوڑھے پادری نے رومی سپہ سالار وِردان کو خالدؓ کا جواب دیا۔

"عرب کے ڈاکوؤں کی یہ جرأت؟" — وِردان نے غصے سے پھٹتے ہُوئے کہا — "کیا وہ نہیں جانتے کہ میں ان سب کو ایک ہی ہلّے میں ختم کر سکتا ہوں؟" — اُس نے اپنی سپاہ کی طرف گھوڑا گھما کر حکم دیا — "تیر انداز آگے جائیں اور ان بدبختوں کو فنا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ فلاخن بھی آگے لے آؤ۔"

تیر انداز آگے آئے تو مسلمانوں کے قلب کے سالار معاذ بن جبل نے اپنے دستوں کو حملے کی تیاری کا حکم دیا۔

"ٹھہر جا ابن جبل!۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔" جب تک میں نہ کہوں حملہ نہ کرنا۔ سورج سر پر آکر آگے جانے لگے گا تو ہم حملہ کریں گے۔"

"ابن ولید!۔۔۔ معاذ بن جبل نے کہا۔" کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ ان کی کمانیں ہم سے اچھی اور بڑی ہیں جو بہت دور تک تیر پھینک سکتی ہیں؟ وہ ہمارے تیر اندازوں کی زد سے دور ہیں۔ میں ان تیر اندازوں پر حملہ کر کے انہیں بیکار کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے فلاخن دیکھو۔ یہ پتھر برسائیں گے۔"

"رومی ترتیب میں کھڑے ہیں"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔" ہم نے حملے میں پہل کی تو ہمیں پسپا ہونا پڑے گا۔ ان کی ترتیب ذرا اکھڑنے دو۔ ان کا کوئی نہ کوئی کمزور پہلو ہمارے سامنے آجاتے گا۔"

رومیوں نے کچھ دیر انتظار کیا۔ مسلمانوں نے کوئی حرکت نہ کی تو ورداں کے حکم پر اُس کے تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑیں پھینکنی شروع کر دیں اور فلاخن سے وہ پتھر پھینکنے لگے۔ کئی مسلمان شہید اور زخمی ہو گئے۔ خالدؓ نے یہ نقصان دیکھ کر بھی حملے کا حکم نہ دیا۔ رومی تیر اندازوں کو تیروں سے موثر جواب نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ مسلمانوں کی کمانیں نسبتاً چھوٹی ہونے کی وجہ سے دور تک تیر نہیں پھینک سکتی تھیں۔

اُدھر سے تیر اور پتھر آتے رہے تب مسلمانوں میں ہیجان اور اضطراب نظر آنے لگا۔ وہ حملہ کرنا چاہتے تھے لیکن انہیں حکم نہیں مل رہا تھا۔ سالار ضرار بن الازور دوڑے دوڑے خالدؓ کے پاس گئے۔

"ابن ولید!۔۔۔ ضرار نے خالدؓ سے کہا۔" تو کیا سوچ رہا ہے؟ کیا تو دشمن کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ ہم اُس سے ڈر گئے ہیں؟۔۔۔۔ اگر اللہ ہمارے ساتھ ہے تو مت سوچ! حملے کا حکم دے۔"

خالدؓ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ یہ اطمینان اور سکون کی مسکراہٹ تھی۔ اُن کے سالار اور سپاہی پسپائی کی بجائے حملے کی اجازت مانگ رہے تھے۔

"ابن الازور!۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔" تو آگے جا کر دشمن کو مقابلے کے لیے للکار سکتا ہے۔"

ضرار نے زرہ اور خود پہن رکھی تھی۔ اُن کے ایک ہاتھ میں چمڑے کی ڈھال اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔ انہوں نے پچھلے ایک معرکے میں یہ ڈھال ایک رومی سے چھینی تھی۔ ضرار آگے گئے تو رومی تیر اندازوں نے اپنے سالار کے حکم سے کمانیں نیچے کر لیں۔

☆

یہ اُس زمانے کا رواج تھا کہ فوجوں کی لڑائی سے پہلے دونوں فوجوں میں سے کسی ایک کا ایک آدمی اپنے دشمن کو انفرادی مقابلے کے لیے للکارتا تھا۔ اُدھر سے ایک آدمی آگے آتا اور دونوں زندگی اور موت کا معرکہ لڑتے تھے۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوتی تھی۔ مقابلے کے لیے للکارنے والا اپنے دشمن کو توہین آمیز باتیں کہتا تھا۔

ضرار بن الازور رومیوں کے سامنے گئے اور انہیں للکارا:

"میں سفید چمڑی والوں کے لیے موت کا پیغام لایا ہوں
رومیو! میں تمہارا قاتل ہوں
میں خدا کا قہر بن کر تم پر گروں گا
میرا نام ضرار بن الازور ہے۔"

رومیوں کی طرف سے ایک آدمی کو ضرار کے مقابلے کے لیے آنا تھا لیکن چار پانچ رومی سوار آگے آگئے۔ ضرار نے پہلے اپنی خود اتاری پھر زرہ اتاری پھر قمیص بھی اتار دی اور کمر تک برہنہ ہو گئے۔ تب اُن رومیوں نے انہیں پہچانا جو بصرہ میں انہیں اس حالت میں لڑتے دیکھ چکے تھے اور وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ اس شخص میں جنات جیسی پھرتی اور طاقت ہے۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ ضرار ایک سے زیادہ آدمیوں کا مقابلہ کرنے کی خصوصی مہارت رکھتے تھے۔

ضرار کے مقابلے میں جو رومی آئے تھے ان میں دو سالار بھی تھے۔ ایک طبریہ کا اور دوسرا عمان کا حاکم یا امیر تھا۔ باقی بھی کوئی عام سپاہی نہیں تھے۔ وہ کمانڈروں کے رتبے کے تھے۔ انہوں نے ضرار کو گھیرے میں لینے کے لیے گھوڑوں کے رخ موڑ سے۔ ضرار نے اچانک گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جب وہ عمان کے حاکم کے قریب سے گزر گئے تو یہ سالار اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر ہی دوہرا ہو گیا پھر گھوڑے سے لڑھک کر نیچے جا پڑا۔ ضرار کی تلوار اُس کے پہلو سے اُس کے جسم میں گہری اتر گئی تھی۔

حیران کن پھرتی سے ضرار کا گھوڑا مڑا اور ایک اور رومی اُن کی تلوار سے کٹ کر گرا۔ ضرار ایسی چال چلتے اور ایسا پینترا بدلتے تھے کہ رومی سواروں کے دو تین گھوڑے آپس میں ٹکرا جاتے یا ایک دوسرے کے آگے آجاتے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ضرار ان میں سے ایک کو تلوار سے کاٹ جاتے تھے۔

کوئی رومی سوار گرتا تھا تو مسلمان بڑے جوش سے نعرے لگاتے تھے۔ ضرار کا یہ عالم تھا جیسے اُن میں مافوق الفطرت طاقت آگئی ہو۔ اپنے مقابلے میں آنے والے رومیوں میں سے زیادہ تر کو انہوں نے گرا دیا۔ ان میں ایک دو ایسے بھی تھے جنہیں مہلک زخم نہیں آئے تھے لیکن وہ دوڑتے گھوڑوں کے قدموں تلے کچلے گئے۔ دو رومی سوار بھاگ کر اپنے لشکر میں چلے گئے۔

ضرار فاتحانہ انداز سے خون ٹپکاتی تلوار کو لہراتے اور رومیوں کو للکار رہے تھے:

"میں سفید چمڑی والوں کا قاتل ہوں۔۔۔۔ رومیو! میری تلوار تمہارے خون کی پیاسی ہے۔"

مورخوں (واقدی، ابن ہشام اور طبری) نے لکھا ہے کہ دس رومی سوار گھوڑے دوڑاتے آگے آئے۔ یہ سب سالاری سے ذرا نیچے کے عہدوں کے رومی تھے۔ خالدؓ نے جب دس سواروں کو آگے آتے دیکھا تو اپنے محافظ دستے میں سے انہوں نے دس سوار منتخب کیے اور انہیں آگے لے گئے۔

رومی سوار ضرار کی طرف آرہے تھے۔ خالدؓ نے نعرہ لگایا۔" خدا کی قسم، ضرار کو اکیلا نہیں چھوڑوں گا"۔۔۔ اس کے ساتھ انہوں نے اپنے دس سواروں کو اشارہ کر کے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ دس سوار اُن کے ساتھ گئے۔ رومی سواروں کی نظریں ضرار پر لگی ہوئی تھیں۔ خالدؓ اور ان کے سوار رومی سواروں پر جا جھپٹے۔ ضرار کی تلوار بھی حرکت میں آگئی۔ رومیوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن خالدؓ اور اُن کے سواروں کی تیزی اور تندی نے رومیوں کی ایک نہ چلنے دی اور سب کٹ گئے۔

رومی سالاروں نے اسے اپنی بے عزتی سمجھا اور مزید آدمیوں کو انفرادی مقابلوں کے لیے آگے بھیجنے لگے۔ ضرار نے ان میں سے دو تین کو ہلاک کر دیا۔ مقابلے کے لیے آگے آنے والے ہر رومی کے ساتھ ضرار ہی مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن خالدؓ نے انہیں پیچھے بلا لیا اور دوسرے مجاہدین (تاریخوں میں ان کے نام نہیں) کو باری باری آگے بھیجا۔ ہر مقابلے میں مجاہدین فاتح رہے۔ دونوں فوجوں کے درمیان

بہت سے رومیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔

مؤرخوں کے مطابق، یہ مقابلے کم و بیش دو گھنٹے جاری رہے اور سورج اُس مقام پر آ گیا جس مقام پر خالدؓ چاہتے تھے کہ آ جائے تو حملہ کریں گے۔

☆

مقابلوں کے دوران تیر انداز اور فلاخن سے پتھر پھینکنے والے خاموش کھڑے تھے۔ مقابلہ ابھی جاری تھا۔ خالدؓ نے حملے کا حکم دے دیا۔ یہ عام قسم کا حملہ تھا جسے ہلّہ یا چارج کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے رومی تیر انداز اور فلاخن بہت بڑی رکاوٹ تھے۔ انہیں خاموش دیکھ کر خالدؓ نے حملہ کیا تھا۔ حملہ اتنا زوردار تھا اور مجاہدین میں اتنا قہر بھرا ہُوا تھا کہ رومی سالارِ اعلیٰ وِردان کو کوئی چال چلنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ وہ اپنے لشکر کے آگے کھڑا مقابلے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے پیچھے کو بھاگ کر اپنی جان بچائی۔

☆

توقع تو یہ تھی کہ وِردان اپنی تعداد کی افراط کے بل بوتے پر اپنے پہلوؤں کو آگے بڑھا کر خالدؓ کے پہلوؤں سے آگے نکلنے اور عقب میں آنے کی کوشش کرے گا لیکن اُسے اتنی ہوش نہیں تھی۔ اُس نے اپنے لشکر کو پھیلانے کی بجائے اس کی گہرائی زیادہ کر دی تھی یعنی دستوں کے پیچھے دستے رکھے تھے۔ اُس کی یہ ترتیب بڑی اچھی تھی لیکن خالدؓ کی چال نے اُس کی ترتیب کو اُس کے لیے ایک مسئلہ بنا دیا۔

مسلمان دستوں نے سامنے سے حملہ کیا تو رومیوں کے اگلے دستے پیچھے ہٹنے لگے۔ پچھلے دستوں کو اور پیچھے ہونا پڑا۔ پھر ان کی ترتیب گڈمڈ ہو گئی۔ مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔ یہ بڑا ہی شدید معرکہ تھا اور بڑا ہی خونریز۔

سورج مغرب کی سمت ڈھل گیا تھا۔ خالدؓ نے محسوس کیا کہ مجاہدین تھک گئے ہوں گے۔ انہوں نے مجاہدین کو معرکے سے نکلنے کا حکم دیا۔ ایسے لگا جیسے رومی سالار بھی یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے دستوں کو پیچھے ہٹانا بہتر سمجھا۔ جب دونوں فوجیں پیچھے ہٹیں تو پتہ چلا کہ رومی ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے ہیں اور زخمیوں کی تعداد بھی بے شمار ہے۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کا نقصان بہت ہی تھوڑا تھا۔

سورج غروب ہونے کو تھا اس لیے دونوں میں سے کوئی بھی فوج حملہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس طرح پہلے روز کی جنگ ختم ہو گئی۔

☆

رات کو دونوں فوجوں کے سالاروں نے اپنے اپنے نائب سالاروں وغیرہ کو بلایا اور اپنے اپنے نقصان کا جائزہ لینے لگے اور اگلی کارروائی کے متعلق سوچنے لگے۔ رومیوں کے سالارِ اعلیٰ وِردان کی کانفرنس میں گرما گرمی زیادہ تھی۔ وِردان نے صاف کہہ دیا کہ جنگ کی یہی صورتِ حال رہی جو آج ہو گئی تھی تو نتیجہ ظاہر ہے کیا ہو گا اور اس نتیجے کا نتیجہ کیا ہو گا۔

"کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا؟" ـــــ وِردان کے سالار قُبقلار نے کہا ـــــ "میں اب بھی کہتا ہوں کہ اور زیادہ سوچو اور وجہ معلوم کرو کہ ہر میدان میں فتح مسلمانوں کی ہی کیوں ہوتی ہے اور وہی خوبی ہماری فوج میں کیوں پیدا نہیں ہوتی۔ آج کی لڑائی دیکھ کر مجھے اپنی فتح مشکوک نظر آنے لگی ہے۔"

"کیا تُو یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہم میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں؟" ـــــ وِردان نے کہا ـــــ "میں تم سب کو کہتا ہوں کہ اپنی اپنی رائے اور مشورہ دو کہ ہم مسلمانوں کو کس طرح شکست دے سکتے ہیں۔"

قبقلار کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے کچھ بھی نہ کہا اور دوسرے سالار اپنی آراء اور مشورے دینے لگے۔ ان سالاروں کے مشورے مختلف تھے لیکن ایک بات مشترک تھی۔ سب کہتے تھے کہ مسلمانوں کو شکست دینی ہے اور ایسی شکست کہ ان میں سے زندہ وہی رہے جو جنگی قیدی ہو۔

"اگر خالدؓ ان کا سالار نہ ہو تو انہیں شکست دینا آسان ہو جائے" ـــــ ایک سالار نے کہا ـــــ "وہ جدھر جاتا ہے، اُس کی شہرت اور دہشت اُس کے آگے آگے جاتی ہے۔ ہمیں تسلیم کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے اس سالار میں اتنی زیادہ جنگی مہارت ہے جو بہت کم سالاروں میں ہوتی ہے..... میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔"

سب متوجہ ہُوئے۔

"مسلمانوں کو خالدؓ سے محروم کر دیا جائے" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے..... قتل!"

"کل کی لڑائی میں اسے قتل کرنے کی کوشش کی جائے گی" ـــــ وِردان نے کہا ـــــ "یہ مشورہ کوئی مشورہ نہیں۔"

"لڑائی میں ابھی تک اُسے کوئی قتل نہیں کر سکا" ـــــ مشورہ دینے والے سالار نے کہا ـــــ "میری تجویز یہ ہے کہ ہماری طرف سے ایک ایلچی خالدؓ کے پاس جائے اور کہے کہ ہم مزید خون خرابہ روکنا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس آؤ اور ہمارے ساتھ بات چیت طے کر لو۔ وہ جب ہمارے سالارِ اعلیٰ وِردان سے ملنے آ رہا ہو تو کم از کم دس آدمی راستے میں گھات میں بیٹھے ہُوئے ہوں۔ وہ خالدؓ کو اس طرح قتل کریں کہ اُس کے جسم کی بوٹی بوٹی کر دیں۔"

"بہت اچھی تجویز ہے" ـــــ وِردان نے کہا ـــــ "میں ابھی اس کا بندوبست کرتا ہوں..... داؤد کو بلاؤ۔"

تھوڑی ہی دیر بعد ایک عیسائی جس کا تاریخوں میں نام داؤد لکھا ہے وِردان کے سامنے کھڑا تھا۔

"داؤد!" ـــــ وِردان نے اس عیسائی عرب سے کہا ـــــ "ابھی مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں جاؤ اور ان کے سپہ سالار خالدؓ بن ولید کو ڈھونڈ کر اُسے بتانا کہ میں رومیوں کے سالار کا ایلچی ہُوں۔ اُسے میری طرف سے یہ پیغام دینا کہ ہم اُس کے ساتھ صلح کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے پاس کل صبح آئے اور ہمارے ساتھ بات کرے کہ کن شرائط پر صلح ہو سکتی ہے۔ اُسے یہ بھی کہنا کہ اس بات چیت میں صرف وہ اور میں اکیلے ہوں گے۔ ہم دونوں کے ساتھ ایک بھی محافظ نہیں ہو گا۔"

داؤد معمولی آدمی نہیں تھا نہ وہ فوجی تھا۔ وہ قیصرِ روم کا ایک طرح کا نمائندہ تھا اور اُس کا رُتبہ وِردان سے ذرا ہی کم تھا۔

"وِردان!" ـــــ داؤد نے کہا ـــــ "میرا خیال ہے کہ تم قیصرِ روم کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ کیا شہنشاہِ ہرقل نے یہ حکم نہیں بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دو؟ میں سمجھ نہیں سکتا کہ تم صلح اور شرائط کی بات کس کے حکم سے کر رہے ہو..... میں صلح کا پیغام لے کر نہیں جاؤں گا۔"

"پھر تمہیں اپنے راز میں شریک کرنا پڑے گا" ـــــ وِردان نے کہا ـــــ "میں مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا ہی منصوبہ بنا رہا ہوں۔ میں خالدؓ بن ولید کو صلح کا دھوکا دے رہا ہوں۔ وہ اگر آ گیا تو مجھ تک اُس کی لاش

پہنچے گی۔ میں نے راستے میں اُس کے قتل کا انتظام کر رکھا ہے۔"

"اگر یہ کام کرنا ہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں" — داؤد نے کہا — "میں ابھی جاتا ہوں۔"

☆

داؤد مسلمانوں کے کیمپ میں چلا گیا۔ ہر طرف چھوٹی بڑی مشعلیں جل رہی تھیں۔ داؤد نے اپنا تعارف کرایا کہ وہ رومیوں کا ایلچی ہے اور اُن کے سپہ سالار کے لیے پیغام لایا ہے۔ اُسے اُسی وقت خالدؓ کے خیمے تک پہنچا دیا گیا۔ داؤد آداب بجا لایا اور اپنا تعارف کرا کے وِردان کا پیغام دیا۔

خیمے میں مشعلوں کی روشنی تھی۔ خالدؓ نے داؤد سے اتنا بھی نہ کہا کہ وہ بیٹھ جائے۔ وہ خالدؓ کے سامنے کھڑا رہا۔ خالدؓ آہستہ آہستہ اُٹھے اور اُس کے تھوڑا اور قریب چلے گئے۔ اُن کی نظریں داؤد کی آنکھوں میں گڑ گئی تھیں۔ اُنہوں نے داؤد سے کچھ بھی نہ کہا اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے۔ خالدؓ دراز قد اور قوی ہیکل تھے۔ اُن کی شخصیت کا پرتو اُن کی آنکھوں کی چمک میں تھا۔ اُس دور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ کی آنکھوں کا سامنا کوئی مضبوط دل گردے والا ہی کر سکتا تھا۔ یہ ایمان کا جلال تھا اور آنکھوں کی اس چمک میں عشقِ رسولؐ رچا بسا تھا۔ اس کے علاوہ خالدؓ شام کے علاقے میں خوف و ہراس کا ایک نام بن گیا تھا۔

خالدؓ داؤد کو دیکھے جا رہے تھے۔ داؤد کا ضمیر مجرمانہ تھا۔ وہ خالدؓ کی نظروں کی تاب نہ لا سکا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ خالدؓ کے چہرے پر ایک یا دو زخموں کے نشان تھے جن سے ان کا چہرہ بگڑا تو نہیں تھا لیکن زخموں کے نشانات کا اپنا ایک تاثر تھا جو داؤد کے لیے غالباً دہشت ناک بن گیا تھا۔

"اے عربی سالار!" — داؤد بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا — "میں فوجی نہیں ہوں میں ایلچی ہوں"

"سچ بول داؤد!" — خالدؓ نے اُس کے اور قریب آ کر کہا — "تو ایک جھوٹ بول چکا ہے۔ اب سچ بول اور اپنی جان سلامت لے جا۔"

داؤد خالدؓ کے سامنے کھڑا چھوٹا سا آدمی لگتا تھا حالانکہ قد اُس کا بھی کچھ کم نہیں تھا۔

"اے عربی سالار!" — داؤد نے اپنے جھوٹ کو دُہرایا — "میں صلح کا پیغام لے کر آیا ہوں اور اس میں کوئی دھوکا نہیں۔"

"اگر تو دھوکا دینے آیا ہے تو میری بات سن لے" — خالدؓ نے کہا — "جتنی مکّاری اور عیّاری ہم لوگوں میں ہے اتنی تم میں نہیں۔ مکر و فریب میں ہمیں کوئی مات نہیں دے سکتا۔ اگر تمہارے سپہ سالار وِردان نے کوئی فریب کاری سوچی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رومیوں کی تباہی کا عمل اُس سے تیز ہو جائے گا جتنا میں نے سوچا تھا..... اور اگر اُس نے سچی نیّت سے صلح کا پیغام بھیجا ہے تو جاؤ اُسے کہو کہ جزیہ ادا کر دے پھر ہم صلح کر لیں گے۔"

داؤد میں اتنی سی بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ کوئی اور بات کرتا۔ وہ آداب بجا لا کر چل پڑا۔ خیمے کے دروازے میں جا کر پیچھے دیکھا۔ خالدؓ کی نظریں ابھی تک اُسے گھور رہی تھیں۔ داؤد نے منہ پھیر لیا لیکن چلا نہیں وہیں کھڑا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ خالدؓ کی نظریں اُس کی کھوپڑی میں سے گزر کر اُس کی آنکھوں میں داخل ہو رہی ہیں۔ وہ خالدؓ کی طرف گھوما اور اچانک اس طرح تیز قدم اٹھائے جیسے خالدؓ پر جھپٹنے لگا ہو۔

"ابنِ ولید!" — داؤد نے شکست خوردہ آواز میں کہا — "میں تجھے دھوکا دینے آیا تھا" — اُس نے وِردان کی سازش پوری کی پوری بیان کر دی اور یہ بھی بتا دیا کہ کل صبح وِردان کے دس آدمی کس جگہ گھات میں ہوں گے۔

"کیا تو بتا سکتا ہے" — خالدؓ نے داؤد سے پوچھا — "کہ تو جاتے جاتے رک کیوں گیا اور تو نے سچ کیوں بولا؟"

"سچ کا صلہ لینے کے لیے" — داؤد نے کہا — "مجھے نقد انعام کی ضرورت نہیں۔ جس فوج کے سالار کی نظریں انسانوں کے جسموں میں برچھی کی طرح اُتر جانے والی ہوں اُس فوج کو کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی ..... اے عربی سالار! میرا تجربہ اور میری عقل بتاتی ہے کہ فتح تیری ہوگی۔ میں صرف اتنا صلہ مانگتا ہوں کہ جب تو ہماری بستیوں پر قبضہ کر لے تو میرے خاندان پر رحم کرنا اور ان کی عزت کا اُن کی جان و مال کا خیال رکھنا" — اُس نے بتایا کہ اُس کا خاندان کون سی بستی میں رہتا ہے۔

خالدؓ نے داؤد کو رخصت کر دیا۔

داؤد نے واپس جا کر وِردان کو بتایا کہ وہ خالدؓ کو پیغام دے آیا ہے اور خالدؓ مقررہ وقت پر اکیلے آئیں گے۔

داؤد نے خالدؓ کی شخصیت سے ایسا تاثر لیا تھا کہ اُس نے اپنے آپ کو یقین دلا لیا تھا کہ رومی ہار جائیں گے اور فتح مسلمانوں کی ہوگی۔ اُس نے اپنی فوج کے سالارِ اعلیٰ سے جھوٹ بولا کہ خالدؓ مقررہ وقت پر آ جائیں گے۔

☆

صبح طلوع ہوئی۔ ابوعبیدہؓ خالدؓ کے پاس آئے۔ خالدؓ نے انہیں رومی سالار وِردان کی سازش سنائی۔

"وہ دس رومی مجھے قتل کرنے کے لیے گھات میں پہنچ چکے ہوں گے" — خالدؓ نے کہا — "میں چاہتا ہوں کہ اکیلا جا کر ان دس رومیوں کو ختم کر دوں۔ بڑا اچھا شکار ہے۔"

"نہیں ابنِ ولید!" — ابوعبیدہ نے کہا — "یہ تیرا کام نہیں۔ دس آدمیوں کے مقابلے میں تو قتل یا زخمی ہو سکتا ہے۔ تو بڑا قیمتی آدمی ہے۔ یوں کر، دس آدمی ایسے چن لے جو بہت ہی بہادر ہوں۔ انہیں وہ جگہ بتا کر بھیج دے۔"

خالدؓ نے دس مجاہدین منتخب کیے اور انہیں بتایا کہ کہاں جانا اور کیا کرنا ہے۔ ان میں ضرّار بن الازور بھی تھے۔ انہیں ان دس آدمیوں کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔

مشہور مؤرخ واقدی نے یہ واقعہ ذرا مختلف بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ طے یہ پایا تھا کہ خالدؓ اور وِردان کی ملاقات ہوگی۔ وِردان خالدؓ کو دبوچ لے گا اور اُس کی پکار پر اُس کے دس رُومی گھات سے نکل کر خالدؓ کو قتل کر دیں گے۔ تین اور مؤرخوں نے بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

وِردان نے اپنے دس آدمی رات کے آخری پہر کی تاریکی میں گھات لگانے کے لیے بھیج دیئے تھے۔ خالدؓ نے اپنے دس آدمی اُسی وقت کے لگ بھگ بھیج دیئے۔ اس کے ساتھ ہی خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا کہ وہ گذشتہ روز کی ترتیب سے میدانِ جنگ میں کھڑے ہو جائیں اور حملے کے لیے تیار رہیں۔

وِردان نے مسلمانوں کو جنگی ترتیب میں آتے دیکھ کر جنگی ترتیب میں ہو جانے کا حکم دیا اور صبح طلوع ہوتے ہی وہ شاہانہ جنگی لباس میں اُس جگہ چلا گیا جہاں اُس نے خالدؓ کو ملاقات کے لیے بلایا تھا۔ اُدھر سے خالدؓ بھی آگئے اور دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوگئے۔

"او عرب کے بدّو!" — وِردان نے خالدؓ سے کہا — "تُو اور تیرے لوگ عرب میں بھوکے مرتے ہیں اور تُو قیصرِ روم کی شاہی فوج کے مقابلے میں آگیا ہے؟ ..... او لٹیرے! کیا میں نہیں جانتا کہ تم لوگ وہاں مفلسی کی بدترین زندگی گزارتے ہو؟"

"او رُومی کُتّے!" — خالدؓ نے غضب ناک آواز میں کہا — "میں تجھے آخری بار کہتا ہوں اسلام قبول کرلے یا جزیہ ادا کر۔"

وردان نے جھپٹ کر خالدؓ کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

"آؤ، آؤ" — وِردان نے اپنے دس آدمیوں کو پکارا جو قریب کہیں چھپے ہُوئے تھے۔

خالدؓ کم طاقت ور تو نہیں تھے لیکن وردان بھی طاقت میں کچھ کم نہ تھا۔ خالدؓ نے بہت زور لگایا کہ وِردان سے ذرا سا آزاد ہو جائیں تاکہ تلوار نیام سے نکال سکیں لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ انہوں نے دیکھا کہ دس رومی اپنی فوجی وردی میں اُن کی طرف دوڑے آرہے ہیں۔ خالدؓ کو اپنا آخری وقت نظر آنے لگا۔ انہیں توقع تھی کہ ضرار اور اُس کے نو مجاہدین نے گھات والے دس رومیوں کو ختم کر دیا ہوگا مگر وہ دس کے دس زندہ چلے آرہے تھے۔ خالدؓ کو خیال آیا کہ ضرّار اور ان کے مجاہدین رومیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں یا بروقت پہنچ نہیں سکے۔

رومی جب قریب آئے تو ایک نے خود، زرہ اور قمیص اتار کر پھینک دی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تب خالدؓ نے دیکھا کہ یہ تو ضرّار ہے۔ اُنہوں نے باقی نو کو قریب سے دیکھا تو وہ اُن کے اپنے ہی منتخب کیے ہُوئے مجاہدین تھے۔

یہ مذاق ضرّار بن الازور نے کیا تھا۔ اُنہوں نے گھات میں بیٹھے ہوئے رومیوں کو بڑے اطمینان سے قتل کر دیا تھا پھر اُن کی وردیاں اتار کر پہن لیں۔ انہیں معلوم تھا کہ وِردان پکارے گا۔ وہ وِردان کی پکار پر نکل آئے۔ وِردان خوش ہوگیا کہ اُس کی سازش کامیاب ہوگئی ہے۔

"پیچھے ہٹ ابنِ ولید!" — ضرّار نے تلوار نکال کر کہا — "یہ میرا شکار ہے" — اور وہ وِردان کی طرف بڑھنے لگے۔

"قسم ہے تجھے اُس کی جو کوئی بھی تیرا معبود ہے" — وِردان نے خالدؓ سے کہا — "مجھے اپنی تلوار سے ختم کر اور اس شیطان کو مجھ سے دُور رکھ!"

ضرّار نے اپنی ایک دہشت ناک مثال قائم کر رکھی تھی۔ وِردان نے ضرّار کو ذاتی مقابلوں میں رومیوں کو کاٹتے دیکھا بھی تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ ضرّار اُسے اذیت دے دے کر ماریں گے۔ اُس کے لیے اب بھاگ نکلنا ناممکن تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُسے جلدی مار دیا جائے۔

خالدؓ نے ضرّار کو اشارہ کیا اور ہاتھ اُن کی طرف بڑھایا۔ ضرّار نے اپنی تلوار خالدؓ کو دے دی وِردان نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ خالدؓ کے ایک ہی وار سے وِردان کا سر زمین پر جا پڑا۔

☆

خالدؓ وہاں رُکے نہیں۔ فوراً اپنی فوج تک پہنچے اور حملے کا حکم دے دیا۔ یہ حملہ بھی گذشتہ روز کی مانند تھا۔ خالدؓ نے قلب اور دونوں پہلوؤں کے دستوں کو ایک ہی بار ہلّہ بولنے کا حکم دیا۔ انہوں نے چار ہزار مجاہدین کا محفوظہ جس کے سالار یزید بن جبل تھے، پیچھے رکھا۔

مسلمان حملہ کرتے اور پیچھے ہٹ آتے تھے اور پھر حملہ کرتے تھے۔ رُومی تعداد میں بہت زیادہ تھے لیکن اُن کا سالارِ اعلیٰ ان میں نہیں تھا۔ اُس کی جگہ اُن کا سالار قُبقلار کمان کر رہا تھا۔ رُومی جم کر مقابلہ کر رہے تھے لیکن مسلمانوں کے حملے غضب ناک تھے۔ ان کے سالار سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ خود خالدؓ سالار سے سپاہی بن گئے تھے۔ رومی سالار لڑا نہیں کرتے بلکہ حکم دیا کرتے تھے لیکن اس معرکے میں وہ مسلمان سالاروں کی دیکھا دیکھی سپاہیوں کی طرح لڑنے لگے۔ جنگ کی شدت اور خونریزی بڑھتی چلی گئی۔ دونوں طرف کوئی چال نہیں چلی جا رہی تھی۔ زیادہ نقصان رومیوں کا ہو رہا تھا۔ ان کا لشکر تہ در تہ تھا۔ خالدؓ نے یہ سوچ کر اتنا شدید حملہ کرایا تھا کہ دشمن کا سالارِ اعلیٰ مارا جا چکا ہے اور مجاہدین یہ دیکھ کر تابڑ توڑ حملے کرتے تھے کہ رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ ایک دوسرے میں پھنس کے رہ گئے ہیں۔

خالدؓ حملے کا ایک اور مرحلہ شروع کرنا چاہتے تھے جس کے لئے وہ موزوں موقع دیکھ رہے تھے۔ چند گھنٹوں بعد انہیں یہ موقع ملا۔ دونوں فوجیں تھک گئی تھیں۔ رومیوں کو پتہ چل گیا تھا کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ اُن میں نہیں، البتہ دوسرے رومی سالار پورے جوش و خروش سے لڑ بھی رہے تھے اور لڑا بھی رہے تھے۔

خالدؓ نے چار ہزار نفری کے محفوظہ کو جس کے سالار یزید بن جبل تھے، دشمن کے قلب پر حملے کا حکم دیا۔ یہ چار ہزار مجاہدین تازہ دم تھے اور لڑائی میں شریک ہونے کے لیے اتنے بے تاب کہ نعرے لگاتے اور بے قابو ہوئے جاتے تھے۔ حکم ملتے ہی وہ رُکے ہوئے سیلاب کی طرح گئے اور اتنا شدید حملہ کیا کہ رومیوں کی صفوں کے دُور اندر تک چلے گئے۔

مجاہدین کے سالار رومیوں کے سالار قُبقلار کو ڈھونڈ رہے تھے۔ مرکزی جھنڈا اُسی کے پاس تھا اور وہ وِردان کا قائم مقام تھا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے وِردان سے کہہ دیا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح سمجھوتہ کر لیا جائے۔ اُس کی دُور بیں نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان رومیوں پر غالب آجائیں گے۔ وِردان نے اُسے ڈانٹ دیا تھا۔

مؤرخ طبری اور ابُوسعید نے لکھا ہے کہ مجاہدین کو قُبقلار مل گیا۔ اُسے دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ وہ سالار لگتا ہی نہیں تھا۔ وہ تو جنگ سے لاتعلق کھڑا تھا۔ اُس نے اپنے سر پر اس طرح کپڑا لپیٹا ہُوا تھا کہ اُس کی آنکھیں بھی ڈھکی ہوئی تھیں۔ اُس کے محافظوں نے بے دلی سے مقابلہ کیا، شاید اس لیے کہ وہ اپنے سپہ سالار کو نیم مردہ سمجھ رہے تھے۔ اِنہی سے پتہ چلا تھا کہ یہ ہے قبقلار۔ مجاہدین نے اُسے اُسی حالت میں قتل کر دیا۔ بعض مؤرخوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ قُبقلار نے اپنی آنکھوں پر اس لیے کپڑا ڈال رکھا تھا کہ وہ اپنے لشکر کا قتلِ عام نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی۔

رومیوں کا مرکزی پرچم گر پڑا۔ مجاہدین اب یہ نعرے لگا رہے تھے۔

"خدا کی قسم، ہم نے رومیوں کے دونوں سپہ سالاروں کو قتل کر دیا ہے۔"

"رومیو! تمہارا پرچم کہاں ہے!"
"شہنشاہ ہرقل کو بلاؤ۔"
"رومیو! تمہاری صلیبیں اور جھنڈے کہاں ہیں!"

مجاہدینِ اسلام تو اپنے اللہ، رسولؐ اور ایک عقیدے کی خاطر لڑ رہے تھے لیکن رُومی جن کے حکم سے لڑ رہے تھے وہ مارے جا چکے تھے۔ مجاہدین کے پاس ایمان کی قوت تھی جو جادو کی طرح رومیوں پر غالب آ گئی۔

☆

رومی بھاگنے لگے۔ ان میں سے کچھ بیت المقدس کی طرف بھاگے جا رہے تھے، کچھ غزّہ اور بعض یافا کی طرف۔ رومیوں کی جنگی طاقت کو مکمل طور پر تباہ کرنے کے لیے خالدؓ نے اپنے سوار دستوں کو حکم دیا کہ بھاگتے دشمن کا تعاقب کریں اور کسی کو زندہ نہ چھوڑیں۔

وہ ایک عبرتناک منظر تھا۔ رومی جانیں بچانے کے لیے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے اور مسلمان سوار اُن کے تعاقب میں جا کر انہیں برچھیوں میں پرو رہے تھے۔ ان رومیوں نے اپنی تعداد پر بھروسہ کیا تھا۔ شراب کے نشے کو وہ اپنی طاقت سمجھے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو غریب اور نادار سمجھ کر انہیں ایک ایک دینار پیش کیا تھا۔ خالدؓ نے انہیں کہا تھا کہ تم سے دینار تو ہم لے ہی لیں گے۔ اب اُن رومیوں کو کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی۔ ان کا میدانِ جنگ میں اتنا جانی نقصان نہیں ہُوا تھا جتنا میدانِ جنگ سے بھاگتے وقت ہُوا۔ ان میں خوش قسمت وہ تھے جو بیت المقدس پہنچ گئے اور شہر میں داخل ہو گئے تھے۔

یہ قتلِ عام اُس وقت رُکا جب سورج غروب ہو گیا اور اندھیرا اتنا کہ سواروں کو اپنے گھوڑوں کے سر نظر نہیں آتے تھے۔ اُس وقت خالدؓ اپنے خیمے میں تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ داؤد نام کا ایک عیسائی عرب اُن سے ملنے آیا ہے۔ خالدؓ نام سنتے ہی باہر کو دوڑے۔

"خدا کی قسم داؤد!"۔۔۔ خالدؓ اُسے گلے لگا کر بولے ۔۔۔ "تُو نے صرف میری جان نہیں بچائی، تُو نے میری فتح آسان کر دی ہے۔ کوئی بھی انعام کافی نہیں ہو سکتا جو میں تجھے دوں،۔۔۔۔ کہاں ہیں تیرے بیوی بچّے؟ کسی نے اُن پر ہاتھ تو نہیں اُٹھایا؟"

"نہیں ابنِ ولید!"۔۔۔ داؤد نے کہا ۔۔۔ "میں کوئی انعام لینے نہیں آیا۔ مجھے انعام مل چکا ہے کہ میں زندہ ہوں اور میرا سارا خاندان زندہ ہے۔ اب ایک انعام مجھے یہ دے کہ یہ راز تیرے سینے میں رہے کہ میں نے تیری کچھ مدد کی تھی۔ روم کی شہنشاہی زندہ ہے۔ ابھی تو تُو اس شہنشاہی میں داخل ہُوا ہے۔"

"تیرا راز قیصرِ روم تک نہیں پہنچے گا"۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔ "اور خدا کی قسم، تُو مالِ غنیمت کے حصے کا حقدار ہے۔ میں تجھے حصہ دوں گا اور تُو جو مانگے گا دوں گا۔"

چند روز بعد مدینہ میں عید جیسی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ خالدؓ نے امیرالمومنین ابوبکرؓ کو خط لکھا تھا کہ تین گنا طاقتور رومیوں پر کس طرح فتح حاصل کی گئی ہے جس میں پچاس ہزار رومی ہلاک ہوئے ہیں۔ اس کے مقابلے میں شہید ہونے والے مجاہدین کی تعداد چار سو پچاس تھی۔ خالدؓ کا یہ خط پہلے مسجد میں پڑھ کر سنایا گیا پھر مدینہ کی گلیوں میں لوگوں کو اکٹھا کر کے سنایا گیا۔ لوگوں نے ناچنا شروع کر دیا۔ وہ ایک دوسرے

سے بغل گیر ہونے لگے۔ مدینہ فتح اور مسرت کے نعروں سے گونجنے لگا۔

خالدؓ نے امیرالمومنین کو یہ بھی لکھا تھا کہ اب وہ دمشق کو محاصرے میں لیں گے جو شام کا یعنی روم کی شہنشاہی کا بڑا ہی اہم شہر تھا۔ روم کی شہنشاہی بہت ہی وسیع تھی۔

جب مدینہ اور گرد و نواح کے لوگوں کو یہ خبر ملی کہ خالدؓ رومیوں پر ایک فتح حاصل کر کے دمشق کی طرف بڑھ رہے ہیں تو کئی مسلمان خالدؓ کی فوج میں شامل ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان میں ابُوسفیان بھی تھے جو مشہور شخصیت تھے۔ وہ اپنی بیوی ہند کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

ایک ہزار تین سو باون سال پہلے ماہ اگست کے ایک روز جب مدینہ میں مسلمان اجنادین کی فتح پر خوشیاں منا رہے تھے، مدینہ سے دُور، بہت ہی دُور، شمال میں روم کی شہنشاہی کے ایک اہم شہر حمص پر مایوسی اور ماتم کی سیاہ کالی گھٹا چھا گئی تھی۔ رومیوں کے شہنشاہ ہرقل کے محل میں قہر اور غضب کی آوازیں گرج رہی تھیں۔ بصرہ کی شکست کی خبر لے جانے والا قاصد اگر وہاں سے کھسک نہ آتا تو ہرقل غصے میں اس کا سر کاٹ دیتا۔

"ہمارے سپہ سالار وردان کو کیا ہو گیا تھا؟" — شہنشاہِ ہرقل نے غضب ناک آواز میں پوچھا۔

"مارا گیا ہے" — اُسے کانپتی ہوئی آواز میں جواب ملا۔

"اور وہ قبُقلار؟ .... وہ کہتا ہے کہ میری تلوار کی ہوا سے ہی دشمن کٹ جاتا ہے!"

"وہ بھی مارا گیا ہے۔"

"اور فاتُوس؟"

"وہ لڑائی سے پہلے ذاتی مقابلے میں مارا گیا تھا۔"

شہنشاہِ ہرقل نے اُن تمام سالاروں کے نام لیے جو اجنادین کی لڑائی میں شامل تھے اور جن کی بہادری اور جنگی قیادت پر اُسے بھروسہ تھا۔ اُسے یہی جواب ملا کہ مارا گیا ہے یا شدید زخمی ہو گیا ہے۔ وہ سب ہلاک یا زخمی نہیں ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض بھاگ گئے تھے۔

".... اور اب مسلمان دمشق کی طرف بڑھے آ رہے ہیں" — شہنشاہِ ہرقل کو بتایا گیا۔

"دمشق کی طرف؟" — اُس نے ہڑبڑا کر کہا — "نہیں .... نہیں .... میں انہیں دمشق تک نہیں پہنچنے دوں گا۔ وہ دمشق ہم سے نہیں لے سکتے۔ وہاں میرا شیر موجود ہے .... تُوما .... دمشق کا سالار تُوما ہے۔"

ہرقل تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے شاہانہ کمرے میں چل رہا تھا اور اپنی ایک ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کے مکّے مارے جا رہا تھا۔ اُس کے خوشامدی درباریوں، خاص خادموں اور اس کی خدمت میں حاضر رہنے والی بڑی حسین لڑکیوں کو معلوم تھا کہ جب شہنشاہ اس طرح پریشانی، یاسیت اور غصّے کی کیفیت میں ہوتا ہے تو سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی شراب پیش کرتی ہے۔

ایک لڑکی جو باریک ریشمی لباس میں برہنہ لگتی تھی، چاندی کے پیالے میں شراب لے کر آئی اور اشتعال انگیز ادا سے ہرقل کے سامنے گئی۔ ہرقل بپھرے ہُوئے سانڈ کی طرح پھنکار رہا تھا۔ اُس نے لڑکی کے ہاتھوں میں طشتری دیکھ کر بڑی زور سے طشتری کے نیچے ہاتھ مارا۔ شراب کا پیالہ لڑکی کے مُنہ پر لگا۔ طشتری چھت تک جا کر واپس آئی۔ ہرقل نے لڑکی کو دھکا دیا تو وہ دروازے میں جا پڑی۔

"شراب .... شراب .... شراب!" — ہرقل نے غصّے سے کہا — "تم نے شراب اور حسین لڑکیوں سے دل بہلانے اور بدمست رہنے والوں کا انجام دیکھا نہیں؟ تم دیکھ نہیں رہے وہ سلطنتِ روم کو

ذلت اور رسوائی میں پھینک رہے ہیں؟ .... اور جنہوں نے ہمیں شکست دی ہے اُنہوں نے اپنے اوپر شراب حرام کر رکھی ہے" — اُس نے حکم دیا — "گھوڑا تیار کرو۔ میں انطاکیہ جا رہا ہُوں، اور میں اُس وقت وہاں سے واپس آؤں گا جب میں آخری مسلمان کی بھی لاش دیکھ لوں گا۔"

بادشاہ جنگ کے لیے جب کوچ کرتے تھے تو اس کے لیے بہت سے انتظامات کیے جاتے تھے۔ محافظ دستہ اور بادشاہ کی من پسند عورتیں ساتھ جاتی تھیں۔ ایسے انتظامات ہر وقت تیار رہتے تھے مگر اب کے ہرقل تو جیسے اُڑ کر انطاکیہ پہنچنے کی کوشش میں تھا۔ اُس کے کُوچ کے انتظامات کرنے والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی اور وہ انتظامات میں مصروف ہو گئے۔

☆

خالدؓ اجنادین میں سات روز رہے۔ اُنہوں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ دشمن کو کہیں سستانے اور دم لینے کی مہلت نہ دو۔ اُسے اتنی مہلت نہ دو کہ وہ اپنی بکھری ہُوئی جمعیّت کو اکٹھا کر سکے۔ اس اصول کے تحت دمشق کی طرف اُن کا کوچ بہت تیز تھا۔ انہوں نے اپنے جاسوس پہلے بھیج دیتے تھے۔ اب خالدؓ نے جاسوسی کا نظام مزید بہتر بنا دیا تھا۔ وہ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے کہ قیصرِ روم کی سلطنت بہت وسیع ہے اور اس کے مطابق اس کی فوج زیادہ بھی ہے اور برتر بھی۔ ایسی فوج پر غلبہ پانے کے لیے اس کے احوال و کوائف کا قبل از وقت معلوم کرنا ضروری تھا اور اتنا ہی ضروری اُن علاقوں کے خدوخال کو جاننا تھا جہاں جہاں اس فوج کے دستے موجود تھے۔ اُن کی نقل و حرکت کے متعلق قبل از وقت معلومات حاصل کرنا بھی سُود مند تھا۔

راستے میں بیت المقدس آتا تھا۔ خالدؓ نے اس اہم شہر کو نظر انداز کر دیا اور اس سے کچھ فاصلے سے آگے چلے گئے لیکن ایک مقام کو نظر انداز کرنا مشکل تھا۔ اس بستی کا نام فحل تھا جو ایک مضبوط قلعہ تھا۔ خالدؓ اس کے قریب پہنچے تو ایک فقیر نے، جو پاگل لگتا تھا، خالدؓ کا راستہ روک لیا۔ خالدؓ بن ولید نے اُسے اپنے پاس بلا لیا۔

"کیا خبر لائے ہو؟" — خالدؓ نے اُس سے پوچھا۔

وہ خالدؓ کا جاسوس تھا۔

"اس بستی کا نام فحل ہے" — جاسوس نے جواب دیا — "آپ دیکھ رہے ہیں یہ قلعہ ہے۔ اس کے اندر فوج ہے۔ باہر کچھ بھی نہیں۔ رومیوں سے ہماری جہاں کہیں بھی ٹکر ہو گئی، اس قلعے سے رومیوں کو کمک اور دیگر مدد ملے گی۔"

خالدؓ نے اس قلعے کا محاصرہ ضروری نہ سمجھا۔ وہ اپنی نفری کم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دمشق کی تسخیر کوئی معمولی مہم نہیں تھی، بلکہ اپنی شکست کے امکانات بڑھتے جا رہے تھے۔ خالدؓ نے اپنے ایک نائب سالار ابوالاعور کو بلایا اور اُسے حکم دیا کہ وہ ایک سوار دستہ اپنے ساتھ رکھے اور فحل کے قریب کہیں تیاری کی حالت میں موجود رہے۔ یہاں سے فوج باہر نکلے تو تیروں کی بوچھاڑیں مارے اور کسی کو باہر نہ نکلنے دے۔

خالدؓ وہاں رُکے نہیں۔ ابوالاعور نے ایک سوار دستہ وہاں روک لیا اور اس قلعہ بند بستی کے جنگے

دروازے تھے، ان سب کے سامنے سوار متعیّن کر دیئے۔ سواروں کو گھوڑوں سے اُترنے کی اور محدُود سے فاصلے تک گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی گئی۔

☆

خالدؓ کی فوج جس کی تعداد بتیس ہزار سے کم ہوگئی تھی، بظاہر بے ترتیب قافلے کی صورت میں دمشق کی جانب جارہی تھی، لیکن اس کے ہر دستے کو اپنے فرائض کا علم تھا۔ ان میں ہراول کا دستہ بھی تھا اور ان میں عقب اور پہلوؤں کے حفاظتی دستے بھی تھے اور یہ تمام دستے چوکنے ہو کر چلے جا رہے تھے کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت اُن پر حملہ ہوسکتا تھا۔ داؤد عیسائی نے خالدؓ کو خبردار کر دیا تھا کہ وہ تو ابھی روم کی شہنشاہی میں داخل ہوئے ہیں اور اس شہنشاہی کی حدود بہت وسیع ہیں۔

اُس وقت تک رومی فوج کے دستے جہاں جہاں تھے وہاں ہرقل کا یہ حکم پہنچ چکا تھا کہ مسلمانوں کی فوج کو روکا جائے۔ اس حکم کے تحت دمشق کی طرف جانے والے راستوں پر رومیوں نے اپنے جاسوس بھیج دیئے تھے۔ دریائے یرموک کے کنارے واقوصہ ایک قصبہ تھا کسی رومی جاسوس نے خالدؓ کے لشکر کو آتے دیکھ لیا اور پیچھے جا کر اطلاع دی۔ جب خالدؓ واقوصہ کے قریب پہنچے تو رومی فوج کے بہت سے دستے خالدؓ کا راستہ روکنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اجنادین کی لڑائی سے بھاگے ہُوئے کئی رومی فوجی واقوصہ پہنچ چکے تھے انہیں بھی ان دستوں میں شامل کر لیا گیا تھا جو مسلمانوں کو روکنے کے لیے جنگی ترتیب میں کھڑے تھے مگر ان میں لڑنے کا جذبہ سرد تھا کیونکہ ان پر مسلمانوں کا خوف طاری تھا جن کمانداروں اور سپاہیوں نے ابھی مسلمانوں سے جنگ نہیں لڑی تھی، وہ اجنادین کے بھگوڑوں سے پوچھتے تھے کہ مسلمان لڑنے میں کیسے ہیں۔

"دیکھ لو"—— انہیں کچھ اس قسم کے جواب ملے —"تیس ہزار نے نوّے ہزار کو اس طرح شکست دی ہے کہ سپہ سالار سے چھوٹے سے سالار تک ایک بھی زندہ نہیں .... انہوں نے ہماری آدھی نفری مار ڈالی ہے۔ زخمیوں کا کوئی حساب ہی نہیں .... مت پوچھو دوستو، مت پوچھو۔ میں تو انہیں انسان سمجھتا ہی نہیں۔ ان کے پاس کوئی جادو ہے یا وہ جنات جیسی کوئی مخلوق ہیں .... اُن کا ایک ایک آدمی دس دس کا مقابلہ کرتا ہے .... ان کے سامنے کوئی جم کر لڑ ہی نہیں سکتا .... پوچھتے کیا ہو، وہ آرہے ہیں۔ خود دیکھ لینا۔"

"وہ" آتے اور "انہوں" نے دیکھ لیا۔

دیکھ یہ لیا کہ مسلمان جو بے ترتیب قافلے کی طرح آرہے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے جنگی ترتیب میں ہو گئے۔ عورتیں اور بچے پیچھے رہ گئے اور ان کا حفاظتی دستہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ خالدؓ اپنے محافظوں وغیرہ کے ساتھ آگے ہو گئے اور دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خالدؓ کی جنگی چالوں کا اور مجاہدین کو لڑانے کا انداز ایسا تھا کہ دشمن بوکھلا جاتا پھر مسلمانوں کے حملے کی شدت سے دشمن کے سپاہیوں پر خوف طاری ہو جاتا تھا۔ ان میں سے جو سپاہی بھاگ نکلتے تھے، وہ جہاں جاتے اس خوف کو اپنے ساتھ لے جاتے اور فوج میں پھیلاتے تھے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے وہ بلا وجہ نہیں بھاگے، وہ اس خوف کو مبالغے سے اور ایسے طریقے سے بیان کرتے تھے کہ سننے والے یہ سمجھ لیتے کہ مسلمانوں میں کوئی مافوق الفطرت قوت ہے۔ اس طرح خالدؓ نے دشمن پر

ایک نفسیاتی اثر ڈال رکھا تھا جو ہر میدان میں اُن کے کام آتا تھا۔

یہ قوت مافوق الفطرت ہی تھی جو عقیدے کی سچائی، ایمان کی پختگی اور جذبے کی شدت سے پیدا ہُوئی تھی۔ مسلمان اللہ کے حکم سے لڑتے تھے۔ اُن کے دلوں میں کوئی ذاتی غرض اور لالچ نہیں تھا۔

واقوصہ کے میدان میں جب رومی مسلمانوں کے مقابلے میں آئے تو اُن کے انداز میں جوش و خروش تھا اور جارحیّت بھی شدید نظر آتی تھی لیکن خالدؓ نے جب حملہ کیا تو رومیوں میں لڑنے کا جذبہ اتنا شدید نہ تھا جتنا ہونا چاہیئے تھا۔ خالدؓ نے سامنے سے حملہ کیا اور دونوں پہلوؤں کے کچھ دستوں کو پھیلا کر اس حکم کے ساتھ آگے بڑھایا کہ دشمن کے پہلوؤں کی طرف جا کر حملہ کریں۔

مؤرخوں کے مطابق، رومی سامنے کے حملے کو روکنے کے لیے ایسی صورت اختیار کر بیٹھے کہ اپنے پہلوؤں کو نہ دیکھ سکے۔ اُن پر جب دائیں اور بائیں سے بھی حملہ ہُوا اور اُن کے دائیں بائیں کے دستے مسلمانوں کے دباؤ سے اندر کو سکڑنے اور سمٹنے لگے تو وہ گھبرا گئے اور اُن پر وہ خوف طاری ہو گیا جو خالدؓ کے نام سے منسوب تھا۔ اس خوف نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔

ان رومی دستوں کے لیے حکم یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ دنوں تک روکے رکھیں۔ وجہ یہ تھی کہ دمشق میں جو رومی فوج تھی، اُس میں دوسری جگہوں سے دستے بھیج کر اضافہ کیا جا رہا تھا۔ ہرقل اس کوشش میں تھا کہ اُس کے یہ دستے مسلمانوں سے پہلے دمشق پہنچ جائیں۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ واقوصہ میں مسلمانوں کی فوج کو روک لیا جاتا اور ایسی لڑائی لڑی جاتی جو طول پکڑ جاتی۔ ایسی لڑائی کے طور طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ خالدؓ نے رومیوں کو کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہ دی۔ رومی بیشمار لاشیں اور زخمی میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔

خالدؓ وہاں اتنا ہی رُکے کہ اپنے شہیدوں کا جنازہ پڑھ کر دفن کیا، زخمیوں کو ساتھ لیا اور مالِ غنیمت اکٹھا کیا اور چل پڑے۔

یہ اگست ۶۳۴ء کا تیسرا ہفتہ (جمادی الآخر ۱۳ ہجری) تھا۔

☆

شہنشاہِ ہرقل انطاکیہ جا پہنچا اور وہاں اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ حمص سے انطاکیہ کو روانہ ہونے سے پہلے اس نے دمشق کی رومی فوج کے سالاروں —— توما، ہربیس اور عزازیر —— کو پیغام بھیج دیا تھا کہ وہ فوراً انطاکیہ پہنچیں۔ ہرقل کے پہنچتے ہی تینوں سالار انطاکیہ پہنچ گئے۔

"کیا تم نے سُن لیا ہے کہ تمہارے سالار وِردان اور قبقلار بھی مارے جا چکے ہیں؟" —— شہنشاہ ہرقل نے اُن سے پوچھا —"کیا تم بھی قیصرِ روم کی عظمت کو ذہن سے اتار دو گے؟ کیا تمہاری نظروں میں بھی صلیب کا تقدّس ختم ہو چکا ہے؟"

"مسلمان ابھی ہمارے سامنے تو آتے ہی نہیں" —— سالار توما نے کہا —"ہمیں ابھی نہ آپ نے آزمایا ہے نہ مسلمانوں نے۔ انہیں آنے دیں۔ میں آپ کی بیٹی کے آگے شرمسار نہیں ہوں گا۔"

توما شہنشاہ ہرقل کا داماد تھا اور وہ دمشق کا سپہ سالار تھا۔ بڑا پکا مذہبی آدمی تھا اور اپنے مذہب عیسائیت کے فروغ اور تحفظ کے لیے سرگرم رہتا تھا۔

"توما!"۔۔۔ ہرقل نے اُسے کہا۔۔۔"تم مذہب میں اتنے مگن رہتے ہو کہ دمشق کے دفاع کی طرف پوری توجہ نہیں دے رہے"۔

"میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مذہب نہ رہا تو دمشق بھی نہیں رہے گا"۔۔۔ تُوما نے کہا۔۔۔"کیا آپ نہیں جانتے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ بھی مذہب میں شامل ہے؟ ۔۔۔۔ میں یہاں اکیلا تو نہیں جنگی معاملے سالار ہربیس کے پاس ہیں اور سالار عزازیر بھی میرے ساتھ ہے۔ کیا عزازیر فارسیوں کو اور پھر ترکوں کو کئی لڑائیوں میں شکستیں نہیں دے چکا ہے؟"

"مجھے جتنا بھروسہ عزازیر پر ہے اتنا تم دونوں پر نہیں"۔۔۔ ہرقل نے کہا۔۔۔"عزازیر تجربہ کار سالار ہے۔ تم دونوں کو ابھی ثابت کرنا ہے کہ تم عزازیر کے ہم پلہ ہو"۔

عزازیر رومیوں کا بڑا ہی قابل اور دلیر سالار تھا۔ اُس نے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور ہر میدان میں فتح حاصل کی تھی۔ عربی زبان پر اُسے اتنا عبور حاصل تھا کہ وہ عربی بولتا تو شک ہوتا تھا کہ عرب کا رہنے والا ہے۔ دمشق کی فوج کا کمانڈر دراصل وہی تھا۔

انطاکیہ میں کلُوس نام کا ایک رومی سالار تھا۔ اُسے ہرقل نے پانچ ہزار نفری کی فوج دے کر دمشق جانے کو کہا۔

"شہنشاہِ ہرقل!"۔۔۔ کلُوس نے کہا۔۔۔"میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں آپ کے سامنے اُس وقت آؤں گا جب میری برچھی کی انی کے ساتھ مدینہ کے سالار خالدؓ بن ولید کا سر ہوگا"۔

"تم مجھے صرف حلف سے خوش نہیں کر سکتے"۔۔۔ ہرقل نے کہا۔۔۔"میں صرف ابنِ ولید کا سر نہیں، تمام مسلمانوں کی لاشیں دیکھنا چاہتا ہوں ۔۔۔۔ فوراً دمشق پہنچو۔ وہاں کمک کی ضرورت ہے۔ سب چلے جاؤ اور دمشق کو بچاؤ"۔

تمام سالار فوراً روانہ ہو گئے۔ ہرقل کا ایک مشیرِ خاص ہرقل کے پاس موجود رہا۔

"شہنشاہِ ہرقل!"۔۔۔ اس مشیر نے کہا۔۔۔"سالار کلُوس کو دمشق نہ بھیجتے تو اچھا تھا۔ اگر اسے بھیجنا ہی تھا تو سالار عزازیر کو دمشق سے نکال لیتے"۔

"کیوں؟"

"کیا شہنشاہ بھول گئے ہیں کہ ان دونوں میں ایسی چپقلش ہے جو دشمنی کی صورت اختیار کر جایا کرتی ہے"۔۔۔ مشیر نے کہا۔۔۔"ان کی آپس میں بول چال بند ہے ۔۔۔۔ دراصل کلُوس عزازیر کی اچھی شہرت سے حسد کرتا ہے۔ کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے"۔

"کیا تم یہ خطرہ محسوس کر رہے ہو کہ وہ لڑائی کے دوران ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے؟"۔۔۔ ہرقل نے پُوچھا۔

"ہاں شہنشاہِ روم!"۔۔۔ مشیر نے کہا۔۔۔"میں یہی خطرہ محسوس کر رہا ہُوں"۔

"ایسا نہیں ہوگا"۔۔۔ ہرقل نے کہا۔۔۔"انہیں یہ احساس تو ضرور ہوگا کہ وہ مِل کر نہ لڑے تو بڑی بُری شکست کھائیں گے، اور وہ مجھے خوش کرنے اور ایک دوسرے کو میری نظروں میں گرانے کے لیے جوش و خروش سے لڑیں گے ۔۔۔۔ اور اگر اُنہوں نے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو انہیں

یقیناً معلوم ہے کہ ان کی سزا کیا ہو گی"۔

مشیر خاموش ہو گیا لیکن اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار پہلے سے زیادہ ہو گئے۔

☆

خالدؓ کے مجاہدین دمشق کی جانب بڑھے جا رہے تھے۔

رومی سالار عزازیر نے دمشق پہنچتے ہی شہر کے دفاع کو مضبُوط بنانا شروع کر دیا۔ دمشق کی شہر پناہ کے چھ دروازے تھے اور ہر دروازے کا ایک نام تھا۔ عزازیر نے دمشق کو محاصرے سے بچانے کا یہ انتظام کیا کہ زیادہ فوج شہر کے باہر رکھی تاکہ مسلمانوں کو شہر تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے۔ انہیں شہر سے باہر ختم کر دیا جائے۔ شہر میں خاص طور پر منتخب کیے ہُوئے دستے رکھے گئے۔ ان میں ایک محافظ دستہ تھا جسے جانباز دستہ کہا جاتا تھا۔

اس ایک میل سے کچھ زیادہ لمبے اور چار پانچ فرلانگ چوڑے شہر کی آبادی میں اس خبر نے ہڑبونگ بپا کر دی تھی کہ مسلمان شہر کو محاصرے میں لینے کے لیے آ رہے ہیں۔ اس خبر سے پہلے مسلمانوں کی دہشت شہر میں داخل ہو چکی تھی۔ سالار شہریوں کو بھی شہر کے دفاع کے لیے تیار کر رہے تھے لیکن شہریوں سے انہیں تعاون نہیں مِل رہا تھا۔ شہری تو اپنا مال و دولت اور اپنی جوان لڑکیوں کو چھپاتے پھر رہے تھے۔ ان میں سے بعض نے اپنے کنبوں کو ساتھ لے کر بھاگنے کی بھی کوشش کی لیکن فوج نے انہیں روک دیا۔

مجاہدین کا لشکر دمشق سے زیادہ دُور نہیں رہ گیا تھا۔ جاسوس جو آگے گئے ہُوئے تھے وہ باری باری پیچھے آتے، رپورٹ دیتے اور پھر آگے چلے جاتے تھے۔ اب مجاہدین کی جذباتی کیفیت ایسی تھی جیسے ان کا کوئی گھر نہ ہو، کوئی وطن نہ ہو، بیوی نہ ہو، بچہ نہ ہو، بس اللہ ہی اللہ ہو جس کے نام کا وہ ورد کرتے جاتے یا چند مجاہدین مِل کر کوئی جنگی ترانہ گاتے تھے۔ انہوں نے اپنا رشتہ اللہ کے ساتھ اور رسولؐ اللہ کی روحِ اقدس کے ساتھ جوڑ لیا تھا۔ اُنہوں نے اپنی جانیں اللہ کی قربان گاہ پر رکھ دی تھیں۔ رومیوں کے لیے وہ جسم تھے لیکن اپنے لیے وہ روحیں تھیں اور اپنے جسموں کی تکالیف اور ضروریات سے وہ بے نیاز ہو گئے تھے۔ انہیں تو جیسے یہ احساس بھی نہیں رہا تھا کہ اُن کی تعداد بہت کم ہے اور دشمن کی تعداد کئی گنا ہے۔

ان کے سپہ سالار خالدؓ کی جذباتی کیفیت بھی ایسی تھی لیکن تاریخ کے اس عظیم جرنیل کی نگاہ حقائق پر تھی۔ وہ سوچتے رہتے تھے کہ اتنی کم نفری کو اتنی زیادہ نفری کے خلاف کِس طرح استعمال کیا جائے کہ مطلوبہ نتائج حاصل ہوں۔ اُنہوں نے رومیوں کو دیکھ لیا اور تسلیم کیا تھا کہ یہ ایک عمدہ فوج ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی پیشِ نظر رکھا تھا کہ رومی اپنے ملک میں ہیں اور جو سہولتیں انہیں حاصل ہیں وہ ہمیں نہیں مِل سکتیں۔ شکست کی صورت میں مسلمانوں کے لیے وہاں کوئی پناہ نہیں تھی۔ اس صورت میں انہیں قید یا قتل ہونا تھا۔ ان احوال و کوائف کے پیشِ نظر خالدؓ نے اپنی فوج میں کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔

ایک تو اُنہوں نے جاسوسی کے انتظامات اور ذرائع کو پہلے سے بہتر بنا کر انہیں منظم کر دیا۔ چند اور تبدیلیوں میں قابلِ ذکر یہ ہے کہ خالدؓ نے ایک سوار دستہ بنایا جس میں چار ہزار منتخب گھوڑسوار رکھے۔ یہ تیز رفتار اور متحرک دستہ تھا۔ اسے طلیعہ کہتے تھے۔ متحرک سے مراد یہ ہے کہ اس رسالے نے جم کر نہیں بلکہ بھاگتے

دوڑتے، حملہ کرکے اِدھر اُدھر ہو جاتے اور دشمن کو گھما پھرا کر لڑاتے جنگ میں شریک رہتا تھا۔

خالدؓ نے اس دستے کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھی۔ دمشق کی جانب کوچ کے دوران یہ سوار دستہ مسلمانوں کے لشکر کے ہراول میں تھا۔

کوچ کا چوتھا دن تھا۔ ہراول کا یہ سوار دستہ ایک بستی مراج الصُّفر کے قریب پہنچا تو آگے گئے ہوئے دو جاسوس آئے۔ خالدؓ اس دستے کے ساتھ تھے۔ جاسوسوں نے انہیں بتایا کہ تھوڑی دُور آگے رومی فوج تیاری کی حالت میں پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ جاسوسوں کے اندازے کے مطابق، وہ مقام دمشق سے بارہ تیرہ میل دُور تھا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس رومی فوج کی تعداد بارہ ہزار تھی اور اس میں سوار زیادہ تھے۔ اس کے دو سالار تھے۔ ایک عزازیر اور دوسرا کلُوس۔ یہ وہی رومی سالار تھے جن کی آپس میں دشمنی تھی۔ انہیں دمشق کے سپہ سالار تُوما نے اس منصوبے کے تحت بھیجا تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کو دمشق تک نہ پہنچنے دیا جائے اگر اسے تباہ نہ کیا جا سکے تو اتنا کمزور کر دیا جائے کہ واپس چلا جائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اتنی سی کامیابی ہر قیمت پر حاصل کی جائے کہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ دن دمشق سے دور رکھا جائے تاکہ دمشق کے دفاع کے لیے مزید دستے وہاں پہنچائے جا سکیں اور شہر میں اتنی خوراک پہنچا کر جمع کی جا سکے کہ محاصرہ طول پکڑ جائے تو شہر میں قحط کی صورت پیدا نہ ہو۔

خالدؓ کے لیے یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ اُن کے ساتھ ہراول کا صرف یہ سوار دستہ تھا جس کی نفری چار ہزار تھی۔ باقی لشکر ابھی بہت دُور تھا۔ ہراول کی رفتار تیز تھی۔ دشمن کی موجودگی کی اطلاع پر خالدؓ نے رفتار سُست کر دی۔ اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ پورا لشکر آجائے اور دوسرا یہ کہ دشمن کے قریب شام کو پہنچیں تاکہ رات کو آرام کیا جا سکے اور علی الصبح لڑائی شروع کی جائے۔

اگر جاسوس آگے گئے ہُوئے نہ ہوتے تو خالدؓ لاعلمی میں چار ہزار سواروں کے ساتھ دشمن کے سامنے جا پہنچتے پھر صورتِ حال ان کے حق میں نہ رہتی۔ رومیوں کے اس بارہ ہزار لشکر نے بڑی اچھی جگہ پڑاؤ ڈالا ہُوا تھا۔ وہاں ایک وادی تھی جس میں گھنے درخت تھے اور ایک پہاڑی تھی۔ رومی اس پہاڑی کے سامنے اور وادی کے منہ میں تھے۔ انہوں نے لڑائی کے لیے یہ جگہ منتخب کی تھی جو اُن کو کئی جنگی فائدے دے سکتی تھی۔ مسلمان اس پھندے میں آ سکتے تھے۔

خالدؓ نے اپنی رفتار ایسی رکھی کہ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے دشمن کے سامنے پہنچے۔ دشمن سے ان کا فاصلہ ایک میل کے لگ بھگ تھا۔ خالدؓ نے اپنے دستے کو روک لیا اور وہیں پڑاؤ کرنے کو کہا۔ سورج غروب ہو گیا اس لیے یہ خطرہ نہ رہا کہ دشمن حملہ کر دے گا۔

جمادی الثانیہ ١٣ ہجری کے چاند کی اٹھارہویں تھی۔ آدھی رات کو چاندنی بڑی صاف تھی۔ خالدؓ پا پیادہ آگے چلے گئے۔ رومیوں کے سوار گشتی سنتری گشت پر تھے۔ خالدؓ ان سے بچتے پہاڑی تک گئے۔ وہ زمین کے خدوخال کا جائزہ لے رہے تھے۔ رات گزرتے ہی انہیں یہاں لڑنا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کے سوار دستے کے لیے بھاگنے دوڑنے کی جگہ ہے یا نہیں۔

خالدؓ کے لیے پریشانی یہ تھی کہ اُن کا لشکر بہت دُور تھا۔ انہوں نے پیغام تو بھیج دیا تھا کہ رفتار تیز کریں

پھر بھی لشکر جلدی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس کی رفتار تو پہلے ہی تیز تھی۔ مسلمانوں کا کوچ ہوتا ہی تیز تھا۔

☆

١٩ اگست ٦٣٤ء (١٩ جمادی الثانیہ ١٣ ہجری) کی صبح طلوع ہوئی۔ فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی خالدؓ نے اپنے سوار دستے کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ رومی بھی تیاری میں آ گئے۔ خالدؓ نے رومیوں کی ترتیب دیکھی تو انہیں شک ہوا کہ رُومی حملے میں پہل نہیں کرنا چاہتے۔ خالدؓ بھی پہل کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ انہیں اتنا وقت درکار تھا کہ باقی لشکر پہنچ جائے۔

خالدؓ نے رومیوں کا ارادہ معلوم کرنے کے لیے اپنے سوار دستے کے ایک حصے کو حملہ کر کے پیچھے یا دائیں بائیں نکل جانے کا حکم دیا۔ تقریباً ایک ہزار گھوڑے سمندری طوفان کی موجوں کی طرح گئے۔ رومیوں نے حملہ روکنے کی بجائے یہ حرکت کی کہ پیچھے ہٹنے لگے۔ مسلمان سوار اس خیال سے آگے نہ گئے کہ دشمن گھیرے میں لے لے گا۔ ویسے بھی انہیں آمنے سامنے کی لڑائی نہیں لڑنی تھی۔ وہ جس رفتار سے گئے تھے اسی رفتار سے گھوڑے موڑتے ہوتے دُور کا چکر کاٹ کر آ گئے۔

چند ایک سالار خالدؓ کے ساتھ تھے۔ سب کو توقع تھی کہ اب رومی حملے کے لیے آئیں گے۔ اُن کی فوج تین گنا تھی مگر انہوں نے کوئی جوابی حرکت نہ کی۔

"خدا کی قسم، رومی کچھ اور چاہتے ہیں" — خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا — "یہ ہمارے ساتھ کھیلنا چاہتے ہیں اور میں اپنے لشکر کے انتظار میں ہوں۔"

"ان کے ساتھ کھیلو ابنِ ولید!" — سالار ضرارؓ بن الازور نے کہا — "یہ لڑنا نہیں چاہتے۔ ہمارا راستہ روکنا چاہتے ہیں۔"

"اور انہیں شاید معلوم نہیں کہ ہمارا لشکر ابھی دُور ہے" — خالدؓ نے کہا۔

"یہ بھی سوچ ابنِ ولید!" — سالار شرحبیلؓ نے کہا — "کیا یہ چوکس نہیں کہ ہمارا لشکر شاید کسی اور طرف سے ان پر حملہ کرے گا؟"

"میں ان کا دھیان پھیر دیتا ہوں" — خالدؓ نے کہا۔

رومیوں کی توجہ اپنی طرف کرنے کے لیے خالدؓ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ دشمن کو انفرادی مقابلوں کے لیے للکارا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اُس دَور میں فوجوں کی لڑائی سے پہلے دونوں فوجوں سے ایک ایک آدمی سامنے آتا اور ان میں انفرادی لڑائی ہوتی تھی۔

خالدؓ نے ضرارؓ بن الازور، شرحبیلؓ بن حسنہ اور امیر المومنین ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ کو مقابلے کے لیے آگے کیا۔

☆

یہ تینوں سالار تھے۔ وہ دونوں فوجوں کے درمیان جا کر گھوڑے دوڑانے اور دشمن کو للکارنے لگے۔ رومیوں کی صفوں سے تین سوار نکلے۔ وہ بھی سالاری کے رُتبے کے آدمی تھے۔ رومی جنگجو قوم تھی۔ اس قوم نے تاریخ ساز تیغ زن اور شہسوار پیدا کیے ہیں۔ خالدؓ کے ان تین سالاروں کے مقابلے میں جو رومی نکلے وہ زبردست لڑاکے تھے۔

کھلے میدان میں مقابلے شروع ہو گئے۔ یہ تین جوڑوں کا مقابلہ تھا۔ تینوں جوڑ الگ الگ ہو گئے۔ گھوڑے دوڑ رہے تھے، گھوم رہے تھے اور برچھیوں سے برچھیاں ٹکرا رہی تھیں۔ دونوں فوجوں سے نعرے گرج رہے تھے۔ گھوڑے اپنی اُڑائی ہوئی گرد میں چھپتے جا رہے تھے، پھر گرد سے ایک گھوڑا نکلا۔ اس کا سوار ایک طرف لڑھک گیا تھا۔ گھوڑا بے لگام ہو کر ادھر اُدھر دوڑ رہا تھا۔ وہ ایک رومی سالار تھا جو بڑا گہرا زخم کھا کر گھوڑے سے گر رہا تھا۔ رومیوں کی صفوں سے ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا نکلا اور گرتے ہوئے سوار کے پیچھے گیا۔ اُس نے گھوڑے کے سوار کو گھوڑے کی پیٹھ پر کر دیا لیکن وہ مر چکا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک اور رومی سوار گرا پھر تیسرا بھی گر پڑا۔ تینوں رومی مارے گئے۔ ضرارؓ بن الازور کا انداز وہی تھا کہ مقابلے میں اترتے ہی انہوں نے خود، زرہ اور قمیص اتار کر پھینک دی تھیں۔ مقابلہ ختم ہوا تو تین رومیوں کی لاشیں ایک دوسری سے دُور دُور پڑی تھیں۔ ضرارؓ، شرجیلؓ اور عبدالرحمٰنؓ رومیوں کی اگلی صف کے قریب جا کر گھوڑے دوڑاتے اور انہیں للکارتے تھے۔

"رومیو! یہ لاشیں اٹھاؤ۔ آگے آؤ بزدلو!"

"ہے کوئی اور موت کا طلبگار!"

"ہم رومیوں کے قاتل ہیں۔"

"رومیو! یہ زمین تم پر تنگ ہو گئی ہے۔"

ادھر مجاہدینِ اسلام نے وہ شور و غل بپا کر رکھا تھا کہ آسمان ہلنے لگتا تھا۔

ایک اور رومی گھوڑا دوڑاتا میدان میں آیا اور اُس نے تلوار لہرا کر گھوڑا چکر میں دوڑایا۔

عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ اُس کی طرف گئے تو ضرارؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور چلائے۔ "پیچھے رہ ابی بکرؓ کے بیٹے! اسے میرے لیے چھوڑ دے"۔ وہ عبدالرحمٰنؓ کے قریب سے گزر گئے۔ رومی نے گھوڑا اُن کی طرف موڑا لیکن ضرارؓ نے اُس کے گھوڑے کو پوری طرح مڑنے بھی نہ دیا۔ انہوں نے تلوار کی نوک رومی کے پہلو میں اتار دی لیکن اتنی نہیں کہ وہ گر پڑتا۔ ضرارؓ نے اُسے مقابلے کا موقع دیا تھا۔ اُس نے مقابلہ کیا لیکن اُس کا دم خم پہلے زخم سے ہی ختم ہو چکا تھا۔ ضرارؓ اُس کے ساتھ کھیلتے رہے۔ آخر ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ گھوڑے پر دُہرا ہوا پھر لڑھک کر نیچے آ پڑا۔

مدینہ کے ان تین سالاروں کے مقابلے میں چند اور رومی آئے اور مارے گئے۔ ضرارؓ، شرجیلؓ اور عبدالرحمٰنؓ نے صرف یہی نہیں کیا کہ رومیوں کی اگلی صف کے قریب جا کر گھوڑے دوڑاتے اور انہیں للکارتے تھے بلکہ کوئی رومی صف سے آگے ہو کر اُن کی طنزیہ للکار کا جواب دیتا تو وہ ان تینوں میں سے جس کے سامنے ہوتا وہ اُسے برچھی یا تلوار سے ختم کر دیتا۔ اس طرح انہوں نے چند ایک رومیوں کو زخمی بھی کیا اور قتل بھی۔

خالدؓ پہلے تو تماشہ دیکھتے رہے پھر وہ جوش میں آ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے چلے گئے۔

"پیچھے آ جاؤ تم تینوں!" ـــ خالدؓ نے بڑی بلند آواز میں کہا اور میدان میں گھوڑا دوڑانے لگے۔

اُن کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ مؤرخوں نے اُن کی للکار کے الفاظ لکھے ہیں:

میں اسلام کا ستون ہوں

میں اللہ کے رسولؐ کا صحابی ہوں

میں خالدؓ بن ولید ہوں

میں اپنی فوج کا سپہ سالار ہوں۔ میرے مقابلے میں سپہ سالار آئے۔

واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ رومی سالاروں عزازیر اور کلوُس کے درمیان چپقلش تھی جب خالدؓ نے کہا کہ اُن کے مقابلے میں سپہ سالار آئے تو رومی سالار عزازیر نے اپنے ساتھی سالار کلوُس کی طرف دیکھا اور کہا کہ کلوُس اپنے آپ کو سپہ سالار سمجھتا ہے۔ میں تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ کلوُس یہ سُن کر خاموش رہا اور مقابلے کے لیے آگے بھی نہ بڑھا۔

"ہمارا سالار کلوُس ڈر گیا ہے" ـــ عزازیر نے طنزیہ کہا۔

اُس نے کلوُس کو کچھ اور طعنے بھی دیئے۔ کلوُس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ خالدؓ کے مقابلے میں ہچکچا رہا ہے لیکن عزازیر اُس پر طعنوں کے تیر چلا رہا تھا۔ ان سے تنگ آ کر کلوُس نے گھوڑا بڑھایا اور خالدؓ کی طرف گیا۔

چار مؤرخوں نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے کہ خالدؓ کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ کلوُس اُن کی طرف آیا تو اُس کا انداز حملے والا نہیں تھا اور اُس نے خالدؓ کو کچھ ایسا اشارہ کیا تھا جیسے کوئی بات کرنا چاہتا ہو۔ خالدؓ نے اُس کے اشارے کی پرواہ نہ کی۔ دشمن کا دوستانہ اشارہ دھوکہ بھی ہو سکتا تھا۔ خالدؓ نے اپنا گھوڑا اُس کی طرف دوڑایا اور اُس پر برچھی کا وار کیا۔ کلوُس تجربہ کار جنگجو تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو اس وار سے صاف بچا لیا۔

خالد نے آگے جا کر گھوڑا موڑا اور کلوُس پر دوسرے حملے کے لیے گئے۔ اب کے انہوں نے سنبھل کر کلوُس کو برچھی ماری۔ کلوُس نے اب پھر اُن کا وار بیکار کر دیا۔ خالدؓ نے برچھی پھینک دی۔ کلوُس نے دیکھا کہ اب خالدؓ خالی ہاتھ آ رہے ہیں تو اُس نے تلوار تانی۔ خالدؓ نے گھوڑا اُس کی زد سے لیا اور گھوڑے کو زیادہ آگے نہ جانے دیا۔ اسے فوراً روک کر موڑا اور کلوُس پر آ گئے۔ کلوُس نے گھوڑا ادر وہ بہتر پوزیشن میں آ کر وار کرنا چاہتا تھا لیکن خالدؓ نے پیچھے سے آ کر اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا اور گھوڑے سے گرا دیا۔ انہوں نے گھوڑے سے کود کر کلوُس کو دبوچ لیا۔

کلوُس زمین پر پڑا تھا۔ اُس نے اٹھنے کی ذرا سی بھی کوشش نہ کی۔ خالدؓ نے اپنے محافظوں کو پکارا کہ آئیں۔ دو تین محافظ دوڑے گئے۔ خالد نے انہیں کہا کہ کلوُس کو قیدی بنا لیں۔ اس طرح کلوُس مرنے سے بچ گیا اور قیدی بن گیا۔

☆

جب کلوُس کو قیدی بنا کر خالدؓ کے محافظ لے گئے تو اُسے پیچھے لے جانے کی بجائے سامنے کھڑا کر دیا گیا تاکہ رومی اُسے دیکھتے رہیں۔ خالدؓ پھر گھوڑے پر سوار ہو گئے اور گھوڑا چکر میں دوڑاتے اور رومیوں کو للکارتے تھے اور اُن کا مذاق بھی اڑاتے تھے۔ کلوُس کا گھوڑا ایک جگہ رک گیا تھا۔ خالدؓ کے اشارے پر اُن کا ایک محافظ کلوُس کا گھوڑا پکڑ لایا۔

خالدؓ کی للکار کے جواب میں اب رومی سالار عزازیر سامنے آیا۔

"او کلوُس!" ـــ سالار عزازیر نے خالدؓ کو للکارنے کی بجائے اپنے ساتھی سالار کلوُس کو للکار کر

طعنہ دیا — "دیکھ لے اپنا انجام بزدل کمینے! تُو مجھے رُسوا کر رہا تھا۔ اب میری تلوار کا کمال دیکھ" — اُس نے خالدؓ پر حملہ کرنے کی بجائے گھوڑا عام چال سے خالدؓ کی طرف بڑھایا اور خالدؓ سے طنزیہ لہجے میں کہا — "عربی بھائی! میں تجھ سے کچھ پوچھوں گا۔ میرے قریب آجا۔"

"او اللہ کے دشمن!" — خالدؓ نے اس کی طنز کو سمجھتے ہوئے کہا — "میں تیرے قریب گیا تو تیرا سر تیرے جسم کے ساتھ نہیں رہے گا۔ تو ہی آجا۔"

عزازیر نے تلوار نکالی اور خالدؓ کی طرف آیا لیکن وہ ہنس رہا تھا جیسے خالدؓ کو کچھ سمجھتا ہی نہ ہو۔ وہ خالدؓ سے کچھ دور رک گیا۔

"عربی بھائی!" — اُس نے کہا — "تجھے میرے مقابلے میں آنے کو کس نے کہا ہے؟ کیا تُو نے سوچا نہیں کہ تو میرے ہاتھوں مارا جائے گا تو تیرے ساتھی سالار تیرے بغیر کیا کریں گے؟"

"اللہ سے دشمنی رکھنے والے رومی!" — خالدؓ نے کہا — "کیا تو نے دیکھا نہیں کہ میرے ساتھیوں نے کیا کر دکھایا ہے؟ انہیں اگر میری اجازت ہوتی تو یہ تیرے اس سارے لشکر کو اسی طرح کاٹ دیتے جس طرح تیرے یہ ساتھی کٹے ہوئے مردہ پڑے ہیں۔ میرے ساتھی آخرت سے محبت کرتے ہیں۔ یہ دنیا اور یہ زندگی تو ان کے لیے کچھ بھی نہیں.... تُو ہے کون؟ میں تجھے نہیں جانتا۔"

"او بدقسمت عربی!" — عزازیر نے خالدؓ کا مذاق اڑانے کے لہجے میں کہا — "میں اس ملک کا جابر سالار ہوں۔ تیرے لیے قہر ہوں۔ میں فارسیوں کا قاتل ہوں، ترکوں کے لشکر کو برباد کرنے والا ہوں۔"

"میں تیرا نام پوچھ رہا ہوں" — خالدؓ نے کہا۔

"میں موت کا فرشتہ ہوں" — عزازیر نے کہا — "میرا نام عزازیر ہے لیکن میں عزرائیل ہوں۔"

"خدا کی قسم جس موت کا تُو فرشتہ ہے وہ موت تجھے ڈھونڈ رہی ہے" — خالدؓ نے کہا — "وہ تجھے جہنم کے سب سے نیچے والے حصے میں پہنچائے گی۔"

عزازیر کو خالدؓ کی اس طنز پر بھڑک اٹھنا چاہیئے تھا لیکن اُس نے اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھا۔

"میرے عربی بھائی!" — اُس نے خالدؓ سے کہا — "تو کلوُس کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے جو تیری قید میں ہے؟"

"وہ دیکھ رومی سالار!" — خالدؓ نے جواب دیا — "تیرا سالار بندھا ہُوا ہے۔"

عزازیر کا رویّہ اور لہجہ اور زیادہ ٹھنڈا ہو گیا۔

"کیا وجہ ہے کہ تو نے اسے ابھی تک قتل نہیں کیا؟" — عزازیر نے کہا — "تو نہیں جانتا کہ رومیوں میں اگر کوئی سب سے زیادہ عیار اور شیطان ہے تو وہ کلوُس ہے.... تو اُسے قتل کیوں نہیں کرتا؟"

"کوئی وجہ نہیں" — خالدؓ نے کہا — "صرف یہ ارادہ ہے کہ تم دونوں کو اکٹھا قتل کروں گا۔"

ان دونوں رومی سالاروں کی آپس کی دشمنی اتنی زیادہ تھی کہ وہ خالدؓ کی کسی بات پر بھڑکتا ہی نہیں تھا۔

"میری ایک بات پر کان دھر عربی سالار!" — عزازیر نے دوستانہ لہجے میں کہا — "اگر تو کلوُس کو میرے سامنے قتل کر دے تو میں تجھے ایک ہزار دینار، دس قبائیں ریشم کی اور اعلیٰ نسل کے پانچ گھوڑے دوں گا۔"

"او روم کے جابر سالار!" — خالدؓ نے کہا — "یہ سب تو مجھے کلوُس کو قتل کرنے کا انعام دے رہا ہے

یہ بتا کہ میرے ہاتھوں قتل ہونے سے بچنے کے لیے تُو مجھے کیا دے گا۔ اپنی جان کی قیمت بتا دے۔"

"تو ہی بتا" — عزازیر نے کہا — "کیا لے گا؟"

"جزیہ!" — خالدؓ نے کہا — "اگر نہیں تو اسلام قبول کر لے۔"

اب عزازیر بھڑکا۔

"آ عرب کے بدّو!" — عزازیر نے کہا — "اب میرا وار دیکھ۔ ہم عظمت کی طرف جاتے ہیں، تُو ذِلت میں جاتا ہے۔ آ، اپنے آپ کو میرے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا۔"

☆

اُس نے تلوار ہوا میں لہرائی اور خالدؓ پر حملہ کرنے کے لیے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ خالدؓ اُس سے تیز نکلے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ عزازیر ان کے قریب ہی تھا۔ خالدؓ نے تلوار کا وار کیا جو عزازیر نے پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر بے کار کر دیا۔ اس کے بعد خالدؓ نے ہر طرف سے آکر اس رُومی سالار پر وار کیے مگر وہ بڑی پھرتی سے اِدھر اُدھر ہو کر وار بچاتا رہا۔ اُس نے بعض وار اپنی تلوار پر روکے۔

مؤرخ واقدی نے اُس دَور کی تحریروں کے حوالے سے خالدؓ اور عزازیر کے مقابلے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ عزازیر وار روکتا تھا وار کرتا نہیں تھا۔ رومی لشکر سے تو داد و تحسین کا شور اُٹھ ہی رہا تھا، مسلمانوں نے بھی عزازیر کی پھرتی کی داد دی۔ خالدؓ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔

"اے عرب کے سالار!" — عزازیر نے کہا — "کیا میں تجھے قتل نہیں کر سکتا؟.... میں تجھے زندہ پکڑوں گا اور تجھ سے یہ شرط منواؤں گا کہ تُو جدھر سے آیا ہے، اپنے لشکر کے ساتھ اُدھر ہی چلا جائے۔"

"خُدا کی قسم، اب تو میرے ہاتھوں زندہ گرفتار ہو گا" — خالدؓ نے بھڑک کر کہا اور اُس پر جھپٹے۔

عزازیر نے گھوڑے کو تیزی سے موڑا اور بھاگ نکلا۔ خالدؓ نے گھوڑا اُس کے پیچھے ڈال دیا۔ عزازیر نے گھوڑا تیز کر دیا اور دونوں فوجوں کے درمیان چکر میں گھوڑا دوڑانے لگا۔ اب مسلمانوں کا لشکر نعرے لگانے لگا۔ خالدؓ اُس کے تعاقب میں رہے۔ عزازیر اپنا گھوڑا ذرا آہستہ کر لیتا اور جب خالدؓ اُس تک پہنچتے تو وہ گھوڑے کو ایڑ لگا دیتا۔

اس دوڑ اور تعاقب میں بہت سا وقت گزر گیا۔ خالدؓ کا گھوڑا سُست پڑنے لگا اور اس کا پسینہ پھوٹ آیا۔ عزازیر کا گھوڑا خالدؓ کے گھوڑے سے بہتر اور زیادہ طاقتور تھا۔ عزازیر نے دیکھ لیا کہ خالدؓ کا گھوڑا رہ گیا ہے اُس نے اپنا گھوڑا گھمایا اور خالدؓ کے اردگرد چکر کاٹنے لگا۔

"او عربی!" — عزازیر نے للکار کر کہا — "تو سمجھتا ہے میں تیرے ڈر سے بھاگ اٹھا ہُوں۔ میں تجھے کچھ دیر اور زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔ میں تیری روح نکالنے والا فرشتہ ہوں۔"

خالدؓ نے دیکھا کہ اُن کا گھوڑا عزازیر کے گھوڑے کا ساتھ نہیں دے سکتا تو وہ اپنے گھوڑے سے کود کر اُترے۔ اُن کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ عزازیر نے خالدؓ کو آسان شکار سمجھا اور ان پر گھوڑا دوڑا دیا۔ خالدؓ کھڑے رہے۔ عزازیر قریب آیا تو اُس نے گھوڑے سے جھک کر خالدؓ پر وار کیا۔ خالدؓ بچتے نظر نہیں آتے تھے لیکن انہوں نے سر کو نیچے کر کے وار کو بیکار کر دیا۔

عزازیر گھوڑے کو گھما کر آیا۔ خالدؓ پہلے کی طرح کھڑے رہے۔ اب کے پھر عزازیر نے اُن پر وار کیا خالدؓ

نے نہ صرف یہ کہ جھک کر اپنے آپ کو بچا لیا بلکہ دشمن کے گھوڑے کی اگلی ٹانگوں پر ایسی تلوار ماری کہ گھوڑے کی ایک ٹانگ کٹ گئی اور دوسری گھوڑے کے بوجھ کے نیچے دوہری ہو گئی۔ گھوڑا گرا اور عزازیر گھوڑے سے آگے جا پڑا۔

وہ بڑی تیزی سے اُٹھا لیکن خالدؓ نے اُسے پوری طرح اٹھنے نہ دیا۔ تلوار پھینک کر اُسے دبوچ لیا اور اُسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اُسے پھر اُٹھایا اور پہلے سے زیادہ زور سے اُسے پٹخا۔ عزازیر کو اس خوف نے بے جان کر دیا کہ خالدؓ اُسے مار ڈالیں گے لیکن خالدؓ نے اُسے گھسیٹا اور اسی طرح اپنے لشکر کی طرف لے گئے اور کلوٗس کے پاس جا کھڑا کیا۔

"یہ لے!" — خالدؓ نے اُسے کہا — "اپنے دوست کلوٗس سے مل!"

خالدؓ نے حکم دیا کہ عزازیر کو بھی باندھ لیا جائے۔

☆

اِدھر اللہ نے دشمن کے دو سپہ سالار مسلمانوں کو دے دیئے اُدھر شور اٹھا کہ باقی لشکر آ گیا ہے خالدؓ اپنے اسی لشکر کے انتظار میں تھے اور وقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس لشکر کے ساتھ تاریخِ اسلام کے دو عظیم سالار تھے — عمرو بن العاصؓ اور ابوعبیدہؓ۔

خالدؓ نے ذرا سا بھی وقت ضائع کئے بغیر اپنی فوج کو جنگی ترتیب میں کیا۔ چار ہزار جانباز سواروں کے دستے طلیعہ کو اپنی کمان میں رکھا اور حملے کا حکم دے دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تعداد دشمن کے برابر تھی بلکہ کچھ زیادہ ہی تھی۔ رومیوں نے مقابلہ تو کیا لیکن اُن کے انداز میں جارحیت نہیں تھی، وہ دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔

اُن کا حوصلہ اور جذبہ تو اسی ایک وجہ سے ٹوٹ گیا تھا کہ ان کے دو سپہ سالار مسلمانوں کی قید میں تھے اور باقی سالار انفرادی مقابلوں میں مارے جا چکے تھے۔ اس رومی فوج میں پہلی جنگوں سے بھاگے ہوئے آدمی بھی تھے۔ اُن پر مسلمانوں کا خوف طاری تھا۔ اُنہوں نے مسلمانوں کو قہر اور غضب سے لڑتے اور اپنے ساتھیوں کو کٹتے دیکھا تھا۔ انہوں نے بے دلی سے مقابلہ کیا اور پیچھے ہٹتے گئے۔ انہیں لڑانے والا کوئی تھا ہی نہیں۔

مسلمانوں نے انہیں پسپائی سے روکنے کے لیے ان کے عقب میں جانے کی کوشش کی لیکن پیچھے درختوں سے اٹی ہوئی وادی تھی جس میں وہ غائب ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی پیٹھ کے پیچھے دمشق تھا جو قلعہ بند شہر تھا۔ فاصلہ بارہ میل تھا۔ یہ رومیوں کے لیے ایک کشش تھی۔ پناہ قریب ہی تھی۔ چنانچہ وہ فرداً فرداً درختوں کے جھنڈوں میں سے گزرتے دمشق کی طرف بھاگ رہے تھے۔

رومی ایسی بُری طرح مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہو رہے تھے کہ میدانِ جنگ ان کی لاشوں اور تڑپتے ہوئے زخمیوں سے اٹ گیا۔ دوڑتے گھوڑے اور پیادے انہیں کچل رہے تھے۔ رومیوں نے اپنے پہلوؤں کے دستوں کو عام پسپائی کے لیے کہہ دیا۔ مسلمانوں نے تعاقب نہ کیا کیونکہ خالدؓ اپنی نفری کو بچانا چاہتے تھے۔ وہ بڑے کوچ کے تھکے ہوئے بھی تھے۔

پیچھے کھچے رومی دمشق پہنچ گئے اور شہر کے اِردگرد دیوار نے انہیں پناہ میں لے لیا۔

مسلمانوں نے مالِ غنیمت اکٹھا کیا۔ عورتوں نے زخمیوں کو اٹھایا اور انہیں مرہم پٹی کے لیے پیچھے

لے گئیں۔ شہیدوں کی لاشیں ایک جگہ رکھ کر جنازہ پڑھا گیا اور انہیں الگ الگ قبروں میں دفن کیا گیا۔

خالدؓ نے رات وہیں گزارنے کا حکم دیا اور تمام سالاروں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں بتایا کہ دمشق کے محاصرے کو کامیاب کرنے کے لیے ضروری ہوگا کہ دمشق کی طرف آنے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی جاتے تاکہ دشمن اپنے دمشق کے دستوں کو کمک اور رسد نہ پہنچا سکے۔

خالدؓ نے فحل کے قلعے کے قریب پہلے ہی ایک گھوڑ سوار دستہ چھوڑ دیا تھا۔ وہاں سے امداد آنے کی توقع تھی۔ خالدؓ نے دو گھوڑ سوار دستے دو اور مقامات پر بھیج دیئے۔ ان کے لیے حکم تھا کہ ان راستوں سے کمک آئے تو اُس پر حملہ کر دیں۔

۲۰ اگست ۶۳۴ء (۲۰ جمادی الآخر ۱۳ ہجری) خالدؓ نے دمشق پہنچ کر اس شہر کو محاصرے میں لے لیا۔ دمشق کے اندر جو رومی فوج تھی اس کی تعداد سولہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ خالدؓ کے لشکر میں بیس ہزار مجاہدین تھے۔ شہیدوں اور شدید زخمیوں کی وجہ سے تعداد اتنی کم رہ گئی تھی۔ کچھ دستے مختلف مقامات پر رومیوں کی کمک کو روکنے کے لیے بھیج دیئے گئے۔ یہ وجہ بھی تھی کہ مجاہدین کی تعداد بیس ہزار رہ گئی تھی۔

دمشق بڑا شہر تھا۔ اس کے چھ دروازے تھے اور ہر دروازے کا نام تھا — باب الشرقی۔ باب تُوما۔ بابِ جابیہ۔ بابِ فرادیس۔ بابِ کیسان اور بابِ صغیر — خالدؓ نے ہر دروازے کے سامنے دو دو تین تین ہزار نفری کے دستے کھڑے کر دیئے، ہر دروازے کے لیے ایک سالار مقرر کیا گیا — رافعؓ بن عمیرہ، عمروؓ بن العاص، شرحبیلؓ بن حسنہ، ابوعبیدہ، یزیدؓ بن ابی سفیان — یزید کی ذمہ داری میں دو دروازے دے دیئے گئے۔

ضرارؓ بن الازور کو منتخب سواروں کا دو ہزار نفری کا دستہ اس مقصد کے لیے دیا گیا کہ وہ قلعے کے اِردگرد گھومتے پھرتے رہیں اور اگر رومی باہر آ کر کسی دستے پر حملہ کریں تو ضرارؓ اس کی مدد کو پہنچیں۔

شہر کی دیوار پر رومی کمانیں اور برچھیاں لیے کھڑے تھے۔ ان میں دوسرے سالاروں کے علاوہ دمشق کے دفاع کا ذمہ دار سالار توما بھی تھا جو شہنشاہ ہرقل کا داماد بھی تھا۔

خالدؓ نے حکم دیا کہ رومیوں کے دونوں قیدی سالاروں عزازیر اور کلوٗس کو آگے لایا جائے۔ دونوں بندھے ہوئے لائے گئے۔ انہیں دیوار کے اتنا قریب لے جایا گیا جہاں سے وہ دیوار پر کھڑے رومیوں کو نظر آسکتے تھے۔

"کیا تم دونوں اسلام قبول کر رہے ہو؟" — خالدؓ نے دونوں سے بلند آواز میں پوچھا۔

"نہیں" — دونوں نے اکٹھے جواب دیا۔

خالدؓ نے ضرارؓ بن الازور کو آگے بلایا اور کہا کہ انہیں ان کے انجام تک پہنچا دو۔

ضرارؓ نے تلوار نکالی اور دونوں کی گردنوں پر ایک ایک وار کیا۔ دونوں کے سر زمین پر جا پڑے۔ اُن کے دھڑ گرے، تڑپے اور ساکت ہو گئے۔ دیوار سے تیروں کی بوچھاڑ آئی لیکن خالدؓ اور ضرار ان کی زد سے نکل آئے تھے۔

دمشق کا محاصرہ رومیوں کی تاریخ کا بہت بڑا واقعہ بلکہ حادثہ اور المیہ تھا اور مسلمانوں کی تاریخ کا بھی یہ بہت بڑا اور بعض تاریخ نویسوں کے لیے حیران کُن واقعہ تھا۔ حیران کُن تو رومیوں کے لیے [illegible] تھا کیونکہ روم کی فوج اُس دَور کی بہترین فوج اور ناقابلِ تسخیر جنگی طاقت تسلیم کی جاتی تھی۔ رومی فوج [illegible]ت اور تباہی کا دوسرا نام تھا۔ اِس فوج نے ہر میدان میں فتح پائی تھی۔ کسریٰ کی فوج بھی اِس سے کم نہ تھی لیکن

رومی فوج نے اسے بھی شکست دے کر الگ بٹھا دیا تھا لیکن اتنی دور سے آتے ہوئے اور اتنے
تھوڑے مسلمان اسی رومی فوج کو شکست پہ شکست دیتے چلے جا رہے تھے اور انہوں نے دمشق کو
محاصرے میں لے لیا تھا جو رومیوں کا بڑا ہی اہم اور قیمتی شہر تھا۔ قیصرِ روم نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ دنیا
کی کوئی طاقت اس کی بہترین اور دہشت ناک فوج کو اس مقام پر لے آئے گی کہ اس کے لیے رومیوں
کی روایات اور وقار کا تحفظ محال ہو جائے گا۔

مسلمانوں کے لیے بھی شام میں فاتحانہ داخلہ اور دمشق کا محاصرہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ ایک تو نفری
دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی جو زخمیوں اور شہیدوں کی وجہ سے کم ہی کم ہوتی چلی جا رہی تھی دوسرے
اپنے وطن سے دوری۔ پسپائی کی صورت میں ان کے لیے کوئی پناہ نہیں تھی۔ اس صورت میں انہیں کھانے
پینے کو بھی کچھ نہیں مل سکتا تھا۔

مختلف ادوار کے جنگی مبصروں اور وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ خالدؓ کے لشکر نے جس
کی نفری ہمیشہ خطرناک حد تک کم رہی ہے، تاریخ نویسوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اگر جنگی مہارت
اور قیادت کی بات کی جائے تو سرِ فہرست دو فوجیں آتی ہیں۔ ایک قیصرِ روم کی فوج اور دوسری کسریٰ
کی فوج۔ یہ دونوں فوجیں عسکری اہلیت اور قیادت کی وجہ سے مشہور تھیں۔ بیشک خالدؓ کی جنگی قیادت،
تیز رفتار نقل و حرکت اور میدانِ جنگ میں چالوں کا مقابلہ کم ہی سالار کر سکتے تھے لیکن عقیدے کی
سچائی اور جذبے کی شدت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ گھروں اور اہل و عیال سے اتنی لمبی جدائی سپاہیوں
کے جذبے کو کمزور کر دیا کرتی ہے لیکن مسلمانوں کی فوج میں ایسی کمزوری دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔ اس
کیفیت کو مبصروں نے عقیدے اور جذبے کا کرشمہ کہا ہے۔

o

"میرے عزیز رفیقو!" — خالدؓ نے اپنے سالاروں سے دمشق کے مضافات میں کہیں کہا۔ "سوچو
ہم کہاں تھے اور دیکھو ہم کہاں ہیں۔ کیا اب بھی کفار اللہ کو وحدہٗ لاشریک نہیں مانیں گے اور کیا وہ تسلیم
نہیں کریں گے کہ اللہ نے ہمارے قبیلے کو رسالتؐ عطا کی ہے جو برحق ہے اور کوئی دلیل اسے جھٹلا نہیں سکتی؟
..... اور تم اللہ کا شکر ادا نہیں کرو گے جس نے تمہیں اتنے طاقتور دشمن پر فتح دی ہے؟ کوئی شمار نہیں
اس کی رحمتوں کا لیکن ان کے لیے جو اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں۔"

"بیشک، بیشک" — کئی آوازیں سنائی دیں۔

"اور اے برہنہ جنگجو!" — خالدؓ نے ضرارؓ بن الازور سے جو خود، زرہ اور قمیض اتار کر لڑا کرتے
تھے، کہا۔ "خدا کی قسم، تو اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھے گا تو ایک دن تو ہی نہیں ہم سب افسوس
کر رہے ہوں گے۔"

"ولید کے بیٹے!" — ضرارؓ نے کہا۔ "دینِ اسلام کے دشمن کو دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہیں
رہتا لیکن اس میں کوتاہی نہیں کروں گا کہ تیرے ہر حکم کی تعمیل مجھ پر فرض ہے۔"

ضرارؓ بن الازور کے بولنے کا انداز اتنا شگفتہ تھا کہ سب ہنس پڑے۔ خالدؓ کے ہونٹوں پر جانفزا
مسکراہٹ آگئی۔

انطاکیہ کی فضا ہنسی اور مسکراہٹوں سے محروم ہو گئی تھی۔ اس شہر کو رومی شہنشاہ ہرقل نے اپنا
جنگی ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ اسے جنگ کی جو خبریں روز بروز مل رہی تھیں، ان سے اس کی ذہنی اور جذباتی
حالت ویسی ہی ہو گئی تھی جو مدائن میں شہنشاہ اردشیر کی ہوئی تھی اور صرف شکست کی خبریں سن کر وہ
صدمے سے مر گیا تھا۔

مرج الصفر میں رومیوں کو جو شکست ہوئی تھی، اس نے تو ہرقل کو باؤلا کر دیا تھا، پھر اسے اپنے
سالاروں کے مارے جانے کی اطلاعیں ملنے لگیں۔

"عزازیر زندہ ہے" — ہرقل نے بڑے جوش سے کہا۔ "کلوس ہے ..... یہ دونوں عرب کے
ان بدوؤں کو دمشق تک نہیں پہنچنے دیں گے۔"

"شہنشاہِ معظم!" — محاذ سے آئے ہوئے قاصد نے کہا۔ "وہ دونوں زندہ نہیں۔"

"کیا تم مجھ سے یہ جھوٹ منوانا چاہتے ہو؟" — ہرقل نے غضب ناک آواز میں کہا۔ "کیا تم جھوٹ
کی سزا سے واقف نہیں؟"

"سب کچھ جانتے ہوئے یہ خبر سنا رہا ہوں شہنشاہِ معظم!" — قاصد نے کہا — "ان دونوں کو
مسلمانوں نے زندہ پکڑ لیا تھا اور دونوں کو انہوں نے دمشق کی شہر پناہ کے قریب لا کر قتل کر دیا ہے۔"

"اور میری بیٹی کے خاوند کی کیا خبر ہے؟" — شہنشاہ ہرقل نے اپنے داماد سالار تُوما کے بارے
میں قاصد سے پوچھا۔

"سالار تُوما دمشق کے اندر ہیں" — قاصد نے جواب دیا — "اور محاصرہ توڑنے کی کوشش کر
رہے ہیں۔"

"دمشق کا محاصرہ ہم توڑیں گے" — شہنشاہ ہرقل نے کہا۔

ہرقل نے انطاکیہ میں اسی لیے ڈیرے ڈالے تھے کہ فوج تیار کر کے جہاں بھی کمک کی ضرورت
ہو گی وہاں فوج بھیجے گا۔ اس نے پہلے ہی لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا
تھا۔ گرجوں میں پادری صرف اس موضوع پر وعظ کرتے تھے کہ لوگوں کا فوج میں بھرتی ہونا کتنا ضروری
ہے۔ وہ کہتے تھے کہ عیسائیت کا خاتمہ ہو جائے گا اور وہ اسلام سے لوگوں کو خوفزدہ کرتے تھے۔

خالدؓ جب دمشق کی طرف بڑھ رہے تھے اس وقت ہرقل نے اعلان کیا تھا کہ جو فوج تیار ہو گئی
ہے وہ اس کے معائنے اور احکام کے لیے اسے دکھائی جائے۔ یہ فوج اس کے سامنے لائی
گئی تو اس نے ایسے جوشیلے اور جذباتی انداز سے فوج سے خطاب کیا کہ سپاہی آگ بگولا ہو گئے۔

"تمہیں کوئی شہنشاہ حکم نہیں دے رہا" — شہنشاہ ہرقل نے کہا۔ "یہ خدا کے بیٹے کا حکم ہے
کہ اس کے دشمنوں کو تباہ کر دو صلیب کی آن پر مر مٹو۔ میں آج شہنشاہ نہیں، تم جیسا سپاہی ہوں۔"

۹ ستمبر ۶۳۴ء (۱۰ رجب ۱۳ھ) کا دن تھا۔ دمشق کے محاصرے کا گیارھواں دن تھا۔ محاصرے
کے دس روز یہ سرگرمی رہی کہ دمشق کے کسی نہ کسی دروازے سے رومیوں کے ایک دو دستے باہر
آتے اور مسلمانوں پر حملہ کرتے لیکن زیادہ آگے نہ آتے۔ مختصر سی جھڑپ لے کر قلعے میں واپس جانے

کی کرتے۔ خالدؓ نے ابھی قلعے پر کسی بھی قسم کا ہلّہ نہیں بولا تھا۔

خالدؓ نے دیکھ بھال کے لیے ہر طرف جاسوس بھیج رکھے تھے۔ محاصرے کے گیارہویں روز ایک جاسوس اس حالت میں خالدؓ کے پاس آیا کہ اُس کا گھوڑا پسینے میں نہایا ہُوا تھا اور جب گھوڑا رُکا تو کانپ رہا تھا۔ سوار کی اپنی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ اُس سے اچھی طرح بولا بھی نہیں جاتا تھا۔ خالدؓ نے پہلے تو اُسے پانی پلایا پھر پوچھا کہ وہ کیا خبر لایا ہے۔

"رومیوں کی ایک فوج آ رہی ہے"— جاسوس نے کہا— "تعداد دس ہزار سے زیادہ ہو گی کم نہیں۔"

"تم نے اسے کہاں دیکھا ہے؟"— خالدؓ نے پوچھا۔

"حمص سے آگے نکل آئی ہے"— جاسوس نے جواب دیا اور ایک جگہ کا نام لے کر اُس نے کہا— "ہمارا ایک دستہ وہاں موجُود ہے۔ رومی فوج کل کسی بھی وقت وہاں تک پہنچ جائے گی۔ ہمارے دستے کی نفری اُس کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہے۔ اسی لیے میں کہیں ایک ثانیہ بھی نہیں رُکا۔ ہمارا دستہ مارا جائے گا اور رومی دمشق تک آ جائیں گے۔"

خالدؓ نے جاسوس کو رخصت کر دیا۔ اُن کے لیے یہ خبر حیران کُن بھی نہیں تھی، پریشان کن بھی نہیں تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ ہرقل انطاکیہ میں ہے اور وہاں وہ آرام اور سکون سے نہیں بیٹھا ہُوا بلکہ وہ دمشق کو بچانے کے انتظامات کر رہا ہے۔ یہ رومی فوج جس کی اطلاع ایک جاسوس لایا تھا، انطاکیہ سے شہنشاہِ ہرقل نے اپنی دمشق والی فوج کے لیے کمک کے طور پر بھیجی تھی۔ مؤرخوں نے اس کی تعداد بارہ ہزار لکھی ہے۔

خالدؓ نے اسی توقع پر کہ رومیوں کی کمک آئے گی، دمشق کی طرف آنے والے راستوں پر پہلے سے ہی تھوڑی تھوڑی نفری کا ایک ایک دستہ بھیج دیا تھا۔ ان کے سپرد یہ کام تھا کہ کمک کو روکے رکھیں مگر یہ جو فوج آ رہی تھی اس کی نفری بہت زیادہ تھی۔ خالدؓ نے اُسی وقت سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ دشمن کی زیادہ نفری آ رہا ہے اور اسے روکنے کے لیے اپنی نفری بہت تھوڑی ہے۔

"رومیوں کی اس کمک کو روکنا ہے"— خالدؓ نے کہا— "اور اپنی نفری جو اس کے راستے میں موجُود ہے اسے جانی نقصان سے بچانا ہے۔ ہمیں محاصرے کو ذرا کمزور کرنا پڑے گا۔"

"اس کمی کو ہم اپنے جذبے سے پُورا کر لیں گے"— سالار شرجبیل نے کہا— "ابنِ ولید! تُو جتنی نفری کافی سمجھتا ہے، یہاں سے نکال کر بھیج دے۔"

"پانچ ہزار سوار کافی ہوں گے"— خالدؓ نے کہا— "رومیوں کی نفری دس ہزار سے زیادہ ہے۔"

"بہت ہے"— ضرارؓ بن الازور نے کہا— "اور مجھے یقین ہے ابنِ ولید کہ تو مجھے مایوس نہیں کرے گا۔ ان پانچ ہزار سواروں کا سالار میں ہوں گا۔"

"تیری خواہش میں رد نہیں کروں گا ابن الازور!"— خالدؓ نے کہا— "لیکن احتیاط کرنا کہ جوش میں آ کر دشمن کی صفوں میں نہ گھس جانا۔ اگر ایسا ضروری ہو جائے تو تجھے پیچھے نہیں رہنا چاہیے..... اور یہ بھی سن لے ابن الازور! اگر تُو نے دیکھا کہ تُو دشمن کو نہیں سنبھال سکے گا تو فوراً کمک مانگ لینا میں بھیج دوں گا۔ وہاں پہلے ایک دستہ موجود ہے، اسے بھی اپنی کمان میں لے لینا۔ یہ ساری نفری

تیرے ماتحت ہو گی۔ اپنا نائب خود ہی چن لے۔"

"رافع بن عمیرہ!"— ضرارؓ نے کہا۔

"لے جا اسے!"— خالدؓ نے کہا— "اور اتنی جلدی وہاں پہنچ جیسے تُو اُڑتا گیا ہو۔"

○

ضرارؓ بن الازور کو درۂ عقاب (ثنیۃ العقاب) کے قریب پہاڑی علاقے میں پانچ ہزار سواروں کے ساتھ پہنچنا تھا۔ وہ جگہ دمشق سے کم و بیش بیس میل دُور تھی۔ ضرارؓ تو جیسے اُڑتے ہُوئے وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں جو نفری موجود تھی اُسے بھی اپنی کمان میں لے لیا۔

یہ علاقہ پہاڑی ہونے کی وجہ سے گھات کے لیے موزوں تھا۔ رومی فوج ابھی وہاں تک نہیں پہنچی تھی۔ ضرارؓ نے بڑی تیزی سے اپنی تمام نفری کو گھات میں چھپا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس روز کا سورج غروب ہو گیا۔ ضرارؓ نے سنتری اس ہدایت کے ساتھ مقرر کیے کہ وہ ٹیکریوں اور چٹانوں کے اُوپر چلے جائیں، باہر نہ جائیں۔ پوری احتیاط کی جا رہی تھی کہ دشمن کو گھات کا پتہ نہ چلے۔

رات گزر گئی۔ صبح طلوع ہوئی اور اس سے تھوڑی ہی دیر بعد دشمن کی فوج آ گئی— اور یہ صحیح معنوں میں فوج تھی۔ نفری زیادہ، تنظیم نہایت اچھی۔ دیکھا گیا کہ اس فوج کے ساتھ بے شمار گھوڑا گاڑیاں تھیں جو سامان سے لدی ہوئی تھیں اور اونٹوں کی تعداد بھی بے حساب تھی جن پر بوریاں لدی ہُوئی تھیں۔ یہ بعد میں پتہ چلا تھا کہ یہ سامان خورد و نوش تھا جو دمشق جا رہا تھا۔ خالدؓ دمشق کے اندر کی اس صورتِ حال سے بے خبر تھے کہ رومیوں نے دمشق کا دفاع تو بڑا اچھا کیا تھا لیکن شہر میں رسد اور خوراک کی اتنی کمی تھی کہ دس دنوں کے محاصرے میں ہی شہری ہر چیز کی قلّت محسوس کرنے لگے تھے۔ ہرقل کو اطلاع مل چکی تھی۔ اُس نے کمک بھیجی اور اس کے ساتھ خوراک کا ذخیرہ بھیج دیا تھا۔

ضرارؓ بن الازور کو بتایا گیا کہ رومی فوج کے ساتھ مال اسباب بے حساب آ رہا ہے تو ضرارؓ نے جوش میں آ کر حسبِ معمول زِرہ، خَود اور قمیض اُتار پھینکی نیم برہنہ ہو کر انہوں نے اعلان کیا کہ بہت موٹا شکار آ رہا ہے۔

رومی جب پہاڑیوں میں آئے تو ضرارؓ کی للکار پر مجاہدینِ اسلام گھات سے نکل کر رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ توقع تو یہ تھی کہ رومی اچانک حملے سے گھبرا اور بوکھلا کر بھاگ اٹھیں گے لیکن اُن کا ردِّعمل ایسا بالکل نہیں تھا۔ انہوں نے یہ چال چلی کہ پیچھے ہٹنے لگے اور درۂ عقاب کے قریب اُس جگہ جا رُکے جو ہموار میدان تھا اور یہ پہاڑی کی بلندی تھی۔ انہوں نے سامان کی گاڑیاں پیچھے بھیج دیں اور اُن کے پیچھے کی فوج آگے آ گئی۔ ان کی تعداد مسلمانوں سے دگنی تھی اور اُن کے انداز سے صاف پتہ چلتا تھا کہ مسلمانوں کا یہ حملہ اُن کے لیے غیر متوقع نہ تھا، وہ اس کے لیے تیار تھے۔ اُنہوں نے قدم جما لیے۔

○

ضرارؓ بن الازور نے دشمن کو اس کیفیت میں دیکھا کہ اُس نے نہ صرف یہ کہ حملہ روک لیا ہے بلکہ وہ سامنے سے بھی اور دائیں بائیں سے بھی حملے کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا جوش و خروش کچھ کم نہ تھا لیکن رومی جس منظم انداز سے لڑ رہے تھے اس سے یہی ایک خطرہ نظر آنے لگا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بھگا کر اور کاٹ کر آگے نکل جائیں گے۔

ضرارؓ کو خالدؓ نے جس حرکت سے منع کیا تھا، انہوں نے وہی حرکت کی۔ پہلے تو وہ منظم طور پر رومیوں پر حملے کراتے رہے لیکن دیکھا کہ رومی پیچھے ہٹنے کی بجائے چڑھے آرہے ہیں تو ضرارؓ جوش میں آگئے اور چند ایک مجاہدین کو ساتھ لے کر رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اُنہوں نے اپنی مخصوص جرأت اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اور جو رومی اُن کے سامنے آیا وہ کٹ کر گرا اور اس طرح وہ اندھا دھند بہت آگے نکل گئے۔

"یہ ہے برہنہ جنگجو!" ——کسی رومی نے نعرہ لگایا۔ یہ کوئی سالار ہو سکتا تھا۔ اُس نے للکار کر کہا —— "گھیرے میں لے لو۔ اسے زندہ پکڑو۔"

ضرار نیم برہنہ ہو کر لڑنے اور دشمن کو ہر میدان میں حیران کُن نقصان پہنچانے میں اتنے مشہور ہو گئے تھے کہ انطاکیہ تک اُن کی شجاعت کے چرچے پہنچ گئے تھے۔ رومیوں نے اس نیم برہنہ جنگجو کو پہچان لیا۔ ضرارؓ کے دائیں بازو میں ایک تیر لگ چکا تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ضرار کے جسم پر دو زخم اور بھی تھے۔ بہرحال ان کے بازو میں تیر اُترنے پر سب متفق ہیں۔ ضرارؓ نے تیر کھینچ کر بازو سے نکال پھینکا۔ تیر نکالنا بڑا ہی اذیت ناک ہوتا ہے۔ وہاں سے گوشت باہر نکل آتا ہے لیکن ضرارؓ بن الازور عاشقِ رسولؐ تھے، وہ تو جیسے اپنے جسم اور اپنی جان سے دست بردار ہو گئے تھے۔ یہ تیر اور تلواریں تو جیسے اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ رومیوں کا تیر کھا کر انہوں نے تیر یوں نکال پھینکا جیسے ایک کانٹا نکال پھینکا ہو۔ اُن کا دایاں ہاتھ تلوار کو مضبوطی سے تھامے رہا اور رومی کٹتے اور گرتے رہے۔

رومی انہیں زندہ پکڑنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ انہوں نے ضرارؓ کے آدمیوں کو جو اُن کے ساتھ آگے نکل گئے تھے، بکھیر کر الگ الگ کر دیا اور ضرارؓ کو گھیرے میں لے لیا۔ اس موقع پر انہیں ایک یا دو زخم آئے۔ آخر کئی رومیوں نے مل کر انہیں پکڑ لیا اور انہیں باندھ لیا۔ رومی بلند آواز سے چلّانے لگے:

"مسلمانو! تمہارا سالار ہمارا قیدی ہو گیا ہے۔"

"ہم نے تمہارے ننگے سالار کو پکڑ لیا ہے۔"

"ہم شہنشاہِ ہرقل کو تحفہ دیں گے۔"

رومیوں کی للکار بلند ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ٹھیک کہتے تھے۔ شہنشاہِ ہرقل کے لیے ضرارؓ سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ اچھا نہیں ہو سکتا تھا۔ رومی انہیں باندھ کر پیچھے لے گئے۔ اُن کے زخموں سے خون بڑی تیزی سے بہا جا رہا تھا جس سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ہرقل تک زندہ نہیں پہنچ سکیں گے۔ رومیوں نے اُن کی مرہم پٹی کر دی۔

اُس دَور کی جنگوں میں فوجیں یوں بھی شکست کھا جاتی تھیں کہ سپہ سالار مارا گیا، پرچم گر پڑا اور پوری کی پوری فوج بھاگ اٹھی لیکن مسلمانوں کا معاملہ اس کے برعکس تھی۔ ضرار جیسا سالار پکڑا گیا تو دشمن کی یہ للکار سن کر کہ اُس نے ان کے سالار کو پکڑ لیا ہے، مسلمانوں نے حملوں کی شدّت میں اضافہ کر دیا۔ وہ لپکتے ہوئے شعلے اور کڑکتی ہوئی بجلیاں بن گئے۔

رافع بن عمیرہ ضرارؓ کے نائب سالار تھے۔ اُنہوں نے گرج کر اعلان کیا کہ اب کمان ان کے ہاتھ میں ہے۔ اُنہوں نے سامنے سے رومیوں پر حملے کرائے۔ خود بھی حملوں کی قیادت کی اور دشمن کی صفوں کو

توڑ کر آگے جانے کی کوشش کی لیکن رومیوں کی صفیں مل کر بڑی مضبوط دیوار بن گئی تھی۔ رافع ضرارؓ کو رہا کرانے کی کوشش میں تھے لیکن اُن کی کوشش کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔

مسلمان اپنے سالار کو دشمن سے چھڑانے کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے تھے۔

○

دوپہر سے ذرا بعد کا وقت تھا۔ خالدؓ دمشق کے اِردگرد گھوم پھر کر جائزہ لے رہے تھے کہ دیوار کہیں سے توڑی جا سکتی ہے یا نہیں۔ دو سالار اُن کے ساتھ تھے۔

"خدا کی قسم، دمشق ہمارا ہے" ——خالدؓ نے کہا —— "رومیوں کو کمک نہیں مل سکتی۔ ضرارؓ اور رافع ان کی کمک کو بھگا چکے ہوں گے" —— خالدؓ چپ ہو گئے۔ ایک گھوڑ سوار اُن کی طرف بڑا تیز آ رہا تھا۔

"قاصد معلوم ہوتا ہے" —— خالدؓ نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر اُس کی طرف بڑھے۔

"سالارِ عالی!" —— گھوڑ سوار نے گھوڑا اُن کے قریب روک کر کہا —— "رومیوں نے ضرارؓ بن الازور کو پکڑ لیا ہے۔ ابن عمیرہ نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ انہوں نے ابن الازور کو رہا کرانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہم ناکام ہو گئے ہیں۔ ابنِ عمیرہ نے مجھے اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ کمک کے بغیر ہم رومیوں کو نہیں روک سکیں گے۔"

"کیا میں نے اُسے منع نہیں کیا تھا کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھنا؟" —— خالدؓ نے برہم سا ہو کر کہا —— "رومی ہمارے اتنی قیمتی سالار کو نہیں لے جا سکتے۔"

خالدؓ نے تمام سالاروں کو بلایا اور انہیں ضرار کی گرفتاری اور بیت لہیا میں رومیوں کے سامنے مسلمانوں کی کمزور حالت کے متعلق بتایا۔

"میں خود ابنِ عمیرہ کی مدد کے لیے جانا چاہتا ہوں" —— خالدؓ نے کہا —— "لیکن محاصرہ کمزور ہو جائے گا۔ رومی باہر آ کر تم پر حملہ کر دیں گے۔ ہماری نفری پہلے ہی کم رہ گئی ہے۔ اگر میں نہیں جاتا اور میں کمک نہیں بھیجتا تو ہمارے پانچ چھ ہزار سوار مارے جائیں گے اور رومیوں کی کمک سیدھی یہاں آ کر ہلّہ بول دے گی۔ بتا سکتے ہو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

"رافع کی مدد کو پہنچنا اور رومیوں کی کمک کو روکنا زیادہ ضروری ہے" —— ابوعبیدہؓ نے کہا —— "ابنِ ولید! تُو سمجھتا ہے کہ تیرا جانا ضروری ہے تو ابھی چلا جا۔ ہمیں اور دمشق کے محاصرے کو اللہ پر چھوڑ۔ رومیوں کو باہر آ کر حملہ کرنے دے۔ وہ زندہ اندر نہیں جا سکیں گے۔"

دوسرے سالاروں نے ابوعبیدہؓ کی تائید کر کے خالدؓ کو یقین دلایا کہ ان کی نفری کم ہو گئی تو بھی وہ محاصرے کو درہم برہم نہیں ہونے دیں گے۔

"اگر مجھے جانا ہی ہے تو میں فوراً نہیں جاؤں گا" —— خالدؓ نے کہا —— "میں ایسے وقت یہاں سے سواروں کو ساتھ لے کر نکلوں گا جب دشمن ہمیں نہیں دیکھ سکے گا.... ابوعبیدہ! میری جگہ لے لے۔ میں آدھی رات کے بعد چار ہزار سوار لے کر نکل جاؤں گا۔ تم سب پر اللہ کی سلامتی ہو۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ چار ہزار سواروں کو تیاری کی حالت میں الگ کر دو اور انہیں بتا دو کہ آدھی رات کے بعد روانہ ہونا ہے۔"

○

بیت لہیا کم وبیش بیس میل دور تھا۔ سورج غروب ہونے تک وہاں رومیوں اور مسلمانوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ رافع بن عمیرہ نے شام تاریک ہونے کے بعد بھی مجاہدین کو رومیوں کے عقب میں پہاڑیوں کے درمیان سے گزار کر بھیجا مگر ہر ٹولی ناکام واپس آئی۔

"جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے۔ ضرارؓ بن الازور موت کے قریب ہوتا جا رہا ہے" ـــــ رافع نے کئی بار کہا ـــ "اللہ کرے وہ زندہ ہو۔ اللہ اُسے زندہ رکھے۔ ہم اسے چھڑا کر ضرور لائیں گے"۔

رات گزر گئی۔ صبح کا اجالا ابھی پوری طرح نہیں نکھرا تھا کہ خالدؓ چار ہزار سواروں کے ساتھ رافع کے پاس پہنچ گئے۔ خالدؓ آدھی رات گزر جانے کے بہت بعد دمشق سے روانہ ہوئے تھے۔ اُنہوں نے چار ہزار سواروں کو شام کے بعد خاموشی سے محاصرے سے ہٹا کر پیچھے کرنا شروع کر دیا تھا اور سوار پیچھے جا کر اکٹھے ہوتے جا رہے تھے۔ یہ جگہ دمشق سے ذرا دور تھی۔ خالدؓ انہیں ساتھ لے کر روانہ ہوئے تو شہر میں محصور رومیوں کو خبر تک نہ ہوئی۔

خالدؓ اور اُن کے سوار دستے کو دیکھ کر رافع اور اُن کے سواروں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ خالدؓ نے بڑی تیزی سے دشمن کا اور رافع کے سواروں کا جائزہ لیا اور دونوں دستوں کو ضرورت کے مطابق ترتیب میں کر کے حملے کا حکم دے دیا۔

حملہ ابھی شروع نہیں ہُوا تھا کہ ایک گھوڑ سوار مسلمانوں کی صفوں سے نکلا اور گھوڑا سرپٹ دوڑاتا خالدؓ سے بھی آگے نکل گیا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں برچھی تھی۔ خالدؓ کو اُس پر غصہ آیا اور انہوں نے چلّا کر اُسے پکارا لیکن وہ رومیوں کی اگلی صف تک پہنچ چکا تھا۔ جسم کے لحاظ سے وہ موٹا تازہ نہیں تھا۔ اُس کے سر پر سبز رنگ کا عمامہ تھا اور اُس نے اپنا چہرہ ایک کپڑا باندھ کر چھپایا ہُوا تھا۔ اُس کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔

"یہ خالدؓ ہے" ـــــ رافع بن عمیرہ نے کہا ـــ "ایسی جرأت خالدؓ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا"۔

رافع ایک پہلو پر تھے جہاں سے خالدؓ نظر نہیں آتے تھے۔ خالدؓ نے حملہ روک لیا اور وہ رافع کے پاس گئے۔ رافع انہیں دیکھ کر حیران ہُوئے۔

''ابن ولید!'' ـــــ رافع نے خالدؓ سے کہا ـــــ ''اگر وہ تو نہیں جو رومیوں پر اکیلا ٹوٹ پڑا ہے تو وہ کون ہے؟''

''میں یہی تجھ سے پوچھنے آیا ہوں'' ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ ''میں نے ابن الازور کو اِسی حرکت سے روکا تھا''۔

''وہ دیکھ ابن ولید!'' ـــــ رافع نے کہا ـــــ ''وہ جو کوئی بھی ہے ذرا دیکھ!''

وہ جو کوئی بھی تھا مسلمانوں کو بھی اور رومیوں کو بھی حیران کر رہا تھا۔ جو رومی اُس کے سامنے آتا تھا وہ اُس کی برچھی یا تلوار کا شکار ہو جاتا تھا۔ یہ سوار کہیں رُکتا نہیں تھا۔ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں برچھی ہونے کے باوجود اُس نے گھوڑے کو اپنے قابو میں رکھا ہوا تھا۔ ایک رومی کو گرا کر وہ دُور چلا جاتا کوئی اُس کے تعاقب میں جاتا تو یہ سوار یکلخت گھوڑے کو روک کر یا گھما کر اپنے تعاقب میں آنے والے کو ختم کر دیتا۔ خالدؓ بھی (مؤرخوں کی تحریروں کے مطابق) دم بخود ہو گئے تھے۔ ایک بار وہ رومیوں کو گرا کر اُس نے

گھوڑا دُور سے موڑا تو خالدؓ کے قریب سے گذرا۔ خالدؓ نے چلّا کر اُسے رُکنے کو کہا لیکن سوار نہ رُکا۔ دیکھنے والوں کو اُس کی صرف آنکھیں نظر آئیں۔ ان آنکھوں میں کچھ اور ہی چمک تھی، بلکہ ان آنکھوں میں دلکشی سی تھی۔ اُس کی تلوار اور اُس کی برچھی کی اَنی خون سے سرخ ہو گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر رومیوں کی طرف جا رہا تھا۔

"ابن ولید!" ـــــ رافع نے غضب ناک آواز میں کہا ـــ "تُو حملے کا حکم کیوں نہیں دیتا؟ خُدا کی قسم، یہ جنگ اس اکیلے سوار کی نہیں"۔

مجاہدین اس سوار کی حیرت ناک شجاعت کو دیکھ کر جوش سے پھٹ رہے تھے اور وہ بھی حملے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

خالدؓ نے حملے کا حکم دے دیا۔

اب مجاہدینِ اسلام نے جو حملہ کیا تو یہ ایسے غضب ناک سیلاب کی مانند تھا جو بند توڑ کر آیا ہو۔ اُس ایک پُراسرار سوار نے مجاہدین کے لشکر میں قہر بھر دیا تھا۔ مجاہدین نے خالدؓ کی بتائی ہُوئی ترتیب سے حملہ کیا لیکن وہ سوار اپنے لشکر سے الگ تھلگ اپنی طرز کی لڑائی لڑتا رہا۔ خالدؓ اُس تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ تو جیسے پاگل ہو چکا تھا یا وہ خودکشی کے انداز سے لڑ رہا تھا۔

ایک بار پھر وہ خالدؓ کے قریب سے گزرا۔

"رُک جا اے جان پر کھیلنے والے!" ـــ خالدؓ چلّائے ـــ "کون ہے تو؟"

سوار نے گھوڑا ذرا روکا۔ خالدؓ کی طرف دیکھا۔ کپڑے کے نقاب سے اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں نظر آئیں اور اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ خالدؓ نے اپنے دو محافظوں سے کہا کہ اس سوار کو گھیر کر لے آئیں ورنہ یہ مارا جائے گا۔ دیکھو، یہ تھک بھی گیا ہے۔ دونوں محافظوں نے گھوڑے دوڑا دیئے اور اُسے جا لیا۔

"کیا تُو نے سُنا نہیں سالارِ اعلیٰ نے تجھے بار بار پکارا ہے؟" ـــــ ایک محافظ نے اُسے کہا۔

سوار محافظوں کو چُپ چاپ دیکھتا رہا۔

"سالارِ اعلیٰ تجھ سے خفا نہیں" ـــ دوسرے محافظ نے کہا ـــ "آ اور اُس سے خراجِ تحسین وصول کر"۔

سوار نے ایک بار پھر گھوڑے کا رخ دشمن کی طرف کر دیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ایڑ لگاتا، ایک محافظ نے اپنا گھوڑا اُس کے آگے کر دیا اور دوسرے نے اس کی لگام پکڑ لی عجیب بات تھی کہ سوار نے کوئی بات نہ کی اور نقاب سے اُس کی صرف آنکھیں نظر آتی رہیں۔ یہ عام سی آنکھیں نہیں تھیں۔

محافظ اُسے اپنے ساتھ لے گئے اور خالدؓ کے سامنے جا کھڑا کیا۔ اُس نے برچھی اور تلوار سے اتنے زیادہ رومیوں کو ہلاک کیا تھا کہ دونوں ہتھیار پورے کے پورے لال ہو گئے تھے اور ان سے خون بہہ کر اس سوار کے ہاتھوں تک چلا گیا تھا اور کپڑوں پر بھی چھینٹے پڑے تھے۔ خالدؓ نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا تو اُس نے نظریں جُھکا لیں۔

"آنکھوں سے تُو نوعمر لڑکا لگتا ہے" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــ "تُو نے اپنی شجاعت کا سکّہ میرے دل پر بٹھا دیا ہے۔ تیری قدر میرے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ خدا کی قسم، میں تیرا چہرہ دیکھوں گا اور تُو بتا کہ تُو ہے کون؟"

"تو میرا امیر ہے اور میرا سالار ہے" ــــ سوار نے کہا ــــ "اور تو میرے لیے غیر مرد ہے میں تیرے سامنے اپنا چہرہ کیسے بے نقاب کردوں۔ جسے تو میری شجاعت کہتا ہے یہ ایسا اشتعال اور غصہ ہے جو میرے اختیار سے باہر ہے۔"

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو" ــــ خالدؓ نے اس سوار کی بات سن کر کہا ــــ "کس کی بیٹی ہے تو؟ کس کی بہن ہے تو؟"

"میں الازور کی بیٹی خولہ ہوں" ــــ اُس نے جواب دیا۔

"ضرارؓ بن الازور کی بہن!" ــــ خالدؓ نے کہا۔

"خدا کی قسم!" ــــ خولہ بنت الازور نے کہا ــــ "میں اپنے بھائی کو رومیوں کی قید سے چھڑا کر دم لوں گی۔"

"خوش نصیب ہے الازور جس کے گھر میں ضرارؓ جیسے بیٹے اور خولہ جیسی بیٹی نے جنم لیا ہے" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "یہ لڑائی صرف تیری نہیں بنت الازور! ہمارے ساتھ رہ اور دیکھ کہ ہم تیرے بھائی کو کس طرح رہا کراتے ہیں۔"

اُس دَور میں عورتیں بھی اپنے خاوندوں اور بھائیوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں جایا کرتی تھیں۔ خولہ اپنے بھائی ضرارؓ کے ساتھ آئی تھیں۔ انہیں پتہ چلا کہ اُن کے بھائی کو رومیوں نے قید کرلیا ہے تو انہوں نے اسے ذاتی جنگ سمجھ لیا۔ سپہ سالار خالدؓ کی بھی پرواہ نہ کی اور رومیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ عورتیں اور بچے دمشق کے مضافات میں تھے۔ خولہ وہاں سے خالدؓ کے چار ہزار سواروں کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھیں۔ جوں ہی رومی اور مسلمان آمنے سامنے آئے خولہ نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور رومیوں پر ٹوٹ پڑیں۔

خولہ نے ایسی مثال قائم کردی جس نے مجاہدینِ اسلام کو نیا حوصلہ اور نیا ولولہ دیا۔

○

اب مسلمانوں کی نفری بھی زیادہ ہوگئی تھی اور قیادت خالدؓ کی تھی۔ خالدؓ کے ساتھ جو چار ہزار سوار گئے تھے وہ تازہ دم تھے۔ اس کے علاوہ پورا لشکر ضرارؓ کے قیدی ہوجانے پر آگ بگولہ تھا۔ رومیوں کے لیے اس حملے کو برداشت کرنا ناممکن ہوگیا۔ اُنہوں نے جم کر لڑنے کی کوشش کی لیکن خالدؓ کی چالوں اور اُن کے لشکر کے غیظ و غضب کے سامنے رومی ٹھہر نہ سکے۔ رومیوں کی فوج چونکہ ایک منظم اور تربیت یافتہ فوج تھی اس لیے اس کی پسپائی بھی منظم تھی۔ اسے پسپا کرنے میں خالدؓ کو بہت زور لگانا پڑا۔ رومیوں کی پسپائی سے یہ مقصد تو پورا ہوگیا کہ دمشق کے دفاعی دستے کمک اور رسد سے محروم رہے۔ رومیوں کا یہ کمال تھا کہ وہ جو رسد ساتھ لاتے تھے وہ اپنے ساتھ ہی لے جا رہے تھے۔

اب دوسرا مقصد سامنے تھا اور وہ تھا ضرار کی رہائی۔ اس مقصد کے لیے خالدؓ نے رومیوں کا تعاقب جاری رکھا۔ رومی اور تیزی سے پسپا ہونے لگے۔ خالدؓ نے ہر داؤ کھیلا مگر رومیوں نے کوئی داؤ کامیاب نہ ہونے دیا۔ خالدؓ نے تعاقب کی رفتار کم نہ کی۔ اُن کی کوشش یہ تھی کہ رومی کہیں رُکنے نہ پائیں۔ خالدؓ خود پیچھے رہ گئے۔

یہ بہن کا ایثار تھا جو اللہ نے قبول کیا اور یہ ضرارؓ کا عشقِ رسولؐ تھا جو اللہ کو اچھا لگا۔ ضرارؓ کی سرفروشی کو اللہ نے نظر انداز نہ کیا۔ پتہ چلا کہ ضرارؓ رومیوں کی قید میں زندہ ہیں۔ یہ خبر دینے والے دو عربی تھے جو اس

علاقے میں آکر آباد ہوتے تھے۔ خالدؓ کے دو چار سوار چھوٹی سی ایک بستی کے قریب سے گزرتے رُک گئے۔ وہ پانی پینا چاہتے تھے۔ بستی کے لوگ اس خیال سے خوفزدہ ہوگئے کہ یہ فاتح فوج کے آدمی ہیں اس لیے یہ لوٹ مار کریں گے اور جوان لڑکیوں پر ہاتھ ڈالیں گے۔ آبادی میں طرلونگ سی بچ گئی۔ دو آدمی مسلمان سواروں کے پاس آئے۔

"ہم بھی عرب کے باشندے ہیں" ــــ اُنہوں نے سواروں سے کہا ــــ "ہم مسلمان تو نہیں پھر بھی عرب کی مٹی کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ ہماری خاطر اس بستی پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔"

"تم نہ کہتے تو بھی ہم اس بستی کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے" ــــ ایک مسلمان سوار نے کہا ــــ "ان لوگوں سے کہو کہ ہم سے نہ ڈریں۔ ہم تم سب کے محافظ ہیں۔ ہم پانی پی کر چلے جائیں گے۔"

دونوں عربوں نے بستی کے لوگوں سے کہا کہ وہ ڈریں نہیں اور اپنے گھروں میں رہیں۔ ان عربوں نے سواروں کو اور اُن کے گھوڑوں کو پانی پلایا اور اس دوران وہ سواروں کے ساتھ باتیں بھی کرتے رہے۔ باتوں باتوں میں ان عربوں نے سواروں کو بتایا کہ ایک گھوڑے پر رومیوں نے ایک آدمی کو باندھ رکھا تھا۔ اُس کا سر ننگا تھا اور اُس کی قمیض بھی نہیں تھی اور اُس کے ایک بازو پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

"اُسے انہوں نے یہاں پانی پلانے کے لیے روکا تھا" ــــ ایک عرب نے بتایا ــــ "وہ تمہارا ساتھی معلوم ہوتا تھا۔"

مسلمان سواروں کو شک نہ رہا۔ یہ ضرارؓ تھے۔ سواروں نے ان عربوں سے مزید معلومات لیں۔ ضرارؓ کے ساتھ تقریباً ایک سو رومی تھے۔ وہ رومی لشکر کی پسپائی سے بہت پہلے وہاں سے گزرے تھے اور وہ حمص کی طرف جا رہے تھے۔

مسلمان سواروں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ وہ پیچھے جا کر سپہ سالار کو ضرارؓ بن الازور کے متعلق یہ اطلاع دے۔

○

"الحمدللہ!" ــــ خالدؓ نے یہ خبر سن کر کہا ــــ "ضرار زندہ ہے اور وہ زندہ رہے گا۔ انہوں نے اسے قتل کرنا ہوتا تو کرچکے ہوتے۔ وہ اُسے اپنے بادشاہ کے پاس لے جا رہے ہیں ۔۔۔۔ ابن عمیرہ کو بلاؤ۔"

رافع ابن عمیرہ آئے تو خالدؓ نے انہیں ضرارؓ کے متعلق جو اطلاع ملی تھی، پوری سنا کر کہا کہ وہ ایک سو سوار چن لیں جو جان پر کھیلنے والے شہسوار ہوں۔ انہیں ساتھ لے کر حمص کی طرف ایسا راستہ اختیار کریں جو راستہ نہ ہو۔ مطلب یہ تھا کہ راستہ چھوٹا کر کے حمص کی طرف جائیں اور اُن ایک سو رومیوں کو روکیں اور ابن الازور کو رہا کرائیں۔

رافع جب سواروں کا انتخاب کر رہے تھے تو ضرارؓ کی بہن کو پتہ چل گیا کہ رافع ضرارؓ کو آزاد کرانے کے لیے جا رہے ہیں۔ وہ رافع کے پاس دوڑی گئیں اور کہنے لگیں کہ وہ بھی اُن کے ساتھ جائیں گی۔

"نہیں بنت الازور!" ــــ رافع نے کہا ــــ "خدا کی قسم، جو کام ہمارا ہے وہ ہم ایک عورت سے نہیں کرائیں گے۔ تجھے تیرا بھائی چاہیے۔ وہ تمہیں مل جائے گا۔ نہیں ملے گا تو ہم بھی واپس نہیں آئیں گے۔"

"میں اگر سپہ سالار سے اجازت لے لوں!"

"ابنِ ولید تجھے اجازت نہیں دے گا الازور کی بیٹی!" ـــــ رافع نے کہا۔

خولہ مایوس ہو گئیں۔

رافع چنے ہوئے ایک سو سواروں کے ساتھ بڑی عجلت سے روانہ ہو گئے۔ انہوں نے حمص کی طرف جانے والے راستے کا اندازہ کر لیا تھا۔ وہ اس راستے سے دُور دُور تیز رفتار سے گھوڑے دوڑاتے گئے۔

وہ زیادہ دُور نہیں گئے ہوں گے کہ ایک طرف سے ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آرہا تھا۔ وہ رومی نہیں ہو سکتا تھا۔ رومی ہوتا تو اکیلا نہ ہوتا۔ وہ خالدؓ کا قاصد ہو سکتا تھا۔ کوئی نیا حکم لایا ہوگا۔ وہ قریب آیا تو اُس کا سبز عمامہ اور چہرے پر کپڑے کا نقاب نظر آیا۔

"ابن عمیرہ!" ـــ سوار نے للکار کر کہا ـــ "اپنے بھائی کو آزاد کرانے کے لیے میں آگئی ہوں۔"

"کیا سپہ سالار نے تجھے اجازت دے دی ہے؟" ـــــ رافع نے پوچھا۔

"اپنے بھائی کو قید سے چھڑانے کے لیے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں" ـــــ خولہ بنت الازور نے کہا ـــ "اگر تو مجھے اپنے سواروں میں شامل نہیں ہونے دے گا تو میں اکیلی آگے جاؤں گی۔"

"خدا کی قسم بنت الازور!" ـــــ رافع نے کہا ـــ "میں تجھے اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ آ، ہمارے ساتھ چل۔"

یہ جواں سال عورت ساتھ چل پڑی۔

o

ایک سو رومی سوار ضرارؓ بن الازور کو گھوڑے پر اس حالت میں بٹھائے لے جا رہے تھے کہ اُن کے ہاتھ رسیوں سے بندھے ہوئے تھے اور پاؤں اس طرح بندھے تھے کہ گھوڑے کے پیٹ کے نیچے سے رسی گزار کر دونوں ٹخنوں سے بندھی ہوئی تھی۔ رومی اُن پر پھبتیاں کستے اور اُن کا مذاق اڑاتے جا رہے تھے اور ضرارؓ چپ چاپ سنتے جا رہے تھے۔

ایک جگہ راستہ نشیب میں چلا جاتا تھا۔ اس کے دائیں بائیں علاقہ کھڈوں کا تھا۔ جب رومی اس نشیب میں سے گزر رہے تھے تو اچانک دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے سے رافع کے سواروں نے اُن پر ہلّہ بول دیا۔ رومیوں کے لیے یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ وہ اس طرح جا رہے تھے جیسے میلے پر جا رہے ہوں۔

ضرارؓ کی بہن خولہ نے اپنے بھائی کو دیکھا تو اُس نے رومیوں پر اسی طرح حملے شروع کر دیئے جس طرح وہ پوری رومی فوج پر کر چکی تھی۔ رافع بھی ایسے ہی جوش میں تھے۔ اُن کے سوار ہزاروں میں سے چُنے ہوئے تھے۔ انہوں نے رومیوں کا ایسا بُرا حال کر دیا کہ اُن میں سے جو مرے نہیں یا زخمی نہیں ہوئے تھے، بھاگ اُٹھے۔

خطرہ یہ تھا کہ رومی ضرارؓ کو قتل کر دیں گے۔ اُن کی بہن تلوار اور برچھی چلاتی ضرارؓ تک پہنچ گئی۔ رومیوں نے اُن کی یہ کوشش کامیاب نہ ہونے دی لیکن رافع نے ایسا ہلّہ بولا کہ رومی سوار بکھر گئے پھر فرداً فرداً بھاگ اُٹھے۔ سب سے پہلے ضرارؓ نے رافع سے ہاتھ ملایا اور جب بہن بھائی ملے تو وہ منظر رقت انگیز بھی تھا اور ولولہ انگیز بھی۔ بہن اپنے بھائی کے زخم دیکھنے کو بیتاب تھی۔

بعض مؤرخوں نے خولہ کے یہ الفاظ لکھے ہیں ـــ "میرے عزیز بھائی! میرے دل کی تپش دیکھ کس طرح تیرے فراق میں جل رہا ہے۔"

"اپنے زخم دکھا ضرار!" ـــــ بہن نے بیتابی سے کہا۔

"مت دیکھو خولہ!" ـــ ضرارؓ نے بہن سے کہا ـــ "اور یہ زخم مجھے بھی نہ دیکھنے دو۔ یہ زخم دیکھنے کا وقت نہیں" ـــــ ضرارؓ نے رافع اور اُن کے سواروں سے کہا ـــ "چلو دوستو! رومی کہاں ہیں؟ دمشق کے محاصرے کا کیا بنا؟"

رومی لڑ بھی رہے تھے اور پسپا بھی ہو رہے تھے۔ یہ ان کی تنظیم بھی تھی اور جرأت بھی کہ وہ بھاگ نہیں رہے تھے۔ ایک ایسی جگہ آگئی جس کے دونوں طرف چٹانیں اور کچھ بلند ٹیکریاں تھیں۔ رومی لشکر کو سکڑنا پڑا۔ خالدؓ نے اپنے دونوں پہلوؤں کے سالاروں سے کہا کہ وہ چٹانوں کی دوسری اطراف میں نکل جائیں اور سرپٹ رفتار سے رومیوں کے عقب میں چلے جائیں۔

رومی نہ دیکھ سکے کہ چٹانوں کے پیچھے سے اُن پر کیا آفت ٹوٹنے والی ہے۔ خالدؓ نے تعاقب کی رفتار کم کر دی۔ رومی سمجھے ہوں گے کہ مسلمان تھک گئے ہیں۔ انہوں نے پسپائی روک لی۔ خالدؓ نے اپنے دستوں کو روک لیا۔

اچانک عقب سے رومیوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ سامنے سے خالدؓ نے شدید حملہ کر دیا۔ رومیوں کی حالت یہ ہو گئی کہ وہ گھوڑوں کو چٹانوں اور ٹیکریوں پر چڑھا لے گئے اور دوسری طرف اُتر کر بھاگ گئے۔ توقع تھی کہ رومی رسد وغیرہ کا جو ذخیرہ ساتھ لا رہے تھے وہ مسلمانوں کے ہاتھ آجائے گا لیکن رومیوں نے گڈاگاڑیوں اور اونٹوں کو پہلے ہی حمص کو روانہ کر دیا تھا۔

حمص کی طرف جانے والی رہگذر پر رومیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ زخمی تڑپ اور کراہ رہے تھے۔ اُن کے گھوڑے اِدھر اُدھر آوارہ پھر رہے تھے۔ مجاہدین نے حکم ملتے ہی اپنے ساتھیوں کی لاشیں اور زخمیوں کو اٹھانا، زخمی اور مرے ہوئے رومیوں کے ہتھیاروں کو اکٹھا اور اُن کے گھوڑوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔

"کاش! میرے پیچھے دمشق نہ ہوتا" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "میں دشمن کے ایک آدمی کو بھی حمص تک نہ پہنچنے دیتا۔"

خالدؓ نے تعاقب ترک کر دیا لیکن اس خطرے کے پیشِ نظر کہ رومی کہیں اکٹھے یا حمص سے کمک منگوا کر واپس نہ آجائیں، اپنے ایک سالار سمط بن الاسود کو بلایا۔

"ایک ہزار سوار اپنے ساتھ لو اور رومیوں کے پیچھے جاؤ" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "انہیں کہیں اکٹھے نہ ہونے دینا۔ جنگی قیدی نہیں لینے۔ جو سامنے آتے اُسے ختم کرو۔ فوراً روانہ ہو جاؤ۔"

"ولید کے بیٹے!" ـــــ خالدؓ کو کسی کی پکار سنائی دی۔

"وہ آگیا میرا گمشدہ جنگجو!" ـــــ خالدؓ نے ضرارؓ کو آتے دیکھ کر نعرہ لگایا۔

ضرار کو اپنے زخموں کی پرواہ ہی نہیں تھی۔ وہ گھوڑے سے کود کر اُترے۔ خالدؓ بھی گھوڑے سے اُترے اور تاریخِ اسلام کے دو عظیم مجاہد ایک دوسرے کے بازوؤں میں جکڑے گئے۔ خولہ گھوڑے پر سوار تھی۔ اُس کا چہرہ نقاب میں تھا، صرف آنکھیں نظر آتی تھیں جن کی چمک اور زیادہ روشن ہو گئی تھی۔

"خدا کی قسم ابن الازور!" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــ "تیری بہن نے تیری خاطر میرا بھی منہ پھیر دیا تھا۔"

"اس بہن پر اللہ کی رحمت ہو"۔۔۔ ضرّار نے کہا۔۔۔"تو مجھے بتا میں کیا کروں"۔

"کیا تو محسوس نہیں کر رہا کہ تجھے ابھی آرام کرنا چاہیئے؟"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔"پہلے جرّاح کے پاس جا اور اُسے اپنے زخم دکھا"۔

ضرّار بن الازور جرّاح کے پاس چلے تو گئے لیکن پٹیاں بندھوا کر آ گئے۔

○

سالار سمط بن الاسود رومیوں کے تعاقب میں گئے۔ رُومی بُری طرح بھاگے جا رہے تھے۔ اُن کی آدھی نفری تو لڑائی اور پسپائی میں ختم ہو گئی تھی اور باقی نصف بکھر گئی تھی۔ سمط جب حمص کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ رومی حمص کے قلعے میں داخل ہوتے جا رہے ہیں۔ اُس دَور میں حمص ایک قلعہ بند قصبہ ہُوا کرتا تھا۔

سمط وہاں جا کر رُک گئے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ قلعے کے اندر کتنی فوج ہے، پھر بھی انہوں نے اپنے ہزار سواروں کو قلعے کے اردگرد اس انداز سے دوڑایا جیسے وہ محاصرہ کرنا یا قلعے پر حملہ کرنا چاہتے ہوں۔

قلعے کا دروازہ کُھلا اور تین چار آدمی جو فوجی نہیں تھے، باہر آئے۔ وہ رومی نہیں مقامی باشندے تھے۔ سالار سمط بن الاسود نے انہیں اپنے پاس بلایا۔

"کیوں آئے ہو؟"۔۔۔ سمط نے پوچھا۔

"امن اور دوستی کا پیغام لے کر آئے ہیں"۔۔۔ ایک نے کہا۔۔۔"رومی مزید لڑائی نہیں چاہتے"۔

"کیا تمہارا شہنشاہ ہرقل بھی مزید لڑائی نہیں چاہتا؟"۔۔۔ سمط نے پوچھا۔

"ہم شہنشاہِ روم کی ترجمانی نہیں کر سکتے"۔۔۔ حمص کے ایک شہری نے کہا۔۔۔"ہم یہ پیغام لائے ہیں کہ حمص والے نہیں لڑنا چاہتے۔ آپ جس قدر سامانِ خورد و نوش چاہتے ہیں ہم سے لے لیں۔ آپ جتنے دن بھی یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں کریں۔ آپ کی فوج اور گھوڑوں کو خوراک ہم مہیا کریں گے"۔

کسی بھی تاریخ میں نہیں لکھا کہ سالار سمط نے حمص میں رومیوں سے صلح کی کیا شرائط منوائی تھیں۔ وہ واپس آ گئے۔ خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ دمشق جا چکے تھے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ خالدؓ جب دمشق پہنچے تو شہر کے اندر مایوسی اور خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔

شہر والوں کو پہلے یہ اطلاع ملی تھی کہ انطاکیہ سے کمک اور رسد آ رہی ہے۔ اب انہیں اطلاع ملی کہ کمک کو مسلمانوں نے راستے میں ختم کر دیا ہے۔ دمشق میں رومی سالار تُوما تھا جو شہنشاہِ ہرقل کا داماد تھا۔ چند ایک شہری وفد کی صورت میں توما کے پاس گئے۔

"کیا آپ کو کسی نے بتایا ہے کہ شہر میں لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں؟"۔۔۔ ایک شہری نے کہا۔

"کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ یہ بُزدلی ہے؟"۔۔۔ توما نے کہا۔۔۔"ہم نے ابھی محاصرہ توڑنے کی کارروائی کی ہی نہیں۔ کیا تم لوگ مجھے یہ مشورہ دینے آئے ہو کہ میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دوں؟"

"ہم سالارِ معظم کو شہر کی صورتِ حال بتانے آئے ہیں"۔۔۔ وفد کے ایک اور آدمی نے کہا۔۔۔"شہر کے لوگ یہ سن کر ہراساں ہیں کہ جس فوج نے محاصرہ بھی کر رکھا ہے اور ہماری کمک کو بھی ختم کر دیا

ہے، وہ اس شہر میں بھی داخل ہو جائے گی پھر گھر ہمارے لُوٹے جائیں گے، بچے ہمارے کچلے جائیں گے اور لڑکیاں ہماری اُٹھائی جائیں گی"۔

"ہم یہاں تک نوبت نہیں آنے دیں گے"۔۔۔ سالار تُوما نے کہا۔

"سالارِ معظم!"۔۔۔ ایک اور شہری نے کہا۔۔۔"آپ کو یقیناً معلوم ہو گا کہ نوبت کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ شہر میں خوراک اتنی کم رہ گئی ہے کہ لوگوں نے دوسرے وقت کا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ دو تین دنوں بعد صرف پانی رہ جائے گا۔ غور کریں۔ لوگ فاقہ کشی سے تنگ آ کر بغاوت بھی کر سکتے ہیں۔ یہ صورت سلطنتِ روم کے لیے اچھی نہیں ہو گی"۔

"کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ بغاوت کی سزا کیا ہے؟"۔۔۔ تُوما نے شاہی رعب سے کہا۔

"ہم جانتے ہیں سالارِ عالی!"۔۔۔ وفد کے ایک آدمی نے کہا۔۔۔"ہم آپ کو قحط اور اس سے پیدا ہونے والی بغاوت کے نتائج بتانے آئے ہیں۔ کیا اس تباہی سے اور لوگوں کو بھوکا مارنے سے بہتر نہ ہو گا کہ آپ مسلمانوں سے صلح کر لیں؟"

"دشمن سے صلح کا مطلب ہوتا ہے ہتھیار ڈالنا"۔۔۔ تُوما نے کہا۔۔۔"میں لڑے بغیر کوئی ایسا فیصلہ نہیں کروں گا جو روم کی عظیم سلطنت کی توہین کا باعث ہو۔ ہم اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں اور تم لوگ ایک وقت کی بھوک برداشت نہیں کر سکتے... جاؤ، کل تک انتظار کرو"۔

○

وہ ستمبر ۶۳۴ء کے تیسرے ہفتے کی ایک صبح تھی۔ رومی سالار تُوما نے شہر کے ہر دروازے کی حفاظت کے لیے جو دستے متعین کیے ہُوئے تھے، ان سب میں سے زیادہ سے زیادہ نفری نکال کر اکٹھی کی اور وہ دروازہ کُھلوایا جو اُس کے اپنے نام سے موسوم تھا۔۔۔ بابِ توما۔۔۔ اور اپنی قیادت میں مسلمانوں کے اُس دستے پر حملہ کر دیا جو اِس دروازے کے سامنے متعین تھا۔

یہ پانچ ہزار مسلمان سواروں کا دستہ تھا جس کے سالار شرجیلؓ بن حسنہ تھے۔ تُوما کے حملے کا انداز آج کے دَور کی جنگ کا سا تھا۔ اُس نے دیوار اور بُرجوں سے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑیں مارنی شروع کیں اور اس کے ساتھ فلاخنوں سے سنگ باری کی۔ تیروں اور پتھروں کے سائے میں تُوما نے اپنی فوج کو تیز حملے کے لیے آگے بڑھایا تھا۔ یہ طریقہ کارگر تھا۔ مسلمان پیچھے ہٹنے پر مجبور نظر آنے لگے تھے اور اُن کا دھیان تیروں اور پتھروں سے بچنے پر لگ گیا تھا۔

"کوئی پیچھے نہیں ہٹے گا"۔۔۔ سالار شرجیلؓ نے چلّا کر کہا۔۔۔"تمام تیر انداز آگے ہو جاؤ"۔

مسلمان تیر اندازوں نے جوابی تیر اندازی شروع کر دی۔ رومیوں کے پتھر اور تیر چونکہ اوپر سے آ رہے تھے اور زیادہ بھی تھے اس لیے مسلمانوں کا نقصان زیادہ ہو رہا تھا۔ پہلی بوچھاڑوں میں کئی مسلمان شہید ہو گئے۔ ان کے تیروں نے رومیوں کا کچھ نقصان کیا لیکن یہ مسلمانوں کے مقابلے میں کم تھا۔

مؤرخ واقدی، طبری اور ابو سعید نے ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ رومی تیروں سے شہید ہونے والوں میں ایک مجاہد ابان بن سعید بھی تھے جن کا پورا نام ابان بن سعید بن العاصؓ تھا۔ فوراً ہی ابان کی شہادت کی خبر پیچھے اُن خیموں تک پہنچ گئی جن میں مسلمانوں کی خواتین اور بچے تھے۔

ابان بن سعید کی بیوی بھی وہیں تھی۔ ان کی شادی ہُوئے چند ہی دن گزرے تھے۔ یہ خاتون لشکر کے ساتھ زخمیوں کی دیکھ بھال اور پانی پلانے کے فرائض کے لیے آئی تھیں اور محاذ پر ہی اُسے ابان شہید نے اپنے عقد میں لے لیا۔ کسی بھی مؤرخ نے اس خاتون کا نام نہیں لکھا۔ اُسے پتہ چلا کہ اُس کا خاوند شہید ہو گیا ہے تو وہ اُٹھ دوڑی اور شرجبیلؓ کے دستے میں جا پہنچی۔

"کہاں ہے میرے خاوند کی لاش؟" —— وہ چلانے لگی —"کہاں ہے سعید کے بیٹے کی لاش؟"

پانچ ہزار گھوڑ سواروں میں جن پر تیر اور پتھر برس رہے تھے، ابان بن سعید شہید کی بیوہ دوڑتی اور شہید کی لاش کا پوچھتی پھرتی تھی۔ کسی نے اُسے پیچھے جانے کو کہا اور یہ بھی کہ اُس کے خاوند کی لاش اُس کے پاس بھیج دی جائے گی لیکن وہ تو صدمے سے جیسے دماغی توازن کھو بیٹھی تھی۔

کسی نے اُسے وہ جگہ دکھا دی جہاں ابان کی لاش پڑی تھی۔ ابھی لاشیں نہیں اٹھائی جا سکتی تھیں۔ ابان تیر انداز تھے۔ اُن کے جسم میں تین تیر اُترے ہوئے تھے اور وہ گھوڑے سے گر پڑے تھے۔ اُن کی کمان لاش کے قریب پڑی ہُوئی اور ترکش میں ابھی کئی تیر موجود تھے۔ ان کی بیوی نے کمان اور ترکش اٹھائی اور دوڑ کر تیر اندازوں کی صف میں جا پہنچی۔

سامنے دیوار پر ایک پادری کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں بڑے سائز کی صلیب تھی جو اُس نے اُوپر کر رکھی تھی۔ یہ اُس دَور کا رواج تھا کہ صلیب فوج کے ساتھ رکھتے تھے تاکہ فوج کا یہ احساس زندہ رہے کہ وہ صلیب کی ناموس کی خاطر لڑ رہے ہیں۔

ابان شہید کی بیوہ اپنے تیر اندازوں سے آگے نکل گئی۔ اُس کے قریب تیر گرنے اور زمین میں اُترنے لگے۔ اپنے تیر اندازوں نے اُسے پیچھے آنے کو کہا لیکن وہ کسی کی سن ہی نہیں رہی تھی۔ اُس کی بے خوفی خولہ بنت الازور جیسی تھی۔ وہ جوں جوں آگے کو سرکتی جا رہی تھی، اُس کے قریب رومیوں کے آئے ہُوئے تیر زمین پر کھڑے ہوتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک تیر اُس کے پہلو میں کپڑوں میں لگا اور وہیں لٹک گیا۔ یہ تیر بھی اُسے آگے بڑھنے سے روک نہ سکا۔

آخر وہ رُک گئی اور اُس نے کمان میں تیر ڈالا اور کمان سامنے کر کے شست باندھنے کچھ دیر لگائی۔ اُس نے کمان اتنی زیادہ کھینچ لی جتنی ایک تندرست مرد کھینچ سکتا ہے اور اس نے تیر چھوڑ دیا۔ اُس کا تیر رومی تیروں کی بوچھاڑوں کو چیرتا ہُوا اُس پادری کی گردن میں اُتر گیا جس نے صلیب کو تھام رکھا تھا۔ پہلے اُس کے ہاتھ سے صلیب گری اور لڑھکتی ہوئی باہر آ پڑی۔ پادری بھی پیچھے یا دائیں بائیں گرنے کی بجائے دیوار پر گرا اور صلیب کے پیچھے پیچھے باہر کی طرف آ پڑا۔

ابان شہید کی بیوہ نے نعرہ لگایا اور پیچھے آ گئی —"میں نے انتقام لے لیا ہے.... سہاگ کے بدلے صلیب گرا دی ہے" —— وہ تیر اندازوں سے آ ملی اور تیر چلاتی رہی۔ صلیب اور پادری کے گرنے کا اثر مسلمانوں پر یہ ہُوا کہ ان کا حوصلہ بڑھ گیا اور اُن کا حوصلہ اس لیے بھی بڑھا کہ یہ تیر ایک عورت نے چلایا تھا۔ صلیب کے گرنے کا اثر جو رومیوں پر ہُوا وہ اُن کے لڑنے کے جذبے کے لیے اچھا نہ تھا۔

○

دروازہ —— باب توما —— کھُل چکا تھا۔ توما نے دیکھ لیا تھا کہ اُس کی تیر اندازی اور سنگ باری نے

مسلمانوں کی حالت کمزور کر دی ہے۔ اُس نے حملے کا حکم دے دیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اُس نے سواروں کے مقابلے میں سوار نہ نکالے۔ اس نے پیادوں سے حملہ کرایا اور کمان خود باہر آ کر کی۔ وہ سپاہیوں کی طرح لڑ رہا تھا۔ مؤرخ واقدی اور بلاذری نے لکھا ہے کہ توما کی آواز ایسی تھی جیسے اونٹ بدمستی کی حالت میں بڑی بلند اور غصیلی آوازیں نکالتا ہے۔

شرجبیلؓ نے بڑی تیزی سے اپنے سواروں کو آمنے سامنے کی لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ تُوما نے یہ چال چلی کہ اپنے دستوں کو پھیلا دیا۔ اس کی فوج کی تعداد مسلمانوں کی نسبت زیادہ تھی۔ اُس کے پیادے سواروں کا مقابلہ بڑی بے جگری اور مہارت سے کر رہے تھے۔ شہر کے دوسرے دروازوں کے سامنے مسلمانوں کے جو دستے متعین تھے وہ اس وجہ سے شرجبیلؓ کی مدد کو نہیں آ رہے تھے کہ ایسا ہی حملہ دوسرے دروازوں سے بھی ہو سکتا تھا۔

توما گرج اور دھاڑ رہا تھا۔ اُسے مسلمانوں کا پرچم نظر آ گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کا سالار وہاں ہے۔ وہ سیدھا اِدھر آیا۔ شرجبیلؓ نے اُسے دیکھ لیا اور تلوار سونت کر اُس کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔

دونوں نے ایک دوسرے کو للکارا۔ اُن میں دس بارہ قدم فاصلہ رہ گیا ہو گا کہ ایک تیر تُوما کی دائیں آنکھ میں اُتر گیا۔ اُس نے ہاتھ اُس آنکھ پر رکھ لیے اور وہ بیٹھ گیا۔ شرجبیلؓ نے آگے بڑھ کر اُس پر حملہ نہ کیا۔ توما کے محافظوں نے اُس کے گرد حصار بنا لیا پھر اسے اُٹھا کر لے گئے۔

مؤرخوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ یہ تیر ابان بن سعید شہید کی بیوہ نے چلایا تھا۔

اپنے سالار کے گرنے سے رومیوں کا حوصلہ بھی گر پڑا اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ شرجبیلؓ کے پہلوؤں والے تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑیں مارنی شروع کر دیں۔ رومی تیزی سے پیچھے ہٹے اور قلعے کے دروازے میں غائب ہوتے چلے گئے اور پیچھے جو لاشیں چھوڑ گئے ان کا کوئی حساب نہ تھا۔

"رومیوں کا سپہ سالار مارا گیا ہے" —— مسلمانوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے —"ہم رومیوں کے قاتل ہیں.... رومی سالار کو ایک عورت نے مار ڈالا ہے.... تُوما رومی کو اندھا کر کے مارا ہے.... باہر آؤ رومیو! اپنی صلیب اور پادری کو اٹھا لے جاؤ۔"

دیوار پر کھڑے رومی یہ نعرے سن رہے تھے اور یہ نعرے شہر کے اندر بھی سنائی دے رہے تھے۔ یہ نعرے رومی فوج اور دمشق کے شہریوں کے حوصلے اور جذبے کے لیے تیروں کی طرح مہلک تھے۔

مسلمانوں کا جانی نقصان بھی کچھ کم نہیں تھا۔ بہت سے مجاہدین رومیوں کے تیروں اور پتھروں سے شہید اور زخمی ہو گئے، پھر اتنی تعداد لڑائی میں شہید ہوئی۔ شرجبیلؓ پریشان سے ہو گئے اور خالدؓ کے پاس گئے۔

○

شرجبیلؓ بن حسنہ نے خالدؓ کو لڑائی کی ساری روئیداد سنائی اور یہ بھی بتایا کہ رومی سپہ سالار تُوما اگر مرا نہیں تو وہ لڑائی کے لیے ناکارہ ہو گیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اُن کی کتنی نفری شہید اور کتنی زخمی ہو گئی ہے۔

"اگر رومیوں نے ایسا ہی ایک اور حملہ کیا تو شاید ہم نہ روک سکیں" —— شرجبیلؓ نے خالدؓ سے کہا — "مجھے کمک کی ضرورت ہے۔"

"حسنہ کے بیٹے!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔"ایسا حملہ کسی اور دروازے سے ہم میں سے کسی اور پر بھی ہو سکتا ہے۔ کسی بھی دستے کی نفری کم نہیں کی جا سکتی۔۔۔۔ ابنِ حسنہ! خدا کی قسم، تُو ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھا۔ کیا اپنے اتنے زیادہ ساتھیوں کے خون نے تیرا حوصلہ کمزور کر دیا ہے؟"

"نہیں ابنِ ولید!"۔۔۔ شرحبیلؓ نے کہا۔۔۔"اگر مجبوری ہے تو میں ایک آدمی کی بھی کمک نہیں مانگوں گا۔"

"میں تجھے تنہا نہیں چھوڑوں گا"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔"تجھ پر حملہ ہُوا تو ہم دیکھتے رہیں گے۔ اگر حملہ تیری برداشت سے باہر ہُوا تو ضرارؓ تیری مدد کو پہنچے گا۔ پھر بھی ضرورت پڑی تو میں بھی آجاؤں گا۔۔۔۔ تیرے پاس جتنی بھی نفری رہ گئی ہے اسے تیار رکھ۔ رومیوں کے سالار کو اگر آنکھ میں تیر لگا ہے تو ایک دو دن رومی باہر آ کر حملہ نہیں کریں گے۔"

خالدؓ کی رائے صحیح نہیں تھی۔ تُوما نے ایک معجزہ کر دکھایا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں جنگجو تھا۔ چونکہ وہ شاہی خاندان کا فرد تھا اس لیے سلطنتِ روم کی جو محبت اُس کے دل میں تھی وہ قدرتی تھی۔ بعد میں پتہ چلا تھا کہ اُس کی آنکھ میں تیر لگا تو اُسے اٹھا کر اندر لے گئے۔ جرّاح نے دیکھا کہ تیر اتنا زیادہ نہیں اُترا کہ توما کی ہلاکت کا باعث بن جاتے۔ کھوپڑی کی ہڈی کو تیر نے مجروح نہیں کیا تھا۔ یہ صرف آنکھ میں اُترا لیکن نکالا نہیں جا سکتا تھا۔

"کاٹ دو اسے!"۔۔۔ توما نے جرّاح سے کہا۔۔۔"باقی اندر ہی رہنے دو اور اس آنکھ پر پٹی باندھ دو۔ دوسری آنکھ پر پٹی نہ آئے۔ میں آج رات ایک اور حملہ کروں گا۔"

"سالارِ عالی!"۔۔۔ جرّاح نے کہا۔۔۔"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ آپ لڑائی کے قابل نہیں۔"

"اِس ایک آنکھ کے بدلے مسلمانوں کی ایک ہزار آنکھیں ضائع کروں گا"۔۔۔ توما نے کہا۔۔۔"میں انہیں صرف شکست نہیں دوں گا۔ میں ان کے وطن عرب تک ان کا تعاقب کروں گا۔ میں اپنے کام کو اُس وقت مکمل سمجھوں گا جب ان کے ملک کو اس قابل رہنے دوں گا کہ وہاں صرف جانور رہ جائیں گے۔"

تُوما کے یہ الفاظ متعدد مؤرخوں نے لکھے ہیں اور واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان میں یورپی تاریخ دان ہنری سمتھ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ان سب کی تحریروں کے مطابق تُوما کے حکم سے جرّاح نے تیر آنکھ کے قریب سے کاٹ دیا اور اوپر پٹی کس کر باندھ دی۔ یہ جذبے اور عزم کی پختگی کا کرشمہ تھا کہ توما نے اتنے شدید زخم کو برداشت کر لیا اور حکم دیا کہ آج ہی رات باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے گا۔

"اتنی ہی فوج بابِ توما کے سامنے اکٹھی کی جائے جتنی مَیں دن کے حملے میں لے گیا تھا"۔۔۔ تُوما نے حکم دیا اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔

چلتے چلتے اس نے شراب پی اور ہتھیار بند ہو کر باہر نکل گیا۔

○

اُن راتوں کو چاند پورا ہوتا تھا۔ فضا صاف رہتی تھی اس لیے چاندنی شفاف ہوتی تھی۔ تُوما نے بڑا اچھا طریقہ اختیار کیا۔ اُس نے اپنے تمام دستوں کے کمانڈروں کو حکم دیا کہ تین اور دروازوں ۔۔۔ بابِ صغیر، بابِ شرق اور بابِ جابیہ ۔۔۔ سے باہر جا کر مسلمانوں پر اس طرح حملے کریں کہ اپنے آپ کو لڑائی میں زیادہ نہ الجھائیں بلکہ انہیں اپنے ساتھ لڑائی میں مصروف رکھیں۔ وہ خود بڑا حملہ بابِ توما سے کر رہا تھا۔ دوسرے دروازوں سے حملے کرانے سے اُس کا مطلب یہ تھا کہ شرحبیلؓ کو کسی طرف سے

مدد نہ مِل سکے۔

"تمہارا دشمن اس وقت حملے کی توقع نہیں رکھتا ہو گا"۔۔۔ تُوما نے اپنے نائب سالاروں سے کہا۔۔۔ "تم انہیں سوتے میں دبوچ لو گے۔"

توما کی فوج چار دروازوں سے باہر نکلی۔ وقت آدھی رات کا تھا۔ چاندنی اتنی صاف تھی کہ اپنے پرائے کو پہچانا جا سکتا تھا۔ مسلمانوں پر چار جگہوں سے حملے ہُوئے۔ ایک دروازے کے سامنے سالار اُبوعبیدہؓ تھے، دوسرے کے سامنے یزید بن ابوسفیان تھے۔ ابوعبیدہؓ نے رومیوں کو جلدی بھگا دیا اور رومی قلعے میں واپس چلے گئے۔

یزید بن ابوسفیان کی حالت کمزور سی ہو گئی۔ رومیوں نے اُن پر بڑا ہی شدید ہلّہ بولا تھا۔ یزید نے مقابلہ تو کیا لیکن رومی ان پر حاوی ہوتے جا رہے تھے۔ ضرارؓ بن الازور مدد دینے کے کام پر مامور تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ یزید کو مدد کی ضرورت ہے تو وہ دو ہزار سوار اور پیادہ مجاہدین کے ساتھ یزید کے پاس پہنچ گئے۔ ضرارؓ کی جسمانی حالت لڑنے کے قابل نہیں تھی۔ اُن کے بازو میں تیر لگا تھا اور جسم پر دو تین اور گہرے زخم تھے۔ پھر بھی وہ میدانِ جنگ میں موجود تھے اور ان کی برچھی پورا کام کر رہی تھی۔

ضرار نے اپنی اور یزید کی فوج کو ملا کر حملے کا حکم دیا۔ یہ بڑا ہی شدید حملہ تھا۔ رومیوں پر ایسا رعب طاری ہُوا کہ وہ قلعے میں واپس چلے گئے۔ اُن کی لاشیں اور زخمی پیچھے رہ گئے۔

تیسرے دروازے کے سامنے رافع بن عمیرہ کے دستے تھے۔ ان پر بھی رومیوں نے شدید حملہ کیا اور رافع کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ مسلمان بڑی بے خوفی سے لڑ رہے تھے لیکن رومیوں کا دباؤ بڑا سخت تھا۔ اتفاق سے خالدؓ نے دیکھ لیا اور وہ چار سو سواروں کو ساتھ لے کر رافع کے پاس پہنچے۔

"میں فارسِ جلیل ہوں"۔۔۔ خالدؓ نے نعرہ لگایا۔۔۔"میں خالدؓ ابنِ ولید ہوں۔"

خالدؓ نے رومیوں پر صرف چار سو سواروں سے حملہ کر دیا۔ رومی جو رافع کے دستوں پر غلبہ پا رہے تھے، پیچھے کو دوڑ پڑے اور دروازے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

اصل لڑائی تو بابِ توما کے سامنے ہو رہی تھی۔ توما نے خود وہاں حملہ کیا تھا۔ شرحبیلؓ کی نفری تھوڑی تھی۔ مجاہدین کی تعداد کم رہ گئی تھی اور وہ دن کی لڑائی کے تھکے ہُوئے بھی تھے۔ شرحبیلؓ نے اب بھی پہلو کے تیر اندازوں کو استعمال کیا۔ رومی تیر کھا کھا کر گرتے تھے لیکن حملے کے لیے بڑھے آرہے تھے۔ شرحبیلؓ نے دن کے حملے میں توما کی گرجدار آواز سنی تھی۔ اُنہوں نے رات کو بھی اسی آواز کی للکار سنی تو وہ حیران رہ گئے کہ توما حملے کی قیادت کر رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ رومی تیروں کی بوچھاڑوں میں بھی بڑھے آرہے تھے۔

چاندنی رات میں دونوں فوجوں کی بڑی سخت ٹکر ہوئی۔ شرحبیلؓ کے مجاہدین نے حملہ روک لیا اور بڑی خونریز لڑائی ہوتی رہی۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ لڑائی کم و بیش دو گھنٹے جاری رہی اور دونوں فوجوں کے آدمی گرتے رہے۔ شرحبیلؓ کو کسی طرف سے بھی مدد مِلنے کی توقع نہیں تھی۔

○

لڑائی شدت اختیار کرتی گئی۔ شرحبیلؓ کو تُوما کی آواز حیران کر رہی تھی اور تُوما شرحبیلؓ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اُس کی دلیری غیر معمولی تھی۔ اُسے چاندنی میں مسلمانوں کا پرچم نظر آگیا اور وہ شرحبیلؓ کو للکار کر اُن کی طرف

بڑھا۔ شرجیلؓ اُس کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔

"ایک آنکھ کے بدلے ایک ہزار آنکھیں لوں گا"۔۔۔ تُوما نے کہا۔

"خدا کی قسم، تُو دوسری آنکھ بھی دینے آیا ہے"۔۔۔ شرجیلؓ نے کہا۔

دونوں آمنے سامنے آ گئے اور دونوں گھوڑوں سے اُتر آئے۔ دونوں کے ہاتھوں میں تلواریں اور ڈھالیں تھیں اور دونوں تیغ زنی کے ماہر تھے۔ شرجیلؓ کو توقع تھی کہ توما کی ایک ہی آنکھ ہے اور اُس کی دوسری آنکھ زخمی ہے اس لیے وہ لڑ نہیں سکے گا لیکن وہ پوری مہارت سے لڑ رہا تھا۔ شرجیلؓ کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ تیر ابھی تک توما کی آنکھ میں ہے۔

شرجیلؓ کا ہر وار توما بچا جاتا تھا اور توما کا ہر وار شرجیلؓ بچا رہے تھے۔ شرجیلؓ نے ایک وار بڑا ہی زوردار کیا۔ اُن کی تلوار پہلے توما کے آہنی خود پر لگی اور وہاں سے پھسل کر کندھے پر لگی جہاں آہنی زرہ تھی۔ اتنا زوردار وار لوہے پر پڑا تو تلوار ٹوٹ گئی۔ تُوما نے للکار کر وار کیا جو شرجیلؓ نے ڈھال پر لیا۔ وہ اب تلوار کے بغیر تھے، وار صرف روک سکتے تھے۔ توما بڑھ بڑھ کر وار کر رہا تھا۔

شرجیلؓ کے دو مجاہدوں نے دیکھ لیا کہ شرجیلؓ تلوار کے بغیر خطرے میں ہیں تو وہ شرجیلؓ اور توما کے درمیان آ گئے۔ شرجیلؓ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ کسی کی تلوار ڈھونڈ رہے تھے۔ کچھ دور انہیں اپنے ایک شہید مجاہد کی لاش کے قریب اُس کی تلوار پڑی نظر آئی۔ انہوں نے دوڑ کر تلوار اٹھا لی اور واپس آئے لیکن توما وہاں نہیں تھا۔ شرجیلؓ نے اپنے دونوں مجاہدوں سے پوچھا کہ رومی سالار کہاں ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے لڑائی کے ہنگامے میں گم ہو گیا ہے۔ انہوں نے اُسے گھوڑے پر سوار ہوتے دیکھا تھا۔

شرجیلؓ کے اعصاب پر بڑا تکلیف دہ دباؤ تھا۔ انہیں پوری طرح یقین نہیں تھا کہ وہ رومیوں کو شکست دے سکیں گے۔ لڑنے میں شرجیلؓ اور اُن کے دستے نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ انہوں نے چند سواروں کو الگ کر کے پہلو سے رومیوں پر ایک زوردار ہلّہ بولا۔ کچھ تو اس ہلّے نے کام کیا، کچھ رومی مایوس ہو گئے اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ رومیوں میں یہ خوبی تھی کہ وہ بے ترتیب ہو کر نہیں بھاگتے تھے بلکہ ترتیب اور تنظیم سے پیچھے ہٹتے تھے۔

شرجیلؓ نے انہیں پیچھے ہٹتے دیکھا تو اُن کے پیچھے نہ گئے کیونکہ مسلمانوں کی نفری تھوڑی رہ گئی تھی۔ شرجیلؓ یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ پیچھے جانے کی بجائے اُنہوں نے تیر اندازوں کو آگے کر کے پیچھے ہٹتے ہوئے رومیوں پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ رومی اپنی لاشوں اور زخمیوں کو پیچھے چھوڑتے دروازے میں جا کر غائب ہو گئے۔

○

رومی جس دروازے سے بھی باہر آتے تھے وہ لاشیں اور زخمی پھینک کر اُسی دروازے سے اند چلے گئے۔ سب سے بڑا حملہ توما نے کیا تھا وہ بھی ناکام رہا۔ اگر بات ناکامی تک ہوتی تو رومی ایسے حملے پھر بھی کر سکتے تھے لیکن انہیں جو جانی نقصان اٹھانا پڑا وہ اُن کی برداشت سے باہر تھا۔ اُن کی نفری پہلے ہی کچھ اتنی زیادہ نہیں تھی اور اب تو آدھی رہ گئی تھی۔ توما کے لیے ایک اور دشواری یہ پیدا ہو گئی کہ جب شہر پناہ کے دروازے بند ہو گئے اور توما شہر میں آ کر رکا تو کئی شہریوں نے اُسے گھیر لیا۔

"سالارِ معظم!۔۔۔ ایک آدمی نے کہا۔۔۔ "ہم سلطنتِ روم کے وفادار ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ روم کی شہنشاہی کو مزید نقصان پہنچے۔ ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کی بات کی جائے"۔

"شہریوں میں جو بے چینی اور بدامنی پھیل چکی ہے اسے آپ نہیں دیکھ رہے"۔۔۔ ایک اور نے کہا۔۔۔ "فوج جو نقصان اٹھا چکی ہے وہ آپ کے سامنے ہے اور آپ خود بھی زخمی ہیں۔ خطرہ یہ ہے کہ شہری جواب نیم فاقہ کشی تک پہنچ گئے ہیں اپنی ہی فوج کے لیے نقصان کا باعث بن جائیں گے"۔

توما جابر قسم کا سالار تھا۔ اُس کی دلیری اور عزم کی پختگی میں کوئی شک نہیں تھا لیکن اُس کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ جو شہری اُس کے ساتھ بات کرتا تھا وہ اس شہری کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔ یہ وہ توما تھا جو کسی کی بات برداشت نہیں کرتا تھا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات میں شکست صاف نظر آ رہی تھی۔ اُس نے اپنی اُس آنکھ پر ہاتھ رکھ لیا جس کے اندر تیر کا ایک ٹکڑا موجود تھا اور اوپر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اسے یہ زخم پریشان کر رہا ہے۔

"مجھے سوچنے دو"۔۔۔ اُس نے ہاری ہوئی آواز میں کہا۔۔۔ "میں صلح کر لوں گا لیکن کوئی ایسی شرط نہیں مانوں گا جو رُوم کی شہنشاہی کی تذلیل کا باعث بنے"۔

دراصل توما ذہنی طور پر شکست تسلیم کر چکا تھا۔ اُس کے سامنے اب یہی ایک مسئلہ رہ گیا تھا کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ باعزت سمجھوتہ ہو جائے۔ مؤرخوں کے بیانات کے مطابق اُسے کسی نے یہ بتایا تھا کہ مسلمانوں کے نائب سالار ابوعبیدہؓ نرم مزاج اور صلح جو انسان ہیں۔ اگر ان تک رسائی ہو جاتی تو باعزت سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ خالدؓ کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ مکمل شکست اور ہتھیار ڈالنے سے کم بات نہیں کرتے۔ توما نے اپنے مشیروں کو بلایا۔

باہر مسلمانوں کی کیفیت یہ تھی کہ اُن کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور وہ للکار رہے تھے کہ رومیو! شہر ہمارے حوالے کر دو لیکن شہر میں داخل ہونے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تھا۔ خالدؓ نے فیصلہ کر لیا کہ مجاہدین کو ایک دو دن آرام کے لیے دے کر شہر کے دروازے توڑنے کی یا دیوار میں سرنگ لگانے کی کوشش کریں گے۔

صبح طلوع ہوئی تو اللہ نے ایک غیر مسلم کو خالدؓ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ ایک یونانی تھا جس کا نام یونس ابن مرقس تھا۔ وہ رات کے وقت جب رومی اندر بیٹھے اپنے زخم چاٹ رہے تھے، شہر کی دیوار سے ایک رسے کے ذریعے اترا تھا۔ اُس نے کہا کہ وہ ایک لڑکی کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کا خطرہ مول لے کر آیا ہے۔ یہ لڑکی بھی یونانی تھی اور یہ ۱۸ ستمبر ۶۳۴ء (۱۹ رجب ۱۳ھ) کا واقعہ ہے۔

۱۸ ستمبر ۶۳۴ء کی رات تھی۔ خالدؓ کو بتایا گیا کہ قلعے کے اندر سے ایک آدمی آیا ہے جو اپنا نام یونس ابنِ مرقس بتاتا ہے۔

"وہ قلعے سے نہیں آیا"—— خالدؓ نے کہا —— "اگر قلعے کے اندر سے ہی آیا ہے تو صاف نیّت سے نہیں آیا۔ اگر باہر سے آیا ہے تو بھی اُس کی نیّت ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ وہ رومیوں کا جاسوس ہو گا.... اُسے میرے پاس بھیج دو۔"

وہ ایک جواں سال آدمی تھا۔ خوبرو اور پھرتیلا تھا۔ خالدؓ کے دو محافظوں نے اُس کی تلاشی لی۔ اُس نے کمربند میں ایک خنجر اڑسا ہُوا تھا جو اُس نے چھپا کر نہیں رکھا تھا۔ یہ اُس سے لے کر اُسے خالدؓ کے خیمے میں بھیج دیا گیا۔ خالدؓ نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر اُس پر نظریں جما دیں۔

"سالارِ اعلیٰ مجھے شک کی نگاہوں سے دیکھ سکتے ہیں"—— اس جواں سال آدمی نے کہا —— "میں آپ کے دشمن کے قلعے سے آیا ہوں۔ آپ کو مجھ پر شک کرنا چاہیئے.... میرا نام یونس ابنِ مرقس ہے اور میں یونانی ہوں۔ آپ کی اور رومیوں کی جنگ کے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"یونان کے جوان!"—— خالدؓ نے کہا —— "کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ اپنے آنے کا مقصد فوراً بتا دو؟"

"مقصد میرا ذاتی ہے"—— یونس ابن مرقس نے کہا —— "اگر آپ یہ پورا کر دیں تو میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔"

"تُو میری کیا مدد کر سکتا ہے؟"

"میں آپ کو قلعے کے اندر پہنچا سکتا ہُوں"—— یونس ابن مرقس نے کہا —— "پھر دمشق آپ کا ہو گا۔"

"تُو قلعے سے نکلا کیسے؟"—— خالدؓ نے کہا —— "میں کیسے یقین کروں کہ تو جھوٹ نہیں بول رہا؟"

"میں باب الشرق کے قریب فصیل سے رسّہ لٹکا کر اُترا ہوں"—— یونس ابن مرقس نے کہا —— "میرے آنے کا مقصد بھی سن لیں سالارِ اعلیٰ! دمشق میں یونانیوں کے تین چار خاندان آباد ہیں۔ ایک یونانی لڑکی کے ساتھ میری محبّت ہے۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو کس طرح چاہتے ہیں۔ آپ کی فوج نے دمشق کا محاصرہ کیا تو اس سے تھوڑی ہی دیر پہلے اس لڑکی کے ساتھ میری شادی ہو گئی۔ اتنے میں شہر میں شور اٹھا کہ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ لڑکی کے والدین نے لڑکی کو میرے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ کہتے ہیں کہ محاصرہ ٹوٹ جانے کے بعد لڑکی کو میرے حوالے کریں گے....

"سالارِ اعلیٰ! میں محبت کے ہاتھوں اتنا مجبور ہوں کہ انتظار نہیں کر سکتا۔ دراصل لڑکی کی ماں کی نیّت ٹھیک نہیں۔ وہ اپنی بیٹی کی شادی ایک بڑے ہی مالدار تاجر کے ساتھ کرنا چاہتی تھی لیکن

اُس کی بیٹی نے میری محبت کی خاطر اُسے مجبور کر دیا کہ اُس کی شادی میرے ساتھ کر دے۔ آپ کی فوج نے شہر کو محاصرے میں لے لیا تو اُسے بہانہ مِل گیا۔ اُس نے کہا کہ ہر کوئی شہر کے دفاع میں لگا ہُوا ہے، اچھا نہیں لگتا کہ تم دونوں شادی کی تقریب مناؤ۔"

"لیکن میں کیا کر سکتا ہُوں؟"—— خالدؓ نے کہا —— "کیا میں یہاں محبت کی داستانیں سننے آیا ہوں؟ تُو وہ بات فوراً کیوں نہیں کہہ دیتا جو کہنے آیا ہے؟ اگر تو کسی اور نیّت سے آیا ہے تو تُو یہاں سے زندہ کس طرح جائے گا؟"

"آہ ابنِ ولید!"—— یونس ابن مرقس نے آہ لے کر کہا —— "کون ہے جو تیرے خیمے میں بُری نیّت سے آنے کی جرآت کر سکتا ہے! جس نے سلطنتِ روم جیسی عظیم اور جابر سلطنت کو بنیادوں تک ہلا ڈالا ہے اُسے مجھ جیسے معمولی آدمی سے نہیں ڈرنا چاہیئے.... اور یہ بھی سوچ کہ میں رومی نہیں یونانی ہوں۔ مجھے صرف اپنی بیوی چاہیئے اور تجھے دمشق چاہیئے.... راز کی بات یہ ہے کہ تین چار دن لڑائی نہیں ہو گی۔"

"کیوں نہیں ہو گی؟"

"دمشق کا سالار توما زخمی ہے"—— یونس ابن مرقس نے جواب دیا —— "لیکن لڑائی نہ ہونے کی صرف یہ وجہ نہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شہر کے لوگ سالار توما کے پیچھے پڑے ہُوئے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ بندی اور صلح کی بات کرے۔ شہر میں اناج کی قلّت قحط کی حد تک پہنچ گئی ہے اور سب سے بڑی وجہ لڑائی نہ ہونے کی یہ ہے کہ کل رات دمشق کے لوگوں کا ایک جشن ہے جس میں روم کی فوج بھی شریک ہو گی۔ کسی کو کسی کی ہوش نہیں ہو گی۔ میں آپ کی یہ مدد کروں گا کہ فصیل پر کمند پھینکنے کی موزوں جگہ بتا دوں گا۔ آپ کے چند ایک آدمی فصیل پر چڑھ آئیں اور اندر سے ایک دروازہ کھول دیں پھر آپ کی فوج شہر میں داخل ہو جائے۔"

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اہلِ دمشق اپنا کوئی سالانہ جشن منا رہے تھے۔ ایسے جشن میں وہ اتنی زیادہ شراب پیتے اور رنگ رلیوں میں ایسے مگن ہوتے تھے کہ انہیں اپنے پرائے کی ہوش نہیں رہتی تھی اور فوج بھی اس میں شریک ہوتی تھی لیکن اب ایسے محاصرے کی حالت میں دمشق والوں کا ایسا جشن منانا کہ وہ اپنے ہوش و حواس بھی کھو بیٹھیں قابلِ یقین نہیں لگتا تھا۔ دمشق کے اندر کی حالت بیان کی جا چکی ہے۔ وہاں تو قحط اور خوف و ہراس کی کیفیّت تھی۔ روم کی فوج کی بے شمار نفری ماری جا چکی تھی۔ لاشیں باہر گل سڑ رہی تھیں اور زخمی اندر کراہ رہے تھے۔ ان حالات میں جشن کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

ایک یورپی مؤرخ ہنری سمتھ نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے وہ حقیقی لگتا ہے۔ اُس نے شام سے رومیوں کی پسپائی کے بیان میں لکھا ہے کہ دمشق کے محاصرے میں رومیوں کی حالت اتنی بُری ہو گئی تھی کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر آ گئے تھے۔ اُن کے مذہبی پیشواؤں نے رومی سالار تُوما سے کہا تھا کہ ان سے خُدا ناراض ہے۔ خدا کو راضی کرنے کے لیے مذہبی قسم کے جشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ دمشق میں دوسرے عقیدوں کے لوگ بھی تھے جو اپنے انداز سے مذہبی تقریب منعقد کر رہے

تھے۔ چونکہ یہ مذہب کا اور فتح کے لیے دعا کا معاملہ تھا اس لیے اس میں ہر کسی کی شرکت لازمی تھی۔ فوج کو بھی اس میں شامل ہونا تھا۔

اس یورپی مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ مسلمان قلعے پر چڑھائی کر دیں گے یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مسلمانوں کی اپنی حالت ایسی مضبوط نہیں رہی تھی کہ وہ ہلّہ بول دیتے۔ یہ تو خالدؓ کا عزم تھا اور انہیں اپنے تمام سالاروں کا بھرپور تعاون حاصل تھا کہ دمشق کو چند دنوں میں سر کرنا ہے۔

یونس ابنِ مرقس کے متعلق تمام مؤرخ متفق ہیں۔ اُس نے خالدؓ کو قائل کر لیا کہ وہ انہیں قلعے میں داخل کر دے گا اور اس کے عوض وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی اُسے دلا دی جائے۔ خالدؓ نے اس یونانی پر اعتبار کر لیا اور اُسے سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی۔

"میں نے اسلام کے متعلق بہت کچھ سُنا ہے" — یونس بن مرقس نے کہا — "لیکن مجھے کوئی بتانے والا نہ تھا اور میرا ہاتھ تھامنے والا کوئی نہ تھا۔ مجھے اپنے پاس رکھیں۔ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ کیا مجھے اپنا نام بدلنا پڑے گا؟"

"نہیں!" — خالدؓ نے کہا — "تمہارا نام پہلے ہی اسلامی ہے۔"

خالدؓ نے اُسے مسلمان کر لیا اور اُس سے پوچھنے لگے کہ کمند کہاں اور کس طرح لگائی جائے اور اندر کی طرف دروازے کی حفاظت کا کیا انتظام ہے۔

یونس ابن مرقس نے انہیں پوری تفصیل سے سب کچھ بتایا۔

یونس ابن مرقس کو اتنا ہی معلوم تھا کہ دو تین دن لڑائی نہیں ہوگی اور کل رات لوگ ایک تقریب یا جشن منائیں گے۔ اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ رومی سالار تُوما ہمت ہار چکا ہے اور وہ کوئی اور چال چل رہا ہے۔ یہ چال تُوما اور اُس کے مشیروں نے مل کر سوچی تھی۔ جس طرح مسلمانوں کے پاس اُسی علاقے کے جاسوس موجود تھے۔ اسی طرح رومیوں کے پاس ایسے جاسوس موجود تھے جو خالدؓ اور اُس کے تمام سالاروں کے کردار اور عادات کے متعلق پوری واقفیت رکھتے تھے۔ یہ عرب کے عیسائی تھے اور مکہ، مدینہ اور انہی علاقوں کے رہنے والے یہودی بھی تھے۔ یہ سب صرف جاسوس ہی نہیں تھے بلکہ ان میں سے دو چار تُوما کے مشیر بھی بنے ہُوئے تھے۔

تُوما نے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملے کیے تھے، پورا زور لگا لیا تھا مگر سوائے جانی نقصان کے اُسے کچھ بھی حاصل نہیں ہُوا تھا۔ شہریوں نے اُسے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ شہر میں خوراک ختم تھی اور اُس کی اپنی حالت یہ تھی کہ ایک تیر کا اگلا حصّہ اُس کی آنکھ میں اُترا ہُوا تھا اور اُوپر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

"پھر بھی میں شہر کو تباہی اور لُوٹ مار سے اور لوگوں کو قتلِ عام سے بچانا چاہتا ہوں" — تُوما نے اپنے سالاروں اور مشیروں کو بلا کر انہیں اپنی صورتِ حال بتائی اور کہا — "ہم اب لڑ نہیں سکتے۔ مسلمان آسانی سے اندر نہیں آ سکتے لیکن اناج اور رسد کا جو حال ہے وہ تم سب جانتے ہو۔ مسلمانوں نے صرف محاصرہ ہی جاری رکھا تو لوگ بھوک سے مرنے لگیں گے۔"

"اور وہ بغاوت بھی کر سکتے ہیں" — ایک مشیر نے کہا۔

"بغاوت کریں یا نہ کریں" — تُوما نے کہا — "یہ میرا فرض ہے کہ انہیں ہر تکلیف سے بچاتے رکھوں۔ مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت ہے۔ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ ہم شہر خالی کرنا چاہیں تو مسلمان ہمیں اجازت دے دیں اور ہمیں کوئی نقصان نہ اُٹھانا پڑے؟"

"خالدؓ ابن ولید بڑا جابر سالار ہے" — ایک یہودی مشیر نے کہا — "وہ ہمیں پُرامن طریقے سے نہیں نکلنے دے گا۔ اُس کی فوج کا جو نقصان ہو چکا ہے وہ کبھی نہیں بخشے گا۔ ہمیں کہے گا کہ اسلام قبول کرو۔"

"یہ میں کبھی نہیں کروں گا" — تُوما نے کہا۔

"اگر آپ نہیں کریں گے تو وہ آپ سے اتنا تاوان مانگے گا جو آپ اپنے خزانے کے علاوہ لوگوں کے گھروں سے اکٹھا کریں تو بھی مشکل سے پُورا ہوگا" — یہودی مشیر نے کہا۔

توما گہری سوچ میں پڑ گیا۔

"ان میں کوئی سالار ایسا ہے جو نرم مزاج ہو؟" — اُس نے پوچھا۔

"ابوعبیدہؓ!" — یہودی نے جواب دیا — "بڑا ہی قابل، بڑا ہی دلیر سالار ہے مگر رحم دل ہے۔"

"اپنی فوج میں اُس کی حیثیت کیا ہے؟"

"ابنِ ولید کے بعد حیثیت ابوعبیدہؓ کی ہے" — دوسرے یہودی نے کہا — "ان کی خلافت میں جو قدر و منزلت ابوعبیدہؓ کی ہے وہ ابنِ ولید کی نہیں۔ ابنِ ولید کا درجہ اس کے بعد کا ہے۔ تمام مسلمان، خود خلیفہ اور ابن ولید ابُوعبیدہؓ کا احترام کرتے ہیں۔"

یہاں سے توما کے دماغ میں ایک فریب کاری آ گئی۔ یہودی اور عیسائی عرب مشیروں اور دانشوروں نے اُس کی راہنمائی اور مدد کی اور ایک منصوبہ تیار ہو گیا جو مختصراً اس طرح تھا کہ تُوما ابوعبیدہؓ کے آگے اس شرط پر ہتھیار ڈالے گا کہ اُسے، اُس کی فوج اور شہر کے ہر اُس باشندے کو جو شہر چھوڑ کر جانا چاہے اُسے اُس کے مال و اسباب، عورتوں اور بچّوں سمیت نکل جانے دیا جائے۔ شہر میں لُوٹ مار نہ ہو۔ تُوما نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جزیہ ادا کرے گا۔ یہ بھی طے پایا کہ خالدؓ کو قبل از وقت پتہ نہ چلے۔

یہ منصوبہ اس بنیاد پر بنایا گیا تھا کہ ابوعبیدہؓ شہر کے اُس دروازے (باب جابیہ) کے سامنے اپنے دستوں کے ساتھ تھے جو اُس دروازے (باب شرق) کے بالمقابل تھا۔ دونوں دروازوں کے درمیان پورا شہر حائل تھا اور فاصلہ ایک میل سے کچھ زیادہ تھا۔ تُوما آسانی سے اپنے ایلچی ابُوعبیدہؓ کے پاس بھیج سکتا تھا۔

تُوما نے یہ کانفرنس اُس رات سے دو تین راتیں پہلے منعقد کی تھی جس رات یونس ابن مرقس خالدؓ کے پاس آیا تھا۔

اگلی رات کا واقعہ ہے۔ خالدؓ، قعقاع اور ایک بڑے بہادر مجاہد مذعُور بن عدی شہر پناہ کے دروازے باب شرق سے کچھ دُور کھڑے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں رسّے تھے۔ دیوار کے ساتھ لگے ایک سو مجاہدین کھڑے تھے۔ یہ سارے لشکر میں سے چنے ہُوئے نڈر اور ذہین مجاہدین تھے۔

یونس ابن مرقس خالدؓ کے ساتھ تھا۔ اُسی نے خالدؓ کو یہ جگہ بتائی تھی۔ وہ رسّے کے ذریعے یہیں سے اُترا تھا۔

خالدؓ اپنی زندگی کا بہت بڑا خطرہ مول لے رہے تھے۔ وہ سپہ سالار تھے۔ انہیں اُوپر نہیں جانا چاہیئے تھا۔ پکڑے جانے کا امکان تھا۔ مارے جانے کا خطرہ تھا لیکن اس خطرے میں وہ کسی اور کو نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ انہیں اعتماد تھا کہ اُن کے نہ ہونے سے مجاہدین میں بددلی نہیں پھیلے گی اور ابو عبیدہؓ ان کی جگہ لے لیں گے۔ یہ فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا کہ خالدؓ کی غیر حاضری میں سالارِ اعلےٰ ابو عبیدہؓ ہوں گے۔

خالدؓ نے اپنے ہاتھ سے کمند اوپر پھینکی۔ دیوار کی بلندی تیرہ چودہ گز تھی۔ کمند دیوار کے اُوپر اٹک گئی۔ انہوں نے کچھ دیر انتظار کیا۔ دیوار پر کوئی حرکت نہ ہوئی جس کا مطلب یہ تھا کہ اُوپر کوئی نہیں۔ اگر کوئی تھا بھی تو اُسے پتہ نہیں چلا تھا کہ دیوار پر کمند پھینکی گئی ہے۔

خالدؓ نے اپنے آپ کو مزید خطرے میں یوں ڈالا کہ سب سے پہلے خود کمند کے ذریعے اُوپر گئے۔ ان کے پیچھے قعقاع اور مذعور اوپر گئے۔ اوپر کوئی بھی نہیں تھا۔ دیوار کا یہ حصہ شہر سے کچھ دور تھا۔ شہر کی آوازوں سے پتہ چلتا تھا کہ لوگ جاگ رہے ہیں اور کسی تقریب میں مصروف ہیں۔ خالدؓ کو یقین آگیا کہ یونس ابن مرقس انہیں دھوکہ نہیں دے رہا۔ انہوں نے دیوار یعنی شہر کی فصیل کے ساتھ وہ تین چار رسّے باندھ کر نیچے لٹکا دیئے جو وہ اسی مقصد کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔

اُن کے ایک سو مجاہدین میں سے پچاس ان رسّوں سے اوپر چلے گئے۔ یُونس ابن مرقس بھی ان کے ساتھ گیا۔ وہ خالدؓ کا گائیڈ تھا۔ خالدؓ نے ان جانبازوں میں سے کچھ کو اس کام کے لیے دیوار پر بٹھا دیا کہ رومی فوج کے آدمی اگر اُوپر آجائیں تو انہیں ختم کر دیں لیکن خاموشی سے تاکہ شہر میں کسی کو پتہ نہ چلے۔ ہر کام خاموشی سے کرنا تھا۔

خالدؓ نے قعقاع اور مذعور کو اپنے ساتھ رکھا اور پچاس جانبازوں میں سے باقی کو اپنے ساتھ فصیل سے اتار کر لے گئے۔ جوں ہی وہ دیوار سے اُترے انہیں کسی کی باتیں سنائی دیں۔

"رومی سپاہی !"——یونس ابن مرقس نے خالدؓ کے کان میں سرگوشی کی——"میں ان کی زبان سمجھتا ہوں۔"

"انہیں ان کی زبان میں رعب سے کہو کہ جلدی چلو"——خالدؓ نے یونس ابنِ مرقس سے کہا اور اپنے جانبازوں سے کہا——"تلواریں نکال لو اور اتنی تیزی سے وار کرنے ہیں کہ رومیوں کو منہ سے کوئی آواز نکالنے کی مہلت نہ ملے۔"

یونس ابنِ مرقس نے فوجی افسروں کی طرح بڑے رعب سے رومی سپاہیوں کو بلایا۔ اُن کے آنے تک خالدؓ کے جانباز گھیرے کی ترتیب میں ہو گئے۔ رومی سپاہی کم و بیش چالیس تھے۔ وہ دوڑے آئے۔ رات کا وقت تھا۔ چاند آدھی رات کے لگ بھگ افق سے اٹھتا تھا جب رومی سپاہی آرہے تھے اُس وقت چاند شہر کی فصیل سے اوپر آگیا تھا۔ رومی سپاہی خالدؓ کے جانبازوں کو اپنے آدمی سمجھے ہوں گے۔ وہ قریب آئے تو مسلمان جانباز تلواروں سے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے سات آٹھ نے تلواریں نکالیں اور مقابلے کی کوشش کی لیکن مارے گئے مگر خاموشی ٹوٹ گئی۔ دو تین رومی

سپاہیوں نے زخمی ہوتے ہی بڑی اونچی آوازوں میں شور بپا کیا کہ مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے ہیں۔

➤

"اب دروازہ فوراً کھلنا چاہیئے"——خالدؓ نے کہا——"رومی فوج کو آنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا.... میرے پیچھے آؤ۔"

جہاں دروازہ تھا وہاں ڈیوڑھی تھی۔ خالدؓ اپنے جانبازوں سے آگے تھے۔ وہ دوڑتے ہوئے دروازے والی ڈیوڑھی میں گئے۔ وہاں صرف دو رومی سپاہی تھے جن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ وہ شور سن چکے تھے اس لیے مقابلے کے لیے تیار تھے لیکن خالدؓ نے انہیں مقابلے کی زیادہ مہلت نہ دی۔ ایک کو خالدؓ نے اور دوسرے کو قعقاع نے مار ڈالا۔

"دروازہ کھولو"——خالدؓ نے حکم دیا——"اور زیادہ آدمی باہر تیار رہو۔ رومی آرہے ہیں۔"

دروازے کے اندر کی طرف بڑے وزنی تالے لگے ہوئے تھے اور بڑی زنجیریں باندھ کر دروازے کو مستحکم کیا ہُوا تھا۔ بڑی مشکل سے تالے توڑے گئے اور زنجیریں بھی اتار دی گئیں۔ خالدؓ دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ ان کے باقی پچاس جانباز باہر کھڑے تھے۔ خالدؓ نے انہیں اندر بلایا اور کہا کہ وہ دروازے کے باہر پھیل کر مقابلے کے لیے تیار رہیں۔ رومی فوج آرہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس دروازے کے سامنے جو دستے تھے انہیں خالدؓ تیاری کا حکم دے آئے تھے، اور یہ حکم بھی کہ دروازہ کھلتے ہی طوفان کی طرح دروازے میں داخل ہو جائیں۔

دروازہ کھلتے ہی یہ دستے طوفان کی طرح دروازے میں داخل ہونے لگے۔ چاند اب اوپر آگیا تھا۔ اپنے پرائے کی پہچان میں سہولت پیدا ہو گئی تھی۔ اُدھر سے رومی فوج کا ایک دستہ بابِ مشرق کی طرف آرہا تھا۔ یہ مسلمانوں کی طوفانی لپیٹ میں آگیا اور ذرا سی دیر میں یہ دستہ لاشوں میں تبدیل ہو گیا۔

دمشق کی تمام تر رومی فوج فصیل کی طرف دوڑی اور جن دستوں کو جن دروازوں کی ذمّہ داری دی گئی تھی وہ تقسیم ہو کر اُن دروازوں کے سامنے چلے گئے۔ سارے شہر میں بھگدڑ مچ گئی۔ شہری پہلے ہی ڈرے ہُوئے تھے۔ وہ بھاگ نہیں سکتے تھے۔ دروازے بند تھے۔ وہ اپنی قیمتی چیزیں اِدھر اُدھر چھپا رہے تھے۔ عورتوں کا یہ عالم تھا کہ چیختی چلّاتی تھیں۔

"ہمارے آدمی بے غیرت ہیں"——عورتوں کی چیخ نما آوازیں سنائی دینے لگیں——"ہمارے آدمی ہمیں مسلمانوں سے نہیں بچا سکتے.... ہمارے آدمی بزدل ہیں۔ اپنی جانیں بچاتے پھر رہے ہیں۔"

عورتوں کی اس طعنہ زنی نے دمشق کے جوانوں کو گرما دیا۔ وہ تلواریں اور برچھیاں لے کر نکل آئے۔ اس طرح رومی فوج کو سہارا مِل گیا لیکن خالدؓ کے دستے رومیوں پر حاوی ہو چکے تھے۔ مسلمان محاصرے سے تنگ آئے ہُوئے تھے۔ وہ دمشق کو فتح کرنے کے لیے قہر اور غضب سے لڑ رہے تھے۔

➤

تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے ایسا دانستہ طور پر کیا تھا یا اُن کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ انہوں نے دوسرے دروازوں پر جو سالار متعین کیے تھے انہیں نہ بتایا کہ آج رات وہ کیا کرنے والے ہیں۔ خالدؓ نے ابُو عبیدہؓ تک کو اطلاع نہ دی کہ وہ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ کسی بھی تاریخ

میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ خالدؓ نے ایسی غلطی کیوں کی تھی۔

ابوعبیدہؓ وہاں سے بہت دُور تھے۔ اُنہوں نے شہر میں شور سنا تو کہنے لگے کہ رومیوں نے کسی دروازے سے باہر جا کر اُس دروازے والے مسلمان دستوں پر حملہ کیا ہے۔ رومی ایسے حملے پہلے بھی کر چکے تھے۔ دوسرے دروازوں والے مسلمان سالار بھی غلط فہمی میں رہے۔ خالدؓ شہر کے اندر اتنے اُلجھ گئے تھے کہ دوسرے سالاروں کو اندر نہ بلا سکے۔ اُنہوں نے شاید یہ بھی سوچا ہوگا کہ دوسرے سالار دروازوں کے باہر اپنے دستوں کو تیار رکھیں تاکہ رومی فوج کسی دروازے سے بھاگ نہ سکے۔

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مسلمان دستے شہر کی فصیل اور دروازوں کے قریب نہیں تھے۔ وہ فصیل سے کم از کم ایک ایک میل دُور تھے۔ قریب ہو کر وہ تیروں کی زد میں آتے تھے۔ اتنی دُور سے وہ شہر کے اندر کا شور اچھی طرح نہیں سن سکتے تھے۔

تُوما کو جب اطلاع ملی کہ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے ہیں تو اُس نے اپنے مشیروں کو بلایا۔

”کون کون سے دروازے سے مسلمان اندر آئے ہیں؟“ —— تُوما نے پوچھا۔

”صرف ایک دروازے سے!“ —— اُسے کسی نے جواب دیا —— ”شرقی دروازے سے —— باقی سب دروازے بند ہیں“۔

”کیا کسی نے فصیل پر جا کر دیکھا ہے؟“ —— تُوما نے پوچھا —— ”کیا مسلمانوں کی باقی فوج بھی قریب آگئی ہے؟“

”دیکھا ہے“ —— اُسے جواب ملا —— ”اُن کے باقی دستے جہاں پہلے تھے وہیں ہیں“۔

”باب جابیہ کو دیکھا ہے؟“ —— تُوما نے پوچھا —— ”کیا ابوعبیدہؓ کے دستے بھی آگے نہیں آتے؟“

”نہیں“ —— اُسے بتایا گیا —— ”وہ دستے بھی آگے نہیں آئے.... یہ صرف ان کے سپہ سالار خالدؓ ابنِ ولید کے دستے ہیں“۔

تُوما کے مشیر اور سالار آگئے۔

”ہم شہر کو نہیں بچا سکیں گے“ —— تُوما نے اِن سے کہا —— ”مجھے ابھی تک کسی نے نہیں بتایا کہ مسلمانوں نے دروازہ کھول کس طرح لیا ہے۔ انہیں اندر سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی“۔

”کیا فائدہ یہ سوچنے کا کہ مسلمان شہر میں کس طرح داخل ہو گئے ہیں“ —— ایک مشیر نے کہا —— ”وہ اندر آگئے ہیں۔ اب یہ سوچنا ہے کہ کیا کیا جائے“۔

”اُسی منصوبے پر عمل کیا جائے جو ہم نے پہلے سوچا تھا“ —— ایک اور مشیر نے کہا —— ”ابوعبیدہؓ کو صلح کا پیغام بھیجیں“۔

اس مسئلے پر کچھ تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ آخر طے پایا کہ اُبوعبیدہؓ کی طرف ایک ایلچی بھیجا جائے۔

”اور میں نے جو دستے محفوظ رکھے ہُوتے ہیں انہیں اُدھر بھیج دیا جائے جدھر مسلمان اندر آگئے ہیں“ —— تُوما نے حکم دیا —— ”انہیں میرا پیغام دیا جائے کہ دمشق شہر کی نہیں بلکہ سلطنتِ روم کی آبرو اور آن اُن کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جانیں قربان کر دیں اور مسلمانوں کے سالار ابنِ ولید کو زندہ یا مُردہ میرے

پاس لے کے آئیں“۔

ہنری سمتھ، ابوسعید، واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ تُوما ذہنی طور پر ہتھیار ڈال چکا تھا۔ وہ اپنے محفوظہ کے دستوں کو اس لیے شہر کی لڑائی میں جھونک رہا تھا کہ خالدؓ کو اپنے فریب کارانہ منصوبے کی کامیابی تک روکا جا سکے۔ اُس کے یہودی اور عیسائی مشیر معمولی دماغوں کے آدمی نہیں تھے۔

⟵

رات گزرتی جا رہی تھی اور شہر کے اندر کی لڑائی بڑھتی جا رہی تھی۔ اب گلیوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ پلّہ خالدؓ کے دستوں کا بھاری تھا۔ رومیوں کے محفوظہ کے دستوں نے خالدؓ کے لیے مشکل پیدا کر دی لیکن خالدؓ ہمت ہارنے والے نہیں تھے۔ اُن کے آگے بڑھنے کی رفتار کم ہو گئی تھی۔

اُدھر ابوعبیدہؓ فجر کی نماز پڑھ چکے تو انہیں بتایا گیا کہ رومی سپہ سالار کے دو ایلچی آتے ہیں۔ ابوعبیدہؓ نے اُنہیں بلا لیا۔

”کیا تمھارے سالار کے ابھی ہوش ٹھکانے نہیں آئے؟“ —— ابوعبیدہؓ نے ایلچیوں سے کہا۔ ”کہو، تم کیوں آئے ہو؟“

”سپہ سالار تُوما کا پیغام لائے ہیں“ —— ایک ایلچی نے کہا۔

”جب تک ہتھیار نہیں ڈالو گے میں صلح کے لیے تیار نہیں ہو سکتا“ —— ابوعبیدہؓ نے کہا۔

”اے عرب کے رحم دل سالار!“ —— دوسرے ایلچی نے کہا —— ”ہم لڑائی اور خونریزی ختم کرنے آئے ہیں۔ سپہ سالار تُوما نے ہمیں پیغام دیا ہے کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر رضامند ہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں شہر سے نکل جانے دیا جائے، شہر میں لُوٹ مار نہ ہو، کسی کو قتل نہ کیا جائے، ہر شہری اور فوجی اپنے ساتھ اپنا جو مال و اموال لے جا سکتا ہے لے جانے کی اجازت دی جائے“۔

”ہم ناحق خون بہانے نہیں آئے اے رومیو!“ —— ابوعبیدہؓ نے کہا —— ”خُدا کی قسم، میں اپنے اُن ساتھیوں کا خون تمہیں معاف نہیں کر سکتا جو تم نے بہایا ہے“۔

”شہنشاہِ ہرقل کے داماد سپہ سالار تُوما نے کہا ہے کہ ہم تاوان ادا کریں گے“ —— ایک ایلچی نے کہا —— ”آپ اسے شاید جزیہ کہتے ہیں یا جو کچھ بھی کہتے ہیں“۔

”ہمارا شہنشاہ اللہ ہے“ —— ابوعبیدہؓ نے کہا —— ”تم نے ہرقل کو اس طرح شہنشاہ کہا ہے جیسے وہ ہمارا بھی شہنشاہ ہو اور وہ ہمیں خیرات دے رہا ہو“۔

”ہرقل ہتھیار ڈال دے گا تو بھی ہم اُسے شہنشاہ ہی کہیں گے“ —— ایلچی نے کہا —— ”ہم اُس کے نوکر ہیں اور اُس کا حکم بجا لاتے ہیں.... کیا آپ ہم پر اور دمشق کی عورتوں اور بچوں پر رحم نہیں کریں گے؟“

”اے سالارِ مدینہ!“ —— دوسرے ایلچی نے کہا —— ”دمشق کے شہری تو لڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ وہ تو بہت پہلے سے سپہ سالار تُوما کو کہہ رہے تھے کہ مدینہ والوں کے ساتھ صلح کر لو۔ اگر اسلام کے متعلق ہم نے جو سنا ہے وہ درست ہے تو آپ کو زیادہ نہیں سوچنا چاہیئے“۔

”خدا کی قسم!“ —— ابوعبیدہؓ نے کہا —— ”تم میرے سپہ سالار خالدؓ بن ولید کے پاس جاتے تو وہ بھی وہی کہتا جو میں کہوں گا۔ ہمارے آگے جو جھک جاتا ہے اور ہم سے صُلح کی بھیک مانگتا ہے اُسے ہم بخش دیتے ہیں کہ اسلام کا حکم یہی ہے۔ اگر کوئی آخر دم تک لڑے اور ہم بزورِ شمشیر اُس سے

ہتھیار ڈلوائیں تو پھر ہم اُسے رحم کے قابل نہیں سمجھتے۔"

اُس وقت خالدؓ شہر کے مشرقی حصے میں لڑ رہے تھے اور وہ رومی فوجیوں کا اور اُن شہری جوانوں کا جو اپنی فوج کے دوش بدوش لڑ رہے تھے، صفایا کرتے چلے جا رہے تھے۔ رومیوں کی فوج دوسرے دروازوں کے آگے بھی چلی گئی تھی۔ اس طرح یہ فوج تقسیم ہو کر کمزور ہو گئی تھی۔ اس سے خالدؓ نے بہت فائدہ اُٹھایا۔

اُدھر باب جابیہ کھل گیا اور ابوعبیدہؓ اپنے دستوں کے ساتھ توما کے ایلچیوں کی رہنمائی میں شہر میں داخل ہوئے۔ توما نے تین اور دروازے کھول کر اعلان کرا دیا کہ صلح ہو گئی ہے اور رومی دمشق سے جا رہے ہیں۔ معاہدہ ہو گیا ہے کہ لوٹ مار نہیں ہو گی، مسلمان کسی شہری کو قتل نہیں کریں گے اور کسی عورت کو مسلمان اپنے قبضے میں نہیں لیں گے۔

غروبِ آفتاب میں کچھ وقت ابھی باقی تھا جب ابوعبیدہؓ شہر میں داخل ہوئے تھے۔ خود توما نے آگے بڑھ کر ابوعبیدہؓ کا استقبال کیا۔ توما کے ساتھ اُس کا ایک سالار ہربیس بھی تھا۔ دمشق کا بڑا پادری بھی تھا۔

"اے رومیو!"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے توما اور ہربیس سے کہا۔ "تم خوش قسمت ہو کہ تم نے خود ہی شہر ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ اس سے تم نے اپنے آپ کو، اپنی فوج اور شہریوں کو بہت بڑی ذلت سے بچا لیا ہے، اور تم نے اپنے مال و اموال کو بھی بچا لیا ہے.... اور یہ شور کیسا ہے؟ کیا کہیں لڑائی ہو رہی ہے؟"

"لوگ صلح کی خوشی میں شور و غل مچا رہے ہیں"۔۔۔ توما نے جھوٹ بولا۔۔۔ "وہ دیکھیں، میری فوج دیواروں کے ساتھ کھڑی ہے۔ سب کے ہتھیار زمین پر پڑے ہیں۔"

اُس وقت خالدؓ شہر کے اُس حصے پر غالب آ چکے تھے جس میں رومی فوج کے دو تین دستوں نے اُن کا مقابلہ کیا تھا۔ اب خالدؓ بیچ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ حیران تھے کہ شہر کی باقی فوج اُن کے مقابلے کے لیے کیوں نہیں آ رہی؟ اسے خالدؓ پھندہ سمجھ رہے تھے، اسی خطرے کے پیشِ نظر وہ محتاط ہو کر آگے بڑھ رہے تھے۔ باہر سے اُن کا رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔ انہیں ایسی توقع نہیں تھی کہ دروازے کھل جائیں گے اور اُن کی باقی فوج بھی اندر آ جاتے گی۔ خالدؓ اپنے آپ کو بڑی ہی خطرناک صورتِ حال میں پھنسا ہوا محسوس کر رہے تھے۔

⟵

دمشق کے وسطی حصے میں شہر کا بڑا گرجا تھا جو کلیسائے مریم کہلاتا تھا۔ ابوعبیدہؓ کو وہاں لے جایا جا رہا تھا۔ وہ گرجے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ خالدؓ اپنے محافظوں کے ساتھ اُدھر آ نکلے۔ اُنہوں نے ابوعبیدہؓ کو ایسے پرامن انداز سے توما وغیرہ کے ساتھ دیکھا کہ اُن کی تلواریں نیاموں میں تھیں تو خالدؓ بن ولید پریشان ہو گئے۔

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ اور اُن کے محافظوں کو دیکھا۔ خالدؓ کے ہاتھ میں تلوار اور ڈھال تھی۔ تلوار خون سے لال تھی۔ دستے تک خون لگا ہوا تھا۔ خالدؓ پسینے میں نہائے ہوئے تھے اور اُن کے کپڑوں پر خون کے بے شمار چھینٹے اور دھبے تھے۔ ان کا سانس پھولا ہوا تھا۔ خالدؓ کے محافظوں کی بھی حالت ویسی ہی

تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ خالدؓ لڑتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔ محافظوں کے پاس برچھیاں تھیں جن کی انیاں جیسے خون میں سے نکالی گئی تھیں۔

خالدؓ اور ابوعبیدہؓ ایک دوسرے کو حیرت زدگی کے عالم میں دیکھتے رہے۔

"ابوسلیمان!"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے آخر سکوت توڑا اور خالدؓ سے کہا۔ "کیا تو اللہ کا شکر ادا نہیں کرے گا کہ اُس کی ذاتِ باری نے یہ شہر ہمیں عطا کر دیا ہے؟ اللہ نے صلح منظور کرنے کی سعادت مجھے عطا فرمائی ہے۔ ان لوگوں نے بغیر لڑے میرے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں پھر تو کیوں خون ٹپکاتی تلوار اپنے ہاتھ میں لیے پھرتا ہے؟ میں نے انہیں شہر سے اپنے مال و اموال لے جانے کی اجازت دے دی ہے۔"

"ابوعبیدہ!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔ "کون سی صلح کی بات کرتے ہو؟ کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ میں نے لڑ کر یہ شہر حاصل کیا ہے؟ خدا کی قسم، رومیوں نے مجھے امن اور صلح کا پیغام دے کر اندر نہیں بلایا۔ میرے لیے انہوں نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ میں خود شہر میں داخل ہوا ہوں۔ میں نے خون بہایا ہے اور میرے آدمیوں کا خون بہایا گیا ہے۔ میں رومیوں کو یہ حق نہیں دے سکتا کہ یہ خیر و عافیت سے شہر سے نکل جائیں۔ ان کے شہر کا خزانہ اور جو کچھ بھی شہر میں ہے وہ ہمارا مالِ غنیمت ہے.... اور میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ صلح کس نے کی اور کیوں کی ہے؟"

"ابوسلیمان!"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے کہا۔ "میں اور میرے دستے پُرامن طریقے سے شہر میں داخل ہوئے ہیں، دیکھ، شہر کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اگر تو میرے فیصلے کو رد کرنا چاہتا ہے تو کر دے لیکن یہ سوچ کہ میں دشمن کے ہتھیار ڈالنے پر اسے بخشش کا وعدہ دے چکا ہوں۔ اگر یہ وعدہ پورا نہ ہوا تو رومی کہیں گے کہ مسلمان وعدوں کے کچے ہیں۔ اس کی زد اسلام پر بھی پڑے گی۔"

خالدؓ کی حالت یہ تھی کہ غصے سے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ سالارِ اعلیٰ وہ ہوں اور صلح کے معاہدے کوئی اور کرتا پھرے۔ ابوعبیدہؓ اپنی بات پر اس طرح اَڑے ہوتے تھے کہ انہیں پرواہ ہی نہیں تھی کہ خالدؓ خلیفہ کی طرف سے سالارِ اعلیٰ مقرر کیے گئے ہیں۔ توما، اُس کا نائب سالار ہربیس، پادری اور شیر وغیرہ الگ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ انہیں اپنی چال کامیاب ہوتی نظر آ رہی تھی، بلکہ چال ضرورت سے زیادہ کامیاب ہو رہی تھی۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں کا سپہ سالار اور اُس کا قائم مقام سالار آپس میں لڑنے پر آ گئے تھے۔

ابوعبیدہؓ کی جگہ کوئی اور سالار ہوتا تو خالدؓ اُسے سالاری سے معزول کر کے سپاہی بنا دیتے یا اُسے واپس مدینہ بھیج دیتے لیکن وہ ابوعبیدہؓ تھے جنہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامت کا خطاب دیا تھا۔ انہیں الاثرم بھی کہتے تھے کیونکہ ان کے سامنے کے دانت احد کی جنگ میں شہید ہوتے تھے۔ مشہور مورخ ابن قتیبہ اور واقدی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ کو ابوعبیدہؓ سے خاص محبت تھی۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ابوعبیدہؓ بغیر دانتوں کے دانتوں والوں سے زیادہ خوبرو لگے تھے۔ اُن کا زہد اور تقویٰ ضرب المثل تھا۔ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور مجاہدین اُن کے اشارے پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ خالدؓ کے دل میں ابوعبیدہؓ کا اتنا احترام تھا کہ

میدانِ جنگ میں دونوں کی پہلی ملاقات ہُوئی تو خالدؓ گھوڑے پر سوار نہیں تھے۔ ابوعبیدہؓ گھوڑے پر سوار تھے۔ خالدؓ چونکہ سالارِ اعلیٰ تھے اس لیے ابوعبیدہؓ نے اُتر کر خالدؓ سے مِلنا چاہا لیکن خالدؓ نے انہیں روک دیا اور کہا کہ میرے دل میں اپنے احترام کو قائم رکھیں۔

وہ ابوعبیدہؓ اب خالدؓ سے پوچھے بغیر دشمن کے متعلق بڑا اہم فیصلہ کر بیٹھے اور اسے بدلنے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ ابوعبیدہؓ عشرہ مبشّرہ میں سے بھی تھے۔ ابوعبیدہؓ کی تمام خوبیوں اور اِسلامی معاشرے میں اُن کی قدر و منزلت کو تسلیم کرتے ہوئے اُس دور کے وقائع نگار اور مؤرخ لکھتے ہیں کہ جنگی امور کی جو سوجھ بوجھ خالدؓ میں تھی وہ ابوعبیدہؓ میں نہیں تھی۔ وہ باریکیوں کو نہیں سمجھتے تھے۔ البتہ حرب و ضرب میں مہارت رکھتے تھے۔

"میں تجھے امیر مانتا ہوں ابوسلیمان!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "لیکن یہ سوچ کہ میں اپنے دستوں کے ساتھ پُرامن طریقے سے شہر میں لایا گیا ہوں۔"

"ابن الجرّاح!" — خالدؓ نے کہا — "آ تجھے دکھاؤں کہ میں کِس طرح شہر میں داخل ہُوا ہوں اور رات سے اب تک مجھے کیسی لڑائی لڑنی پڑی ہے۔ اِن رومیوں نے دیکھا کہ یہ لڑ نہیں سکتے اور میں شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا تو یہ تیرے پاس جا پہنچے ہیں۔ میں انہیں معاف نہیں کروں گا۔"

"ابوسلیمان" — ابوعبیدہؓ نے دبدبے سے کہا — "کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا؟ میں نے انہیں اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ ان سے حفاظت کا وعدہ کر چکا ہوں۔"

لیکن خالدؓ ابوعبیدہؓ کی بات ماننے پر آمادہ نہیں تھے۔

"آہ ابوسلیمان" — ابوعبیدہؓ نے افسوس کے لہجے میں کہا — "میں نے جب ان کی شرطیں سُن کر انہیں حفاظت کا وعدہ دیا تھا، اُس وقت مجھے گمان تک نہ ہُوا تھا کہ تو میرے فیصلے پر اعتراض کرے گا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ تُو لڑ رہا ہے۔ میں نے اپنے اللہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق اور انہی کے نام پر رومیوں کو بخش دیا ہے.... سمجھ لے ابوسلیمان، میری بات سمجھ لے۔ مجھے بدعہدی کا ارتکاب نہ کرنے دے۔"

دونوں کے درمیان بحث چلتی رہی۔ خالدؓ کے محافظوں کو بھی غصہ آگیا۔ وہ تلواریں سونت کر تُوما اور اُس کے ساتھیوں پر جھپٹے۔ وہ انہیں قتل کر دینا چاہتے تھے۔ انہیں کسی طرح شک ہو گیا تھا کہ یہ رومیوں کی چال ہے جو دو سالاروں کو لڑا رہی ہے۔ محافظوں نے تُوما وغیرہ پر حملہ بولا تو ابوعبیدہؓ دوڑ کر اُن کے آگے ہو گئے۔

"خبردار!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "پہلے کچھ فیصلہ ہونے دو۔ یہ ابھی میری پناہ میں ہیں، اور تمہیں جب تک حکم نہیں مِلتا تم کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔"

خالدؓ نے ابوعبیدہؓ کے اس حکم کو بھی برداشت کیا۔ خالدؓ کی موجودگی میں ابوعبیدہؓ کوئی حکم نہیں دے سکتے تھے۔ یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے اچھی نہیں تھی۔ ایک غلطی تو خالدؓ سے ہُوئی تھی کہ کمند پھینک کر شہر میں داخل ہونے جیسا خطرناک کام کر رہے تھے مگر ابوعبیدہؓ کو اطلاع نہ دی، حالانکہ وہ خالدؓ کے قائمقام سالار تھے۔ خالدؓ نے تو اُن سالاروں میں سے بھی کسی کو نہ بتایا جو شہر کے دوسرے دروازوں کے سامنے اپنے دستوں کے ساتھ موجود تھے۔ اس کے بعد غلطی ابوعبیدہؓ کی تھی جنہوں نے

وہ فیصلہ کیا جو صرف سالارِ اعلیٰ کو کرنا چاہیے تھا۔

خالدؓ اور ابوعبیدہؓ کے درمیان یہ جھگڑا اُن کی اَنا کا مسئلہ بن کر کوئی ناگوار صورت اختیار کر سکتا تھا لیکن یہ اُس دَور کا واقعہ ہے جب مسلمان آپس کے کِسی جھگڑے کو ذاتی مسئلہ نہیں بنایا کرتے تھے اور اُن کے حاکم اپنے آپ کو آج کل کے حاکموں کی طرح نہیں سمجھا کرتے تھے۔ خالدؓ نے دوسرے سالاروں کو بلایا۔ اُس وقت تک دوسرے دستے بھی شہر میں آچکے تھے۔ سالار جب خالدؓ کے پاس آئے تو خالدؓ نے اپنا اور ابوعبیدہؓ کا جھگڑا اُن کے آگے رکھ دیا۔

"ابنِ ولید!" — سالاروں نے آپس میں بحث مباحثہ کر کے خالدؓ سے کہا — "ابوعبیدہؓ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن وہ جو فیصلہ کر چکے ہیں ہمیں اسی پر عمل کرنا چاہیے، ورنہ یہ خبر دُور دُور تک پھیل جائے گی کہ مسلمان دھوکہ باز ہیں، صلح اور عام معافی کا وعدہ کرتے ہیں پھر لوٹ مار اور قتلِ عام کرتے ہیں۔"

"ابنِ ولید!" — سالار شرجیلؓ بن حسنہ نے کہا — "ہم نے پہلے دیکھا ہے کہ بعض شہر ہمیں مزاحمت کے بغیر مل گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان شہروں میں ہماری ڈھال آمد سے آگے آگے یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کی شرطیں سخت نہیں ہوتیں اور اپنی شرطوں پر قائم رہتے ہیں اور رحمدلی سے ہر کِسی سے پیش آتے ہیں.... ابنِ ولید! ہمیں اس روایت کو برقرار رکھنا چاہیے ورنہ پھر کوئی شہر ہمیں آسانی سے نہیں ملے گا۔"

"خدا کی قسم!" — خالدؓ نے غصے کو دباتے ہوتے کہا — "تم سب نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔"

رومی سالار تُوما اور ہربیس ذرا دُور کھڑے اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ خالدؓ نے اُن کی طرف دیکھا تو غصہ پھر تیز ہو گیا۔

"میں تم سب کا فیصلہ قبول کرتا ہوں" — خالدؓ نے کہا — "لیکن ان دونوں رومی سالاروں کو نہیں چھوڑوں گا۔ میں انہیں زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتا۔"

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو ولید کے بیٹے!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "انہی دونوں کے ساتھ تو میرا معاہدہ ہُوا ہے اور انہی کو میں نے حفاظت کی ضمانت دی ہے۔ میرے فیصلے کو تُو نے قبول کر ہی لیا ہے تو ان دونوں کو بھی جانے دے۔"

"تیرے عہد نے انہیں میرے ہاتھ سے بچا لیا ہے" — خالدؓ نے غضبناک آواز میں کہا — "لیکن یہ دونوں اللہ کی لعنت سے نہیں بچ سکیں گے۔"

ایک اور مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ تُوما اور ہربیس کے پاس ایک آدمی کھڑا تھا جو عربی زبان سمجھتا اور بولتا تھا۔ وہ مسلمان سالاروں کی باتیں سن کر تُوما اور ہربیس کو رومی زبان میں سناتا جا رہا تھا۔ آخر انہیں عام معافی کے فیصلے سے آگاہ کیا گیا۔

"آپ سب نے ہم پر احسان کیا ہے" — تُوما نے خالدؓ اور ابوعبیدہؓ کا شکریہ ادا کیا اور کہا — "ہمیں اجازت دی جائے کہ اپنی منزل تک ہم اپنی پسند کے راستے سے جا سکیں۔"

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کی طرف دیکھا کہ وہ جواب دیں گے لیکن خالدؓ نے مُنہ پھیر لیا۔

"تمہیں اجازت ہے" — ابوعبیدہؓ نے تُوما کو جواب دیا — "جس راستے پر جا ہو جا سکتے ہو لیکن یہ بھی سن لو۔ تم جہاں رکو گے یا جہاں قیام کرو گے، اگر ہم نے اس [illegible] پر قبضہ کر لیا تو ہم سے اپنی

حفاظت کی توقع نہ رکھنا۔ تمہارے ساتھ جو معاہدہ کیا جا رہا ہے یہ صرف اُس مقام تک ہے جہاں تم جا رہے ہو۔ یہ دوستی کا معاہدہ نہیں"۔

"اگر معاہدہ عارضی ہے تو میری ایک درخواست اور ہے"۔۔۔ تُوما نے کہا۔۔۔ "ہمیں تین دنوں کی مہلت دی جائے کہ ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ تین دنوں بعد ہم معاہدے کو ختم سمجھیں گے"۔

"پھر ہم تمہارے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیں گے کریں گے"۔۔۔ خالدؓ گرج کر بولے۔

"آپ ہمیں قتل کر سکتے ہیں"۔۔۔ تُوما نے کہا۔۔۔ "ہمیں پکڑ کر اپنا غلام بنا سکتے ہیں"۔

"یہ بھی منظور ہے"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "تین دنوں میں ہی کہیں غائب ہو جانا۔ وہاں تک چلے جانے کی کوشش کرنا جہاں تک میں نہ پہنچ سکوں .... اب ایک شرط میری بھی سن لو.... تم اپنے ساتھ چند دنوں کے کھانے پینے کا سامان لے جا سکو گے۔ اس سے زیادہ تم کچھ نہیں لے جا سکو گے۔ کوئی آدمی ہتھیار لے کر نہیں جائے گا"۔

"نہیں ابوسلیمان!"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا۔۔۔ "تیری یہ شرطیں اُس معاہدے کے خلاف ہیں جو میں نے ان کے ساتھ کیا ہے۔ یہ اپنا مال و اسباب اور جو کچھ یہ لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ میں انہیں یہ حق دے چکا ہوں"۔

خالدؓ نے گذشتہ رات کو اپنے آپ کو زندگی کے سب سے بڑے خطرے میں ڈالا تھا کہ دیوار پر کمند پھینک کر اوپر چلے گئے تھے۔ اب ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو ایک اور بڑے ہی سخت امتحان میں ڈال دیا تھا۔ خالدؓ رومیوں پر اپنی کوئی نہ کوئی شرط عائد کرنا چاہتے تھے مگر ابوعبیدہؓ اُن کی ہر شرط کو یہ کہہ کر رَد کر دیتے تھے کہ تُوما کے ساتھ وہ کچھ اور معاہدہ کر چکے ہیں۔ خالدؓ کو بار بار اپنے غصے کو دبانا پڑتا تھا۔ یہ کام بہت مشکل تھا۔

"لے جائیں"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "جو کچھ اٹھا سکتے ہیں لے جائیں لیکن ان میں کوئی بھی کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لے جائے گا"۔

"ہم پر یہ ظلم نہ کریں"۔۔۔ تُوما نے کہا۔۔۔ "ہم لمبے سفر پر جا رہے ہیں۔ راستے میں کوئی اور دشمن ہم پر حملہ کر سکتا ہے۔ ہمیں نہتہ دیکھ کر ڈاکو ہی ہمیں لُوٹ لیں گے۔ اگر آپ ہمیں نہتہ یہاں سے نکالنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہیں رہنے دیں اور ہمارے ساتھ جیسا سلوک چاہیں کریں۔ ایک طرف آپ کی نیکیاں اتنی ہیں کہ ان کا شمار نہیں مگر آپ کا یہ حکم ہمارے قتل کے برابر ہے کہ ہم نہتے جائیں"۔

خالدؓ کچھ دیر تُوما کے منہ کی طرف دیکھتے رہے۔ اُن کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اپنے اُوپر جبر کر رہے ہیں۔

"اے رومی سالار!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "تُو خوش قسمت ہے کہ صلح کے لیے تُو میرے پاس نہیں آگیا تھا.... میں تجھے ہتھیار اپنے ساتھ لے جانے کی بھی اجازت دے دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ ہر شخص جس میں تو بھی شامل ہے، صرف ایک ہتھیار لے جا سکتا ہے۔ ایک تلوار یا ایک برچھی یا ایک کمان اور ایک ترکش یا ایک برچھی یا ایک خنجر"۔

اس کے بعد معاہدہ لکھا گیا جس کے الفاظ یہ تھے :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سالارِ اعلیٰ عساکرِ مدینہ خالد بن ولید کی طرف سے دمشق کے باشندگان کے ساتھ یہ معاہدہ ہُوا ہے۔ مسلمان شہر دمشق میں داخل ہوں گے وہ اس کے ذمّہ دار ہوں گے کہ شہر کے لوگوں کے جان و مال کا، اُن کی املاک کا، اُن کی عزت و آبرو کا تحفّظ کریں۔ اس میں اُن کی عبادت گاہوں اور شہر کی فصیل کا تحفظ بھی شامل ہے۔ انہیں اللہ اور رسولؐ اور تمام مومنین اور خلیفۃ المسلمین کی طرف سے ضمانت دی جاتی ہے۔ ان کے ساتھ مسلمان رحمدلی اور ہمدردی کا سلوک اُس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک اہلِ دمشق جزیہ دیتے رہیں گے"۔

جزیہ کی رقم ایک دینار فی کس مقرر ہُوئی اور کچھ مقدار اناج وغیرہ کی مقرر ہوئی جو اہلِ دمشق نے مسلمانوں کو دینی تھی۔

<

وہ منظر مجاہدین کے لیے بڑا ہی تکلیف دہ تھا جب رومی فوج دمشق سے روانہ ہُوئی جو شہری دمشق میں نہیں رہنا چاہتے تھے وہ فوج کے ساتھ جا رہے تھے۔ اُن کی فوج نے شہریوں کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا جیسے مسلمان ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ رومی سپہ سالار تُوما بھی جا رہا تھا۔ اُس کی اُس آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی جس میں تیر کا ٹکڑا ابھی تک موجود تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کی بیوی تھی جو شہنشاہِ روم ہرقل کی بیٹی تھی۔ اس وقت کی وہ بہت ہی حسین اور جوان عورت تھی۔ شاہی مال و اسباب بے شمار گھوڑا گاڑیوں میں جا رہا تھا۔ ظاہر ہے ان گاڑیوں میں خزانہ بھی جا رہا تھا۔

دمشق کے وہ باشندے جنہوں نے دمشق میں رہنا پسند نہیں کیا تھا وہ اپنا مال و متاع گھوڑا گاڑیوں اور ریہڑوں پر لے جا رہے تھے جنہیں خچر کھینچ رہے تھے۔ ان میں منڈی کا مال اور تجارتی سامان بھی جا رہا تھا۔ مؤرخ بلاذری اور واقدی لکھتے ہیں کہ سونے چاندی کے بعد جو بیش قیمت سامان جا رہا تھا وہ بڑے عمدہ زربفت کی تین سو سے کچھ زائد گانٹھیں تھیں۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ یہ ہرقل کی تھیں اور بعض نے لکھا ہے کہ یہ منڈی کا مال تھا۔ لوگ دودھ والے مویشی بھی ساتھ لے جا رہے تھے۔ مختصر یہ کہ دمشق سے تمام مال و دولت جا رہا تھا۔

خالدؓ کے مجاہدین دیکھ رہے تھے۔ یہ اُن کا مالِ غنیمت تھا جو اُن کا جائز حق تھا۔ زیادہ افسوس اُن دستوں کے مجاہدین کو ہو رہا تھا جنہوں نے شہر کے اندر جا کر بڑی سخت لڑائی لڑی تھی۔ اس سے بھی زیادہ افسوس اُن ایک سو جانبازوں کو تھا جن میں سے پچاس کمندوں سے دیوار پر گئے تھے اور باقی پچاس دروازہ کھلتے ہی سب سے پہلے اندر گئے تھے۔ ان سب نے لڑ کر شہر لیا تھا۔

خالدؓ کا اپنا یہ حال تھا کہ دمشق سے جانے والے مال و اسباب کو دیکھ دیکھ کر غصے سے اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے مجاہدین کو دیکھا۔ اُن کے چہروں پر افسردگی اور غصے کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔ بعض کے تاثرات تو ایسے تھے جیسے وہ دمشق سے جانے والوں پر ہلّہ بول دیں گے اور اپنا حق وصول کر لیں گے۔

مؤرخ واقدی اور ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ خالدؓ کے لیے اپنے غصے پر قابو پانا محال ہو رہا تھا آخر اُنہوں نے دونوں ہاتھ آگے اور کچھ اوپر کر کے آسمان کی طرف دیکھا اور ذرا اونچی آواز میں کہا۔۔۔

"یااللہ! یہ سامان تو تیرے مجاہدین کا تھا۔ یہ انہیں دے دے"۔۔۔ خالدؓ کی جذباتی حالت ٹھیک نہیں تھی۔

"سالارِ محترم!"۔۔۔ خالدؓ کو اپنے قریب آواز سنائی دی ۔۔۔"آپ کو دمشق مبارک ہو"۔

خالدؓ نے اُدھر دیکھا۔ وہ یونس ابن مرقس تھا۔ اُسے دیکھ کر خالدؓ کو یاد آیا کہ اس شخص نے اُس لڑکی کی خاطر دمشق فتح کروا دیا تھا جس کے ساتھ اُس کی شادی ہو چکی تھی لیکن لڑکی کے ماں باپ اُسے یونس ابن مرقس کے ساتھ نہیں بھیج رہے تھے۔

"ابنِ مرقس!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔"دمشق تجھے مبارک ہو۔ یہ کارنامہ تیرا ہے۔ تُو نہ ہوتا تو ہم اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتے تھے"۔

"لیکن میں نے جسے حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا اور یہاں کی بادشاہی ختم کرا دی ہے، وہ مجھے نہیں ملی"۔

"کیا اُس کے ماں باپ یہیں ہیں؟"۔۔۔ خالدؓ نے پوچھا۔

"وہ چلے گئے ہیں"۔۔۔ یونس ابن مرقس نے جواب دیا ۔۔۔"میں لڑکی سے ملا تھا۔ اُسے کہا کہ وہ ماں باپ کو بتائے بغیر میرے ساتھ آجائے۔ میری محبت اُس کی روح میں اُتری ہوئی ہے۔ وہ فوراً تیار ہو گئی لیکن کہنے لگی کہ مسلمان آ گئے ہیں، یہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے پھر تم کیا کرو گے؟ میں نے اُسے کہا کہ میں بھی مسلمان ہوں، تم اب محفوظ ہو....

"اُس نے حیران ہو کر پوچھا کہ تم نے یہ کیوں کہا ہے کہ تم بھی مسلمان ہو؟ میں نے اُسے بتایا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ وہ بالکل ہی بدل گئی۔ کہنے لگی کہ اپنے مذہب میں واپس آجاؤ۔ میں نے اسلام کی خوبیاں بیان کیں تو اُس نے کہا ۔۔۔ 'اگر تم اپنے مذہب میں واپس نہیں آؤ گے تو میری محبت نفرت میں بدل جائے گی'۔۔۔ میں نے کہا کہ محبت مذہب کو نہیں دیکھا کرتی۔ میں نے یہ بھی کہا کہ میں اب مسلمان ہی رہوں گا۔ اُس نے کہا ۔۔۔ 'میں قسم کھاتی ہوں کہ آج کے بعد تمہاری شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کروں گی۔ میں دمشق سے جا رہی ہوں' ۔۔۔ اور وہ چلی گئی"۔

"کیا تم بھی اُس کی محبت کو نفرت میں نہیں بدل سکتے؟"۔۔۔ خالدؓ نے پوچھا۔

"نہیں محترم سالار!"۔۔۔ یونس ابن مرقس نے کہا ۔۔۔"میری محبت ایسی نہیں۔ یہ لڑکی مجھے نہ ملی تو شاید میں پاگل ہو جاؤں۔ میں نے آپ کو ایک شہر دیا ہے، کیا آپ مجھے ایک لڑکی نہیں دلا سکتے؟ وہ میری بیوی ہے۔ آپ نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ آپ چاہیں تو اپنا ایک دستہ بھیج کر لڑکی کو زبردستی لا سکتے ہیں۔ آپ فاتح ہیں"۔

"ابنِ مرقس!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔"معاہدہ ہو چکا ہے۔ ہم جانے والوں کا ایک بال بھی اُن سے زبردستی نہیں لے سکتے"۔

مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ یونس ابن مرقس عقل اور ذہانت کے لحاظ سے کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ خالدؓ اس سے متاثر تھے اور خالدؓ اس کے احسان مند بھی تھے۔ دمشق کی فتح اِس یونانی جوان کے بغیر اگر ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور تھی۔ خالدؓ کو یہ شخص اس لیے بھی اچھا لگتا تھا کہ اُس نے

اسلام قبول کر لیا تھا اور جس لڑکی کی محبت اُسے پاگل کیے ہوئے تھی، اُس کے کہنے پر بھی اُس نے اسلام ترک نہیں کیا تھا۔

"میں نے سنا ہے"۔۔۔ یونس ابن مرقس نے کہا ۔۔۔"کہ آپ نے دمشق سے جانے والوں کو تین دنوں کے لیے تحفظ کا وعدہ کیا ہے۔ کیا ان تین دنوں کے دوران آپ ان لوگوں کا تعاقب کر کے ان پر حملہ نہیں کر سکتے؟"

"نہیں ابن مرقس!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔"یہ معاہدے کے خلاف ہے"۔

"تین روز گزر جانے کے بعد تو آپ اُن پر حملہ کر سکتے ہیں"۔۔۔ یونس ابنِ مرقس نے کہا۔

"تین دنوں میں تو یہ بہت دور پہنچ چکے ہوں گے"۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔"یہ قافلہ بہت تیز جائے گا کیونکہ اس کے پاس خزانہ ہے اور بہت قیمتی مال بھی ہے۔ راستے میں رومیوں کے قلعے آتے ہیں۔ وہ کسی قلعے میں جا پناہ لیں گے۔ میں کسی قلعے پر اتنی جلدی حملہ نہیں کر سکوں گا"۔

"اے اسلام کے عظیم سالار!"۔۔۔ یونس ابنِ مرقس نے کہا ۔۔۔"یہ اُس راستے پر نہیں جا رہے جس راستے پر قلعے آتے ہیں۔ میں ان قلعوں سے واقف ہوں.... بعلبک، حمص اور طرابلس.... یہ قافلہ انطاکیہ جا رہا ہے۔ میں جانتا ہوں۔ قافلے کے ساتھ سالار تُوما ہے۔ وہ اپنی فوج اور شہریوں کو انطاکیہ لے جا رہا ہے جہاں اُس کا سُسر شہنشاہ ہرقل رہ رہا ہے۔ میں تمام علاقے سے واقف ہوں۔ انطاکیہ تک پہنچنے کے لیے تین سے بہت زیادہ دن سفر کرنا پڑتا ہے۔ میں آپ کو ایسی طرف سے لے جا سکتا ہوں جو کوئی راستہ نہیں۔ آپ کے گھوڑسوار تیز ہوں تو میں چوتھے دن کی صبح تک انہیں قافلے تک پہنچا سکتا ہوں"۔

خالدؓ نے یہ سنا تو اُن کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یہی تو وہ چاہتے تھے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ مجاہدین کو مالِ غنیمت ضرور دلائیں گے۔ انہیں دمشق والوں پر غصہ تھا جو دمشق سے اپنے مال و متاع لے کر چلے گئے تھے۔

"میں آپ کی رہنمائی کروں گا"۔۔۔ یونس ابنِ مرقس نے کہا ۔۔۔"میں آپ سے کچھ نہیں لوں گا۔ مجھے صرف میری بیوی دلا دینا"۔

چوتھے دن کی صبح طلوع ہوئی تو تُوما کا قافلہ انطاکیہ سے ابھی بہت دُور تھا۔ توما کو شکست کا افسوس تو تھا ہی لیکن وہ خوش تھا کہ اُس کی چال کامیاب رہی تھی اور وہ دمشق کے لوگوں کو قیمتی اشیا سمیت اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ اُس روز قافلہ ایک پہاڑی سلسلے میں پڑاؤ کیے ہوئے تھا اور کچھ دیر میں چلنے کو تھا۔ اچانک کسی طرف سے ہزاروں گھوڑسوار صحرائی آندھی کی طرح آئے اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔

اس سے ذرا ہی پہلے رومیوں پر ایک اور قہر ٹوٹا تھا۔ یہ بڑی تیز بارش تھی۔ گھٹائیں پھٹ پڑی تھیں۔ اس رومی قافلے کے لیے کوئی پناہ نہیں تھی۔ یہ بارش آسمانی آفت تھی اور اس آفت میں رومی فوج اور دمشق کے باشندوں پر ایک اور آفت ہزاروں گھوڑسواروں کی شکل میں ٹوٹی۔ اُس وقت تک قافلے وا[illegible] اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔ وہ اپنے سامان کو گھسیٹتے پھر رہے تھے۔ زربفت کی تین

سے زائد گانٹھیں جو بڑے بڑے بنڈلوں کی مانند تھیں، ہر طرف بکھری پڑی تھیں۔ بعض گانٹھیں کھل گئیں اور کپڑا کھل کر بکھر گیا تھا۔

زربفت کا کپڑا اتنا زیادہ بکھرا کہ اس جگہ کا نام "مرج الدیباج" یعنی ریشم کا خیابان پڑ گیا۔ یہاں جو معرکہ لڑا گیا اسے تمام مؤرخوں نے معرکہ مرج الدیباج لکھا ہے۔

یہ گھوڑ سوار جنہوں نے رومیوں اور دمشق والوں کے قافلے پر حملہ کیا تھا، ان کی تعداد ایک ہزار تھی اور یہ خالدؓ کے بھیجے ہوئے سوار تھے۔ اس حملے کی تفصیلات یوں ہیں کہ یونس ابن مرقس نے جب خالدؓ کو بتایا کہ وہ انہیں ایک چھوٹے راستے سے رومیوں تک پہنچا سکتا ہے تو خالدؓ کو روشنی نظر آئی۔ یونس ابن مرقس خالدؓ کو اس لیے تعاقب اور حملے پر اکسا رہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو پکڑ کر اپنے ساتھ لانا چاہتا تھا لیکن خالدؓ کچھ اور سوچ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی فوج کی مایوسی دیکھی تھی۔ دشمن مالِ غنیمت اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

خالدؓ پر پابندی یہ عائد ہو گئی تھی کہ رومیوں کو تین دنوں کی مہلت دی گئی تھی۔ اس دوران مسلمان ان پر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ تین دنوں میں رومیوں کو کسی نہ کسی پناہ میں پہنچ جانا تھا لیکن یونس ابن مرقس کہتا تھا کہ قافلہ انطاکیہ جا رہا ہے اور یونس اسے راستے میں پکڑوا سکتا ہے۔ خالدؓ کو غصہ اور تاسف پریشان کر رہا تھا۔ دشمن مع مالِ غنیمت کے ابو عبیدہؓ کی غلطی یا غلط فہمی سے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ یونس کی یقین دہانی پر خالدؓ نے حملے کا پلان تیار کر لیا۔

اس پلان کے مطابق خالدؓ نے وہ سوار دستہ ساتھ لیا جو انہوں نے گھوم پھر کر لڑنے کے لیے تیار کیا تھا۔ اسے طلیعہ کہتے ہیں۔ یہ چار ہزار منتخب سواروں کا دستہ تھا۔ یہ سب شہسوار اور جانباز تھے۔ اس دستے کا گائیڈ یونس ابن مرقس تھا۔ وہ خوش تھا کہ خالدؓ اُس کی بیوی اُسے دلانے کے لیے اتنا بڑا جنگی اہتمام کر رہے ہیں لیکن خالدؓ کے سامنے کچھ اور مسئلہ تھا جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

خالدؓ نے اس دستے کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور روانہ ہو گئے۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ خالدؓ نے ہر حصے کے سالار کو اور سواروں کو بھی بتا دیا تھا کہ جس قافلے پر حملہ کرنے جا رہے ہیں اسے صرف قافلہ نہ سمجھیں۔ وہ سب مسلح ہیں، اُن کے پاس گھوڑے بھی ہیں اور وہ رومی ہیں جو جان کی بازی لگا کر لڑنا جانتے ہیں اور وہ پسپا ہوتے ہیں تو منظم طریقے سے پیچھے ہٹتے ہیں، بھاگتے نہیں۔

چوتھے دن رومی فوج اور دمشق کے باشندوں کا یہ قافلہ انطاکیہ سے ابھی کچھ دور تھا کہ موسلا دھار بارش نے اسے بکھیر دیا۔ جوں ہی بارش ختم ہوئی، ایک ہزار گھوڑ سواروں نے ان پر حملہ کر دیا۔ رومی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان سواروں کے آگے آگے ضرار بن الازور تھے جنہوں نے حسبِ معمول سر پر خود بھی نہیں رکھی تھی اور قمیض بھی اتاری ہوئی تھی۔ وہ کمر تک برہنہ تھے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رومی سالار تُوما اور ہربیس پہلے تو اس پر حیران ہوتے کہ مسلمان کدھر سے آ نکلے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ انہیں دمشق کا ہی ایک گائیڈ مل گیا تھا جو انہیں ایک چھوٹے راستے سے لے گیا۔

"ہربیس!" ــــ تُوما نے کہا ــــ "سب کو مقابلے کے لیے تیار کرو۔ مسلمانوں نے ہمیں تین دنوں کی ضمانت دی تھی۔ یہ تین دن ختم ہو گئے ہیں۔"

"جم کر مقابلہ کرو" ــــ ہربیس نے للکار کر کہا ــــ "یہ بہت تھوڑے ہیں۔ کاٹ دو انہیں۔"

رومی فوج حملہ روکنے کی ترتیب میں ہو گئی۔ دمشق کے جو شہری لڑ سکتے تھے وہ بھی مسلمانوں کے مقابلے میں آ گئے۔ رومی سپاہی اور اہلِ دمشق بارش سے بھیگے ہوئے تھے اور اُن کا سامان بکھرا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی عورتوں کو بچوں کو پیچھے کر دیا اور اُن کے ڈیڑھ دو سو آدمی تلواریں اور برچھیاں لے کر عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے کھڑے ہو گئے۔

رومی للکار کر اور نعرے لگا لگا کر لڑ رہے تھے۔ ضرار جو برہنہ جنگجو کے نام سے مشہور ہو گئے تھے اپنی روایت کے مطابق لڑ رہے تھے بلکہ جو سامنے آیا اُسے کاٹتے جا رہے تھے لیکن رومی جس بے جگری سے لڑ رہے تھے اس سے یہی نظر آ رہا تھا کہ وہ مسلمان سواروں کا صفایا کر دیں گے۔

تقریباً نصف گھنٹہ گزرا ہو گا کہ ایک طرف سے خالدؓ کے دستے کے ایک ہزار مزید سوار گھوڑے سرپٹ دوڑاتے آ رہے تھے۔ ان کے سالار رافع تھے۔ رومی سالاروں نے دیکھا تو انہوں نے اپنی ترتیب بدل ڈالی اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ وہ ان سواروں کو بھی ختم کر دیں گے۔ اُن کے لڑنے کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ اپنے دعوے کو صحیح ثابت کر سکتے تھے۔ معرکہ اور زیادہ خونریز ہو گیا۔

نصف گھنٹہ اور گزرا ہو گا کہ مزید ایک ہزار سوار شمال کی طرف سے آ تے۔ ان کے سالار خلیفۃ المسلمین کے بیٹے عبدالرحمٰن تھے۔ اب رومیوں کے حوصلے مجروح ہونے لگے۔ یہ ایک ہزار سوار جدھر سے آئے تھے۔ یہ رومیوں کی پسپائی کا راستہ تھا۔ اُدھر انطاکیہ تھا۔ مسلمانوں نے یہ راستہ روک لیا تھا۔

اب تین ہزار مسلمان سوار رومیوں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے لیکن رومی اور اہلِ دمشق پہلے سے زیادہ شدت سے لڑنے لگے۔ یہ معرکہ اُن کے لیے زندگی اور موت کا معرکہ بن گیا تھا۔ اُن کا بڑا ہی قیمتی مال و متاع، اُن کے بچے اور بڑی خوبصورت اور جوان بیٹیاں، بہنیں اور بیویاں اُن کے ساتھ تھیں۔ وہ بھاگ نہیں سکتے تھے۔ اُن کے لڑنے میں شدت پیدا ہو گئی۔

تقریباً ایک گھنٹے تک رومیوں نے مسلمانوں کا ناک میں دم کیے رکھا۔ اُن کا سالار تُوما جس کی آنکھ میں تیر اُترا ہوا تھا، سپاہیوں کی طرح لڑ رہا تھا۔ اچانک ایک ہزار مزید گھوڑ سوار ایک اور سمت سے آ تے۔ ان کا سالار تلوار بلند کیے نعرے لگا رہا تھا:

أنا فارس الضديد

أنا خالدؓ بن وليد

رومی اس نعرے سے بخوبی واقف تھے۔ ان ایک ہزار سواروں کے قائد خالدؓ خود تھے۔ یہ تھا خالدؓ کا پلان۔ وہ ایک ایک ہزار سوار بھیجتے رہے اور آخر میں خود ایک ہزار سواروں کے ساتھ آ تے۔ خالدؓ تو ما اور ہربیس کو ڈھونڈ رہے تھے۔

"کہاں ہے ایک آنکھ والا رومی" ــــ خالدؓ للکار رہے تھے ــــ "کہاں ہے وہ جس کی ایک آنکھ

میں مومن کا تیر اُترا ہوا ہے۔"

رومی سالاروں کی تلاش میں خالدؓ دشمن کے دور اندر چلے گئے۔ وہ اکیلے تھے۔ اُن کے محافظوں کو بھی پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔

"ابنِ ابی بکرؓ!" — خالدؓ کا ایک محافظ سالار عبدالرحمٰنؓ کو دیکھ کر اُن تک پہنچا اور لڑائی کے شور وغل میں چلّا کر بولا — "سالارِ اعلیٰ کا کچھ پتہ نہیں۔ اکیلے آگے چلے گئے ہیں۔"

"نہیں، نہیں" — عبدالرحمٰنؓ نے گھبرا کر کہا — "ابنِ ولید لاپتہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی تلوار گر نہیں سکتی۔"

عبدالرحمٰنؓ نے کچھ سواروں کو ساتھ لیا، بے طرح اور بے خطر اُس طرف گئے جدھر خالدؓ چلے گئے تھے۔ لڑائی ایسی تھی جیسے سوار گتھم گتھا ہو گئے ہوں۔ عبدالرحمٰنؓ ان میں راستہ بناتے خالدؓ کو ڈھونڈنے لگے۔ دیکھا کہ خالدؓ دشمن کے قلب میں پہنچے ہوئے تھے اور وہ توما کو اور دوسرے رومی سالار ہربیس کو ہلاک کر چکے تھے اور اب رومیوں کے نرغے سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اُن کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ رومی زیادہ تھے۔ یہ خالدؓ تھے جو ابھی تک ہر وار بچا رہے تھے۔ رومیوں کے ہاتھوں اُن کی شہادت یقینی تھی۔ عبدالرحمٰن اپنے سواروں کے ساتھ پہنچ گئے اور رومیوں پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ ان میں سے کئی ایک کو ہلاک کر دیا اور خالدؓ کو وہاں سے زندہ نکال لائے۔

اس معرکے کی صورت ایسی بن گئی تھی کہ کوئی ترتیب نہیں رہی تھی۔ یہ کھلی لڑائی تھی جو لڑنے والے اپنے اپنے انداز سے انفرادی طور پر لڑ رہے تھے۔ مسلمان سواروں کی کمزوری یہ تھی کہ ان کی تعداد کم تھی اس لیے وہ رومیوں اور اہلِ دمشق کی اتنی زیادہ نفری کو گھیرے میں نہیں لے سکتے تھے۔ اس سے یہ ہوا کہ رومی اپنے سالاروں کی ہلاکت کے بعد ایک ایک دو دو معرکے میں سے نکلنے لگے۔ وہ علاقہ پہاڑی تھا اور کھڈ نالے بھی تھے۔ رومی وہیں کہیں غائب ہوتے گئے اور انطاکیہ کی طرف نکل گئے۔ اس طرح معرکہ آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔

⮜

خالدؓ کے حکم سے عورتوں کو گھیرے میں لے لیا گیا۔ کچھ عورتیں بھاگ گئی تھیں۔ عورتوں کے ساتھ کئی آدمیوں کو بھی قیدی بنا لیا گیا۔ اس قافلے کے ساتھ جو مال اسوال، خزانہ اور دیگر قیمتی سامان جا رہا تھا وہ سب وہیں رہ گیا۔ یہ مجاہدین کا مالِ غنیمت تھا۔

وہاں ایک حادثہ یوں ہوا کہ یونس ابن مرقس اپنی بیوی کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ وہ اُسے نظر آ گئی۔ وہ اُس کی طرف دوڑا۔ لڑکی بھاگ نکلی لیکن وہ کہیں جا نہیں سکتی تھی کیونکہ سب عورتیں مسلمان سواروں کے گھیرے میں تھیں۔ لڑکی نے جب دیکھا کہ کوئی راہِ فرار نہیں اور یونس جو مسلمان ہو چکا تھا، اُسے پکڑ لے گا تو اُس نے اپنے کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈالا اور خنجر نکال لیا۔ یونس کے پہنچنے تک لڑکی نے خنجر اپنے سینے میں گھونپ لیا۔ وہ گری اور یونس اُسے اٹھانے لگا۔

"جا ابن مرقس!" — لڑکی نے کہا — "میرا خاوند مسلمان نہیں ہو سکتا" — اور وہ مر گئی۔

یونس ابن مرقس دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اس لڑکی کی خاطر اُس نے دمشق مسلمانوں کو دلوایا تھا پھر یہ خونریز معرکہ لڑایا تھا مگر لڑکی نے اپنا خون بہا کر اُس کی محبت کا خون کر دیا۔

مسلمان سواروں نے اپنے شہیدوں کی لاشوں کو اور زخمیوں کو اُٹھایا، مالِ غنیمت رومیوں کی گھوڑا گاڑیوں پر لادا، عورتوں اور بچّوں کو مرے ہوئے رومیوں کے گھوڑوں پر بٹھایا اور دمشق کو چل پڑے۔ یہ اگلی صبح تھی۔

جب مالِ غنیمت وغیرہ اکٹھا کیا جا رہا تھا اُس وقت خالدؓ عورتوں کے قریب جا کر احکام دے رہے تھے۔ انہیں یونس ابن مرقس اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ اُس سے پوچھا کہ اُسے اپنی بیوی ملی ہے یا نہیں۔

"مل گئی ہے" — یونس نے روتے ہوئے جواب دیا — "لیکن زندہ نہیں۔ اُس نے اپنے خنجر سے اپنے آپ کو مار دیا ہے۔"

"غم نہ کر ابن مرقس!" — خالدؓ نے کہا — "تُو اس سے زیادہ قیمتی انعام کا حقدار ہے۔ آ، میں تجھے اُس سے زیادہ خوبصورت بیوی دوں گا۔"

خالدؓ نے اُسے ایک رومی عورت دکھائی جو جوان تھی اور جس کا حُسن لاجواب تھا۔ اُس کا لباس ریشم کا تھا اور اُس کے گلے میں بڑا ہی قیمتی ہار تھا۔

"یہ تیرا مالِ غنیمت ہے" — خالدؓ نے اُسے حُسن کا یہ پیکر دکھا کر کہا — "میں اس کے ساتھ تیری شادی کرا دوں گا۔"

"نہیں سالارِ محترم!" — یونس ابنِ مرقس نے گھبراتے ہوئے لہجے میں کہا — "میں اس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔ آپ شاید نہیں جانتے۔ یہ شہنشاہِ ہرقل کی بیٹی ہے۔ یہ ان کے سالار توما کی بیوی تھی۔"

"اب یہ کسی شہنشاہ کی بیٹی نہیں" — خالدؓ نے کہا — "اب یہ تیری بیوی ہو گی۔"

"یہ مجھے واپس کرنی پڑے گی" — یونس ابن مرقس نے کہا — "ہرقل اپنی بیٹی کو واپس لینے کے لیے اپنی تمام تر سلطنت کی فوج اکٹھی کر کے دمشق پر حملہ کر دے گا۔ ایسا نہیں کرے گا تو فدیہ ادا کر کے اسے آپ سے واپس لے لے گا۔"

خالدؓ خاموش ہو گئے۔

⮜

اگلی صبح خالدؓ واپس روانہ ہوئے۔ وہ بہت خوش تھے۔ انہوں نے معاہدہ نہیں توڑا تھا اور اپنا مقصد بھی پورا کر لیا تھا۔

دمشق تک جانے والا راستہ آدھا طے ہوا تھا کہ انطاکیہ کی طرف سے بارہ چودہ گھوڑ سوار آئے۔ وہ رومی تھے۔ ان میں ایک اونچی حیثیت کا معلوم ہوتا تھا۔ وہ خالدؓ سے ملنا چاہتا تھا۔ اُسے خالدؓ تک پہنچا دیا گیا۔

"میں شہنشاہ ہرقل کا ایلچی ہوں" — اُس نے کہا — "اور یہ میرے محافظ ہیں۔ میں امن سے آیا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ آپ سے بھی مجھے امن اور دوستی ملے گی۔"

"کیا پیغام لائے ہو؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"شہنشاہ ہرقل کو اطلاع مل گئی ہے کہ آپ نے ہماری فوج اور دمشق سے ہجرت کرنے والوں پر حملہ کیا ہے" — ہرقل کے ایلچی نے کہا — "شہنشاہ نے آپ کے حملے کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ انہوں

نے اپنی بیٹی واپس مانگی ہے اور کہا ہے کہ آپ جس قدر فدیہ طلب کریں گے، ادا کیا جائے گا۔ شہنشاہ نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ فیاض اور کشادہ ظرف ہیں۔ اگر آپ فدیہ نہ لینا چاہیں تو میری بیٹی مجھے بخش دیں۔"

ہرقل نے خالدؓ کو فیاض اور کشادہ ظرف کہہ کر اُن کی خوشامد نہیں کی تھی۔ وہی خالدؓ جو میدانِ جنگ میں دشمن کے لیے قہر تھے، میدان کے باہر اتنے ہی حلیم اور فیاض تھے۔

"اگر تمہارے شہنشاہ نے بخشش مانگی ہے تو اُس کی بیٹی کو بخشش کے طور پر لے جاؤ"۔۔۔ خالدؓ نے ایلچی سے کہا اور رکابوں پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے حکم دیا۔۔۔ "رومیوں کے شہنشاہ ہرقل کی بیٹی کو اُس کے ایلچی کے حوالے کر دو۔ خدا کی قسم، میں نے تم سب کی طرف سے اسے بخشش کے طور پر چھوڑ دیا ہے ہمیں ہرقل کی سلطنت چاہیئے اُس کی بیٹی نہیں۔"

ہرقل کی بیٹی اُس کے سفیر کے ساتھ چلی گئی۔

یونس ابن مرقس نے ٹھیک کہا تھا کہ ہرقل ہر قیمت پر اپنی بیٹی واپس لے لے گا۔ یونس کو خالدؓ نے اپنے حصے کے مالِ غنیمت میں سے بے انداز انعام دینا چاہا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ باقی عمر شادی نہیں کرے گا۔ بعد میں اُس نے اپنی زندگی اسلام اور جہاد کے لیے وقف کر دی تھی لیکن اُس کی باقی زندگی صرف دو سال تھی۔ وہ جنگِ یرموک میں شہید ہو گیا تھا۔

☆

خالدؓ جب مالِ غنیمت کے ساتھ دمشق میں داخل ہوئے تو اُن کی فوج نے دیوانہ وار اُن کا استقبال کیا۔ وہ کامیاب لوٹے تھے۔ خالدؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ امیر المومنین ابوبکرؓ کے نام بڑا لمبا پیغام لکھوایا جس میں انہیں دمشق کی فتح کی خوشخبری سنائی۔ یہ بھی لکھا کہ وہ دمشق میں کس طرح داخل ہوئے تھے اور ابوعبیدہؓ نے کیا غلطی کی تھی۔ انہوں نے تفصیل سے لکھا کہ وہ کس طرح رومیوں کے پیچھے گئے اور ان کے سالاروں توما اور ہربیس کو ہلاک کیا پھر ہرقل کی بیٹی کس طرح واپس کی۔ مالِ غنیمت کے متعلق لکھا کہ اس کا پانچواں حصہ خلافت کے لیے جلدی بھیج دیا جائے گا۔

خالدؓ نے یہ پیغام اکتوبر ۶۳۴ء کی پہلی تاریخ (۲ شعبان ۱۳ ہجری) کے روز بھیجا تھا۔

قاصد روانہ ہو گیا۔ کئی گھنٹے گزر گئے تو ابوعبیدہؓ خالدؓ کے خیمے میں آئے۔ ابوعبیدہؓ مغموم تھے۔ خالدؓ نے پوچھا کہ اُن کا چہرہ ملول کیوں ہے؟

"ابن ولید!۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے بوجھل آواز میں کہا۔۔۔ "خلیفہ ابوبکرؓ فوت ہو گئے ہیں اور اب عمرؓ خلیفہ ہیں۔"

خالدؓ سُن ہو کے رہ گئے اور کچھ دیر ابوعبیدہؓ کے منہ پر نظریں جمائے رہے۔

"کب فوت ہوئے ہیں؟"۔۔۔ خالدؓ نے سرگوشی میں یوں پوچھا جیسے سسکیاں لے رہے ہوں۔

"۲۲ جمادی الآخر کے روز!"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے جواب دیا۔

یہ تاریخ ۲۲ اگست ۶۳۴ء تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو فوت ہوئے ایک مہینہ اور آٹھ دن ہو گئے تھے۔

"اطلاع اتنی دیر سے کیوں آئی؟"

"اطلاع جلدی آ گئی تھی"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے جواب دیا۔۔۔ "مدینہ سے قاصد آیا تو اُس نے دیکھا کہ ہم

نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اُس نے سوچا کہ محاصرے کے دوران یہ اطلاع دی تو اپنے لشکر میں کہرام بپا ہو جائے گا اور اس کا محاصرے پر بہت بُرا اثر پڑے گا۔ اُس نے صرف یہ بتایا کہ مدینہ میں خیریت ہے اور کمک آ رہی ہے۔ ایک دو دنوں بعد اُس نے پیغام مجھے دے دیا اور چلا گیا۔ میں نے پڑھا اور یہی بہتر سمجھا کہ دمشق کا فیصلہ ہو جائے تو تجھے اور لشکر کو اطلاع دوں"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے نئے خلیفہ کا خط جو ابوعبیدہؓ کے نام لکھا گیا تھا، خالدؓ کو دے کر کہا۔۔۔ "اور یہ وہ خبر ہے جو میں تجھے لڑائی ختم ہونے تک نہیں دینا چاہتا تھا۔"

خالدؓ خط پڑھنے لگے۔ یہ خلیفہ عمرؓ نے ابوعبیدہ کو لکھا تھا:

"خلیفۃ المسلمین عمرؓ کی طرف سے ابوعبیدہ کے نام!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ لازوال ہے جو ہمیں گمراہی سے بچاتا ہے اور اندھیرے میں روشنی دکھاتا ہے۔ میں تمہیں خالدؓ بن الولید کی جگہ وہاں کے تمام لشکر کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔ فوراً اپنی جگہ لو۔ ذاتی مفاد کے لیے مومنین کو کسی مشکل میں نہ ڈالنا۔ انہیں اُس پڑاؤ پر نہ ٹھہرانا جس کے متعلق تُو نے پہلے دیکھ بھال نہ کر لی ہو۔ کسی لڑائی کے لیے دستوں کو اُس وقت بھیجنا جب وہ پُوری طرح منظم ہوں اور کوئی ایسا فیصلہ نہ کرنا جس سے مومنین کا جانی نقصان ہو۔ اللہ نے تجھے میری آزمائش کا اور مجھے تیری آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے۔ دنیاوی لالچوں سے بچے رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح تجھ سے پہلے تباہ ہوئے ہیں تُو طمع سے تباہ ہو جائے۔ تُو جانتا ہے وہ اپنے رتبے سے کس طرح گرے ہیں۔"

اس خط کا مطلب یہ تھا کہ خلیفۃ المسلمین عمرؓ نے خالدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا تھا۔ اب ابوعبیدہؓ سپہ سالار تھے بلکہ وہ ایک مہینہ آٹھ دن پہلے سے سپہ سالار تھے۔

"اللہ کی رحمت ہو ابوبکرؓ پر!"۔۔۔ خالدؓ نے خط ابوعبیدہؓ کو دے کر کہا۔۔۔ "وہ زندہ ہوتے تو میرا یہ انجام نہ ہوتا۔"

مؤرخ یعقوبی اور واقدی لکھتے ہیں کہ اللہ کی تلوار جھک گئی تھی۔ اُس رات خالدؓ سو نہ سکے۔ ابوبکرؓ کو یاد کرتے اور روتے رہے۔

رات جو خالدؓ نے مدینہ سے دُور دمشق میں خلیفہ اوّل، ابوبکرؓ کی رحلت پر روتے گزار دی تھی، اُس رات سے ڈیڑھ دو مہینے پہلے مدینہ پر ماتم کے بادل چھانے لگے تھے۔ امیرالمومنین ابوبکرؓ ایسی حالت میں ٹھنڈے پانی سے نہا بیٹھے جب اُن کا جسم گرم اور پسینے سے شرابور تھا۔ فوراً انہیں بخار ہو گیا۔ علاج ہوتا رہا لیکن بخار جسم کو کھاتا رہا۔ اگر امیرالمومنین آرام کرتے تو شاید بخار کا درجۂ حرارت گر جاتا مگر بیماری کی حالت میں بھی انہوں نے اپنے آپ کو امورِ سلطنت میں مصروف رکھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابوبکرؓ نے علاج کرایا ہی نہیں تھا۔ انہیں ایک روز تیمارداروں نے کہا کہ طبیب کو بلا کر علاج کرائیں۔

"میں نے طبیب کو بلایا تھا" —— امیرالمومنین نے کہا —— "اس نے کہا تھا کہ علاج اور آرام کی ضرورت ہے۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ میں جو چاہوں گا کروں گا۔ میں نے اسے واپس بھیج دیا تھا۔"

"علاج کیوں نہیں کرایا امیرالمومنینؓ؟"

"آخری منزل پر آن پہنچا ہوں میرے رفیقو!" —— خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے کہا —— "اللہ نے جو کام میرے سپرد کیے تھے، وہ اگر سب کے سب پورے نہیں ہوتے تو میرے لیے یہ اطمینان کیا کم ہے کہ میں نے کوتاہی نہیں کی.... میں اللہ کے محبوبؐ کے پاس جا رہا ہوں۔"

تاریخ گواہ ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنے دو سال اور تین ماہ کے دورِ خلافت میں معجزہ نما کام کیے تھے۔ رسولِ کریمؐ کی وفات کے فوراً بعد ارتداد کا جو فتنہ تمام تر سرزمینِ عرب میں پھیل گیا تھا وہ ایک جنگی طاقت تھی جسے ختم کرنے کے لیے اس سے زیادہ جنگی طاقت کی ضرورت تھی لیکن ابوبکرؓ نے تدبّر سے اور جنگی فہم و فراست سے مجاہدینِ اسلام کی قلیل تعداد کو استعمال کیا اور تھوڑے سے عرصے میں ارتداد کے فتنے اور اُس کی جنگی طاقت کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اس کے نتیجے میں اُن تمام قبیلوں نے جو ارتداد کی لپیٹ میں آ گئے تھے، اسلام قبول کر لیا۔

ابوبکرؓ نے آنے والے مسلمان حکمرانوں، اُمرا اور وزراء کے لیے یہ سبق ورثے میں چھوڑا کہ ان میں بے لوث جذبہ ہو، اقتدار کی ہوس اور کوئی ذاتی مفاد نہ ہو تو پوری قوم مجاہدین کا لشکر بن جاتی ہے اور قوم کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو وہ کفر کی چٹانوں کے دل چاک کر دیا کرتی ہے۔ یہ سربراہِ سلطنت پر منحصر ہے کہ قوم فتح و کامرانی کی رفعتوں تک جاتی ہے یا ذلّت و رسوائی کی اندھیری کھائیوں میں۔

ارتداد کے علاوہ بھی کہیں بغاوت اور کہیں شورش تھی۔ خلیفۂ اوّل ابوبکرؓ نے ہر سُو امن و امان قائم کر دیا تھا۔ فتنہ و فساد نہ رہا، بغاوت اور شورش نہ رہی تو ابوبکرؓ نے انتہائی جرأت مندانہ فیصلہ کیا۔ انہوں نے مجاہدین کو فارس جیسی شہنشاہی کے خلاف اور پھر اسی جیسی دوسری بڑی جنگی طاقت کے خلاف بھیج

دیا۔ مجاہدین نے کسریٰ کی طاقت کو کچل کر اُس کے بے شمار علاقے کو اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا پھر قیصرِ روم کی فوج پر دہشت بن کر چھا گئے اور اس کے کئی علاقے اسلامی سلطنت میں آ گئے۔ کسریٰ بھی اور قیصر بھی اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ مسلمانوں نے خلیفۂ اوّل کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے، ان دونوں دشمنانِ اسلام کا گھمنڈ توڑ دیا اور اسلامی فوج کو ایک طاقت بنا دیا۔ انہی جنگوں میں مجاہدین کو فوج کی صورت میں منظّم کیا گیا تھا۔

ابوبکرؓ کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ اسلام ایک مذہب کی صورت میں ہی عرب سے عراق اور شام میں نہ پھیلا بلکہ اس سے اسلامی تمدّن اور اسلامی تہذیب بھی پھیلی بلکہ یُوں کہنا درست ہو گا کہ ایک نئے کلچر نے جنم لیا جسے لوگوں نے اسلامی کہا اور اسے اپنایا۔ اس سے پہلے تو لوگ فارس اور روم کے کلچر کو ہی تہذیب و تمدّن سمجھتے اور اسے فوراً قبول کر لیتے تھے۔

☼

خلیفۂ اوّل جیسے تھک سے گئے تھے اور پوری طرح مطمئن تھے کہ وہ خالقِ حقیقی کے حضور جا رہے ہیں اور سُرخرو جا رہے ہیں۔ اُس دور کی تحریروں سے اور مؤرخوں کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ ابوبکرؓ کو ایک مسئلہ پریشان کر رہا تھا۔ یہ تھا اُن کی جانشینی کا مسئلہ۔ انھوں نے اپنے اہلِ خانہ سے اس مسئلے کا ذکر کیا تھا۔

"میرے اللہ کے رسولؐ کو موت نے اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ کسی کو خود خلیفہ مقرر کر تے" —— ابوبکرؓ نے کہا تھا —— "اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف پر فتنہ اور فساد پیدا ہو گیا تھا۔ یہ تو اللہ کو منظور نہ تھا کہ اُس کے رسول کی اُمّت جس کی تعداد ابھی بہت تھوڑی ہے، آپس میں لڑ کر ختم ہو جاتے۔ اللہ نے اُمّت کا اتحاد میرے ہاتھ پر قائم رکھا۔ خدا کی قسم! میں رسول اللہؐ کی اُمّت کو اس فساد میں نہیں ڈال کر مروں گا کہ میرے بعد خلیفہ کون ہو۔ میں خلیفہ خود مقرر کر کے جان اللہ کے سپرد کروں گا۔"

عظیم تھے خلیفۂ اوّل کہ اُنہوں نے یہ بات سوچ لی تھی۔ اُس دور کے تھوڑا عرصہ بعد کے وقائع نگار اور مبصرّ لکھتے ہیں کہ خلیفۂ اوّل نے سوچ لیا تھا قبیلوں یا طبقوں یا افراد میں جب اقتدار کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے تو قوم کا اتحاد پھٹے ہُوئے دامن کی مانند ہو جاتا ہے۔ فوجوں کی پیش قدمی پسپائی میں بدل جاتی ہے، پیچھے ہٹتا ہُوا دشمن آگے بڑھنے لگتا ہے، پھر فوج بھی اقتدار کی جنگ کا ہتھیار بن جاتی ہے اور سالار سُلطانی کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔

مسلمانوں کا وہ دَور فتوحات سے مالا مال ہو رہا تھا۔ درخشاں روایات جنم لے رہی تھیں اور یہی تاریخِ اسلام کی بنیاد بن گئی تھیں۔ ابوبکرؓ کی دوربین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ قیصر و کسریٰ جو پسپائی اور زوال کے عمل سے گزر رہے ہیں اور نیست و نابود ہو جانے تک پہنچ گئے ہیں وہ مسلمانوں کے نفاق سے فائدہ اٹھائیں گے اور عفریت بن کر اسلام کو نگل جائیں گے۔

"کیا عمرؓ کو لوگ قبول کر لیں گے؟" —— ابوبکرؓ نے اپنے اہلِ خانہ سے کہا —— "شاید نہ کریں۔ عمرؓ مزاج کا بہت سخت ہے.... اپنے احباب سے مشورہ لے لیتا ہُوں۔"

ابوبکرؓ نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو بلایا اور تنہائی میں بٹھایا۔
"ابنِ عوف!" — ابوبکرؓ نے کہا — "کیا تُو مجھے سچے دل سے بتا سکتا ہے کہ عمرؓ بن خطاب کیسا آدمی ہے؟ تو اُسے کیسا سمجھتا ہے؟"
"خدا کی قسم خلیفۂ رسولؐ!" — عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا — "جو میں جانتا ہوں وہ اُس سے بہتر نہیں جو تُو جانتا ہے۔"
"جو کچھ بھی تُو جانتا ہے کہہ دے" — ابوبکرؓ نے کہا۔
"خلیفۂ رسولؐ!" — عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا — "ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو عمرؓ بن خطاب سے بہتر ہو لیکن اُس کی طبیعت میں جو سختی ہے وہ بھی ہم میں سے کسی میں نہیں۔"
"رائے میری بھی یہی ہے ابنِ عوف!" — ابوبکرؓ نے کہا — "تم سب کو عمرؓ کی سختی اس لیے زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ میرے مزاج میں بہت نرمی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہوگا کہ اپنے بعد خلافت کا بوجھ اُس کے کندھوں پر ڈال دوں تو اُس کی سختی کم ہو جائے؟..... ایسے ہی ہوگا۔ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ میں کسی پر سختی کرتا ہوں تو عمرؓ اُس کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے؟ اور میں کسی کی کوتاہی یا غلطی پر اپنا رویّہ نرم رکھتا ہوں تو عمرؓ اُس پر سختی کرتا ہے؟ وہ سمجھتا ہے کب سختی اور کب نرمی کی ضرورت ہے۔"
"بے شک ایسا ہی ہے" — عبدالرحمٰنؓ نے کہا — "خلیفۂ رسولؐ! بے شک ایسا ہی ہے۔"
"اس بات کا خیال رکھنا ابو محمد! (عبدالرحمٰنؓ بن عوف!)" — ابوبکرؓ نے کہا — "میرے تیرے درمیان جو باتیں ہوئی ہیں یہ کسی اور تک نہ پہنچیں۔"
عبدالرحمٰنؓ بن عوف چلے گئے تو امیرالمومنین نے اپنے ایک اور رفیق اور مشیر عثمانؓ بن عفّان کو بلایا۔
"ابو عبداللہ!" — ابوبکرؓ نے عثمانؓ بن عفان سے کہا — "تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ کیا تُو بتا سکتا ہے کہ عمرؓ بن خطاب کیسا آدمی ہے؟"
"امیرالمومنین!" — عثمانؓ بن عفان نے جواب دیا — "خُدا کی قسم، ابن خطاب کو تُو مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہے پھر تُو مجھ سے کیوں پوچھتا ہے؟"
"اس لیے کہ میں اپنی رائے رسول اللہ کی اُمّت پر نہیں ٹھونسنا چاہتا" — ابوبکرؓ نے کہا — "میں تیری رائے ضرور لوں گا۔"
"امیرالمومنین!" — عثمانؓ بن عفّان نے کہا — "عمرؓ کا باطن اُس کے ظاہر سے اچھا ہے اور جو علم و دانش اُس کے پاس ہے وہ ہم میں سے کسی میں نہیں۔"
"ایک اور سوال کا جواب دے ابو عبداللہ!" — ابوبکرؓ نے عثمانؓ بن عفّان سے کہا — "اگر میں اپنے بعد خلافت عمرؓ کے سپرد کر جاؤں تو تیرا کیا خیال ہے کہ وہ تم سب پر سختی کرے گا؟"
"ابن خطاب جو کچھ بھی کرے گا ہم اُس کی اطاعت میں فرق نہیں آنے دیں گے" — عثمانؓ بن عفّان نے کہا۔
"ابو عبداللہ! اللہ تجھ پر رحم و کرم کرے" — ابوبکرؓ نے کہا — "میں نے جو تجھے کہا اور تُو نے جو مجھے کہا، یہ کسی اور کے کانوں تک نہ پہنچے۔"

☆

ابوبکرؓ نے کئی اور صحابہ کرام سے عمرؓ کے متعلق رائے لی۔ ان میں مہاجرین بھی تھے انصار بھی۔ ابوبکرؓ نے ہر ایک سے کہا تھا کہ وہ کسی اور سے اس گفتگو کا ذکر نہ کرے لیکن یہ معاملہ اتنا اہم تھا کہ اُنہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ بات کی۔ یہ آئندہ خلافت کا معاملہ تھا اور صحابہ کرامؓ کے لیے مسئلہ یہ تھا کہ ابوبکرؓ عمرؓ کو خلیفہ مقرر کر رہے تھے۔ عمرؓ سخت طبیعت کے مالک تھے۔ اُن کے فیصلے بڑے سخت ہوتے اور وہ بڑی سختی سے ان پر عمل کراتے تھے۔
ان سب نے ایک وفد اس مقصد کے لیے بنایا کہ ابوبکرؓ کو قائل کریں کہ عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ مقرر نہ کریں۔ جب یہ وفد خلیفۂ اوّل کے پاس گیا تو وہ لیٹے ہوئے تھے۔ بخار نے انھیں اتنا کمزور کر دیا تھا کہ اپنے زور سے اٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔
"امیرالمومنین!" — وفد کے قائد نے کہا — "خدا کی قسم، عمرؓ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اگر تُو نے اُس کو خلیفہ مقرر کر دیا تو اللہ کی باز پُرس کا تیرے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ عمرؓ تیری خلافت میں سب پر رُعب اور غصّہ جھاڑتا ہے وہ خود خلیفہ بن گیا تو اُس کا رویّہ ظالموں جیسا ہو جائے گا۔"
ابوبکرؓ کو غصہ آگیا۔ اُنہوں نے اُٹھنے کی کوشش لیکن اُٹھ نہ سکے۔
"مجھے بٹھاؤ" — انہوں نے غصیلی آواز میں کہا۔
انہیں سہارا دے کر بٹھا دیا گیا۔
"کیا تم سب مجھے اللہ کی باز پُرس سے اور اس کے غضب سے ڈرانے آئے ہو؟" — ابوبکرؓ نے غصے اور نقاہت سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا — "میں اللہ کے حضور جا کر کہوں گا، میرے رب! میں نے تیرے بندوں میں سے بہترین بندے کو خلافت کی ذمہ داری سونپی ہے.... اور میں نے جو کہا ہے وہ تمام لوگوں کو سنا دو۔ میں نے عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔"
وہ سب جو ابوبکرؓ کو ان کے فیصلے کے خلاف قائل کرنے آئے تھے، خاموش ہو گئے اور شرمسار بھی ہوئے کہ اُنہوں نے امیرالمومنین کو بیماری کی حالت میں پریشان کیا ہے۔ وہ سب اُٹھ کر چلے گئے۔
اس سے اگلے روز ابوبکرؓ نے عثمانؓ بن عفّان کو بلایا۔ عثمانؓ خلیفہ کے کاتب تھے۔
"ابو عبداللہ!" — ابوبکرؓ نے عثمانؓ بن عفّان سے کہا — "لکھ جو میں بولتا ہوں" — اُنہوں نے لکھوایا:
"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وصیّت ہے جو ابوبکرؓ بن ابو قحافہ نے اُس وقت لکھوائی ہے جب وہ دنیا سے رخصت ہو کر موت کے بعد کی زندگی میں داخل ہو رہا تھا۔ ایسے وقت پکّا کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور جس نے کبھی سچ نہ بولا ہو وہ بھی سچ بولنے لگتا ہے۔ میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو تمہارا خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تم سب پر اُس کی اطاعت فرض ہے۔ میں نے تمہاری بھلائی اور بہتری میں کوئی کسر نہیں رہنے دی۔ اگر عمرؓ نے تم پر زیادتی کی اور عدل و انصاف نہ کیا تو وہ ہر انسان کی طرح اللہ کے حضور جواب دِہ ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ عمرؓ عدل و انصاف کا دامن نہیں چھوڑے گا۔ میں نے جو فیصلہ کیا ہے اس میں تمہاری بھلائی اور بڑائی کے سوا اور کچھ نہیں سوچا۔"
وصیّت لکھواتے لکھواتے ابوبکرؓ پر غشی طاری ہو گئی تھی۔ انہوں نے یہاں تک لکھوایا — "میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو...." اور وہ غشی میں چلے گئے۔ عثمانؓ بن عفّان نے خود یہ فقرہ مکمل لکھ دیا... "تمہارا

خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تم سب پر اُس کی اطاعت فرض ہے۔ میں نے تمہاری بھلائی اور بہتری میں کوئی کسر نہیں رہنے دی۔"

ابوبکرؓ ہوش میں آگئے۔

"ابوعبداللہ!" ۔۔۔ ابوبکرؓ نے کہا ۔۔۔ "پڑھ جو میں نے لکھوایا ہے۔"

عثمانؓ بن عفّان نے پڑھ کر سنایا۔

"اللہ اکبر!" ۔۔۔ ابوبکرؓ نے کہا ۔۔۔ "خدا کی قسم، تُو نے جو سوچ کر لکھا ہے وہ سوچ غلط نہیں تھی۔ تُو نے یہ سوچ کر عبارت پوری کردی کہ میں غشی کی حالت میں ہی دنیا سے رخصت ہوگیا تو نامکمل وصیّت خلافت کے لیے جھگڑے کا باعث بن جائے گی۔"

"بے شک امیرالمومنین!" ۔۔۔ عثمانؓ بن عفّان نے کہا ۔۔۔ "میں نے یہی سوچ کر عبارت مکمل کردی ہے۔"

"اللہ تجھے اس کی جزا دے" ۔۔۔ ابوبکرؓ نے کہا۔ انہوں نے عثمانؓ بن عفّان کے الفاظ نہ بدلے اور وصیّت مکمل لکھوادی۔

"مجھے اٹھا کر مسجد کے دروازے تک لے چلو" ۔۔۔ امیرالمومنین نے کہا۔

اُن کے مکان کا ایک دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ وہ دروازہ کھولا گیا۔ نماز کا وقت تھا۔ بہت سے لوگ مسجد میں آچکے تھے۔ ابوبکرؓ کی زوجہ اسماء بنت عمیس انہیں دونوں ہاتھوں سے سہارا دے کر مسجد والے دروازے تک لے گئیں۔ نمازیوں نے انہیں دیکھا تو متوجہ ہُوئے۔

"میرے بھائیو!" ۔۔۔ ابوبکرؓ نے نقاہت کے باوجود بلند آواز سے بولنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ۔۔۔ "کیا تم اس شخص پر راضی ہو گے جسے میں خلیفہ مقرر کروں؟ میں نے اس میں تمہاری بھلائی سوچی ہے اور اپنے کسی رشتہ دار کو خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ میرے بعد عمرؓ بن خطاب خلیفہ ہوگا۔ کیا تم سب اس کی اطاعت کرو گے؟"

"ہاں امیرالمومنین!" ۔۔۔ بہت سی آوازیں سنائی دیں ۔۔۔ "ہم اس فیصلے کو قبول کرتے ہیں۔ ہم ابنِ خطاب کی اطاعت قبول کریں گے۔"

اس کے بعد ابوبکرؓ نے وصیّت پر اپنی مہر ثبت کردی۔

☼

ابوبکرؓ کا پیشہ تجارت تھا لیکن خلافت کا بوجھ کندھوں پر آپڑا تو تجارت کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ گزر اوقات تو کرنی ہی تھی۔ اُنھوں نے اپنے کُنبے کے لیے بیت المال سے کچھ الاؤنس منظور کرالیا تھا۔ اب جب اُنہوں نے محسوس کرلیا کہ وہ زندہ نہیں رہ سکیں گے تو انہوں نے اپنے اہلِ خانہ سے کہا کہ ان کی جو تھوڑی سی زمین ہے وہ ان کی وفات کے بعد بیچ کر یہ تمام رقم جو وہ گزارے کے لیے بیت المال سے لیتے رہے ہیں، بیت المال میں جمع کرادیں۔

"سب میرے قریب آجاؤ" ۔۔۔ ابوبکرؓ نے آخری وقت اہلِ خانہ کو بُلا کر کہا ۔۔۔ "مجھے صرف دو کپڑوں کا کفن پہنا کر دفن کرنا۔ تم دیکھتے رہے ہو کہ میں ایک ہی کپڑا پہنا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک کپڑا اور ملا لینا۔ ان کپڑوں کو پہلے دھو لینا۔"

"ہم تین نئے کپڑے لے سکتے ہیں" ۔۔۔ عائشہؓ نے کہا ۔۔۔ "کفن تین کپڑوں کا ہونا ہے۔"

"نہیں عزیز بیٹی!" ۔۔۔ ابوبکرؓ نے کہا ۔۔۔ "کفن تو اس لیے ہوتا ہے کہ جسم سے کوئی مواد اور نمی نکلے تو اسے کفن چُوس لے۔ کفن پرانے کپڑوں کا ہُوا تو کیا! نئے کپڑے پہننے کا حق زندہ لوگوں کا ہے.... مجھے غسل اسماءؓ بنت عمیس (زوجہ) دے گی۔ اگر اکیلے غسل نہ دے سکے تو اپنے بیٹے کو ساتھ لے لے۔"

اتنے میں اندر اطلاع دی گئی کہ عراق کے محاذ سے مثنیٰ بن حارثہ آئے ہیں۔ گھر کے کسی فرد نے کہا کہ امیرالمومنینؓ اس وقت بات کرنے کے قابل نہیں۔

"نہیں" ۔۔۔ امیرالمومنینؓ نے قدرے درشت لہجے میں کہا ۔۔۔ "اُسے آنے دو۔ وہ بہت دُور سے آیا ہے۔ جب تک میرا سانس چل رہا ہے میں اپنے فرائض سے کوتاہی نہیں کرسکتا۔"

مثنیٰ کو اندر بلا لیا گیا۔ اُنہوں نے جب ابوبکرؓ کی حالت دیکھی تو پشیمان ہوگئے اور بات کرنے سے جھجکنے لگے۔

"مجھے گناہگار نہ کر ابنِ حارثہ!" ۔۔۔ ابوبکرؓ نے کہا ۔۔۔ "ہوسکتا ہے تُو مدد لینے آیا ہو۔ میں اگر تیرے لیے کچھ نہ کرسکا تو اللہ کی بازپُرس پر کیا جواب دوں گا؟"

"یا امیرالمومنین!" ۔۔۔ مثنیٰ بن حارثہ نے کہا ۔۔۔ "محاذ ہمارے قابو میں ہے۔ حالات ہمارے حق میں ہیں لیکن تعداد کی کمی پریشان کرتی ہے۔ مسلمان اب اتنے نہیں رہے کہ انہیں فوج میں شامل کرکے محاذوں پر بھیجا جائے۔ جو جہاد کے قابل تھے وہ پہلے ہی محاذوں پر ہیں۔ امیرالمومنین کے حکم سے اُن لوگوں کو مجاہدین کی صفوں میں کھڑا نہیں کیا جاسکتا جو مرتد ہوگئے تھے۔ میں یہ درخواست لے کر آیا ہوں کہ ان میں بہت سے ایسے ہیں جو سچے دل سے اسلام قبول کرچکے ہیں اور محاذوں پر جانا چاہتے ہیں۔ کیا امیرالمومنین انہیں فوج میں شامل ہونے کی اجازت دیں گے؟"

"ابنِ خطاب کو بلاؤ" ۔۔۔ امیرالمومنین نے کہا۔

عمرؓ دُور نہیں تھے، جلدی آگئے۔

"ابنِ خطاب!" ۔۔۔ امیرالمومنین نے عمرؓ سے کہا ۔۔۔ "ابنِ حارثہ مدد مانگنے آیا ہے۔ یہ جو کہتا ہے ایسا ہی کر اور اسے فوراً مدد دے کر محاذ کو روانہ کر..... اور اگر میں اس دوران فوت ہوجاؤں تو اس کام میں رکاوٹ نہ ہو۔"

☼

عربوں میں رواج تھا کہ باتیں شاعرانہ الفاظ اور انداز سے کیا کرتے تھے۔ خلیفہ اوّل ابوبکرؓ کی نزع کے وقت کی چند باتیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اُن کی بیٹی عائشہؓ اُن کے ساتھ لگی بیٹھی تھیں۔ اُنہوں نے باپ کو نزع کے عالم میں دیکھ کر اُس وقت کے ایک شاعر حاتم کا ایک شعر پڑھا:

"نزع کا عالم طاری ہوتا ہے، سانس نہ آنے سے سینہ گُھٹنے لگتا ہے تو دولت انسان کی کوئی مدد نہیں کرسکتی۔"

"نہیں بیٹی!" ۔۔۔ ابوبکرؓ نے نحیف آواز میں کہا ۔۔۔ "ہمیں دولت سے کیا کام! اس شعر کی بجائے تُو نے قرآن کی یہ آیت کیوں نہ پڑھی.... 'تجھ پر نزع کا عالم طاری ہوگیا ہے۔ یہی ہے وہ وقت جس سے تو ڈرا کرتا تھا۔'"

ابوبکرؓ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تو انہیں آخری ہچکی آئی۔ انہوں نے سرگوشی میں یہ دعا کی — "یا اللہ! مجھے مسلمان کی حیثیت میں دنیا سے اٹھانا اور بعد از مرگ مجھے صالحین میں شامل کرنا"— یہ خلیفہ اوّل ابوبکرؓ کے آخری الفاظ تھے۔ دن سوموار تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ تاریخ ۲۲ اگست ۶۳۴ء (بمطابق ۲۱ جمادی الآخر ۱۳ ہجری) تھی۔

اُسی رات دفن کر دینے کا فیصلہ ہُوا۔ ابوبکرؓ کی وصیّت کے مطابق اُن کی زوجہ اسماءؓ بنت عمیس نے غسل دیا۔ میّت پر پانی اُن کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ ڈالتے جاتے اور عبدالرحمٰنؓ کی والدہ غسل دیتی جاتی تھیں۔ غسل کے بعد وہ چارپائی لائی گئی جس پر رسولِ کریمؐ کا جسد مبارک قبر تک پہنچایا گیا تھا۔ اس چارپائی پر خلیفہ رسولؐ کا جنازہ اٹھا اور جنازہ مسجد نبوی میں رسول اللہ کے مزار اور منبر کے درمیان رکھا گیا نمازِ جنازہ کی امامت عمرؓ نے کی۔

مدینہ کی وہ رات سوگوار تھی۔ گلیوں میں ہچکیاں اور سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ رات بھی رو رہی تھی۔ وہ عظیم ہستی دنیا سے اٹھ گئی تھی جس نے اسلامی سلطنت کی نہ صرف بنیادیں مضبوط بنائی تھیں بلکہ ان پر مضبوط عمارت کھڑی کر دی تھی۔

ابوبکرؓ کو رسول کریمؐ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ قبر اس طرح کھودی گئی کہ ابوبکرؓ کا سر رسولِ اکرمؐ کے کندھوں کے ساتھ تھا۔ اس طرح رسول کریمؐ اور خلیفہ رسول کریمؐ کی وہ رفاقت جو انہوں نے زندگی میں قائم رکھی تھی، وفات کے بعد بھی قائم رہی۔ ابوبکرؓ سب سے پہلے آدمی تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

☼

اب خلیفۃ المسلمین عمرؓ بن خطاب تھے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے پہلے روز ہی جو پہلا حکم نامہ جاری کیا وہ خالدؓ کی معزولی کا تھا۔ انہوں نے تحریری حکم نامہ ابوعبیدہؓ کے نام قاصد کے ہاتھ بھیج دیا۔ خالدؓ اب سالارِ اعلیٰ نہیں بلکہ عام سالار بنا دیئے گئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اب کسی مفتوحہ علاقے کے امیر نہیں بن سکتے تھے۔

مدینہ میں عمرؓ نے اپنی خلافت کے دوسرے دن مسجد نبویؐ میں نماز کی امامت کی اور خلیفہ کی حیثیت سے پہلا خطبہ دیا۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ بات کہی "قوم اُس اونٹ کی مانند ہے جو اپنے مالک کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ اُسے جہاں بٹھا دیا جاتا ہے وہ اُسی جگہ بیٹھا اپنے مالک کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ ربِّ کعبہ کی قسم، میں تمہیں صراطِ مستقیم پر چلاؤں گا"— انہوں نے خطبے میں اور بھی بہت کچھ کہا اور آخر میں کہا — "میں نے خالدؓ بن الولید کو اُس کے عہدے سے معزول کر دیا ہے اور اب ابوعبیدہؓ افواج کے سالارِ اعلیٰ اور شام کے مفتوحہ علاقوں کے امیر ہیں۔"

مسجد میں جتنے مسلمان موجود تھے اُن کے چہروں کے رنگ بدل گئے۔ بعض کے چہروں پر حیرت اور بعض کے چہروں پر غصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ خالدؓ کی فتوحات تھوڑی اور معمولی نہیں تھیں۔ ابوبکرؓ اُن کی ہر فتح اور ہر کارنامہ مسجد میں بیان کیا کرتے اور یہ خبر تمام تر عرب میں پھیل جاتی تھی۔ خالدؓ کی زیادہ تر فتوحات معجزہ نما تھیں۔ اس طرح خالدؓ سب کے لیے قابلِ احترام شخصیت بن گئے تھے مگر عمرؓ نے خلیفہ بنتے ہی خالدؓ کو معزول کر دیا۔

ہر کوئی عمرؓ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ خالدؓ نے کیا جرم کیا ہے جس کی اُسے اتنی سخت سزا دی گئی ہے۔ اِن میں کچھ ایسے بھی تھے جو پوچھے بغیر عمرؓ کے فیصلے کی مخالفت کرنا چاہتے تھے لیکن کسی میں بھی اتنی جرأت نہیں تھی کہ عمرؓ سے باز پُرس کرتا۔ سب جانتے تھے کہ عمرؓ ابوبکرؓ جیسے نرم مزاج نہیں اور ان کی طبیعت میں اتنی درشتی ہے جو بعض اوقات برداشت سے باہر ہو جاتی ہے۔ ایک نوجوان جو خالدؓ کے قبیلے بنی مخزوم سے تعلق رکھتا تھا، پھٹ پڑا۔ تاریخ میں اُس کا نام نہیں آیا۔ اتنا ہی لکھا ہے کہ ابھی اُس کی مسیں بھیگی تھیں۔

"امیر المومنین!"— اس نوجوان نے انتہائی بلند آواز میں کہا — "کیا تُو اس سالار کو معزول کر سکتا ہے جو اسلام کی شمشیرِ بے نیام ہے؟ کیا ابنِ ولید کو رسول اللہؐ نے سیف اللہ نہیں کہا تھا؟ تُو اس تلوار کو زبردستی نیام میں ڈال رہا ہے جسے اللہ نے اسلام کی سربلندی کے لیے بے نیام کیا ہے.... کیوں؟ تُو نے ایسا حکم کیوں دیا ہے؟"

کیا عمرؓ سے یوں جواب طلبی کی جرأت کوئی کر سکتا تھا؟ عمرؓ سے تو ہر کوئی دبکتا تھا۔ اب تو وہ خلیفہ تھے۔ اس کم عمر جوان نے جس تلخی سے بات کی تھی یہ عمرؓ کے لیے قابلِ برداشت نہیں تھی۔ مسجد میں سناٹا طاری ہو گیا۔ سب کی نظریں عمرؓ کے چہرے پر جم گئیں۔ عمرؓ کے چہرے پر غصے یا خفگی کا ہلکا سا تاثر بھی نہیں تھا۔

"یہ لڑکا مجھ سے خفا ہو رہا ہے"— عمرؓ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں ہلکی سی درشتی بھی نہیں تھی، طنز بھی نہیں تھی۔ کہنے لگے "میں اسے جانتا ہوں۔ ابنِ ولید اس کا چچا زاد بھائی ہے"— اتنا ہی کہہ کر عمرؓ مسجد سے نکل گئے۔

اگر عمرؓ خلیفہ نہ ہوتے تو اُن کا ردِ عمل مختلف ہوتا، لیکن وہ جانتے تھے کہ اسلام نے قوم کے ہر فرد کو، خواہ اُس کی حیثیت کچھ بھی نہ ہو، خلیفہ اور اُس کے کسی بھی امیر سے باز پُرس کی اجازت دے رکھی ہے۔

☼

اس سے اگلے روز عمرؓ نے نماز کی امامت کی اور پھر خطبہ دینے لگے۔ وہ خالدؓ کی معزولی کی وجہ بیان کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

"میں اللہ کے سامنے اور قوم کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دِہ ہوں"— عمرؓ نے کہا —

"ابن الولید کو میں نے کسی ذاتی رنجش یا کسی بے بنیاد الزام پر معزول نہیں کیا۔ وہ امیر خاندان کا فرد ہے۔ اُس نے امیری میں پرورش پائی ہے اس لیے ابھی تک اُس کی عادتیں امیروں جیسی ہیں۔ وہ شاعروں کو بڑے بڑے انعام دیتا ہے۔ رقمیں ضائع کرتا ہے۔ یہ رقمیں بیت المال میں آنی چاہئیں یا امداد کے طلب گار گھروں میں جانی چاہئیں۔ وہ پہلوانوں، شہسواروں اور تیغ زنوں کو بھی انعام دیتا ہے....

"مجھے ابوبکرؓ کی خلافت کے وقت بتایا گیا تھا کہ ابن الولید نے اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام میں دیئے ہیں۔ اگر اُس نے یہ رقم مالِ غنیمت میں سے دی ہے تو یہ مجرمانہ خیانت ہے اور اگر اُس نے اپنے حصّے میں سے یہ انعام دیا ہے تو یہ مجرمانہ اسراف ہے۔ اسلام اس عیاشی اور فضول خرچی کی اجازت نہیں دیتا.... میں خلیفہ اوّل کو جو مشورے دیا کرتا تھا اُن پر میں خود عمل کیوں نہ کر دوں؟

لوگ خاموش تو ہو گئے لیکن ان میں بیشتر ایسے تھے جو خالدؓ کی معزولی کو بہت زیادہ سزا اور بے انصافی کہتے تھے۔

مؤرخ یہاں تک تو متفق ہیں کہ خلیفہ دوم عمرؓ بن خطاب نے خالدؓ کو اُن کی فضول خرچی کی وجہ سے معزول کیا تھا لیکن مؤرخوں میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں بعض نے کچھ اور وجوہات بھی بیان کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خالدؓ کے طور طریقے شاہانہ تھے۔ وہ مفتوحہ علاقوں کے امیر تھے لیکن اُن کی عادتیں خودمختار حکمرانوں جیسی تھیں۔ جسے چاہتے انعام واکرام سے مالا مال کر دیتے اور کسی حقدار اور نادار کا خیال نہیں رکھتے تھے۔

اُنہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عمرؓ کو خدشہ تھا کہ خالدؓ کا ہاتھ نہ روکا تو مفتوحہ علاقوں کے لوگ کسی وقت مدینہ کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ اس صورت میں رومی اُن کی مدد کو آجائیں گے۔

صحیح الزام وہی معلوم ہوتا ہے جو عمرؓ نے خطبے میں بتا دیا تھا یعنی خالدؓ نے اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام دیا تھا اور یہ بھی صحیح تھا کہ خالدؓ اخراجات کے معاملے میں محتاط نہیں تھے لیکن ان کے خلاف بددیانتی اور خیانت کا الزام صحیح نہیں تھا۔ وہ اپنے حصے کے مالِ غنیمت میں سے خرچ کیا کرتے تھے۔

خلیفہ دوم عمرؓ نے سالاروں اور دیگر اعلیٰ حکام میں ڈسپلن پیدا کرنے کے لیے بڑا ہی جرأت مندانہ فیصلہ کیا تھا لیکن اس فیصلے میں بہت بڑا خطرہ تھا جو اُنہوں نے مول لیا۔ خطرہ یہ تھا کہ خالدؓ کی جنگی قیادت، قابلیت اور پے بہ پے فتوحات کی وجہ سے انہیں لوگوں میں اور فوج میں غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔ اُن کی معزولی پر لوگوں میں اضطراب پھیل گیا تھا اور وہ احتجاجی باتیں کر رہے تھے۔

ابوعبیدہؓ اور خالدؓ جس محاذ پر تھے، وہاں کی تمام فوج کو اکٹھا کر کے ابوعبیدہؓ نے اعلان کیا کہ امیرالمومنین ابوبکرؓ فوت ہو گئے ہیں اور اب عمرؓ بن خطاب خلیفہ ہیں۔ فوج کو دوسری خبر یہ سنائی گئی کہ خالدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کر کے عام سالار بنا دیا گیا ہے اور اب ابوعبیدہؓ سالارِ اعلیٰ ہیں۔

ابوبکر کی وفات کی خبر پر تمام لشکر سے گونج اٹھی — "انا للہ وانا الیہ راجعون" — پھر لشکر سے کھسر پھسر اور سرگوشیاں سنائی دینے لگیں لیکن خالدؓ کی معزولی کی خبر نے سب پر سناٹا طاری کر دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے ابوبکرؓ کی وفات کو فوج نے ذہن سے اتار دیا ہے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ فوج کے خیموں سے بڑی تلخ اور غصیلی باتیں اٹھنے لگیں۔

"نیا خلیفہ خالدؓ کی مقبولیت سے ڈر گیا ہے۔"

"ابنِ خطاب غصیلا آدمی ہے۔ وہ ابن الولید کو دبا کر رکھنا چاہتا ہے۔"

"کیوں معزول کر دیا ہے؟ ابن الولید کہاں سے پسپا ہوا ہے؟ کس میدان میں شکست کھائی ہے؟"

"خلیفہ کو ڈر ہے کہ خالدؓ بن الولید خودمختار حکمران بن جائیں گے۔"

اور جو سنجیدہ ذہن کے لوگ تھے وہ پوچھ رہے تھے کہ خالدؓ کا ردِعمل اور رویہ کیا ہوگا۔ یہ ایک تاریخی اہمیت کا سوال تھا۔ خالدؓ کے بغیر اسلامی فوج کی مزید فتوحات مخدوش تھیں۔ مؤرخوں نے اور جنگی مبصروں نے لکھا ہے کہ جو اہلیت اور جارحیت خالدؓ میں تھی وہ اور کسی سالار میں نہیں تھی۔ ابوعبیدہؓ زاہد اور پرہیزگار

تھے اور انہیں امین الامت کہا جاتا تھا اور وہ بڑے ہی دلیر سپاہی تھے لیکن اُن میں خالدؓ والی قیادت کے جوہر نہیں تھے۔

اس سوال کا جواب اگلی کارروائی دے سکتی تھی۔

☼

اگلا معرکہ ایک ہی ہفتے بعد آ گیا۔ ابوعبیدہؓ کو فوج کی کمان لیے ابھی ایک ہی ہفتہ گزرا تھا۔ انہیں اطلاع دی گئی کہ ایک اجنبی اُن سے ملنے آیا ہے۔ اپنے آپ کو عربی ظاہر کرتا ہے لیکن عیسائی ہے۔ ابوعبیدہؓ نے اُسے بلا لیا۔ اجنبی تنہائی میں بات کرنا چاہتا تھا۔ ابوعبیدہؓ نے سب کو باہر نکال دیا۔

"کیا مسلمان سالارِ اعلیٰ ایک عیسائی عرب پر اعتبار کرے گا؟" — اس عیسائی نے کہا — "اگر مالِ غنیمت کی ضرورت ہے تو ایک جگہ بتاتا ہوں۔ حملہ کریں اور مالا مال ہو جائیں۔"

"پہلے یہ بتا کہ تو ہم پر اتنی مہربانی کرنے کیوں آیا ہے؟" — ابوعبیدہؓ نے پوچھا — "رومی تیرے ہم مذہب ہیں۔ تو انہیں کیوں نقصان پہنچا رہا ہے؟"

"اپنے وطن کی محبت کی خاطر!" — عیسائی نے جواب دیا — "رومی میرے ہم مذہب تو ہیں لیکن زندہ عیسائیوں کو شیروں کے آگے رومیوں نے ہی ڈالا تھا اور عیسیٰؑ کو مصلوب کرنے والے رومی ہی تھے۔ میں ان کی شہنشاہی دیکھ رہا ہوں۔ یہ رعایا کو انسان نہیں سمجھتے۔ میں نے مفتوحہ علاقوں میں آپ کی حکومت بھی دیکھی ہے۔ آپ رعایا کو انسانیت کا درجہ دیتے ہیں۔ میں رومیوں کے ظلم و ستم کا شکار ہوں۔ میرے دل میں صرف اپنا نہیں، پوری انسانیت کا درد ہے..... میں مسلمان نہیں لیکن میں یہ تو فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میں عربی ہوں اور عرب کے لوگ اچھے ہوتے ہیں۔"

اس عیسائی عرب نے ابوعبیدہؓ کو متاثر کر لیا۔ ابوعبیدہؓ نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون سی جگہ بتا رہا ہے جہاں حملہ کرنا ہے۔

"ابوالقدس!" — عیسائی عرب نے جواب دیا اور یہ بتا کر کہ یہ مقام ابوالقدس کتنی دُور اور کہاں ہے، ابوعبیدہؓ کو بتایا — "دو تین دنوں بعد وہاں ایک میلہ شروع ہونے والا ہے۔ اس میں دُور دُور کے تاجر بیچنے کے لیے مال لائیں گے۔ بڑی قیمتی اشیاء کی دکانیں لگیں گی۔ بڑے دولت مند خریدار آئیں گے۔ اگر آپ کو مالِ غنیمت چاہیئے تو چھوٹا سا ایک دستہ بھیج کر سارے میلے کا مال سمیٹ لیں۔"

"کیا اس میلے کی حفاظت کے لیے رومی فوج کا کوئی دستہ وہاں ہے؟" — ابوعبیدہؓ نے پوچھا۔

"نہیں ہوگا" — عیسائی عرب نے جواب دیا — "میں یہ جانتا ہوں کہ بحیرۂ روم کے ساحلی شہر طرابلس میں رومی فوج موجود ہے۔ وہاں سے فوج اتنی جلدی ابوالقدس نہیں پہنچ سکتی۔ آپ کے لیے میدان صاف ہے" — وہ جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا — "مجھے زیادہ دیر یہاں نہیں رکنا چاہیئے۔"

وہ چلا گیا۔

☼

ابوعبیدہؓ نے اِس میلے کو موٹا اور آسان شکار سمجھا۔ اُنہوں نے اپنے مشیر سالاروں کو بلایا جن میں خالدؓ بھی شامل تھے۔ ابوعبیدہؓ نے انہیں تفصیل سے بتایا کہ عیسائی عرب انہیں کیا بتا گیا ہے۔

"یہ مالِ غنیمت ہاتھ سے جانا نہیں چاہیئے"—— ابوعبیدہؓ نے کہا —"ابوالقدس دشمن کا علاقہ ہے اور اس دشمن کے ساتھ ہماری جنگ ہے۔ جنگ کی صورت میں میلے پر ہمارا چھاپہ جائز ہے۔ اس سے رومیوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی"—— ابوعبیدہؓ نے باری باری سب کو دیکھا اور کہنے لگے —"تم میں کون اس چھاپہ مار کارروائی کے لیے جانا چاہتا ہے"—— ابوعبیدہؓ کی نظریں خالدؓ کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

نظریں خالدؓ پر جما لینے کا مطلب یہی تھا کہ خالدؓ اپنے آپ کو اس چھاپے کے لیے پیش کریں گے لیکن خالدؓ اس طرح خاموش بیٹھے رہے جیسے اس کام کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ ظاہر ہے ابوعبیدہؓ کو خالدؓ کی خاموشی اور بے رُخی سے بہت مایوسی ہوئی ہو گی۔ انہیں یہ خیال بھی آیا ہو گا کہ خالدؓ کا یہ رویّہ اُن کی معزولی کا ردِّعمل ہے۔

وہاں ایک نوجوان بھی موجود تھا۔ اُس کے چہرے پر داڑھی ابھی ابھی آئی تھی۔

"میں جاؤں گا"—— یہ نوجوان بول اُٹھا ——"یہ فیصلہ سالارِ اعلیٰ کریں گے کہ میرے ساتھ کتنی نفری ہو گی"

"کیا تو ابھی کمسن نہیں ابنِ جعفر؟"—— ابوعبیدہؓ نے کہا اور ایک بار پھر خالدؓ کی طرف دیکھا مگر خالدؓ لاتعلق بیٹھے تھے۔

"امین الامّت!"—— نوجوان نے جواب دیا —"میں مدینہ سے آیا ہی کیوں ہوں؟ میں کچھ کر کے دکھانا چاہتا ہوں۔ کیا میرے بزرگ بھول گئے ہیں کہ میرے سر پر اپنے شہید باپ کا قرض ہے؟.... امین الامّت! میں کمسن ضرور ہوں لیکن اناڑی نہیں ہوں، بزدل نہیں ہوں۔ کچھ سیکھ کر آیا ہوں۔ کیا میرے بزرگ میری حوصلہ شکنی کریں گے؟"

"خدا کی قسم، ابنِ جعفر!"—— ابوعبیدہؓ نے کہا —"تیری حوصلہ شکنی نہیں ہو گی۔ پانچ سو سواروں کا دستہ لے لے۔ تُو اس دستے کا سالار ہو گا"

ابوعبیدہؓ نے ایک کمسن لڑکے کو پانچ سو سواروں کا سالار غالباً یہ سوچ کر بنا دیا تھا کہ یہ چھاپہ نہایت آسان تھا۔ وہاں کوئی فوج نہیں تھی جو ان سواروں کے مقابلے میں آتی۔

یہ نوجوان کوئی عام سالار کا نہیں تھا۔ اُس کا نام عبداللہ تھا اور وہ رسولِ کریمؐ کے چچا زاد بھائی جعفرؓ کا بیٹا تھا۔ جعفرؓ موتہ کی لڑائی میں شہید ہو گئے تھے۔

☼

اُس رات چاند پورا تھا۔ شعبان کی پندرہ تاریخ تھی۔ عیسوی سن کے مطابق یہ ۱۴ اکتوبر ۶۳۴ء کی رات تھی۔ نوجوان عبداللہ پانچ سو سواروں کو ساتھ لے کر رات کو روانہ ہوئے۔ اُن کے ساتھ عاشقِ رسولؐ اور نامور مجاہد ابوذر غفاریؓ بھی تھے۔ یہ دستہ اُس وقت روانہ کیا گیا تھا جب میلہ شروع ہو چکا تھا۔

عبداللہ کا دستہ صبح طلوع ہو چکی تھی جب وہاں پہنچا۔ میلہ کیا تھا، وہ تو خیموں، شامیانوں اور قناتوں کا ایک گاؤں آباد تھا اور یہ گاؤں بہت ہی خوبصورت تھا۔ دکانوں پر بڑا ہی قیمتی مال سجا ہُوا تھا۔ میلے کی رونق جاگ اُٹھی تھی۔

عبداللہ نوجوان تھا۔ وہ اپنے آپ کو اناڑی نہ سمجھتا تھا لیکن اناڑی پن کا ہی مظاہرہ کیا۔ سب سے

پہلے انہیں ایک دو جاسوس یہ دیکھنے کے لیے بھیجنے چاہئیں تھے کہ رومی فوج کا کوئی دستہ قریب کہیں موجود ہے یا نہیں اور میلے میں جو لوگ آئے ہوئے ہیں وہ بہروپ میں رومی فوجی تو نہیں۔ اُس نے وہاں جاتے ہی حملے کا حکم دے دیا۔

پانچ سو مسلمان سوار میلے کے اردگرد گھیرا ڈالنے لگے اور اچانک کم و بیش پانچ ہزار رومی سوار جانے کہاں سے نکل آئے اور وہ میلے اور مسلمان سواروں کو نرغے میں لینے لگے۔ پانچ سو کا مقابلہ پانچ ہزار سے تھا اور صورت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ مسلمان سوار گھیرے میں آ گئے تھے۔ اُن کی تباہی لازمی تھی۔ یہ پانچ ہزار رومی سوار میلے کی حفاظت کے لیے وہاں قریب ہی موجود تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ مسلمان بہت تیز پیشقدمی کیا کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان فوج اچانک آ جائے اور میلے کو لُوٹ لے۔

مسلمان سوار رومی سواروں کے گھیرے سے نکلنے کے لیے گھوڑے دوڑا رہے تھے لیکن کہاں پانچ سو اور کہاں پانچ ہزار۔ مسلمان جدھر جاتے تھے، اُدھر سے روک لیے جاتے تھے۔ میلے میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگوں کی چیخ و پکار تھی۔ دکاندار اپنا مال سمیٹ رہے تھے اور جن کے پاس رقمیں تھیں وہ بھاگ رہے تھے۔ کئی ایک گھوڑوں تلے کچلے گئے۔

مسلمان ہر میدان میں قلیل تعداد میں لڑے ہیں۔ اس سے انہیں اپنے سے کئی گنا زیادہ لشکر سے لڑنے اور فتح یاب ہونے کا تجربہ تھا۔ اُنہوں نے پانچ سو کی تعداد میں پانچ ہزار کا گھیرا توڑنے کی کوشش کی لیکن کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اُنہوں نے کسی کی ہدایت کے بغیر ہی اپنے آپ کو گول ترتیب میں کر لیا اور رومیوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ عبداللہ لڑ سکتا تھا، اِس خطرناک صورتِ حال میں اپنے سواروں کی قیادت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سپاہیوں کی طرح بے جگری سے لڑ رہا تھا۔ ابوذر غفاریؓ بھی جان پر کھیل کر لڑ رہے تھے۔ تمام سوار آگے بڑھ بڑھ کر رومیوں پر حملے کر رہے تھے اور رومیوں کے حملے روکتے بھی تھے۔ اُن کی گول ترتیب اس طرح تھی کہ سب کے منہ باہر کی طرف تھے یعنی اُن کا عقب تھا ہی نہیں جس پر دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا۔

رومیوں نے جب مسلمانوں کو اس انوکھی ترتیب میں دیکھا تو وہ سٹپٹائے اور آگے بڑھنے میں محتاط ہو گئے لیکن اُن کی تعداد دس گنا تھی اور وہ لڑنا جانتے تھے۔ اُن کے محتاط ہونے سے صرف یہ فرق پڑا تھا کہ مسلمانوں کی تباہی تھوڑی سی دیر کے لیے ملتوی ہو گئی تھی۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ پانچ سو سوار پانچ ہزار سواروں کے نرغے سے زندہ نکل آتے۔

یہ پانچ سو مجاہدین اپنے سالارِ اعلیٰ کی ایک خطرناک لغزش کی سزا بھگت رہے تھے۔ ابوعبیدہؓ امین الامّت تھے۔ زہد اور تقویٰ میں بے مثال تھے۔ صحابہ کرامؓ میں اُن کا مقام سب سے بلند تھا لیکن حکومت کرنے کے لیے اور فوج کی قیادت کے لیے اور جنگی امور اور کارروائیوں میں فیصلے کرنے کے لیے صرف ان اوصاف کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ یہ اوصاف بعض حالات میں قوم اور فوج کو لے ڈوبتے ہیں۔

ابوعبیدہؓ کی سادگی کا یہ اثر کہ اُنھوں نے ایک عیسائی پر اعتماد کیا اور محض مالِ غنیمت کی خاطر پانچ سو سواروں کو ایک بچے کی قیادت میں یہ معلوم کیے بغیر بھیج دیا کہ وہاں دشمن کی فوج موجود ہے یا نہیں۔

☼

ابوعبیدہؓ اپنے سالاروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ دمشق فتح ہو چکا تھا۔ اگلی پیشقدمی کا منصوبہ تیار ہو رہا تھا اور فوج آرام کر رہی تھی۔

ایک گھوڑ سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ابوعبیدہؓ کے خیمے کے سامنے آ رکا۔ سوار کود کر اُترا اور دوڑتا ہُوا خیمے میں داخل ہو گیا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ سب اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"سالارِ اعلیٰ!" ـــ اُس نے ابوعبیدہؓ سے کہا ـــ "وہ سب مارے جا چکے ہوں گے۔ وہ گھیرے میں آ گئے ہوئے ہیں۔"

"کون؟" ـــ ابوعبیدہؓ نے گھبرائے ہُوئے لہجے میں پوچھا ـــ "کس کی بات کر رہے ہو؟ کون کس کے گھیرے میں آیا ہُوا ہے؟"

"ابوالقدس!" ـــ سوار نے کہا ـــ "ابوالقدس کے پانچ سو سواروں کی بات کر رہا ہوں..... اُن کی مدد کو جلدی پہنچیں۔ ایک بھی زندہ نہیں رہے گا۔"

جن مؤرخوں نے یہ واقعہ لکھا ہے ان سب نے لکھا ہے کہ یہ واحد سوار تھا جو میلے میں بھگدڑ مچ جانے سے فائدہ اٹھاتے ہُوئے رومیوں کے گھیرے سے نکل آیا تھا۔ ابھی گھیرا مکمل نہیں ہُوا تھا۔ اس مجاہد نے اندازہ کر لیا تھا کہ اُس کے ساتھیوں کا انجام کیا ہو گا۔ اُس نے انتہائی تیز رفتار سے گھوڑا دوڑایا اور دمشق پہنچا تھا۔

اُس نے بڑی تیزی سے بولتے ہوئے تفصیل سے بتایا کہ ابوالقدس کے میلے میں کیا ہُوا اور کیا ہو رہا ہے۔ ابوعبیدہؓ کا رنگ زرد ہو گیا۔ انہوں نے خالدؓ کی طرف دیکھا۔ خالدؓ کے چہرے پر پریشانی کا گہرا تاثر تھا۔

"ابوسلیمان!" ـــ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے التجا کے لہجے میں کہا ـــ "اللہ کے نام پر ابوسلیمان! تیرے سوا انہیں گھیرے سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ جاؤ، فوراً جاؤ۔"

"اللہ کی مدد سے میں ہی انہیں گھیرے سے نکالوں گا" ـــ خالدؓ نے جوش سے اُٹھتے ہُوئے کہا ـــ "میں تیرے حکم کے انتظار میں تھا امین الامت!"

"مجھے معاف کر دینا ابوسلیمان!" ـــ ابوعبیدہؓ نے کہا ـــ "میں نے تیری نیت پر شک کیا تھا اس لیے حکم نہ دیا۔ میرا خیال تھا کہ معزولی نے تجھ پر بہت بُرا اثر کیا ہے۔"

"خدا کی قسم، مجھ پر ایک بچے کو سالارِ اعلیٰ مقرر کر دیا جائے گا تو میں اُس کا بھی مطیع رہوں گا" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "مجھے تو رسول اللہ ﷺ کے امین الامت نے کہا ہے۔ کیا میں ایسے گناہ کی جرأت کر سکتا ہوں کہ تیرا حکم نہ مانوں؟ میں تو تیرے قدموں کی خاک کی بھی برابری نہیں کر سکتا..... اور بتا دے سب کو کہ ابوسلیمانؓ ابن الولید نے اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی ہے۔"

مؤرخ واقدی اور طبری لکھتے ہیں کہ ابوعبیدہؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ کچھ دیر ابن الولید کو دیکھتے رہے۔

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو" ـــ ابوعبیدہؓ نے کہا ـــ "جا ابوسلیمان! اپنے بھائیوں کی جانیں بچا۔"

☼

تاریخوں میں ایسی تفصیلات نہیں ملتیں کہ خالدؓ اپنے ساتھ کتنے سوار یا کتنے ہزار سوار لے کر گئے تھے۔ باقی حالات مختلف تاریخوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ خالدؓ نے "برہنہ مجاہد" ضرارؓ بن الازور کو ساتھ لے لیا تھا اور ان دونوں کے پیچھے مسلمان رسالہ سرپٹ گھوڑے دوڑاتا جا رہا تھا۔

خالدؓ اور ضرارؓ تو گھیرے ہُوئے مجاہدین کی مدد کو چلے گئے، پیچھے ابوعبیدہؓ کی حالت بگڑ گئی۔

"اللہ، اللہ، اللہ!" ـــ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر گڑگڑانے لگے ـــ "خلیفۃ المسلمین عمرؓ نے مجھے لکھا تھا کہ مالِ غنیمت کے لالچ میں مجاہدین کو ایسی مشکل میں نہ ڈالنا کہ اُن کی جانیں ضائع ہو جائیں۔ عمرؓ نے لکھا تھا کہ فیصلہ کرنے سے پہلے دیکھ بھال کر لینا..... مجھے معاف کر دینا اللہ! یہ مجھ سے کیا فیصلہ ہُوا ہے۔ میں نے ایک عیسائی کی بات کو سچ مانا اور میں نے ایک کمسن لڑکے کو پانچ سو سواروں کی کمان دے دی اور اُسے اتنا بھی نہ کہا کہ وہ اپنے دستے کو دُور روک کر ہر طرف کی دیکھ بھال ضرور کر لے۔"

ابوعبیدہؓ کے رفیق سالار انہیں تسلیاں دیتے رہے لیکن ابوعبیدہؓ نے جو پانچ سو قیمتی سواروں کو اپنی لغزش کی بھٹی میں جھونک دیا تھا اس پر وہ مطمئن نہیں تھے۔

☼

خالدؓ اور ضرارؓ اپنے سواروں کے ساتھ انتہائی رفتار سے ابوالقدس پہنچ گئے۔ وہاں مجاہدین کی حالت بہت بُری تھی۔ خالدؓ کے حکم سے ان کے سواروں نے تکبیر کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ان نعروں سے ان کا مقصد یہ تھا کہ گھیرے میں آئے ہُوئے مسلمان سواروں کی حوصلہ افزائی ہو اور رومیوں پر دہشت طاری ہو۔

اس کے بعد خالدؓ نے اپنا نعرہ بلند کیا:

انا فارس الضدید

انا خالدؓ بن الولید

رومیوں نے پہلے معرکوں میں یہ نعرہ سنا تھا۔ اس نعرے کے ساتھ ہی مسلمانوں نے انہیں جس حالت میں کاٹا اور بھگایا تھا، اسے تو وہ باقی عمر نہیں بھول سکتے تھے۔

رومی سوار اپنے نرغے میں لیے ہُوئے مسلمانوں کو تو بھول ہی گئے۔ خالدؓ نے اپنے سواروں کو پھیلا کر برق رفتار حملہ کرایا تاکہ رومیوں کو آمنے سامنے کی لڑائی کی ترتیب میں آنے کی مہلت ہی نہ ملے۔

خالدؓ کو اپنی ایک کمزوری کا احساس تھا۔ وہ دمشق سے گھوڑوں کو دوڑاتے ہُوئے ابوالقدس تک پہنچے تھے۔ گھوڑے تھک گئے تھے۔ ان کے جسموں سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ خالدؓ کی کوشش یہ تھی کہ رومیوں کو جلدی بھگایا جائے ورنہ گھوڑے جواب دے جائیں گے۔

ضرارؓ بن الازور نے اپنا وہی کمال دکھایا جس پر وہ رومیوں میں مشہور ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی خَود، زرہ اور اپنی قمیض بھی اتار پھینکی اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ رومی سوار اتنی آسانی سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔ وہ اپنے نرغے میں لیے ہوئے مسلمان سواروں میں سے کسی ایک کو شہید اور زیادہ تر کو شدید

زخمی کر چکے تھے۔ ان میں جو بچ گئے تھے، انہیں خالدؓ کے آجانے سے نیا حوصلہ ملا۔ رومی خالدؓ اور ضرارؓ کے سواروں کے مقابلے کے لیے مُڑے تو پیچھے سے ان بچے کھچے سواروں نے اُن پر ہلّہ بول دیا جو کچھ دیر پہلے تک اُن کے نرغے میں آتے ہُوتے تھے۔

معرکہ خونریز اور تیز تھا۔ اب رومی گھیرے میں آگئے تھے۔ اُن کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ سکڑتے تھے تو اُن کے گھوڑوں کو کھل کر حرکت کرنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ مسلمان سواروں نے انھیں بُری طرح کاٹا اور زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ رومی سوار معرکے سے نکل نکل کر بھاگنے لگے۔ آخر وہ اپنی بہت سی لاشوں اور شدید زخمیوں کو پیچھے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اُن مسلمان سواروں کا جانی نقصان کچھ کم نہ تھا جو رومیوں کے گھیرے میں لڑتے رہے تھے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ میلے کا سامان اکٹھا کیا جائے۔ انہوں نے بہت سے مجاہدین کو زخمیوں اور لاشوں کو اُٹھانے پر لگا دیا۔ خالدؓ کی اپنی یہ حالت تھی کہ اُن کے جسم پر کئی زخم آئے تھے اور اُن کے کپڑے خون سے سرخ ہو گئے تھے۔ انہیں ان زخموں کی جیسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ زخم خالدؓ کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ اُن کے جسم پر اُس وقت تک اتنے زخم آچکے تھے کہ مزید زخموں کی جگہ ہی نہیں تھی۔

خالدؓ واپس دمشق آئے۔ وہ جو مالِ غنیمت لائے تھے وہ بہت زیادہ اور قیمتی تھا۔ زخمی ہو کر گرنے اور مرنے والے رومیوں کے سینکڑوں گھوڑے بھی اُن کے ساتھ تھے مگر اس مالِ غنیمت کے لیے بڑی قیمتی جانوں کی قیمت دی گئی تھی۔

ابوعبیدہؓ کو اس جانی نقصان کا بہت افسوس تھا، البتہ انھیں یہ دیکھ کر اطمینان ہُوا کہ خالدؓ نے اپنے خلاف یہ شک دُور کر دیا تھا کہ معزولی کی وجہ سے اُن میں پہلے والی دلچسپی اور جوش وخروش نہیں رہا۔ خالدؓ نے اپنا جسم زخمی کرا کے ثابت کر دیا تھا کہ معزولی کا اُن پر ذرا سا بھی اثر نہیں ہُوا۔

ابوعبیدہؓ نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ خلافت کے لیے مدینہ بھیجا اور اس کے ساتھ عمرؓ کو پوری تفصیل لکھی کہ انہوں نے کیا کارروائی کی تھی، اس سے کیا صُورتِ حال پیدا ہُوئی اور خالدؓ نے کیا کارنامہ کیا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کی بے تحاشہ تعریف لکھی۔

ہر محاذ سے اور ہر میدان سے رُومی پسپا ہو رہے تھے۔ رُومیوں کا شہنشاہ ہرقل انطاکیہ میں تھا۔ اُس کے ہاں جو بھی قاصد آتا تھا، وہ ایک ہی جیسی خبر سُناتا تھا:

”اُس قلعے پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔“

”فلاں میدان سے بھی اپنی فوج پسپا ہو گئی ہے۔“

”مسلمان فلاں طرف پیشقدمی کر گئے ہیں۔“

”ہمارے فلاں شہر کے لوگوں نے مسلمانوں کو جزیہ دینا قبول کر لیا ہے۔“

ہرقل کے کانوں میں اب کوئی اور بات پڑتی ہی نہیں تھی۔ نیند میں بھی وہ یہی خبریں سُنتا ہو گا۔ اُس کے وزیر، مشیر اور سالار وغیرہ اب اُس کے سامنے شکست کا کوئی پیغام لے کر جانے سے ڈرتے تھے، لیکن انہیں اُس کے سامنے جانا پڑتا تھا اور اُس کے ساتھ شکست کی باتیں کرنی اور سُننی پڑتی تھیں۔

وہ انطاکیہ کی ایک شام تھی۔ انطاکیہ کی شامیں حسین ہُوا کرتی تھیں۔ یہ شہر سلطنتِ روما کا ایک اہم اور بارونق شہر تھا۔ روم کے اعلیٰ حکام، امراء اور وزراء یہاں رہتے تھے۔ اب تو کچھ عرصے سے شہنشاہِ روم ہرقل نے اسے عارضی دارالحکومت اور فوجی ہیڈ کوارٹر بنا لیا تھا۔ رُومی جنگجو تھے۔ اُس دَور میں اُن کی سلطنت دُنیا کی سب سے وسیع اور مستحکم سلطنت تھی۔ استحکام کی وجہ یہ تھی کہ روم کی فوج مستحکم تھی۔ اسلحہ کی برتری اور نفری کی افراط کے لحاظ سے یہ فوج اپنے دشمنوں کے لیے دہشتناک تھی۔

اس فوج نے اور اس کے سالاروں اور دیگر اعلیٰ حکام نے انطاکیہ کو پُر رونق شہر بنا رکھا تھا۔ عیش وعشرت کا ہر سامان موجود تھا۔ وہاں قحبہ خانے تھے۔ رقص اور نغمے تھے اور وہاں نسوانی حُسن کی چلتی پھرتی نمائش لگی رہتی تھی۔ وہاں شامیں مُسکراتی اور راتیں جاگتی تھیں لیکن اب انطاکیہ کی شامیں اُداس ہو گئی تھیں۔

فوجی یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ جب کوئی نیا دستہ آتا تھا تو قحبہ خانوں کی رونق بڑھ جاتی تھی اور چلتی پھرتی طوائفوں میں اضافہ ہو جاتا تھا، مگر انطاکیہ میں باہر سے جو فوجی آتے تھے وہ زخمی ہوتے تھے، اور جو زخمی نہیں ہوتے تھے، اُن کے چہروں پر مُردنی چھائی ہوئی ہوتی تھی۔ ہر فوجی شکست کی تصویر بنا ہوتا تھا۔ اُن کی چال میں اور اُن کے چہروں پر شکست صاف نظر آتی تھی۔ غیر عورتیں اُن کے قریب کیوں آتیں، اُن کی اپنی بیویاں اُنہیں اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتی تھیں۔ ان رومی فوجیوں نے روم کی جنگی روایات کو توڑ دیا تھا۔ قیصرِ روم کی عظمت کو پامال کر دیا تھا۔

انطاکیہ میں جو رُومی عورتیں تھیں، اُنہوں نے ہرقل کو بھی نہیں بخشا تھا۔ وہ شام انطاکیہ کی افسردہ شاموں میں سے ایک شام تھی۔ ہرقل شاہی بگھی پر کہیں سے آ رہا تھا۔ اُس کے آگے آٹھ گھوڑے شاہانہ

چال چلتے آرہے تھے۔ ان کے سوار ہرقل کے محافظ تھے۔ ان سواروں کی شان نرالی تھی۔ اُن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں جن کی انیاں اُوپر کو تھیں اور ہر برچھی کی انّی سے ذرا نیچے ریشمی کپڑے کی ایک ایک جھنڈی تھی۔ بگھی کے پیچھے بھی آٹھ دس گھوڑ سوار تھے۔

ایک شور اُٹھا۔ "شہنشاہ کی سواری آرہی ہے۔"

لوگ اپنے شہنشاہ کو دیکھنے کے لیے راستے کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ عورتیں عموماً اپنے دروازوں کے سامنے یا منڈیروں پر کھڑی ہو کر اپنے شہنشاہ کو گذرتا دیکھا کرتی تھیں لیکن اُس شام چند ایک عورتیں ہرقل کے راستے میں آگئیں۔ اگلے دو سوار محافظوں نے گھوڑے دوڑائے اور عورتوں کو راستے سے ہٹانے لگے لیکن عورتیں غل مچانے لگیں کہ وہ اپنے شہنشاہ سے ملنا چاہتی ہیں۔

دو اور سوار آگے بڑھے کیونکہ عورتیں پیچھے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ ہرقل کی بگھی اُن تک پہنچ گئی۔ وہ عورتوں کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے بگھی رُکوالی اور اُتر آیا۔

"چھوڑ دو انہیں"۔ ہرقل نے گرج جیسی آواز میں کہا۔ "انہیں مجھ تک آنے دو۔"

وہ آگے گیا اور عورتوں نے اُسے گھیر لیا۔ وہ سب بول رہی تھیں۔

"میں کچھ نہیں سمجھ رہا"۔ ہرقل نے بلند آواز سے کہا۔ "کوئی ایک بولو۔ میں سُنوں گا۔"

"شہنشاہِ روم!"۔ ایک عورت بولی۔ "تُو کچھ نہیں سمجھے گا۔"

"جس نے سلطنتِ روم کی تباہی برداشت کر لی ہے وہ غیرت والی عورت کی بات نہیں سمجھے گا"۔ ایک اور عورت نے کہا۔ "ہم سب رُومی ہیں۔ ہم مقامی نہیں۔ یہاں کی عورتیں تیرے راستے میں نہیں آئیں گی۔ رومی چلے جائیں، عرب کے مسلمان آجائیں، انہیں کیا! بے عزتی تو ہماری ہو رہی ہے۔ بے عزتی رُوم کی ہو رہی ہے۔"

"اب آگے بولو"۔ ہرقل نے کہا۔ "جو کہنا ہے وہ کہو۔"

"کیا تُو نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تُو نے ہمیں مسلمانوں کے حوالے کرنا ہے؟"۔ ایک عورت نے کہا۔ "اس کے سوا کوئی اور بات کان میں نہیں پڑتی کہ فلاں شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور وہاں کی رومی عورتیں مسلمانوں کی لونڈیاں بن گئی ہیں۔"

"ہماری فوج لڑنے کے قابل نہیں رہی تو ہمیں آگے جانے دے"۔ ایک اور عورت نے کہا۔ "گھوڑے، برچھیاں اور تلواریں ہمیں دے۔"

"جس فوج سے فارسی بھی ڈرتے تھے"۔ ایک اور بولی۔ "وہ فوج اب ڈرے ہُوئے، زخمی اور بھگوڑے سپاہیوں کا ہجوم بن گئی ہے۔"

"یہاں اب روم کا جو فوجی آتا ہے کسی نہ کسی قلعے یا میدان سے بھاگا ہُوا آتا ہے"۔ ایک اور عورت نے کہا۔

ہرقل کے محافظ ڈر رہے تھے کہ شہنشاہِ رُوم کا عتاب اُن پر گرے گا کہ وہ چند ایک عورتوں کو اُس کے راستے سے نہیں ہٹا سکے۔ تماشائی اس انتظار میں تھے کہ ہرقل اِن تمام عورتوں کو گھوڑوں تلے کچل دینے کا حکم دے گا لیکن ہرقل خاموشی سے، تحمّل اور بُردباری سے عورتوں کے طعنے سُن رہا تھا، شاید

اس لیے کہ وہ مقامی نہیں رومی عورتیں تھیں۔

"ہماری فوج بُزدل ثابت ہوئی ہے"۔ ہرقل نے کہا۔ "میں بزدل نہیں ہو گیا۔ شکست کھا کر جو بھاگ آئے ہیں وہ پھر لڑیں گے۔ میں نے شکست کو قبول نہیں کیا۔"

"پھر ہمارا شہنشاہ کیا سوچ رہا ہے؟"۔ ایک عورت نے پوچھا۔

"تم جلد ہی سُن لو گی"۔ ہرقل نے کہا۔ "میں زندہ ہوں۔ میں جو سوچ رہا ہوں وہ کر کے دکھاؤں گا۔ فتح اور شکست ہوتی ہی رہتی ہے۔ وہ قوم ہمیشہ دوسروں کی غلام رہتی ہے جو شکست کو تسلیم کر لیتی ہے۔ میں تمہیں کسی کا غلام نہیں بننے دُوں گا۔ مسلمانوں نے جہاں تک آنا تھا آچکے ہیں۔ اب میری باری ہے۔ وہ میرے پھندے میں آگئے ہیں۔ اب وہ زندہ واپس نہیں جائیں گے۔ اُنہوں نے جو لیا ہے اس سے کئی گنا زیادہ دیں گے... میرے لیے دُعا کرتی رہو۔ تم بہت جلدی خوشخبری سُنو گی... اور تم اپنے خاوندوں کے، اپنے بھائیوں کے، اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں کے حوصلے بڑھاتی رہو۔"

"ہم اُن پر اپنے گھروں کے دروازے بند کر دیں گی"۔ ایک عورت نے کہا۔

"تم اُنہیں گلے لگاؤ گی"۔ ہرقل نے کہا۔ "اب وہ فاتح بن کر تمہارے سامنے آئیں گے۔"

عورتوں نے اپنے شہنشاہ کو راستہ دے دیا۔

➢

ہرقل نے ان عورتوں کی محض دل جوئی نہیں کی تھی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ وہ شکست تسلیم کرنے والا جنگجو تھا ہی نہیں اور وہ شہنشاہ بعد میں اور سپاہی پہلے تھا اور اپنے دَور کا منجھا ہُوا جرنیل تھا۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ وہ خالدؓ کی ٹکر کا جرنیل تھا اور جنگی چالوں میں اُس کی مہارت کا اندازا اپنا ہی تھا۔

اگر وہ صرف شہنشاہ ہوتا تو اپنی سواری کے راستے میں اِن عورتوں کی رکاوٹ کو برداشت نہ کرتا۔ انہیں سزا دیتا لیکن اُس نے اِن عورتوں سے حوصلہ لیا اور اِن کا حوصلہ بڑھایا۔

اُس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ کسی طرف سے شکست کی اور اُس کی فوج کی پسپائی کی اطلاع آتی تھی تو اُس کے حکام اُس کے سامنے آنے سے گریز کرتے تھے۔ ایسا ہی ایک موقع تھا کہ اُس کا ایک سالار جو مشیر کی حیثیت سے اُس کے ساتھ رہتا تھا، اُس کے سامنے گیا۔ اس سالار کے چہرے پر مایوسی کا جو تأثر تھا وہ ہرقل نے بھانپ لیا۔

"کیا ہے؟"۔ ہرقل نے پوچھا۔

"مرج الدیباج سے قاصد آیا ہے"۔ سالار نے کہا۔

"تو کہتے کیوں نہیں کہ وہ ایک اور پسپائی کی خبر لایا ہے"۔ ہرقل نے جوشیلے لہجے میں کہا۔ "اپنے دلوں سے میرا خوف نکالتے کیوں نہیں؟ شکست اور پسپائی کے نام سے گھبراتے کیوں ہو؟... بولو!"

"ہاں شہنشاہ!"۔ سالار نے کہا۔ "قاصد پسپائی کی خبر لایا ہے... اور وہاں سے بھاگے ہوئے سپاہی یہاں آنا شروع ہو گئے ہیں۔"

"آنے دو انہیں!"۔ ہرقل نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غصہ نہیں تھا اور اُس کے لہجے میں

شاہانہ جلال بھی نہیں تھا۔ "اُن کا حوصلہ بڑھاؤ۔ کوئی انہیں شکست اور پسپائی کا طعنہ نہ دے۔ یہی سپاہی شکست کو فتح میں بدلیں گے۔"

"سپاہیوں کا حوصلہ تو بحال ہو جائے گا"۔ سالار نے کہا۔ "لیکن لوگوں کا حوصلہ ٹوٹتا جا رہا ہے۔ لوگ مسلمانوں کو جنّات اور بھوت سمجھنے لگے ہیں۔ ایسی افواہیں پھیل رہی ہیں جو لوگوں کو بزدل بنا رہی ہیں۔"

"جانتے ہو یہ افواہیں کون پھیلا رہا ہے؟"۔ ہرقل نے کہا۔ "ہمارے اپنے سالار، کمانڈر اور سپاہی۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ تو بے جگری سے لڑتے تھے لیکن اُن کا مقابلہ جنّات سے ہو گیا۔"

"شہنشاہِ رُوم!"۔ سالار نے کہا۔ "مسلمانوں کی کامیابی کی ایک وجہ اور بھی ہے۔۔۔ ہمارے جس شہر کے لوگ اُن سے صلح کا معاہدہ کر لیتے اور جزیہ ادا کر دیتے ہیں، اُن کے ساتھ مسلمان بہت اچھا سلوک کرتے ہیں۔ اُن کی عورتوں اور اُن کی جوان لڑکیوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اُن کے جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اُن کے مذہب کا بھی احترام کرتے ہیں۔ یہ خبریں سارے علاقے میں پھیل جاتی ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دوسری جگہوں کے لوگ بھی فوج کا ساتھ چھوڑ دیتے اور اسے صلح پر مجبور کر دیتے ہیں۔۔۔ اس کا کوئی علاج ہونا چاہیئے۔"

"اس کا علاج صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو فیصلہ کُن شکست دے کر ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے"۔ ہرقل نے کہا۔ "اور اس کا بندوبست ہو رہا ہے۔"

➢

اِلیا القدس میں ہرقل کو جو چوٹ پڑی تھی، اس نے اُسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ اُسے اس معرکے کی تفصیلی اطلاع مل چکی تھی۔ ابو عبیدہؓ ایک غلطی کر بیٹھے تھے۔ رومی خوش تھے کہ مسلمانوں کا ایک دستہ تو پھندے میں آیا لیکن خالدؓ اور ضرارؓ نے بروقت پہنچ کر نہ صرف رومیوں کا پھندہ توڑ ڈالا تھا بلکہ انہیں بے شمار جانی نقصان پہنچا کر مالِ غنیمت سے مالا مال ہو کر لوٹے تھے۔

ہرقل کو مسلمانوں کی برق رفتاری نے پریشان کر دیا تھا۔ اُس نے دیکھا تھا کہ مسلمانوں کی فوج ایک سے دوسری جگہ حیران کُن تیزی سے پہنچتی تھی اور میدانِ جنگ میں سالاروں کی جنگی چالوں پر اُن کے دستے بہت ہی تیزی سے جگہ بدلتے اور چالوں کو کامیاب کرتے تھے۔

اس کے بعد ہرقل نے جیسے راتوں کو سونا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اُس نے اُسی روز اپنی سلطنت کے دُور دراز گوشوں تک قاصد دوڑا دیئے تھے۔ اُس نے حکم یہ بھیجا تھا کہ زیادہ سے زیادہ فوجی دستے انطاکیہ بھیج دیئے جائیں۔ وہ سلطنت کی تمام تر فوج تو اکٹھی نہیں کر سکتا تھا، ہر جگہ فوج کی ضرورت تھی۔ اُس نے اتنے دستے مانگے تھے جن کے آ جانے سے کسی بھی جگہ کا دفاع کمزور نہیں ہوتا تھا۔

جن علاقوں سے دستے آئے ان میں شمالی شام، یورپ کے چند شہر اور جزیرہ شامل تھے۔ ہرقل نے اپنے حکم میں کہا تھا کہ دستے بہت تیزی سے آئیں۔ جب یہ آنے لگے تو ان میں سے بعض کو انطاکیہ میں رکھا گیا اور دوسروں کو دریائے اُردن کے مغربی کنارے سے ذرا ہی دُور ایک مقام بیسان پر بھیج دیا گیا۔

ہرقل نے اپنے مشیروں اور سالاروں کو بُلایا۔ ان میں سقلار، شنس اور تھیوڈورس خاص طور پر قابلِ

ذکر تھے۔ اِن تینوں کو محاذوں سے بُلایا گیا تھا۔ ہرقل نے ان سب کو بتایا کہ مسلمانوں کو فیصلہ کُن شکست دینے کے لیے اُس نے کیا بندوبست کیا ہے اور سالاروں نے کیا کرنا ہے۔

"تم نے دیکھ لیا ہے کہ مسلمان کس طرح لڑتے ہیں"۔ اُس نے کہا۔ "شکست اور پسپائیوں سے تمہیں بددل نہیں ہونا چاہیئے۔ ان سے تمہیں تجربہ حاصل ہُوا ہے۔ اگر تم نے کچھ نہیں سیکھا تو تمہارے لیے یہی ایک راستہ ہے۔ جاؤ اور مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لو۔ قیصرِ روم کی عظمت کو مسلمانوں کے قدموں میں ڈال دو اور صلیب کو بحیرۂ روم میں پھینک کر مسلمانوں کے مذہب میں داخل ہو جاؤ۔ تمہیں اپنی جانیں، اپنی بیویاں اور اپنے مال و اموال زیادہ عزیز ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عرب کے لٹیروں کا ایک گروہ تمہیں شکست پہ شکست دیتا چلا جا رہا ہے۔"

سب پر سنّاٹا طاری ہو گیا۔ ہرقل کی نگاہیں ہر ایک پر گھوم گئیں۔

"شہنشاہِ رُوم!"۔ اُس کے سالار تھیوڈورس نے سکوت توڑا۔ "ہم پیچھے ہی نہیں ہٹتے آئیں گے۔ میں اپنے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ کے پاس زندہ آیا تو شکست کھا کر نہیں آؤں گا۔ اگر میں نے شکست کھائی تو میری لاش بھی یہاں نہیں آئے گی۔"

اِس ایک سالار کے بولنے سے نہ صرف سنّاٹا ٹوٹا بلکہ سب میں جو تناؤ پیدا ہو گیا تھا وہ بھی ٹوٹ گیا۔ سب نے ہرقل کو یقین دلایا کہ انہیں سلطنتِ روم سے زیادہ اور کوئی چیز عزیز نہیں۔

"میں نے مسلمانوں کو یہیں پر ختم کرنے کے لیے جو بندوبست کیا ہے وہ ناکام نہیں ہو سکتا"۔ ہرقل نے کہا۔ "اب تک ہماری فوج مختلف جگہوں پر بٹ کر لڑتی رہی ہے۔ ایک جگہ سے ہمارے سپاہی بھاگے تو اُنہوں نے دُوسری جگہ جا کر وہاں کے دستوں میں بددلی پھیلائی اور اپنے آپ کو شکست کے الزام سے بچانے کے لیے ایسی باتیں کیں جن سے وہاں کے دستوں پر مسلمانوں کی دہشت بیٹھ گئی۔ اب میں فوج کو یکجا کر کے لڑاؤں گا۔۔۔۔

"تم نے دیکھا ہے کہ میں نے کہاں کہاں سے دستے منگوائے ہیں اور کس قدر لشکر جمع ہو گیا ہے۔ میری نظر دمشق پر ہے لیکن ہم دمشق پر حملہ نہیں کریں گے نہ اس کا محاصرہ کریں گے۔ ہم دمشق سے دُور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں زیادہ نفری کے دستوں سے لڑا کر مسلمانوں کے رسد کے وہ راستے بند کر دیں گے جو عرب سے دمشق کو جاتے ہیں۔ ہم دمشق یا اس کے گرد و نواح میں کوئی لڑائی نہیں لڑیں گے بلکہ مسلمان تنگ آ کر لڑنا چاہیں گے تو بھی ہم انہیں نظر انداز کریں گے۔ ہم اُن کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیں گے کہ وہ لڑنے کے قابل رہ ہی نہیں جائیں گے۔ اُنہیں نہ کہیں سے رسد پہنچ سکے گی نہ کمک۔ شہر کے لوگ ہی قحط سے تنگ آ کر اُنہیں دمشق چھوڑنے پر مجبور کر دیں گے۔ اگر وہ دمشق سے نکل گئے تو ہم کہیں بھی اُن کے قدم جمنے نہ دیں گے۔ یہ بھی خیال رکھو کہ ہماری فوجوں کا اجتماع ایسے خفیہ طریقے سے ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو اس کی خبر تک نہیں ہو گی۔"

➢

ہرقل کا تو یہ خیال تھا کہ اُس کے لشکر کا اجتماع خفیہ رکھا گیا ہے لیکن مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ ابُو عبیدہؓ کے ساتھ خالدؓ تھے۔ خالدؓ نے نہایت مضبوط اور تیز جاسوسی نظام ترتیب دیا تھا۔ ابُو عبیدہ نے خالدؓ بن

ولید کو سوار دستے کا سالار بنا رکھا تھا اور اس کے ساتھ ہی انہیں اپنا مشیر بھی سمجھتے تھے۔ مؤرخوں کے مطابق ابوعبیدہؓ سالاری کی مہارت رکھتے تھے اور جنگی اُمور کو بھی پوری طرح سمجھتے تھے لیکن اُن میں وہ تیز رفتاری نہیں تھی جو خالدؓ میں تھی۔ خالدؓ اپنے فیصلوں میں بڑے خوفناک قسم کے خطرے بھی مول لے لیا کرتے تھے۔ اس کے برعکس ابوعبیدہؓ احتیاط کے قائل تھے۔ اپنی اس عادت کو سمجھتے ہوئے اُنہوں نے خالدؓ کو ہر لمحہ اپنے ساتھ رکھا۔ وہ کوئی بھی منصوبہ بناتے یا فیصلہ کرتے تھے تو اس میں خالدؓ کے مشوروں کو خاص طور پر شامل کرتے تھے۔

خالدؓ جاسوسی اور دیکھ بھال کے نظام پر زیادہ توجہ دیا کرتے تھے۔ اب یہ اُن کی ذمہ داری نہیں رہی تھی کیونکہ یہ ذمہ داری سالارِ اعلیٰ کی تھی اور خالدؓ دوسرے سالاروں کی طرح عام قسم کے سالار تھے، لیکن اپنی معزولی کے باوجود وہ اپنے فرائض سے بے انصافی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اُنہوں نے جاسوسی کے نظام پر پہلے کی طرح توجہ دیے رکھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان جاسوس رومیوں کی سلطنت کے دُور اندر تک چلے گئے تھے۔

ایک روز ایک جاسوس آیا۔ وہ بہت دُور سے آیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ رومیوں کا ایک لشکر بحیرۂ روم کے راستے کشتیوں پر آیا ہے۔ اس جاسوس نے اپنے اُن جاسوسوں سے رابطہ کیا جو اور آگے تک گئے ہوئے تھے۔ وہ اُن سب کی اطلاع لے کر بڑی ہی تیز رفتار سے دمشق پہنچا اور یہ اطلاع دی کہ رومیوں نے کم و بیش ایک لاکھ نفری کا لشکر دریائے اُردن کے مغرب میں جمع کر لیا ہے۔

تاریخ کے مطابق بیسان کے مقام پر دسمبر ۶۳۴ء کے آخری اور ذیقعد ۱۲ ہجری کے پہلے ہفتے میں رومیوں کی فوج کا یہ اجتماع ہُوا تھا۔ جاسوس نے اپنے اندازے کے مطابق اس لشکر کی تعداد ایک لاکھ بتائی تھی۔ اصل میں رومی فوج کی تعداد اسّی ہزار تھی۔

اتنی بڑی تعداد اکٹھی کرنے کا مطلب یہی لیا جا سکتا تھا کہ رومی بہت بڑی جنگی کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔ سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ نے اپنے سالاروں کو بُلایا۔

"میرے عزیز ساتھیو!"— ابوعبیدہؓ نے سالاروں سے کہا— "تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ شکر ادا کرو اللہ کی ذات باری کا جس نے ہمیں ہر میدان میں فتح عطا کی.... میں تمہیں احساس دلانا چاہتا ہوں کہ ہم اتنی دُور نکل آئے ہیں جہاں سے ہماری واپسی ناممکن ہو گئی ہے۔ اللہ نے ہمیں بڑے سخت امتحان میں ڈالا ہے۔ اگر ہم اس امتحان میں پُورے اُترے۔ تو یہ ایک روایت بن جائے گی جو ہماری آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بنے گی۔ مت بھُولنا کہ ہم نہ مالِ غنیمت کے لیے لڑ رہے ہیں نہ ہمارا مقصد کشور کشائی ہے۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے ہمیں بنی نوع انسان کو ظلمت اور غلامی سے نجات دلانے کا فرض سونپا ہے۔ اب دشمن نے ہمارے سامنے دیواریں کھڑی کر دی ہیں....

"رومی کم و بیش ایک لاکھ کا لشکر لے کر آئے ہیں۔ اس سے اُن کے عزائم کا پتہ چلتا ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، اور یہی ہو سکتا ہے کہ رومی دمشق پر حملہ کریں گے۔ اگر دمشق ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر کہیں قدم جمانا ہمارے لیے مشکل ہو جائے گا۔ دشمن نے بحیرۂ روم سے انطاکیہ، بیروت اور ایک دو اور بندرگاہوں پر یورپ سے فوج لا کر اُتاری ہے۔ ہمیں سب سے پہلے دمشق کے دفاع کو مضبوط کرنا ہے

لیکن ہم ایک ہی جگہ پر جمع نہیں ہو جائیں گے۔"

"ہماری تعداد اس وقت کتنی ہو گی؟"— ایک سالار نے پوچھا۔

ابوعبیدہؓ نے خالد کی طرف دیکھا۔

"ہماری تعداد پہلے سے کچھ زیادہ ہو سکتی ہے"— خالدؓ نے کہا— "پچھلی لڑائیوں میں جو مجاہدین زخمی ہوئے تھے وہ الحمدللہ صحت یاب ہو کر واپس آ چکے ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق ہماری نفری تیس ہزار تک ہو جائے گی۔ ہمیں ایک سہولت اور حاصل ہو گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مجاہدین نے کافی آرام کر لیا ہے۔"

ابوعبیدہؓ اور خالدؓ نے مل کر منصوبہ تیار کیا کہ رومیوں کے اس لشکر کا مقابلہ کس طرح کیا جائے گا۔ امیرالمومنین عمرؓ نے محاذ پر لڑنے والے سالاروں پر یہ پابندی عائد کر دی تھی کہ کسی بڑی جنگ کا منصوبہ بنا کر اُن سے منظور کرایا جائے۔ عمرؓ غیر معمولی فہم و فراست کے مالک تھے۔ بعض جگہوں کی پلاننگ وہ خود مدینہ میں بیٹھ کر کرتے اور محاذ کو بھیجتے تھے۔ ابوعبیدہؓ نے اس پابندی کے مطابق ایک تیز رفتار قاصد مدینہ کو روانہ کر دیا۔ اُسے جو پیغام دیا گیا اس میں نئی صورتِ حال لکھی گئی تھی اور مجوزہ منصوبہ بھی تحریر تھا۔

وقت بہت تھوڑا تھا۔ دشمن بے تحاشہ نفری لے کر آیا تھا۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ کس لمحے وہ کیا کارروائی شروع کر دے لیکن مسلمانوں نے پیغام رسانی کا نظام اتنا تیز اور محفوظ بنا رکھا تھا کہ تھوڑے سے وقت میں دُور کے فاصلے پر پیغام پہنچ جاتا تھا۔

امیرالمومنین نے صورتِ حال اور منصوبے کا جائزہ لیا۔ اس میں کچھ ردوبدل کیا اور منصوبے کی منظوری دے دی۔ یزید بن ابوسفیانؓ دمشق میں تھے۔ وہ سالار بھی تھے اور دمشق کے حاکم بھی۔ انہیں پیغام بھیجا گیا کہ دشمن کیا صورتِ حال پیدا کر رہا ہے اور وہ بدستور دمشق میں رہیں۔ انہیں یہ ہدایت بھی دی گئی کہ دمشق کے شمال مغرب پر جاسوسوں اور دیکھ بھال کرنے والے آدمیوں کے ذریعے نظر رکھیں کیونکہ توقع یہی ہے کہ رومی اُدھر سے حملہ کریں گے۔

سالار شرجیلؓ بن حسنہ اپنے دستوں کے ساتھ اس علاقے میں تھے جس میں بیسان اور فحل واقع تھے۔ خلیفہ عمرؓ نے خاص طور پر لکھا تھا کہ سالار شرجیلؓ کو اس جنگ کے لیے سالار مقرر کیا جائے جس کی رومی تیاری کر کے آئے ہیں۔ خالدؓ کو اس فوج کے ہراول دستے کی سالاری سونپی گئی تھی۔ جنوری ۶۳۵ء کے دوسرے ہفتے میں ان دستوں نے جن کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی، کوچ کیا۔ انہیں بیسان سے کچھ دور فحل کے مقام تک پہنچنا تھا۔ یہ دستے جب فحل پہنچے تو دیکھا کہ وہاں رومی فوج نہیں تھی۔ وہاں روم کی پوری فوج کو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ خبر ملی تھی کہ چند ایک دستے وہاں موجود ہیں لیکن یہ دستے جا چکے تھے۔ وہاں کے مقامی لوگوں نے بتایا کہ رومیوں کے دستے بیسان چلے گئے ہیں جہاں اُن کے پورے لشکر کا اجتماع ہے۔

مسلمان آگے بڑھنا چاہتے تھے لیکن دریا کے دونوں طرف دُور دُور تک دلدل تھی جس میں گزرنا ممکن نہیں تھا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ دلدل دریا کے دونوں کناروں سے لے کر ایک ایک میل دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ علاقہ سطحِ سمندر سے کئی سو فٹ نیچے ہے اور وہاں اُس دَور میں نشیب زیادہ تھے۔

دیکھا گیا کہ وہاں دریا کے کنارے ٹوٹے ہُوئے نہیں تھے پھر یہ پانی کہاں سے آ گیا تھا جس نے اس نشیبی علاقے کو دلدل بنا ڈالا تھا؟

"کچھ دُور اُوپر جا کر دیکھیں"۔ ایک مقامی آدمی نے بتایا "فحل میں رومی فوج کے دستے رہتے تھے۔ وہ یہاں سے چلے گئے۔ اُوپر کی طرف جا کر اُنہوں نے دریا میں پتھروں کا بند باندھا اور دونوں کنارے توڑ دیے۔ اس طرح اُوپر سے یہ پانی یہاں آ کر جمع ہو گیا اور پھیلتا چلا گیا"۔

رومیوں نے مسلمانوں کو روکنے کا بڑا سخت انتظام کیا تھا۔ رومیوں نے غالباً یہ سوچا تھا کہ مسلمان صحراؤں یا میدان میں چلنے اور لڑنے کے عادی ہیں اور وہ دلدل میں سے نہیں گزر سکیں گے۔

اگر اُنہوں نے یہ سوچا تھا تو ٹھیک سوچا تھا۔ دلدل مسلمانوں کے لیے بالکل نئی چیز تھی۔ اُن کے لیے تو چٹانیں اور پہاڑیاں بھی نئی چیزیں تھیں لیکن اُنہوں نے پہاڑی علاقوں میں بھی لڑائیاں لڑی تھیں اور دُشمن کو شکست دی تھی۔ وہ دلدل میں سے بھی گذر جاتے لیکن ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔

➢

سالار شرجیلؓ نے دلدل سے کچھ دُور ہٹ کر اپنے دستوں کو ایک ترتیب میں کر دیا۔ دائیں اور بائیں پہلوؤں پر ابو عبیدہؓ اور عمروؓ بن العاص تھے۔ سوار دستے کی کمان ضرارؓ بن الازور کو دی گئی۔ خالدؓ کو وہ دستے دیے گئے جنہیں بیسان کی طرف جانا تھا۔

خالدؓ ہراول میں تھے۔ کچھ آگے گئے تو دلدل نے اُن کے پاؤں جکڑ لیے۔ خالدؓ اپنی عادت کے مطابق دلدل میں سے گزرنے کی کوشش کرنے لگے لیکن دلدل زیادہ ہی زیادہ ہوتی گئی اور وہ مقام آ گیا جہاں دلدل میں سے پاؤں نکالنا بھی ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ وہ دلدل میں سے نکلنے لگے۔ نکلنا بھی دشوار ہو گیا۔ بڑی کوشش کے بعد خالدؓ اپنے دستوں کے ساتھ دلدل سے نکلے اور واپس فحل آ گئے۔

رومی سالار سقلار تجربہ کار سالار تھا۔ وہ جنگ کے لیے بالکل تیار تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے اس دھوکے کو کامیاب سمجھتا تھا کہ مسلمان دلدل میں سے نہیں نکل سکیں گے۔ اسی دلدلی علاقے میں ایسی جگہ بھی تھی جہاں پانی کے نیچے زمین بہت سخت تھی اور وہاں کیچڑ نہیں تھا۔ وہاں سے آسانی سے گزرا جا سکتا تھا۔ اس قسم کے راستے کا علم صرف رُومیوں کو تھا۔ سقلار نے اپنے لشکر سے کچھ دستے الگ کیے اور انہیں ایک جگہ اکٹھا کیا۔

"عظمتِ رُوم کے پاسبانو!" اُس نے اپنے لشکر سے کہا ۔"آج تمہارا دُشمن پھندے میں آ گیا ہے۔ مسلمان دلدل میں سے نہیں گزر سکے۔ اُنہوں نے دلدل سے پرے فحل کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا ہے۔ ہم اِسی دلدل میں سے جس میں سے مسلمان نہیں گزر سکے انہیں گزر کر دکھائیں گے۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ اُن کے آگے دلدل ہے جو انہیں ہم سے محفوظ رکھے گی۔ ہم رات کو حملہ کریں گے۔ اُس وقت وہ اپنے پڑاؤ میں گہری نیند سوئے ہوئے ہوں گے....

"اے رومیو! یہ رات کی لڑائی ہو گی جو آسان نہیں ہوتی لیکن آج تمہیں اپنے اُن ساتھیوں کے خون کا بدلہ لینا ہے جو اب تک مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ تمہیں اپنا شکار سویا ہوا ملے گا۔ کوئی ایک بھی زندہ نکل کر نہ جائے۔ ان کے گھوڑے، ان کے ہتھیار اور ان کے پاس ہمارا لُوٹا ہوا جو مال ہے، یہ سب تمہارا ہے۔ اگر تم ان سب کو ختم کر دو گے تو سمجھو تم نے اسلام کو ختم کر دیا اور یہی ہمارا مقصد ہے۔ شہنشاہ ہرقل کا یہ وہم دُور کر دو کہ ہم مسلمانوں کو شکست دے ہی نہیں سکتے"۔

رومی سپاہی یہ سن کر کہ وہ اپنے دُشمن کو بے خبری میں جا لیں گے، جوش سے پھٹنے لگے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو پہلی لڑائیوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں زخمی ہوئے تھے، کئی بھاگے بھی تھے۔ وہ دانت پیس رہے تھے۔ وہ انتقام کی آگ میں جل رہے تھے اور وہ مسلمانوں کو اپنی تلواروں سے کٹتا اور برچھیوں سے چھلنی ہوتا دیکھ رہے تھے۔

➢

۲۳ جنوری ۶۳۵ء بمطابق ۲۷ ذی قعد ۱۳ھ کا سورج غروب ہو گیا تو رُومیوں کے سالار سقلار نے اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ شام بڑی تیزی سے تاریک ہوتی گئی۔ سقلار نے پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ اُسے دلدل میں سے گزرنے کا راستہ معلوم تھا۔ اپنے دستوں کو اُس نے اِس راستے سے گزارا۔ جب تمام دستے گزر آئے تو سقلار نے انہیں اُس ترتیب میں کر لیا جس ترتیب میں حملہ کرنا تھا۔ یہ حملہ نہیں شب خون تھا اور یہ یک طرفہ کارروائی تھی۔

اس ترتیب میں سقلار نے اپنے دستوں کو فحل کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ وہ خود سب سے آگے تھا۔ اُس نے پیش قدمی کی رفتار تیز رکھی تاکہ مسلمانوں کو ان کے آنے کی خبر ہو بھی جائے تو انہیں سنبھلنے کی مہلت نہ دی جائے۔

رُومی اُس جگہ پہنچ گئے جہاں مسلمانوں کا پڑاؤ تھا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ سقلار جاسوسوں کو کوسنے لگا جنہوں نے اُسے بتایا تھا کہ پڑاؤ فلاں جگہ ہے۔

اُسے اللہ اکبر کے نعرے کی گرج سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی مشعلیں جل اٹھیں۔ سقلار نے دیکھا کہ مسلمان نہ صرف بیدار ہیں بلکہ لڑنے کی ترتیب میں کھڑے ہیں۔

سالار شرجیلؓ محتاط سالار تھے۔ انہیں یہاں آ کر جب معلوم ہُوا تھا کہ یہ دلدل کہاں سے آ گئی ہے تو اُنہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ رُومیوں نے اُن کا صرف راستہ ہی نہیں روکا بلکہ وہ کچھ اور بھی کریں گے۔ رُومی یہی کر سکتے تھے کہ حملہ کر دیں۔ چنانچہ شرجیلؓ نے شام کے بعد اپنی فوج کو سونے کی بجائے لڑائی کے لیے تیار کر لیا تھا۔

اس کے علاوہ انہوں نے اپنے جاسوس دلدل کے ارد گرد پھیلا دیے تھے۔ رُومی جب دلدل میں سے گزر رہے تھے، ایک جاسوس نے شرجیلؓ کو اطلاع دے دی کہ دُشمن آ رہا ہے۔ شرجیلؓ نے اپنے دستوں کو ایک موزوں جگہ جو انہوں نے دن کو دیکھ لی تھی، جنگی ترتیب میں کھڑا کر دیا۔

"مدینہ والو!"۔۔۔ سقلار نے بلند آواز سے مسلمانوں کو للکارا ۔"آگے آؤ۔ اپنا اور اپنی فوج کا انجام دیکھو"۔

"حملہ کرنے تم آئے ہو"۔۔۔ شرجیلؓ نے للکار کا جواب للکار سے دیا ۔"آگے تم آؤ۔ تم اُس دلدل سے نکل آئے ہو، اب ہماری دلدل سے نکل کر دیکھو.... رُومیو! کل صبح کا سورج نہیں دیکھ سکو گے"۔

للکار کا تبادلہ ہوتا رہا۔ آخر سقلار نے اپنے ایک دستے کو حملے کا حکم دے دیا۔ اُس نے یہ چال چلی تھی کہ اُس کا دستہ حملہ کر کے پیچھے ہٹ آئے گا تو مسلمان بھی اُس کے ساتھ اُلجھے ہُوئے آگے آ جائیں گے لیکن شرجیلؓ نے پہلے ہی حکم دے رکھا تھا کہ دفاعی لڑائی لڑنی ہے۔ اس کے مطابق مسلمان جہاں تھے وہیں رہے۔ رُومی موجوں کی صورت میں اُن پر حملہ کرتے تھے اور مسلمان حملہ روکتے تھے۔ اپنی

ترتیب نہیں توڑتے تھے۔

سالار شرجیلؓ رات کے وقت کوئی چال چلنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ اُن کی نفری رُومیوں کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔ اسے وہ کارگر انداز سے دن کی روشنی میں ہی استعمال کر سکتے تھے۔ سقلار غالباً اس دھوکے میں آ گیا تھا کہ مسلمانوں میں لڑنے کی تاب نہیں رہی۔ اس خیال سے اُس نے موج در موج حملوں میں اضافہ کر دیا لیکن مسلمانوں نے اپنی صفوں کو ٹوٹنے نہ دیا۔ وہ آگے بڑھ کر حملہ روکتے پھر اپنی جگہ پر آ جاتے۔ رُومی ہر حملے میں اپنے زخمی چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاتے۔

ایک حملے کی قیادت سقلار نے خود کی۔ وہ اپنے دستے کو للکارتا ہوا بڑی تیزی سے آگے گیا۔ شعلوں کی روشنی میں مسلمانوں نے رُومیوں کا پرچم دیکھ لیا۔ چند ایک مجاہدین رُومیوں میں گھس گئے اور سقلار کو گھیر لیا۔ اُس کے محافظوں نے اُسے اپنے حصار میں لے لیا۔

محافظ بے جگری سے لڑے اور اس دوران سقلار نکلنے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہ اپنے محافظوں کے حصار سے جدھر بھی نکلتا تھا، مسلمان اُسے روک لیتے تھے۔ ایک مجاہد اس معرکے سے نکل گیا اور اُس نے سالار شرجیلؓ کو بتایا کہ اب کے رُومیوں کو اتنی جلدی پیچھے نہ جانے دینا کیونکہ کچھ مجاہدین نے رومیوں کے سالار کو نرغے میں لے رکھا ہے۔

شرجیلؓ نے اس اطلاع پر اپنے چند ایک منتخب جانباز رومیوں کے قلب میں گھس جانے کے لیے بھیج دیئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد مجاہدین کے نعرے سنائی دینے لگے:

"خدا کی قسم ہم نے رومی سالار کو مار ڈالا ہے۔"

"رومیو! اپنا پرچم اٹھاؤ۔"

"اپنے سالار کی لاش لے جاؤ رومیو!"

رُومیوں نے دیکھا۔ اُن کا پرچم انہیں نظر نہیں آ رہا تھا اور انہیں اپنے سالار کی للکار بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اُن میں بددلی پھیلنے لگی لیکن کسی نائب سالار نے پرچم اٹھا لیا اور لڑائی جاری رکھی۔

➤

سورج طلوع ہوا لیکن میدانِ جنگ کے گرد و غبار میں اسے کوئی دیکھ ہی نہ سکا۔ مسلمان بھی شہید ہو رہے تھے لیکن رُومیوں کی اموات زیادہ تھیں۔ میدان میں اُن کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور اُن کے زخمی جو اُٹھنے کے قابل نہیں تھے، رینگ رینگ کر گھوڑوں تلے کچلے جانے سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میدان رومیوں کے خون سے لال ہو گیا تھا۔

"اسلام کے علمبردارو!" ـــ سالار شرجیلؓ کی للکار اٹھی ـــ "ہم نے رُومیوں کو انہی کے خون میں نہلا دیا ہے۔ تم نے ساری رات ان کے حملے روکے ہیں، اب ہماری باری ہے۔"

اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا۔

شرجیلؓ نے اپنے دائیں پہلو کے ایک دستے کو آگے بڑھایا۔ رُومی حملہ روکنے کے لیے تیار تھے لیکن رات وہ حملے کرنے اور پیچھے ہٹتے رہے تھے۔ اُن کے جسم تھکن سے چُور ہو چکے تھے۔ شرجیلؓ نے اپنی فوج کی جسمانی طاقت کو ضائع نہیں ہونے دیا تھا۔ اسی لیے وہ دفاعی لڑائی لڑتے رہے تھے۔

شرجیلؓ کے دائیں پہلو کے ایک دستے نے باہر کی طرف ہو کر حملہ کیا۔ اس سے رُومیوں کے اُس طرف کا پہلو پھیلنے پر مجبور ہو گیا۔ شرجیلؓ نے فوراً ہی رومیوں کے دوسرے پہلو پر بھی ایسا ہی حملہ کرا یا اور اس پہلو کو بھی قلب سے الگ کر دیا۔ رُومیوں کے پہلو دُور دُور ہٹ گئے تو شرجیلؓ نے قلب کے دستوں کو اپنی قیادت میں بڑے شدید حملے کے لیے آگے بڑھایا۔

رُومی رات کے تھکے ہوئے تھے اور اُن کا سالار بھی مارا گیا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ اُن میں لڑنے کا جذبہ ماند پڑ چکا ہے۔ مسلمانوں کے پہلوؤں کے دستے دشمن کے پہلوؤں کو اور زیادہ پھیلاتے چلے گئے۔ وہ اب اپنے قلب کے دستوں کی مدد کو نہیں آ سکتے تھے۔

مسلمانوں کے پہلوؤں کے دستوں کے سالار معمولی سالار نہیں تھے۔ وہ تاریخ ساز سالار ابو عبیدہؓ اور عمروؓ بن العاص تھے اور قلب کے چند ایک دستوں کے سالار خالدؓ تھے۔ رومیوں کے لیے خالدؓ دہشت کا دوسرا نام بن گیا تھا۔

گھوڑسوار دستوں کے سالار ضرارؓ بن الازور تھے جو سلطنتِ رُوم کی فوج میں اس لیے مشہور ہو گئے تھے کہ وہ میدان میں آ کر خود اور قمیص اتار کر کمر سے اوپر برہنہ ہو جاتے اور لڑتے تھے۔ انفرادی معرکہ ہوتا یا وہ دستے کی کمان کر رہے ہوتے، وہ اس قدر تیزی سے پینترا بدلتے تھے کہ دشمن دیکھتا رہ جاتا اور اُن کی برچھی میں پرویا جاتا یا تلوار سے کٹ جاتا تھا۔

مسلمانوں کی نفری بہت کم تھی۔ اس کمی کو ان سالاروں نے ذاتی شجاعت، جارحانہ قیادت اور عسکری فہم و فراست سے پورا کیا اور سورج غروب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی جب رُومی نفری کی افراط کے باوجود منہ موڑنے لگے۔ رُومیوں میں یہ خوبی تھی کہ وہ تتر بتر ہو کر بھاگا نہیں کرتے تھے۔ اُن کی پسپائی منظم ہوتی تھی لیکن فحل کے معرکے سے وہ بے طرح بھاگنے لگے۔ اُن کی مرکزی قیادت ختم ہو چکی تھی اور اُن کا جانی نقصان اتنا ہوا تھا کہ نہ صرف یہ کہ اُن کی نفری کم ہو گئی تھی بلکہ اتنا زیادہ خون دیکھ کر ان پر خوف طاری ہو گیا تھا۔

➤

اُن کی ایسی بے ترتیب پسپائی کی وجہ اور بھی تھی۔ اُن کا سالار سقلار انہیں دلدل میں سے نکال لایا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ کہاں سے زمین سخت ہے جہاں پاؤں کیچڑ میں نہیں دھنسیں گے مگر اب اُن کے ساتھ وہ سالار نہیں تھا۔ اُس کی لاش میدانِ جنگ میں پڑی تھی۔ سپاہیوں نے اس لیے بھاگنا شروع کر دیا کہ وہ جلدی جلدی دلدل میں وہ راستہ دیکھ کر نکل جائیں۔

سالار شرجیلؓ نے دشمن کو یوں بھاگتے دیکھا تو انہیں دلدل کا خیال آ گیا۔ انہوں نے دشمن کے تعاقب کا حکم دے دیا۔ مسلمان پیادے اور سوار نعرے لگاتے ان کے پیچھے گئے تو رومی اور تیز دوڑے لیکن دلدل نے اُن کا راستہ روک لیا۔ ہڑبونگ اور افراتفری میں انہیں یاد ہی نہ رہا کہ دلدل میں سے وہ کہاں سے گزر آتے تھے۔ اُن کے پیچھے بھی موت تھی آگے بھی موت۔ وہ دلدل میں داخل ہو گئے اور اس میں دھنسنے لگے۔ مسلمان بھی دلدل میں چلے گئے اور انہیں بُری طرح کاٹا۔ جو رُومی دلدل میں اور آگے چلے گئے تھے، انہیں تیروں کا نشانہ بنایا گیا۔

دریا کا پانی چھوڑ کر رُومیوں نے جو دلدل پیدا کی تھی کہ مسلمان آگے نہ بڑھ سکیں، وہ دلدل رُومیوں کے لیے ہی موت کا پھندا بن گئی۔ فحل میں لڑے جانے والے اس معرکے کو ذات الردغہ یعنی کیچڑ کی لڑائی کہا جاتا ہے۔ اس میں سے بہت تھوڑے رومی بچ سکے تھے۔ وہ بیسان چلے گئے تھے۔

اس معرکے میں دس ہزار رومی مارے گئے تھے اور جو زخمی ہو کر میدانِ جنگ میں رہ گئے تھے، ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی۔

سالار شرجیلؓ نے وہاں زیادہ رکنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ دشمن کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہنا چاہتے تھے تاکہ دشمن پھر سے منظم نہ ہو سکے۔ اُنھوں نے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کو چند ایک دستوں کے ساتھ فحل میں رہنے دیا اور خود باقی ماندہ فوج کے ساتھ آگے بڑھے لیکن دلدل نے پھر اُن کا راستہ روک لیا۔ اُنھوں نے دو تین زخمی رُومیوں سے پوچھا کہ دلدل سے پار جانے کا راستہ کون سا ہے۔

رُومی زخمیوں نے انہیں ایک اور راستہ بتا دیا۔ یہ بڑے ہی دُور کا چکر تھا لیکن دلدل سے گزرنے میں بھی اتنا ہی وقت لگتا تھا جتنا دوسرا راستہ اختیار کرنے میں۔ شرجیلؓ نے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کو اُن دستوں کے ساتھ فحل میں چھوڑ دیا اور دلدل سے دُور ہٹ کر اس راستے سے گزر گئے جو رُومی زخمیوں نے انہیں بتایا تھا۔ انہیں دریائے اُردن بھی عبور کرنا پڑا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بیسان کا محاصرہ کر لیا۔

بیسان میں رومیوں کی خاصی نفری تھی۔ ہرقل نے نفری کے بل بوتے پر مسلمانوں کو فیصلہ کن بلکہ تباہ کن شکست دینے کا انتظام کیا تھا۔ اس کے منصوبے کی پہلی ہی کڑی ناکام ہو گئی تھی۔ فحل کے معرکے کے بھاگے ہوئے رومی چند ایک ہی خوش قسمت تھے جو دلدل میں سے نکل گئے تھے۔ اُن کی پناہ بیسان ہی تھی۔

بیسان کا رُومی سالار اس خبر کے انتظار میں تھا کہ اس کے ساتھی سالار سقلار نے مسلمانوں کو بے خبری میں جا لیا ہے اور اب مسلمانوں کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل گیا ہے لیکن چوتھی شام بیسان میں پہلے رُومی زخمی داخل ہوئے۔ زخمی ہونے کے علاوہ اُن کی ذہنی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ تھکن اور خوف سے اُن کی آنکھیں باہر کو آ رہی تھیں۔ اُن کے ہونٹ کھلے ہوئے تھے اور وہ پاؤں پر کھڑے رہنے کے قابل بھی نہیں تھے۔

بیسان میں داخل ہوتے ہی انہیں بیسان کے فوجیوں نے گھیر لیا اور پوچھنے لگے کہ آگے کیا ہوا ہے۔

"کاٹ دیا" — ایک سپاہی نے خوف اور تھکن سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا — "سب کو کاٹ دیا۔"

"مسلمانوں کو کاٹ دیا؟" — اُن سے پوچھا گیا۔

"نہیں" — سپاہی نے جواب دیا — "اُنھوں نے کاٹ دیا... کیچڑ نے مروا دیا۔"

اس کے ساتھ کچھ اور سپاہی بھی تھے۔ اُن کی جسمانی اور ذہنی حالت بھی اسی سپاہی جیسی تھی۔ انہوں نے بھی ایسی ہی باتیں سنائیں جن میں مایوسی اور دہشت تھی۔ ان کی یہ باتیں اُس رومی فوج میں پھیل گئیں جو وہاں میں مقیم تھی۔ اس فوج میں ایسے سپاہی بھی تھے جو کسی نہ کسی معرکے میں مسلمانوں سے لڑ چکے تھے۔

انہوں نے فحل سے آتے ہوئے سپاہیوں کی باتوں میں رنگ آمیزی کی۔ اس کا اثر رُومیوں پر بہت بُرا پڑا۔

"میں کہتا ہوں وہ انسان ہیں ہی نہیں" — ایک سپاہی نے مسلمانوں کے متعلق کہا — "ہماری فوج جہاں جاتی ہے مسلمان وہاں جیسے اُڑ کر پہنچ جاتے ہیں۔"

"اُن کی تعداد ہم سے بہت کم ہوتی ہے" — ایک اور سپاہی نے کہا — "لیکن لڑائی شروع ہوتی ہے تو اُن کی تعداد ہم سے زیادہ نظر آنے لگتی ہے۔"

➤

دہشت کے مارے ہوئے ان زخمی سپاہیوں کی باتیں جو ہوا کی طرح بیسان کے کونوں کھدروں تک پہنچ گئی تھیں، جلدی سچ ثابت ہو گئیں۔ ایک شور اٹھا — "مسلمان آگئے ہیں۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے" — اور اس کے ساتھ ہی بیسان کے اندر ہڑبونگ مچ گئی۔ ان لوگوں میں سے کوئی بھی قلعے سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ دروازے بند ہو چکے تھے۔ وہ اب اندر ہی چھپنے کی کوشش کر رہے تھے۔ درہم و دینار اور سونا وغیرہ گھروں کے فرشوں میں دبانے لگے۔

رُومی فوج قلعے کی دیواروں پر اور بُرجوں میں جا کھڑی ہوئی۔

"رومیو!" — سالار شرجیلؓ نے للکار کر کہا — "خون خرابے کے بغیر قلعہ ہمارے حوالے کر دو۔"

اس کے جواب میں اوپر سے تیروں کی بوچھاڑیں آئیں لیکن مسلمان ان کی زد سے دُور تھے۔

"رُومیو!" — سالار شرجیلؓ نے ایک بار پھر اعلان کیا — "ہتھیار ڈال دو۔ جزیہ قبول کر لو۔ نہیں کرو گے تو بیسان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ تم سب مُردہ ہو گے یا ہمارے قیدی۔ ہم کسی کو بخشیں گے نہیں۔"

رُومی فوج میں تو مسلمانوں کی دہشت اپنا کام کر رہی تھی لیکن اس فوج کے سالار اور دیگر عہدیدار جنگجو تھے۔ اپنی عسکری روایات سے اتنی آسانی سے دستبردار ہونے والے نہیں تھے۔ اُنھوں نے نہ ہتھیار ڈالنے پر آمادگی ظاہر کی نہ جزیہ کی ادائیگی قبول کی۔

مسلمان ایک رات اور ایک دن مسلسل لڑے تھے، پھر انہوں نے بھاگتے رُومیوں کا تعاقب کیا، پھر بیسان تک آئے تھے۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی۔ شرجیلؓ نے انہیں آرام دینے کے لیے فوری طور پر قلعے پر دھاوا نہ بولا۔ البتہ خود قلعے کے اِردگرد گھوڑے پر گھوم پھر کر دیکھتے رہے کہ دیوار کہیں سے کمزور ہے یا نہیں یا کہیں سے سرنگ لگائی جا سکتی ہے؟

سات آٹھ روز گزر گئے۔ رُومی اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ مسلمان قلعے پر ہلّہ بولنے کی ہمّت نہیں رکھتے لیکن رُومی سالار یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ اُس کی اپنی فوج کی ہمت ماند پڑی ہوئی ہے۔ اُس نے اپنی فوج کے جذبے کو بیدار کرنے کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ وہ باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کر دے اور قلعے کی لڑائی کا فیصلہ قلعے سے باہر ہی ہو جائے۔

اگلے ہی روز قلعے کے تمام دروازے کھل گئے اور ہر دروازے سے رومی فوج رُکے ہوئے سیلاب کی طرح نکلی۔ اس میں زیادہ تر سوار دستے تھے۔ اُنھوں نے طوفان کی مانند مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ صورتِ حال غیر متوقع تھی۔ اُن کی نفری بھی دشمن کے مقابلے میں کم تھی۔

پہلے تو ایسے لگتا تھا جیسے رُومی مسلمانوں پر چھا گئے ہیں اور مسلمان سنبھل نہیں سکیں گے لیکن سالار شرجبیلؓ عام سی قسم کے سالار نہیں تھے۔ انہوں نے دماغ کو حاضر رکھا اور قاصدوں کو دوڑا دوڑا کر اور خود بھی دوڑ دوڑ کر اپنے دستوں کو پیچھے ہٹنے کو کہا۔

مسلمانوں نے اس حکم پر فوری عمل کیا اور پیچھے ہٹنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی شرجبیلؓ نے بہت سے مجاہدین کو قلعے کے دروازوں کے قریب بھیج دیا۔ ان میں زیادہ تر تیر انداز تھے۔ ان کے لیے یہ حکم تھا کہ رُومی واپس دروازوں کی طرف آئیں تو اُن پر اتنی تیزی سے تیر پھینکے جائیں کہ وہ دروازوں سے دُور رہیں۔

شرجبیلؓ اور اُن کے کمانداروں نے اپنے دستوں کو محاصرے کی ترتیب سے میدان کی لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ وہ اتنا پیچھے ہٹ آئے تھے کہ رومی قلعے سے دُور آ گئے۔ اب شرجبیلؓ نے اپنے انداز سے جوابی حملہ کیا۔ رُومی اپنے حملے میں اتنے مگن تھے کہ وہ بکھرے رہے۔ مسلمانوں نے حملہ کیا تو رومی بے ترتیبی کی وجہ سے حملے کا مقابلہ نہ کر سکے۔ وہ قلعے کی طرف دوڑے تو اُدھر سے مسلمانوں کے تیروں نے انہیں گرانا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کی تیر اندازی بہت تیز اور مہلک تھی۔

رُومیوں کا لڑنے کا جذبہ پہلے ہی ٹوٹا ہُوا تھا، اب جذبہ بالکل ہی ختم ہو گیا۔ رومیوں کا جانی نقصان اتنا زیادہ تھا جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آخر اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور شرجبیلؓ کی شرطیں ماننے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ اُنہوں نے جزیہ اور کچھ اور محصولات ادا کرنے کی شرط بھی قبول کر لی اور قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

فروری ۶۳۵ء (ذی الحج ۱۳ھ) کے آخری ہفتے میں بیسان مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

اُس وقت ابُو عبیدہؓ اور خالدؓ فحل کے شمالی علاقے میں پیش قدمی کر رہے تھے۔

انطاکیہ کے بڑے گرجے کا گھنٹہ بج رہا تھا۔ یہ بہت بڑا گھنٹہ تھا۔ اس کی آواز سارے شہر میں سنائی دیتی تھی۔ نُور کے تڑکے کی خاموشی میں اس کی "ڈن ڈنا ڈن" اور زیادہ اونچی سنائی دے رہی تھی۔ یہ ۶۳۵ء (۱۴ ہجری) کے مارچ کا مہینہ تھا۔ گرجے کا گھنٹہ تو بجا ہی کرتا تھا اور لوگ اس کی آواز میں تقدّس محسوس کرتے تھے۔ اُن پر ایسا تاثر طاری ہو جاتا تھا جو اُن کی روحوں کو سرشار کر دیا کرتا تھا، مگر مارچ ۶۳۵ء کی ایک صبح اس گھنٹے کی مترنّم آواز میں کچھ اور ہی تاثر تھا۔ اس تاثر میں مایوسی بھی تھی اور خوف بھی۔

اس گھنٹے کی آوازیں شہنشاہ ہرقل کے محل میں بھی سنائی دے رہی تھیں ہرقل سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ تو جاگنے کا وقت تھا لیکن وہ ساری رات نہیں سویا تھا۔ محاذ کی خبریں اُسے سونے نہیں دیتی تھیں۔ اُس نے مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکنے اور انہیں ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے جو منصوبے بناتے تھے وہ بیکار ثابت ہو رہے تھے۔ مسلمان بڑھے چلے آ رہے تھے۔ ہرقل راتوں کو جاگتا اور نئے سے نئے منصوبے بناتا تھا لیکن اُس کا ہر ارادہ اور ہر منصوبہ مسلمانوں کے گھوڑوں کے سُموں تلے روندا جاتا تھا۔

ایک نہایت حسین اور جوان عورت اُس کے کمرے میں آئی۔ وہ اُس کی نئی بیوی زاران تھی۔

"شہنشاہ آج رات بھی نہیں سوئے" ــــ زاران نے کہا ــــ "کیوں نہیں آپ اُن سالاروں اور سپاہیوں کو سب کے سامنے تہ تیغ کر دیتے جو شکست کھا کر واپس آتے ہیں؟ وہ اپنی جانیں بچا کر بھاگ آتے ہیں اور دوسرے سپاہیوں میں بددِلی پھیلاتے ہیں۔"

شہنشاہ ہرقل پلنگ پر لیٹا ہُوا تھا۔ زاران اُس کے پاس بیٹھ گئی۔ ہرقل اُٹھ کھڑا ہُوا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔

"زاران!" ــــ اُس نے رُک کر کہا ــــ "وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں تم کہتی ہو کہ بچ کر آنے والوں کو میں قتل کر دوں۔ میں ان کا خدا نہیں۔ یہی ہیں جنہوں نے فارسیوں کو میرے قدموں میں بٹھا دیا تھا۔ فارسی ایسے کمزور تو نہیں تھے۔ ہماری ٹکر کی قوم ہے۔ مسلمانوں نے انہیں بھی ہر میدان میں شکست دی ہے۔ اب وہ ہمیں بھی شکست دیتے چلے آ رہے ہیں۔ میں مسلمانوں کی قدر کرتا ہُوں۔ اگر ہمارے سالاروں نے ہتھیار ڈالے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کمزور ہیں، بلکہ مسلمان زیادہ طاقتور ہیں۔ اُن کے سالاروں میں عقل زیادہ ہے۔"

"تو کیا شہنشاہ مایوس ہو گئے ہیں؟" ــــ زاران نے پوچھا۔

"نہیں!" ــــ ہرقل نے کہا ــــ "یہ مایوسی نہیں۔ ایک جنگجو ایک جنگجو کی تعریف کر رہا ہے۔ مسلمان اچھے دشمن نہیں۔ اگر وہ مجھ سے ہتھیار ڈلوالیں گے تو تم میرے پاس ہی رہو گی۔ وہ

تمھیں مجھ سے نہیں چھینیں گے۔"

زاران اُس کا دل بہلانے آئی تھی۔ اُس کے کھنچے تنے اعصاب کو سہلانے آئی تھی۔ وہ ہرقل کی چہیتی بیوی تھی۔ وہ ہرقل کو بہلانا جانتی تھی لیکن ہرقل نے اُسے زیادہ توجہ نہ دی۔

گرجے کا گھنٹہ بج رہا تھا۔

"لوگ گرجے کو جا رہے ہیں" ــــ زاران نے کہا ــــ "سب آپ کی فتح کے لیے دعائیں کریں گے۔"

ہرقل نے زاران کو کنکھیوں دیکھا جیسے اس عورت نے اُس پر طنز کی ہو۔ ہرقل نے زاران کی بات کو بھونڈا سا مذاق سمجھ کر نظرانداز کر دیا۔

"صرف دعائیں شکست کو فتح میں نہیں بدل سکتیں زاران!" ــــ ہرقل نے کہا ــــ "جاؤ، مجھے کچھ سوچنے دو۔ ابھی مجھے تمھاری ضرورت نہیں۔"

شہنشاہ ہرقل کو اطلاع مل چکی تھی کہ اُس کے سالار سقلار نے مسلمانوں کا راستہ روکنے اور انہیں پھنسانے کے لیے جو دلدل پھیلائی تھی اُسی دلدل میں اُس کے اپنے سپاہیوں کی لاشیں پڑی ہیں اور فحل کے مقام پر سقلار مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور بیسان پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔

ہرقل کا یہ منصوبہ تباہ ہو چکا تھا کہ وہ دمشق پر حملہ نہیں کرے گا نہ اس کا محاصرہ کرے گا بلکہ اپنی فوج کو دمشق سے دور رکھ کر دمشق کو جانے والے راستے بند کر دے گا پھر مسلمانوں کو بکھیر کر لڑائے گا مگر مسلمانوں نے اُس کے منصوبے کی پہلی کڑی کو ہی فحل کے مقام پر توڑ دیا تھا۔

روم کا شہنشاہ ہرقل ہمت ہارنے والا آدمی نہیں تھا۔ اُس کی زندگی جنگ و جدل میں گزری تھی۔ خُدا نے اسے عقل ایسی دی تھی جس سے اُس نے بڑے خطرناک حالات کا رُخ اپنے حق میں موڑ لیا تھا۔ اُسے روم کی شہنشاہی ۶۱۰ء میں ملی تھی۔ اُس وقت روم کی سلطنت میں شمالی افریقہ کا کچھ حصہ، یونان اور کچھ حصہ تُرکی کا شامل تھا۔ روم کی شہنشاہی تو اس سے کہیں زیادہ وسیع و عریض تھی لیکن ہرقل کو جب اس کا تخت و تاج مِلا اُس وقت یہ شہنشاہی سکڑ چکی تھی اور زوال پذیر تھی۔

ہرقل نے اپنے دورِ حکومت کے بیس سال دشمنوں کے خلاف لڑتے اور محلّاتی سازشوں کو دبانے گزار دیتے تھے۔ اُس کی شہنشاہی کے دشمن معمولی سی قومیں نہیں تھیں۔ ایک طرف فارس کی شہنشاہی تھی، دوسری طرف بربر تھے جو بڑے ظالم اور جابر جنگجو تھے۔ ان کے علاوہ تُرک تھے جن کی جنگی طاقت اور مہارت مسلّمہ تھی۔ یہ ہرقل کی غیر معمولی انتظامی فہم و فراست اور عسکری قیادت کی مہارت تھی کہ اُس نے ان تینوں دشمنوں کو شکست دے کر روم کی شہنشاہی کو شام اور فلسطین تک پھیلایا اور مستحکم کیا تھا۔

اتنے طاقت ور دشمنوں کے خلاف متواتر معرکہ آرا رہنے سے ہرقل کی فوج تجربہ کار اور منظم ہو گئی تھی۔ منظم بھی ایسی کہ پسپا ہوتے وقت بھی تنظیم کو برقرار رکھتی تھی۔ ہرقل کی فوج میں صرف رومی ہی نہیں تھے، کئی اور اقوام کے لوگ اس فوج میں شامل تھے۔ شام اور فلسطین کے عیسائی بھی تھے،

ان عیسائیوں پر اُسے کلی طور پر بھروسہ نہیں تھا۔ ان کے متعلق ہرقل کی رائے یہ تھی کہ یہ لوگ مالِ غنیمت کے لیے لڑتے ہیں اور جہاں دشمن کا دباؤ زیادہ ہو جاتا ہے یہ بھاگ اُٹھتے ہیں۔

مسلمانوں کو وہ عرب کے بدّو کہا کرتا تھا۔ اُس نے مسلمانوں کو لٹیرے بھی کہا تھا لیکن اُس نے جلدی ہی تسلیم کر لیا تھا کہ اب اُس کا مقابلہ ایسے دشمن کے ساتھ ہے جو اُس سے زیادہ عسکری فہم و فراست کا مالک ہے اور اُس کے سامنے ایک مقصد ہے۔ ہرقل مسلمانوں کے مقصد کو قبول نہیں کر سکتا تھا۔ یہ مذہب کا معاملہ تھا لیکن وہ جان گیا تھا کہ مسلمان زمین کی خاطر اور اپنی شہنشاہی کے قیام اور وسعت کی خاطر گھروں سے نہیں نکلے بلکہ وہ ایک عقیدے پر جانیں قربان کر رہے ہیں۔

"میں اپنی فوج میں وہ جذبہ پیدا نہیں کر سکتا جو مسلمانوں میں ہے" ــــ اُسی روز اُس نے اپنے اُن سالاروں کو جو انطاکیہ میں موجُود تھے، بلا کر کہا ــــ "اپنے سپاہیوں سے کہو کہ اپنے اپنے عقیدے کی خاطر لڑیں۔ انہیں بتاؤ کہ جن جگہوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے، وہاں کے لوگ اپنا مذہب ترک کر کے اسلام قبول کرتے جا رہے ہیں۔ انہیں کہو کہ اور کچھ نہیں تو اپنے ذاتی وقار کی خاطر لڑو۔ اپنی جوان بیٹیوں اور بہنوں کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے لڑو۔"

اُس نے اپنے سالاروں کو محاذ کی تازہ صُورتِ حال سے آگاہ کیا۔

"تو کیا اب تم محسوس نہیں کرتے کہ ہمیں اپنا منصوبہ بدلنا پڑے گا؟" ــــ اُس نے اپنے سالاروں سے پوچھا۔

"ہمیں مسلمانوں پر زیادہ سے زیادہ طاقت سے حملہ کرنا چاہیے" ــــ ایک سالار نے کہا۔

"وہ تو میں کرنا ہی چاہتا ہوں" ــــ ہرقل نے کہا ــــ "میں اتنی زیادہ اور ہر لحاظ سے اتنی طاقتور فوج تیار کر رہا ہوں جسے دیکھ کر پہاڑ بھی کانپیں گے۔ ہم جو علاقے کھو چکے ہیں، ان کا ہمیں غم نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سب واپس آجائیں گے۔ میں تم میں سے کسی کے چہرے پر مایوسی نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں نے بیس سال مسلسل لڑ کر سلطنتِ روم کی عظمت کو بحال کیا تھا۔ اب بھی کر لوں گا لیکن تم مسلمانوں سے مرعوب ہو گئے تو میری ناکامی یقینی ہے۔"

سالاروں نے باری باری اُسے جوشیلے الفاظ میں یقین دلایا کہ وہ اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔

"جوش باتوں میں نہیں میدانِ جنگ میں دکھایا جاتا ہے" ــــ ہرقل نے کہا ــــ "یہ میں جانتا ہُوں کہ تم جانیں قربان کر دو گے لیکن تاریخ یہ دیکھے گی کہ تمھاری جانیں کِس کام آئیں اور تم دشمن کو مار کر مرے تھے یا لڑائی میں مارے جانے والے سپاہیوں کی طرح صرف مارے گئے تھے....

"اب سنو ہمیں کیا کرنا ہے۔ میں نے دمشق پر حملہ نہیں کرنا تھا لیکن اب ہمیں دمشق کو محاصرے میں لے کر اس شہر پر قبضہ کرنا ہے۔ وہاں سے جو اطلاعیں آئی ہیں، ان سے پتہ چلا ہے کہ دمشق کا دفاع کمزور ہے۔ وہاں مسلمانوں کی نفری بہت تھوڑی ہے۔ یہ ہمارا فوجی مرکز تھا جسے مسلمانوں نے اپنا مرکز بنا لیا ہے۔ یہ ہمیں واپس لے لینا چاہیے۔"

اُس نے ایک سالار شنس سے کہا کہ وہ حمص سے اپنے دستے لے کر دمشق پہنچے۔

"..... اور تھیوڈورس!" ــــ اُس نے اپنے ایک اور سالار سے کہا ــــ "تم اپنے ساتھ زیادہ نفری لے کر دمشق کو روانہ ہو جاؤ۔ کوچ بہت تیز ہو تاکہ مسلمانوں کا کوئی امدادی دستہ تم سے پہلے دمشق نہ پہنچ جائے۔ شنس تمہاری مدد کے لیے تمہارے قریب رہے گا۔ دمشق پر قبضہ کر کے ہم اُسے کواڈہ بنالیں گے..... اب دنیا کو بھول جاؤ۔ اپنی بیویوں اور اپنی داشتاؤں کو بھول جاؤ۔ جسے ایک بار شکست ہو جائے اُسے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہنا چاہیئے" ــــ ہرقل نے تاریخی اہمیت کے الفاظ کہے ــــ "جو قوم اپنی شکست کو بھول جاتی ہے، اُسے زمانہ بھول جاتا ہے اور جو قوم اپنے دشمن سے نظریں پھیر لیتی ہے وہ ایک روز اسی دشمن کی غلام ہو جاتی ہے..... تمہاری عظمت سلطنت کی عظمت کے ساتھ وابستہ ہے۔ سلطنت کی عظمت کا دفاع نہیں کرو گے تو بے وقار زندگی بسر کرو گے اور گمنام مرو گے۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ ہرقل کے بولنے کے انداز میں بارُعب اور پُرعزم ٹھہراؤ تھا۔ اُس کا انداز تحکمانہ نہیں تھا لیکن اُس کے الفاظ اُس کے سالاروں پر وہی تاثر پیدا کر رہے تھے جو وہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔

سالار تھیوڈورس اور سالار شنس اُسی وقت نئے احکام اور ہدایات کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

اُس وقت ابو عبیدہؓ اور خالدؓ فحل کے شمال کی طرف جا رہے تھے۔

مسلمانوں کی فوج اب پہلے والی فوج نہیں رہی تھی۔ خالدؓ جب اس کے سالارِ اعلیٰ تھے تو انہوں نے اسے منظم کر دیا تھا۔ مجاہدین تو پہلے بھی منظم ہی تھے۔ اُن کا خدا ایک، رسولؐ ایک، قرآن ایک، عقیدہ اور نظریہ ایک تھا اور سالار سے سپاہی تک جنگ کے مقصد سے آگاہ تھے، پھر بھی اسے فارس اور روم کی فوجوں کی طرح منظم کرنا ضروری تھا۔ وہ خالدؓ نے کر دیا تھا۔ جاسوسی اور دیکھ بھال کو بھی باقاعدہ اور مؤثر بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ خالدؓ نے ایک سوار دستہ تیار کیا تھا جو متحرک رہتا اور انتہائی رفتار سے وہاں پہنچ جاتا جہاں مدد کی ضرورت ہوتی تھی مگر ان کی تعداد تھوڑی تھی اور روز بروز تھوڑی ہوتی جا رہی تھی اور وہ اپنے وطن سے دُور ہی دُور ہٹتے جا رہے تھے۔

وہ اسلام کا تاریخ ساز دَور تھا۔ اللہ نے انہیں یہ فرض سونپا تھا کہ وہ روایات تخلیق کریں اور اُس راستے کا تعین کریں جو آنے والے ہر دَور میں مسلمانوں کی روایات اور فتح اسلام کا راستہ بن جاتے۔ شمع رسالتؐ مسلمانوں کے لہو سے ہی فروزاں رہ سکتی تھی اور مسلمانوں کو ہر دَور اور ہر میدان میں قلیل تعداد میں رہنا تھا۔

وہ جو ۶۳۵ء کے اوائل میں شام اور فلسطین میں آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے، اُنہوں نے اپنا آپ اور اپنا سب کچھ اسلام کی قربان گاہ میں رکھ دیا تھا۔ وہ ایک مقدّس لگن سے سرشار تھے۔ تلواروں کی جھنکار اور تیروں کے زناٹے اور زخمیوں کی کربناک آوازیں اُن کے لیے وجد آفریں موسیقی بن گئی تھیں۔ اُن کے رکوع و سجود بھی تلواروں کی چھاؤں میں ہوتے تھے۔ وہ اب گوشت پوست کے جسم نہیں، دین و ایمان اور جذبۂ ایثار کے پیکر بن گئے تھے جو روح کی قوتوں سے حرکت کرتے تھے اور یہ حرکت بہت ہی تیز تھی۔

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ اپنے دستوں کے ساتھ حمص کی جانب جا رہے تھے۔ وہ فحل سے چلے تھے جہاں سے حمص تقریباً اسّی میل دُور تھا۔ اُن کے راستے میں دمشق پڑتا تھا جو کم و بیش تیس میل دُور تھا لیکن ان سالاروں نے دمشق سے کچھ دُور سے گزر جانا تھا۔

دمشق اور فحل کے درمیان ایک سرسبز علاقہ تھا جو بہت خوبصورت اور روح پرور تھا۔ اس سبزہ زار کا نام مرج الرّوم تھا۔ مسلمان دستوں کو وہاں کچھ دیر کے لیے رکنا تھا۔ وہ اس سے تھوڑی ہی دُور رہ گئے تھے کہ ایک گھوڑ سوار جو فوجی معلوم نہیں ہوتا تھا، راستے میں کھڑا ملا۔ وہ کوئی شکاری معلوم ہوتا تھا۔ جب دونوں سالار اُس کے سامنے سے گزرے تو اُس نے اپنا گھوڑا اُن کے پہلو میں کر لیا اور اُن کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"کیا خبر ہے؟" ــــ ابو عبیدہؓ نے اُس سے پوچھا۔

"رومی ہمارے منتظر ہیں" ــــ گھوڑ سوار نے جواب دیا ــــ "تعداد ہم سے زیادہ ہے۔ حمص کی طرف دشمن کا ایک لشکر آ رہا ہے۔"

یہ گھوڑ سوار کوئی شکاری اور اجنبی نہیں تھا۔ یہ ایک مسلمان جاسوس تھا جو شکاریوں کے بہروپ میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اُس کے چند اور ساتھی بھی آگے گئے ہوئے تھے۔ جاسوسی اتنا آسان کام نہیں تھا کہ دشمن کی نقل و حرکت دیکھی اور واپس آ کر اپنے سالاروں کو اطلاع دے دی۔ دشمن کے جاسوس بھی آگے آئے ہوئے ہوتے تھے۔ وہ جاسوسی کے علاوہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسری طرف کا کوئی جاسوس ان کے علاقے میں نہ آیا ہوا ہو۔ پتہ چل جانے کی صورت میں جاسوس پکڑا یا مارا جاتا تھا۔

اِس جاسوس نے سبزہ زار میں جس رومی فوج کی موجودگی کی اطلاع دی تھی، مؤرخوں کے مطابق وہ رومی سالار تھیوڈورس کے دستے تھے اور جو رومی فوج آ رہی تھی، اُس کا سالار شنس تھا۔

"ابو سلیمان!" ــــ ابو عبیدہؓ نے خالدؓ سے پوچھا ــــ "کیا تُو یہ تو نہیں سوچ رہا کہ ہم ان رومیوں کو نظر انداز کر کے آگے نکل جائیں؟ ہماری منزل حمص ہے۔"

"نہیں!" ــــ خالدؓ نے جواب دیا ــــ "ان دو فوجوں کے اِدھر آنے کا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ دمشق کے راستوں کی ناکہ بندی کر رہے ہیں۔ مجھے دمشق خطرے میں نظر آ رہا ہے۔"

"اگر رومی دو حصّوں میں آ رہے ہیں تو کیوں نہ ہم بھی دو حصّوں میں ہو جائیں؟" ــــ ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔

"دو حصّوں میں ہی ہونا پڑے گا" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہماری راہنمائی اللہ کرے گا۔"

"تجھے اللہ سلامت رکھے!" ــــ ابو عبیدہؓ نے کہا ــــ "کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ مجاہدین کو بتا دیں؟"

خالدؓ رکابوں میں کھڑے ہو گئے اور اپنی فوج کو رُکنے کا اشارہ کیا۔

"مجاہدینِ اسلام!" ــــ ابو عبیدہؓ نے بڑی ہی بلند آواز میں اپنی فوج سے کہا ــــ "دشمن نے ہمارا راستہ روک لیا ہے۔ کیا تم نے کفر کے پہاڑوں کے سینے چاک نہیں کیے؟ کیا شرک اور ارتداد کی چٹانوں کو تم نے پہلے روندا نہیں؟ یہ رومی لشکر جو ہمارے راستے میں کھڑا ہے، تعداد میں

زیادہ ہے لیکن اس میں ایمان کی وہ طاقت نہیں جو تم میں ہے۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے، باطل کے ان پجاریوں کے ساتھ نہیں۔ اللہ کی خوشنودی کو اپنے دل میں رکھو اور اپنے آپ کو ایک اور معرکے کے لیے تیار کر لو۔"

"ہم تیار ہیں"۔۔۔ مجاہدین کے نعرے گرجنے لگے۔۔۔ "ہم تیار ہیں۔۔۔ لبیک ابوعبیدہ ۔۔۔ لبیک ابو سلیمانؓ!"

ایسا جوش و خروش جس میں گھوڑے بھی بے چینی میں کھر مارنے لگے ہوں اور ایسے گرجدار نعرے جیسے مجاہدین کا یہ لشکر تر و تازہ ہو اور پہلی بار کوچ کر رہا ہو۔ یہ ایمان کی تازگی اور روحوں کا جوش تھا۔

٭

بعض مؤرخوں نے مرج الرّوم کی لڑائی کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس کی جنگی تفصیلات دو یورپی مؤرخوں نے لکھی ہیں جن میں ہنری سمتھ قابلِ ذکر ہے۔ اُس نے اسے جنگی مبصر کی نگاہوں سے دیکھا اور لکھا ہے۔ ان تحریروں کے مطابق ابوعبیدہؓ اور خالدؓ نے اپنے دستوں کو الگ کر کے انہیں اس طرح تقسیم کر لیا کہ دونوں سالار ایک دوسرے کی مدد کو بھی پہنچ سکیں۔

دونوں حصّوں کا ہراول مشترک تھا اور ہراول سے آگے دیکھ بھال کا بھی انتظام تھا۔ دونوں سالار اس زمین پر اجنبی تھے۔ دائیں اور بائیں سے بھی حملہ ہو سکتا تھا۔ دو مسلمان جاسوسوں کو جو بہت آگے چلے گئے تھے، ایک شتر سوار ملا اور رُک گیا۔

"میرے دوستو!"۔۔۔ اُس نے مسلمان جاسوسوں سے کہا۔۔۔ "تم اُدھر سے آرہے ہو اور میں اُدھر جا رہا ہوں۔ سنا ہے اُدھر سے مسلمان لشکر آرہا ہے۔ اگر تم نے اس لشکر کو دیکھا ہو تو بتا دو۔ میں راستہ بدل دوں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میرا اونٹ مجھ سے چھین لیں۔"

"اور تو یہ بتا کہ آگے کہیں رومی لشکر موجود ہے؟"۔۔۔ مسلمان جاسوس نے پوچھا اور کہنے لگا۔۔۔ "ہمیں بھی وہی ڈر ہے جو تجھے ہے۔ رومی ہم سے گھوڑے چھین لیں گے۔"

"رومی لشکر کا تو کہیں نام و نشان نہیں"۔۔۔ شتر سوار نے جواب دیا۔۔۔ "کس نے بتایا ہے تمہیں؟"

"مرج الرّوم سے آنے والوں نے!"۔۔۔ ایک مسلمان جاسوس نے جواب دیا۔

"کسی نے غلط بتایا ہے"۔۔۔ شتر سوار نے کہا۔۔۔ "میں اُدھر سے ہی آرہا ہوں۔"

دونوں مسلمان جاسوس کسی بہروپ میں گھوڑوں پر سوار تھے۔ ایک نے شتر سوار کی ٹانگ پکڑ کر اتنی زور سے کھینچی کہ وہ اونٹ کی پیٹھ سے زمین پر جا پڑا۔ دونوں مسلمان بڑی تیزی سے گھوڑوں سے کُودے اور شتر سوار کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ تلواریں نکال کر نوکیں اُس کی شہ رگ پر رکھ دیں۔

"تم عیسائی عرب ہو"۔۔۔ ایک جاسوس نے اُسے کہا۔۔۔ "اور رومیوں کے جاسوس ہو۔۔۔ انکار کرو۔ ہم تمھارے دونوں بازو کندھوں سے کاٹ دیں گے۔۔۔ مرج الرّوم کی پوری خبر سناؤ۔"

اُس نے جاں بخشی کے وعدے پر تسلیم کیا کہ وہ رومیوں کا جاسوس ہے اور اُس نے یہ بھی بتایا کہ رومی سالار تھیوڈورس اپنے دستوں کے ساتھ پہلے ہی مرج الرّوم میں موجود تھا اور دوسرا سالار شنس بھی کچھ دیر پہلے پہنچ گیا ہے۔

اس رومی جاسوس کو پکڑ کر پیچھے لے گئے اور اُسے سالار ابوعبیدہؓ اور سالار خالدؓ کے حوالے کر دیا گیا۔

٭

جب مجاہدین کا لشکر مرج الرّوم کے سبزہ زار کے قریب گیا تو رومی لشکر دو بڑے حصّوں میں لڑائی کے لیے تیار کھڑا تھا۔

ابوعبیدہؓ نے اپنے دستوں کو اُس جگہ رومی لشکر کے سامنے روکا جہاں رومی سالار تھیوڈورس کے دستے تھے اور خالدؓ نے اپنے دستوں کو رومی سالار شنس کے دستوں کے سامنے صف آرا کیا۔ رومیوں نے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ شاید مسلمانوں کو حملے کی پہل کا موقع دینا چاہتے تھے لیکن خالدؓ نے پہل نہ کی۔ ابوعبیدہؓ کو بھی اُنھوں نے حملہ نہ کرنے دیا۔ دونوں مسلمان سالار حیران تھے کہ رومی آگے بڑھ کر حملہ کیوں نہیں کرتے، حالانکہ ان کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ مسلمان اسے ایک چال سمجھ کر آگے نہ بڑھے۔

سورج غروب ہو گیا۔ دونوں طرف کی فوجیں پیچھے ہٹ گئیں اور سپاہیوں کو کچھ دیر کے لیے سونے کی اجازت دے دی گئی۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے عادی تھے لیکن سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ تھے اس لیے خالدؓ اُن کی موجودگی میں کوئی آزادانہ فیصلہ نہیں کر سکتے تھے لیکن اُن کی فطرت میں جو جنگجو سپاہی تھا وہ انہیں سونے نہیں دے رہا تھا۔ خالدؓ بے چینی سے کروٹیں بدلتے رہے۔ دشمن اُن کے سامنے موجود تھا اور لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ ایک تو یہ وجہ تھی کہ انہیں نیند نہیں آرہی تھی اور ایک وجہ اور بھی تھی جو انہیں بے قرار کرتی جا رہی تھی۔ یہ شاید اُن کی چھٹی حس تھی۔ انھوں نے رومیوں کے پڑاؤ کی طرف سے ہلکی ہلکی آوازیں بھی سنی تھیں۔

انہیں شک ہونے لگا کہ دشمن سویا نہیں اور کسی نہ کسی سرگرمی میں مصروف ہے۔ آدھی رات کے بہت بعد کا وقت تھا جب خالدؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے پڑاؤ میں خراماں خراماں چلتے پڑاؤ سے نکل گئے۔ وہاں سبزہ ہی سبزہ تھا اور درخت بہت تھے۔ خالدؓ جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ میں دشمن کے پڑاؤ کی طرف چلے گئے۔

وہ اُس جگہ پہنچ گئے جہاں رومی سالار تھیوڈورس کے دستوں کو ہونا چاہیے تھا لیکن وہاں رومی فوج کا ایک بھی سپاہی نہیں تھا۔ کوئی سنتری نہ تھا جو انہیں روکتا۔ شام کے وقت انہوں نے رومی دستوں کو اس جگہ پڑاؤ ڈالتے دیکھا تھا۔ رات ہی رات وہ کہاں چلے گئے؟ کچھ اور آگے جا کر انہیں ایسی نشانیاں ملیں جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ فوج نے یہاں قیام کیا تھا۔

خالدؓ اُس طرف چلے گئے جدھر رومیوں کی فوج کے دوسرے حصّے کا پڑاؤ تھا۔ خالدؓ کو دُور سے ہی پتہ چل گیا کہ وہاں فوج موجود ہے۔ وہ چھپتے چھپاتے اور آگے چلے گئے۔ سنتری گھوم پھر رہے تھے۔ خالدؓ دشمن کے پڑاؤ کے اِردگرد بڑھتے گئے۔ چاندنی میں اندھیر... دشمن کا کیمپ دکھائی دے رہا تھا۔

خالدؓ کو یقین ہوگیا کہ رومیوں کی آدھی فوج کہیں چلی گئی ہے۔ خالدؓ بڑی تیزی سے چلتے ابوعبیدہؓ کے پاس چلے گئے اور انہیں بتایا کہ رومیوں کی آدھی فوج لاپتہ ہوگئی ہے۔

"کہاں چلی گئی ہو گی؟" ——— ابوعبیدہؓ نے پوچھا۔

"جہاں بھی گئی ہے" ——— خالدؓ نے کہا ——— "اسے وہیں پہنچانے کے لیے دن کو رومیوں نے لڑائی سے گریز کیا تھا۔"

کچھ دیر دونوں سالار اسی پر تبادلۂ خیالات کرتے رہے کہ رومیوں کی فوج کا ایک حصّہ کہاں غائب ہوگیا ہے۔ مؤرخوں کے مطابق یہ سالار تھیوڈورس کے دستے تھے جو چلے گئے تھے۔ پیچھے سالار شنس رہ گیا تھا۔ اُس کے دستوں کی تعداد بھی خاصی زیادہ تھی۔

صبح طلوع ہوتے ہی رومی لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ ابوعبیدہؓ پہلے ہی تیار تھے۔ اُنہوں نے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے اپنے دستوں کو حسبِ معمول تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا اور حملہ دشمن کے پہلوؤں پر کیا تھا۔ خود انہوں نے دشمن کے قلب پر نظر رکھی ہُوئی تھی جہاں انہیں سالار شنس کا پرچم دکھائی دے رہا تھا۔

مجاہدین نے دشمن کے پہلوؤں پر حملہ کیا اور ابوعبیدہؓ آگے بڑھے اور شنس کو مقابلے کے لیے للکارا۔ شنس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے آگیا۔ ابوعبیدہؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس کی طرف گئے۔ دونوں سالاروں نے ایک دوسرے پر وار کیا اور دونوں کی تلواریں ٹکرائیں۔ شنس نے ذرا دُور جاکر گھوڑا موڑا لیکن ابوعبیدہؓ نے اپنے گھوڑے کو زیادہ آگے نہ جانے دیا۔ فوراً ہی موڑ کر پھر ایڑ لگائی۔ شنس ابھی سیدھا بھی نہیں ہُوا تھا کہ ابوعبیدہؓ کی تلوار اُس کے کندھے پر پڑی لیکن اُس کی زرہ نے اُسے بچالیا۔

دونوں کے گھوڑے پھر دوڑتے ایک دوسرے کی طرف آئے تو شنس نے وار کرنے کے لیے تلوار اوپر کی۔ ابوعبیدہؓ نے برچھی کی طرح وار کر کے تلوار اُس کی بغل میں اتار دی۔ ذرا ہی آگے جاکر گھوڑے کو موڑا۔ شنس کو زخم پریشان کر رہا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کو بروقت نہ موڑ سکا۔ ابوعبیدہؓ نے اُس کی ایک ٹانگ پر بھرپور وار کیا اور ٹانگ کاٹ ڈالی۔ شنس گر رہا تھا جب ابوعبیدہؓ پھر واپس آئے اور شنس کے سر کو ڈھلکا ہُوا دیکھ کر گردن پر وار کیا۔ شنس کا سر پُورا تو نہ کٹا لیکن الگ ہو کر لٹکنے لگا۔ پھر اُس کی لاش گھوڑے سے اِس طرح گری کہ ایک پاؤں رکاب میں پھنس گیا۔ ابوعبیدہؓ نے شنس کے گھوڑے کو تلوار کی نوک چبھوئی۔ گھوڑا بدک کر دوڑ پڑا اور اپنے سوار کی لاش گھسیٹتا پھرا۔

اس کے ساتھ ہی ابوعبیدہؓ نے اپنے قلب کے دستوں کو دشمن کے قلب پر حملے کا حکم دے دیا جہاں کھلبلی بپا ہو چکی تھی کیونکہ اُن کا سالار مارا گیا تھا۔ رومی پیچھے ہٹنے لگے لیکن مجاہدین نے اُن کے عقب میں جاکر اُن کے لیے بھاگ نکلنا مشکل کر دیا، پھر بھی بہت سے رومی نکل گئے اور حمص کا رخ کر لیا۔

یہ معرکہ مارچ ۶۳۵ء (محرم الحرام ۱۴ھ) میں لڑا گیا تھا۔

اُسی صبح دمشق کے باہر بھی خونریزی ہو رہی تھی۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دمشق مسلمانوں کے قبضے میں تھا لیکن وہاں مسلمان فوج کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ دمشق میں حاکمِ شہر اور سالار یزید بن ابی سفیان تھے۔ شہنشاہ ہرقل کا منصوبہ یہ تھا کہ دمشق میں مسلمان فوج کی تعداد کم ہے اس لیے اسے آسانی سے ختم کیا جا سکے گا۔ اُس نے یہ کام اپنے ایک تجربہ کار سالار تھیوڈورس کو سونپا تھا۔

دمشق کے دفاع کا ایک انتظام یہ بھی تھا کہ دیکھ بھال کے لیے چند آدمی شہر سے دُور دُور گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ اُس صبح یزید بن ابی سفیان کو اطلاع ملی کہ رومی فوج آرہی ہے۔ دمشق پر ہر لحہ حملے کی توقع رہتی تھی۔ رومی کوئی ایسے گئے گزرے تو نہیں تھے کہ اپنی شہنشاہی کا کھویا ہُوا اتنا بڑا شہر واپس لینے کی کوشش نہ کرتے۔ یزید بن ابی سفیان ہر وقت تیاری کی حالت میں رہتے تھے۔ انہوں نے رومی فوج کے آنے کی اطلاع ملتے ہی اپنے دستے کو شہر سے باہر صف آرا ہونے کا حکم دیا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمان محاصرے میں لڑنے کے عادی نہیں تھے۔ انہیں محاصرہ کرنے کا تجربہ تھا، محصور ہو کر لڑنے کا انہیں کوئی تجربہ بھی نہیں تھا اور انہیں محصور ہونا پسند بھی نہیں تھا۔ وہ میدان میں اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن سے بھی لڑ جاتے تھے۔

رومی چونکہ جنوب مغرب کی طرف سے آرہے تھے اس لیے یزید نے اپنے دستے کو اُسی سمت جنگی ترتیب میں کھڑا کر دیا۔ رومی فوج سامنے آئی تو پتہ چلا کہ اس کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے۔ ان رومی دستوں کا سالار تھیوڈورس تھا۔ وہ انطاکیہ سے بیروت کے راستے دمشق کو فتح کرنے آرہا تھا۔ جب مرج الرّوم پہنچا تو ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کی زیرِ قیادت مجاہدین کی فوج آگئی۔ اُسے دمشق پہنچنا تھا۔ وہ وقت ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

مؤرخ واقدی، ابن ہشام اور ابوسعید لکھتے ہیں کہ اُس نے بڑی کارگر ترکیب سوچ لی۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے سامنے مرج الرّوم میں صف آرا رہا لیکن لڑائی سے گریز کرتا رہا۔ رات ہو گئی تو نہایت خاموشی سے اپنے دستوں کو دمشق لے گیا۔ رومی سالار شنس پیچھے رہ گیا۔ اُس کے ذمے یہ کام تھا کہ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کے دستوں کو یہیں روکے رکھے۔ اس مقام سے دمشق بیس میل بھی نہیں تھا۔ تھیوڈورس صبح کے وقت دمشق کے مضافات تک پہنچ گیا۔

وہ جب دمشق کے قریب گیا تو مسلمانوں کو قلعے کے باہر منتظر پایا۔ یہ دمشق کے دفاعی دستے تھے جن کے سالار یزید بن ابی سفیان تھے۔ تھیوڈورس کو معلوم تھا کہ دمشق کے دفاع میں مسلمانوں کی یہی نفری ہے جو باہر کھڑی ہے۔ اُس نے اپنے دستوں کو للکار کر کہا کہ عرب کے ان بدّوؤں کو کچل ڈالو۔ دمشق تمہارا ہے۔

"مجاہدو!" ——— یزید بن ابی سفیان نے اپنے دستوں سے بڑی ہی بلند آواز سے کہا ——— "دمشق تمہاری آبرو ہے۔ دشمن شہر کی دیوار کے سائے تک بھی نہ پہنچے۔ کفر کے طوفان کو شہر سے باہر روک لو۔"

یہ جوشِ جذبات کی للکار تھی جس نے مجاہدین کو گرما دیا لیکن حقیقت بڑی تلخ تھی۔ دشمن کی تعداد کئی گنا زیادہ اور کمک کی کوئی صورت نہیں تھی۔ نہ صرف یہ کہ دمشق ہاتھ سے جا رہا تھا بلکہ مجاہدین میں سے کسی کا بھی زندہ رہنا ممکن نہیں تھا۔ مجاہدین جہاں بھی لڑے کم تعداد میں لڑے لیکن کمی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ رومیوں کی نفری اتنی زیادہ تھی کہ وہ یزید کے دستوں کو آسانی سے گھیرے میں لے سکتے تھے۔ ہرقل نے یہی کچھ سوچ کر وہاں زیادہ نفری بھیجی تھی اور تھیوڈورس اُس کا آزمودہ سالار تھا۔

تھیوڈورس نے مسلمانوں کو دیکھ کر اپنے دستوں کو روکا نہیں۔ اُس نے حملے کا حکم دے دیا۔ حملہ دونوں پہلوؤں کی طرف سے ہُوا تھا۔ یزید بن ابی سفیان سمجھ گئے کہ رومی انہیں اندر کی طرف سکڑنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ یزید بن ابی سفیان نے اپنے دستے کو اور زیادہ پھیلا دیا اور سوار دستے سے کہا کہ وہ دشمن کے پہلوؤں پر جانے کی کوشش کریں لیکن رومی تو سیلاب کی مانند تھے۔ مسلمان جذبے سے حملے روک رہے تھے اور وہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ دفاعی لڑائی لڑنے پر مجبور تھے۔ جوابی حملہ نہیں کر سکتے تھے۔

رومی شہر کی طرف جانے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔ یزید نے اس کا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ انہوں نے شہر کے ہر دروازے کے سامنے اور کچھ دُور تیر انداز کھڑے کر رکھے تھے اور ان کے ساتھ تھوڑی تعداد میں گھوڑسوار بھی تھے۔

سورج سر کے اوپر آگیا۔ آدھا دن گزر گیا تھا۔ مجاہدین ابھی تک رومیوں کے موج در موج حملے روک رہے تھے اور اُن کے نعروں اور للکار میں ابھی جان موجود تھی۔ اُس وقت تک زخمیوں اور شہیدوں کی وجہ سے اُن کی تعداد مزید کم ہو گئی تھی۔ رومی نفری کی افراط کے باوجود مسلمانوں پر غالب نہیں آسکے تھے لیکن مسلمانوں کے جسم اب جواب دینے لگے تھے۔ گھوڑے بھی تھک گئے تھے۔

دوپہر کے بعد مجاہدین کو صاف طور پر محسوس ہونے لگا کہ شکست ان کے بہت قریب آگئی ہے۔ وہ پسپائی کے عادی نہیں تھے۔ انہوں نے کلمہ طیبہ کا بلند ورد شروع کر دیا اور اس کوشش میں لہولہان ہونے لگے کہ حملہ روک کر حملہ کریں بھی۔ اُن کی تنظیم ٹوٹ گئی تھی اور وہ اب انفرادی طور پر لڑ رہے تھے۔ سالار یزید بن ابی سفیان سپاہی بن چکے تھے۔ وہ اپنے علمبردار اور محافظوں سے کہتے تھے کہ علَم نہ گرنے دینا۔

بڑی جلدی وہ وقت آگیا جب مجاہدین کو یقین ہو گیا کہ ایک طرف دشمن کی قید اور دوسری طرف موت ہے۔ وہ جیتے جی یہ نہیں سننا چاہتے تھے کہ دشمن دمشق پر قابض ہو گیا ہے۔

عین اُس وقت جب مجاہدین نے زندگی کا آخری معرکہ لڑنے کے لیے جانوں کی بازی لگا دی تھی، رومیوں کے عقب میں شور اُٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے رومیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ دمشق کے دفاع میں لڑنے والوں کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے اور رومیوں پر کیا آفت ٹوٹی ہے اُن کی تنظیم درہم برہم ہو گئی اور ان کے حملے بھی ختم ہو گئے۔

"اسلام کے جاں نثارو!" ــــ یزید بن ابی سفیان نے بلند آواز سے کہا ــــ "اللہ کی مدد آگئی

ہے۔ حوصلے بلند رکھو۔"

حقیقت یہ تھی کہ یزید کو معلوم ہی نہیں تھا کہ رومیوں کے عقب میں کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے رومیوں پر حملے کا حکم دے دیا۔ رومیوں کو تو حملہ روکنے کا بھی ہوش نہ رہا۔ یزید بن ابی سفیان پہلو کی طرف نکل گئے۔ محافظ اُن کے ساتھ تھے۔ وہ رومیوں کے عقب میں جا رہے تھے۔ شور و غوغا اس قدر زیادہ تھا کہ اپنی آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔ صرف یہ پتہ چلتا تھا کہ رومیوں میں بھگدڑ اور افراتفری بپا ہو گئی ہے۔

کچھ اور آگے گئے تو یزید کے کانوں میں آواز پڑی:

انا فارس الضدید
انا خالدؓ بن الولید

"دمشق کے محافظو!" ــــ یزید بن ابی سفیان گلا پھاڑ پھاڑ کر اعلان کرتے پیچھے آتے ــــ "خدا کی قسم! ابنِ ولید آگیا ہے.... ابوسلیمانؓ پہنچ گیا ہے.... اللہ کی مدد پہنچ گئی ہے.... اللہ کو پکارنے والو! اللہ نے ہماری سُن لی ہے.... خدا کی قسم، رومی اپنی قبروں پر لڑ رہے ہیں.... فتح حق پرستوں کی ہوگی۔"

اُس دور کی تحریری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یزید پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی اور ایسی ہی دیوانگی اُن کے دستے پر طاری ہو گئی ــــ اور اس کے ساتھ ہی رومیوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔

یزید بن ابی سفیان کے لیے خالدؓ کا آجانا ایک معجزہ تھا لیکن خالدؓ اتنی جلدی آ کیسے گئے؟

ہم پھر گذشتہ رات مرج الرّوم چلے چلتے ہیں جہاں خالدؓ چھپ چھپ کر رومیوں کے کیمپ دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ رومیوں کی فوج کا وہ حصہ جو دن کے وقت اُن کے سامنے صف آرا تھا، وہاں نہیں ہے۔ خالدؓ کو یقین ہو گیا کہ یہ حصہ کہیں چلا گیا ہے تو انہوں نے سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ سے بات کی۔ خالدؓ دور اندیش تھے۔ انہیں شک ہُوا کہ رومیوں کی فوج کا یہ حصہ دمشق کی جانب گیا ہے اور رومیوں کا مقصد صرف یہ ہو سکتا ہے کہ دمشق پر قبضہ کر لیا جائے۔

"ہرقل معمولی دماغ کا آدمی نہیں" ــــ خالدؓ نے ابوعبیدہؓ سے کہا ــــ "اُسے معلوم ہو گا کہ دمشق میں ہماری نفری بہت تھوڑی ہے.... میں اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ دمشق خطرے میں ہے۔ اگر تُو مجھے اجازت دے تو میں دمشق پہنچ جاؤں۔"

"تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو ابوسلیمانؓ!" ــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ــــ "میں تجھے اجازت دیتا ہوں اور تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں.... یہ جو رومی پیچھے رہ گئے ہیں انہیں میں سنبھال لوں گا۔"

خالدؓ نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ اپنے سوار دستے کو تیار کر کے دمشق کو روانہ ہو گئے۔ راستے میں کئی نشانیاں اور کئی آثار انہیں یقین دلاتے رہے کہ اس راستے پر ایک فوج گزری ہے۔ تھیوڈورس آدھی رات سے پہلے مرج الرّوم سے روانہ ہو گیا۔ خالدؓ رات کے آخری پہر روانہ ہوئے اور دمشق اُس وقت پہنچے جب مسلمان ہاری ہُوئی جنگ لڑ رہے تھے اور انہیں کمک کی ذرا سی بھی توقع نہیں تھی۔

خالدؓ کو وہاں وہی نظر آیا جو اُنہوں نے سوچا تھا۔ اُنہوں نے عقب سے رومیوں پر ہلّہ بول دیا۔ خالدؓ کو رومیوں کا پرچم نظر آیا تو اپنے محافظوں کے ساتھ وہاں جا پہنچے۔ انہیں تھیوڈورس بوکھلاہٹ کے عالم میں دکھائی دیا۔ اُسے دمشق اپنے قدموں میں پڑا نظر آ رہا تھا۔ وہ اُس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اُس کی فوج فتح کے قریب پہنچ کر کٹنے لگی تھی۔

"میں رومیوں کا قاتل ہوں" ——— خالدؓ نے تھیوڈورس کو للکارا ——— "میں وہیں سے آیا ہوں جہاں سے رات کو تُو آیا تھا۔"

تھیوڈورس نے تلوار نکال لی۔ دونوں سالاروں کے محافظ الگ ہٹ گئے۔ خالدؓ نے تھیوڈورس کے دو تین وار بیکار کر دیئے اور اُس کے اردگرد گھوڑا دوڑاتے رہے۔ تھیوڈورس کو بھرپور وار کرنے کے لیے موزوں پوزیشن نہیں مل رہی تھی۔ وہ خالدؓ کے رحم و کرم پر تھا۔ وہ مانا ہوا جنگجو سالار تھا لیکن اُس کا مقابلہ ایسے سالار کے ساتھ آ پڑا تھا جو ہر لحظہ شکار کی تلاش میں رہتا تھا۔

آخر اُس نے بڑے غصے میں خالدؓ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن خالدؓ نے ایک پینترا بدل کر اپنے آپ کو تھیوڈورس کی زد سے دُور کر لیا اور دوسرے پینترے میں ایسا وار کیا کہ تھیوڈورس گھوڑے پر ہی دوہرا ہو گیا۔ خالدؓ کے دوسرے وار نے اُسے ختم کر دیا۔

اب رومیوں کے کرنے کا ایک ہی کام رہ گیا تھا کہ بھاگیں اور اپنی جانیں بچائیں۔ وہ رومی خوش قسمت تھے جو زندہ نکل گئے۔ مالِ غنیمت میں زرہ، خودیں، ہتھیار اور گھوڑے خاص طور پر قابلِ ذکر تھے۔

اُدھر ابوعبیدہؓ نے دوسرے رومی سالار شنس کو ختم کر دیا تھا۔

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو اس حکم کے ساتھ روانہ کر دیا کہ وہ حمص پہنچ کر وہاں کا محاصرہ کر لیں۔ ابوعبیدہؓ خود ایک اور اہم مقام بعلبک کی طرف روانہ ہو گئے۔ توقع یہ تھی کہ ان دونوں جگہوں کا محاصرہ طول پکڑے گا اور مقابلہ بڑا سخت ہو گا لیکن (مؤرخوں کے مطابق) مسلمانوں کی تلوار کی دہشت وہ کام نہیں کر سکتی تھی جو اُن کے حسنِ اخلاق نے کیا۔ مسلمان جدھر جاتے تھے وہاں کے لوگوں میں پہلے ہی مشہور ہو چکا ہوتا تھا کہ مسلمان کسی پر کوئی زیادتی نہیں کرتے اور وہ انہی شرطوں کے پابند رہتے ہیں جو وہ پیش کرتے ہیں۔

اُس دَور کی فاتح فوجیں سب سے پہلے مفتوح شہر کی خوبصورت عورتوں پر ہلّہ بولتی تھیں، پھر لوگوں کے گھر لوٹ لیتی اور گھروں کو آگ لگا دیتی تھیں۔ یہ اُس زمانے کا رواج تھا اور اسے فاتح فوجوں کا حق سمجھا جاتا تھا لیکن مسلمانوں نے اس رواج کو نہ اپنایا بلکہ نہتے لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کی۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ ابوعبیدہؓ بعلبک پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا تو وہاں جو رومی دستہ تھا، اُس نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔

خالدؓ نے حمص کا محاصرہ کیا تو رومی سالار جنگ میں باہر آ گیا اور امن کے سمجھوتے کی پیش کش کی۔ ابوعبیدہؓ بھی پہنچ چکے تھے۔ ان کے حکم سے رومی سالار سے دس ہزار دینار اور زربفت کی ایک سو

قباؤں کا مطالبہ کیا گیا جو رومی سالار نے قبول کر لیا۔ معاہدہ یہ ہُوا کہ مسلمان ایک سال تک حمص پر حملہ نہیں کریں گے اور اگر اس دوران روم کی فوج نے اس علاقے میں مسلمانوں کے خلاف کوئی معمولی سی بھی جنگی کارروائی کی تو مسلمان صلح کے معاہدے کو منسوخ سمجھ کر جوابی کارروائی کریں گے۔

اس معاہدے پر دستخط ہوتے ہی شہر کے دروازے کھُل گئے اور مسلمان فوج داخل ہوئی۔ مؤرخ ابنِ اثیر لکھتا ہے کہ حمص کے لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ مسلمان دکانوں میں جاتے اور جو چیز لیتے اُس کی قیمت ادا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے مجاہدین کو تحفے پیش کیے تو مجاہدین نے اُن کی قیمت ادا کی۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان تحفے کو مالِ غنیمت سمجھتے ہیں اور کوئی مسلمان اپنے طور پر کوئی مالِ غنیمت اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ اس کے علاوہ صلح کے معاہدے کے بعد اسلام مالِ غنیمت کو جائز نہیں سمجھتا۔

ایسے مقامات بھی آئے جہاں کے لوگوں نے مسلمان فوج کا باقاعدہ استقبال کیا۔ مثلاً نومبر ۶۳۵ء (رمضان ۱۴ھ) مسلمان فوج حمص سے حماۃ گئی تو شہری باہر آ گئے اور مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ معرۃ النعمان کے شہریوں نے مسلمانوں کا استقبال اس طرح کیا کہ پہلے سازندے ساز بجاتے اور خوشی کے گیت گاتے باہر آئے۔ ان کے پیچھے معزّزین آئے اور جزیہ پیش کر کے شہر ابوعبیدہؓ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد ان قصبوں اور شہروں کے کئی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

"مسلمان ہمارے جال میں آ گئے ہیں" ——— شہنشاہ ہرقل اپنے سالاروں سے کہہ رہا تھا ——— "میں سردیوں کے انتظار میں تھا۔ عرب کے یہ مسلمان اونٹ کا گوشت کھاتے اور اونٹنی کا ہی دودھ پیتے ہیں۔ ریگستان کے ان باشندوں نے کبھی اتنی سردی نہیں دیکھی۔ یہ سردی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس ملک کی سردی ان کے جوش اور جذبے کو منجمد کر دے گی پھر موسم سرما ختم ہونے تک مسلمان ختم ہو جائیں گے۔ ہم انہیں بڑی آسانی سے شکست دیں گے۔ ان کے خیمے انہیں سردی سے نہیں بچا سکیں گے۔"

ہرقل نے حکم دیا کہ حمص سے مسلمانوں کو بیدخل کر دیا جائے۔

کچھ دنوں بعد ابوعبیدہؓ کو اطلاع ملی کہ رومیوں کی کمک حمص پہنچ گئی ہے۔ رومیوں کی اس کارروائی کے بعد حمص کا معاہدہ ٹوٹ گیا تھا۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کہیں اور تھے۔ اطلاع ملتے ہی وہ اپنے دستوں کو ساتھ لے کر حمص جا پہنچے۔ خالدؓ پہلے پہنچے تھے۔ وہ حمص کے قریب گئے تو باہر رومی فوج لڑنے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

خالدؓ نے اس فوج پر حملہ کر دیا۔ رومی پیچھے ہٹتے گئے اور قلعے میں داخل ہو کر انہوں نے دروازے بند کر دیئے۔ اس کے فوراً بعد ابوعبیدہؓ بھی اپنے دستوں کے ساتھ آن پہنچے۔

"ابوسلیمان!" ——— ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا ——— "یہ محاصرہ تیرا ہے اور تُو اس کا سالار ہے۔"

یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جو ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو دیا۔ خلیفۃ المسلمین عمرؓ کے احکام کے مطابق

سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ ہی تھے۔

یہ دسمبر کا مہینہ تھا۔ سردی کا عروج شروع ہو چکا تھا۔ مسلمان اتنی زیادہ سردی کے عادی نہیں تھے۔ اُن پر سردی بڑا بُرا اثر کر رہی تھی۔ یہ سب سے بڑی وجہ تھی کہ محاصرہ طول پکڑتا گیا۔ اسی دوران خلیفۃ المسلمین کا حکم آ گیا۔ اس کے تحت کچھ دستے عراق کو بھیجنے تھے۔

یہ دستے چلے گئے تو رومی سمجھے کہ مسلمان محاصرہ اٹھا رہے ہیں لیکن ایسا نہ ہُوا۔ رومی یہی توقع لیے قلعے میں بیٹھے رہے کہ مسلمان محاصرہ اٹھا لیں گے۔

مارچ ۶۳۶ء کا مہینہ آ گیا۔ سردی کی شدت ختم ہو چکی تھی۔ رومی سالار ہربیس روم کے شاہی خاندان کا آدمی تھا۔ اُسے کسی کے حکم کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس نے اپنے نائب سالاروں اور کمانداروں سے کہا کہ سردی کا موسم گزر گیا ہے۔ بیشتر اس کے کہ مسلمانوں کو کمک مل جائے اور یہ سردی سے بھی سنبھل جائیں، ان پر حملہ کر دیا جائے۔

چنانچہ ایک روز شہر کا ایک دروازہ کھُلا اور پانچ ہزار نفری کی رومی فوج نے باہر آ کر مسلمانوں کے اُس دستے پر حملہ کر دیا جو اس دروازے کے سامنے موجود تھا۔ حملہ بڑا تیز اور شدید تھا۔ مسلمان اس حملے کے لیے پوری طرح تیار نہیں تھے۔ اس کے علاوہ اُن پر سردی کا بھی اثر تھا، اِس لیے وہ مقابلے میں جم نہ سکے۔ پیچھے ہٹ کر وہ منظم ہُوئے اور آگے بڑھے لیکن رومیوں کے دوسرے حملے نے انہیں پھر بکھیر دیا۔

"ابوسلیمان!" ــــ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا ــــ "کیا تُو دیکھتا رہے گا کہ رومی فتح یاب ہو کر واپس قلعے میں چلے جائیں؟"

خالدؓ تماشہ دیکھنے والوں میں سے نہیں تھے لیکن وہ اُس دروازے کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتے تھے جس کے سامنے وہ موجود تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپنا سوار دستہ ساتھ لیا اور رومیوں پر حملہ کر دیا۔ رومیوں نے جم کر مقابلہ کیا اور سورج غروب ہو گیا۔ رومی قلعے میں چلے گئے۔ اُن کی بہت سی لاشیں اور شدید زخمی پیچھے رہ گئے۔

دوسرے دن ابوعبیدہؓ نے سالاروں کو بلایا۔

"کیا تم نے خود محسوس نہیں کیا کہ کل رومیوں نے باہر آ کر حملہ کیا تو ہمارے آدمی بے دلی سے لڑے؟" ــــ ابوعبیدہؓ نے شکایت کے لہجے میں کہا ــــ "کیا ہم میں ایمان کی حرارت کم ہو گئی ہے؟ سردی سے صرف جسم ٹھنڈے ہوتے ہیں۔"

"سالارِ اعلیٰ!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "ہمارے آدمی بے دلی سے نہیں لڑے۔ دراصل جن رومیوں نے حملہ کیا تھا وہ اُن رومیوں سے زیادہ جرأت اور ہمّت والے تھے جن سے ہم اب تک لڑتے رہے ہیں۔"

"پھر تُو ہی بتا ابوسلیمانؓ!" ــــ ابوعبیدہؓ نے پوچھا ــــ "ہمیں اتنے لمبے محاصرے میں یہیں بیٹھے رہنا چاہیے؟"

"نہیں ابوعبیدہؓ!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "کل صبح ہم محاصرہ اٹھا لیں گے۔"

دوسرے سالاروں نے حیرت سے خالدؓ کی طرف دیکھا۔

"ہاں میرے دوستو!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "کل ہم یہاں نہیں ہوں گے .... اور میری تجویز غور سے سن لو۔"

خالدؓ نے انہیں محاصرہ اٹھانے کے متعلق کچھ ہدایات دیں۔

اگلی صبح شہر کی دیوار کے اوپر سے آوازیں آنے لگیں ــــ "وہ جا رہے ہیں .... محاصرہ اُٹھ گیا ہے .... وہ دیکھو، مسلمان جا رہے ہیں۔"

سالار ہربیس کو اطلاع ملی تو وہ دوڑتا ہُوا دیوار پر آیا۔ اُس کے ساتھ بڑا پادری تھا۔

"سردی نے اپنا کام کر دیا ہے" ــــ ہربیس نے کہا ــــ "ان میں لڑنے کی ہمت نہیں رہی۔ میں انہیں زندہ نہیں جانے دوں گا۔ ان کے تعاقب میں جاؤں گا۔ انہیں ختم کر کے آؤں گا۔"

"محترم سالار!" ــــ پادری نے کہا ــــ "مجھے یہ مسلمانوں کی چال لگتی ہے۔ یہ منہ موڑنے والی قوم نہیں۔ وہ دیکھو۔ وہ اپنی بیویوں اور بچوں کو یہیں چھوڑ گئے ہیں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں" ــــ ہربیس نے کہا ــــ "اپنی بیویوں اور بچوں کو وہ ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ ان کی حفاظت کے لیے انہوں نے بہت کم سپاہی پیچھے چھوڑے ہیں۔ وہ سامان باندھ رہے ہیں لیکن انہیں ہم جانے نہیں دیں گے۔ میں پہلے اُن کے تعاقب میں جاؤں گا جو حوصلہ ہار کر چلے گئے ہیں۔"

ہربیس نے فوراً پانچ ہزار سوار تیار کیے اور ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کے دستوں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ انہوں نے دو اڑھائی میل فاصلہ طے کر لیا تھا جب رومی اُن تک پہنچ گئے۔

جونہی ہربیس اپنے دستے کے ساتھ مسلمانوں کے قریب پہنچا، مسلمان اچانک دو حصّوں میں بٹ گئے۔ خالدؓ نے گذشتہ روز سالاروں کو یہی بتایا تھا کہ رومی اُن کے تعاقب میں ضرور آئیں گے اور انہیں گھیرے میں لے کر ختم کرنا ہے۔ اس کے مطابق مسلمان چلتے چلتے دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ دائیں کو ہو کر پیچھے کو مُڑا اور دوسرا بائیں طرف ہو کر گھوم گیا۔

رومی ایسی صورتِ حال کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ بوکھلا گئے۔ مسلمانوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ اپنے بیوی بچوں اور اُن کی حفاظت کے لیے کچھ مجاہدین کو پیچھے چھوڑ آنا بھی اسی دھوکے کا ایک حصّہ تھا۔ رومی پیچھے کو بھاگے تو یہی مجاہدین جو عورتوں اور بچوں کے ساتھ تھے، رومیوں پر ٹوٹ پڑے پھر انہوں نے رومیوں کی پسپائی کا راستہ روک لیا۔

ایک اور سالار معاذؓ بن جبل خالدؓ کی پہلے سے دی ہُوئی ہدایات کے مطابق پانچ سو سوار ساتھ لے کر حمص کے راستے میں آ گئے تاکہ کوئی رومی شہر کی طرف نہ آ سکے۔

رومی اتنی جلدی بھاگنے والے نہیں تھے لیکن وہ مجاہدین کے پھندے میں آ گئے تھے۔ وہ تازہ دم تھے۔ کچھ اپنی روایات کے مطابق اور کچھ اپنی جانیں بچانے کے لیے وہ بے جگری سے لڑ رہے تھے۔

خالدؓ ان کے سالار ہربیس کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اُن کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا۔ اُن کے راستے میں جو آتا تھا کٹ جاتا تھا۔ آخر وہ انہیں نظر آ گیا۔

"میں ہوں ابن الولید!" — خالدؓ نے للکار کر کہا — "فارسیوں کا قاتل ابن الولید.... رومیوں کا قاتل ابن الولید!"

ہربیس نامی گرامی جنگجو تھا۔ وہ خالدؓ کے مقابلے کے لیے بڑھا لیکن گھوڑے سے اُتر آیا۔ خالدؓ بھی گھوڑے سے اُترے اور اُس کی طرف بڑھے لیکن ایک رومی دونوں کے درمیان آ گیا۔ تین چار مؤرخوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے لیکن اس رومی کا نام نہیں لکھا۔ اتنا ہی لکھا ہے کہ اُس کا جسم پہلوانوں جیسا تھا اور وہ شیر کی طرح گرج کر لڑا کرتا تھا۔ رومی زبان میں وہ "شیر کی مانند دھاڑنے والا" کے نام سے مشہور تھا۔

تاریخوں میں یہ واقعہ اس طرح آیا ہے کہ یہ رومی اپنے سالار ہربیس کو پیچھے ہٹا کر خالدؓ کے مقابلے میں آیا۔ دو تین پینترے دونوں نے بدلے اور خالدؓ نے تلوار کا وار کیا۔ تلوار رومی کی آہنی خود پہ پڑی۔ خود اتنی مضبوط اور وار اتنا زوردار تھا کہ خالدؓ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ ان کے ہاتھ صرف دستہ رہ گیا۔ اب خالدؓ خالی ہاتھ تھے اور رومی پہلوان کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ خالدؓ اپنے محافظوں کی طرف جانے کی کوشش کرتے تھے کہ ان سے تلوار لے لیں مگر رومی درندوں کی طرح غراتا، دھاڑتا اور خالدؓ کے آگے ہو جاتا تھا کہ وہ دوسری تلوار نہ لے سکیں۔

ایک محافظ نے خالدؓ کی طرف تلوار پھینکی لیکن خالدؓ سے پہلے رومی تلوار تک پہنچ گیا اور تلوار پرے پھینک دی۔ خالدؓ کا بچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ رومی نے ان پر تابڑ توڑ وار کرنے شروع کر دیئے خالدؓ اِدھر اُدھر ہو کر وار بچاتے رہے۔ رومی نے ایک وار دائیں سے بائیں کو کیا جسے خالدؓ کی گردن یا اس سے ذرا نیچے پڑنا چاہیئے تھا لیکن خالدؓ بڑی پھرتی سے بیٹھ گئے۔

رومی کا یہ زوردار وار خالی گیا تو اپنے ہی زور سے وہ گھوم گیا۔ خالدؓ اچھل کر اُس پر جھپٹے۔ رومی پلک جھپکتے پھر گھوم گیا اور خالدؓ کے بازوؤں کے شکنجے میں آ گیا۔ اب صورت یہ تھی کہ دونوں کے سینے ملے ہوئے تھے اور رومی خالدؓ کے بازوؤں میں تھا۔

خالدؓ نے بازوؤں کو دبانا اور شکنجہ سخت کرنا شروع کر دیا۔ رومی خالدؓ کی گرفت سے نکلنے کے لیے زور لگا رہا تھا لیکن خالدؓ کی گرفت سخت ہوتی جا رہی تھی اور وہ اس قدر زور لگا رہے تھے کہ خون اُن کے چہرے میں آ گیا اور چہرہ گہرا لال ہو گیا۔

رومی پہلوان کی آنکھیں باہر کو آنے لگیں۔ اُس کی سانسیں رکنے لگیں اور چہرے پر تکلیف کا ایسا تاثر تھا کہ اُس کے دانت بجنے لگے۔ مورخ واقدی نے لکھا ہے کہ رومی پہلوان کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں۔ رومی اور زیادہ تڑپنے لگا۔ خالدؓ اور زیادہ زور سے اپنے بازوؤں کے شکنجے کو تنگ کرتے گئے۔ رومی کی پسلیاں ٹوٹتی گئیں اور اس کا تڑپنا ختم ہوتا گیا حتیٰ کہ اُس کا جسم بے جان ہو گیا۔

خالدؓ نے اُسے چھوڑا تو وہ گر پڑا۔ وہ مر چکا تھا۔ خالدؓ نے اس رومی کی تلوار اٹھالی اور ہربیس کو للکارا لیکن ہربیس اپنے پہلوان کا انجام دیکھ کر وہاں سے کھسک گیا تھا۔ خالدؓ نے گھوڑے پر سوار ہو کر رومی پہلوان کی تلوار بلند کر کے لہرائی اور نعرہ لگایا۔

اس مقابلے کے دوران رومیوں کا قتلِ عام جاری رہا۔ ابوعبیدہؓ کو پتہ چلا کہ خالدؓ نے رومی پہلوان کو کس طرح ہلاک کیا ہے تو وہ دوڑے آئے۔

"خدا کی قسم ابو سلیمانؓ!" — ابوعبیدہؓ نے بڑے مسرور لہجے میں کہا — "تُو نے جو کہا تھا کر دکھایا ہے۔ تُو نے ان کی کمر توڑ دی ہے۔"

یہ بات اس طرح ہوئی تھی کہ خالدؓ نے جب گذشتہ روز محاصرہ اٹھا کر واپس جانے کی تجویز پیش کی تھی تو ابوعبیدہؓ اور دوسرے سالاروں نے اس تجویز کو پسند نہیں کیا تھا۔ خالدؓ نے انہیں بتایا کہ انہوں نے کیا سوچا ہے۔ پھر بھی ابوعبیدہؓ محاصرہ اٹھانے کے حق میں نہیں تھے۔ تب خالدؓ نے کہا تھا — "میری تجویز پر عمل کریں۔ میں ان کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔ ان کی کمر توڑ دوں گا۔"

خالدؓ نے صرف ایک پہلوان کی نہیں بلکہ رومی فوج کی ہڈیاں توڑ دی تھیں۔

مارچ ۶۳۶ء (صفر ۱۵ھ) مسلمان فاتح کی حیثیت سے حمص میں داخل ہوئے۔

حمص پر جو خوف وہراس طاری تھا وہ اُس وقت بھگدڑ اور نفسا نفسی کی صورت اختیار کر گیا جب مسلمان حمص میں داخل ہوئے تھے۔ اُنھوں نے سنا تو یہی تھا کہ مسلمان شہریوں کو پریشان نہیں کرتے لیکن جس شہر کی فوج ہتھیار نہ ڈالے اور مسلمان بزورِ شمشیر شہر کو فتح کریں تو وہ ہر گھر سے مال واموال اُٹھا لیتے ہیں اور عورتوں کو لونڈیاں بنا لیتے ہیں۔

مسلمانوں نے حمص تو بڑی ہی مشکل سے فتح کیا تھا۔ رومیوں نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے بلکہ مسلمانوں نے محاصرہ اٹھایا تو پانچ ہزار سوار رومی سوار اُن کے تعاقب میں گئے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ محاصرہ اٹھانا مسلمانوں کی چال تھی لیکن رومیوں نے اسے اُن کی کمزوری سمجھ کر اُن پر حملہ کیا تھا۔ اس معرکے میں رومیوں کے صرف ایک سو سوار زندہ بچے تھے اور مسلمان جو شہید ہوئے اُن کی تعداد ۲۳۵ تھی۔

اتنی خونریز لڑائی لڑ کر مسلمانوں نے حمص فتح کیا تھا۔ حمص والوں نے جب دیکھا تھا کہ اُن کے جو پانچ ہزار سوار مسلمانوں کے تعاقب میں گئے تھے، ان میں سے بہت تھوڑے بھاگتے ہوئے آرہے ہیں تو اُن پر خوف وہراس طاری ہو گیا تھا اور جب اُنہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک سوار دستہ رومیوں اور حمص کے دروازوں کے درمیان آگیا ہے اور رومی سوار نہ بھاگ سکتے ہیں نہ شہر میں داخل ہو سکتے ہیں تو وہ اور زیادہ خوفزدہ ہو گئے۔ شہر میں اتنی فوج نہیں رہ گئی تھی جو اُن کی مدد کو پہنچتی۔ یہ سوار مسلمان سواروں کی تلواروں اور برچھیوں سے کٹ گئے۔

ابوعبیدہؓ اور خالدؓ جب حمص میں داخل ہوئے تو چند ایک شہری اُن کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ دونوں مسلمان سالاروں کو دیکھ کر وہ سجدہ میں گر پڑے۔ دونوں سالاروں نے گھوڑے روک لیے۔

"اٹھو"——— ابوعبیدہؓ نے گرجدار آواز میں کہا ——"کھڑے ہو جاؤ۔"

وہ سب سجدے سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اُن کے چہروں پر وہ خوف وہراس اور رحم طلبی کا گہرا تاثر تھا۔

"بولو!"——— ابوعبیدہؓ نے پوچھا ——"اگر تمہاری فوج ہمارے کہنے پر پہلے ہی ہتھیار ڈال دیتی تو تمہیں ہمارے آگے سجدے میں گرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔"

"ہم رحم کے طلبگار ہیں!"——— ایک نے التجا کی ——"وہ رومی فوج تھی جو آپ سے لڑی ہے۔ ہم رومی نہیں۔ ہم آپ کا ہر مطالبہ پورا کریں گے۔"

"ہم صرف یہ بتانے آئے ہیں کہ سجدہ صرف اللہ کے آگے کیا جاتا ہے"——— ابوعبیدہؓ نے کہا —— "ہم کسی کو اپنا غلام بنانے نہیں آئے۔"

ابوعبیدہؓ کے حکم سے حمص کے لوگوں سے صرف ایک دینار فی کس جزیہ لیا گیا اور مسلمانوں کی طرف سے اعلان ہُوا کہ کوئی شخص شہر چھوڑ کر نہ جائے۔ شہر کے لوگوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے ذمہ دار مسلمان ہوں گے۔

اس اعلان نے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ بعض اسے مسلمانوں کی ایک چال سمجھے۔ وہ رات بھر اس خوف سے جاگتے رہے کہ مسلمان رات کو اُن کے گھروں پر ٹوٹ پڑیں گے لیکن رات گزر گئی اور کچھ بھی نہ ہُوا۔

۵

رومی شہنشاہ ہرقل حمص سے تقریباً اسّی میل دُور انطاکیہ میں تھا۔ اُسے جب خبر ملی کہ حمص بھی ہاتھ سے نکل گیا ہے تو اُس کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسّم آگیا جیسے وہ اسی خبر کا منتظر تھا۔ اُس کے سالار، مشیر اور شاہی خاندان کے افراد جانتے تھے کہ ہرقل کا یہ تبسم موت کی مسکراہٹ ہے اور اس تبسّم میں قہر بھرا ہُوا ہے۔

"کیا تم بتا سکتے ہو عرب کے ان مسلمانوں نے حمص کس طرح لیا ہے؟"——— ہرقل نے خبر لانے والے سے پوچھا ——"تم سالار تو نہیں، کماندار ہو جنگ کو سمجھتے ہو گے.... تمھارا نام کیا ہے؟"

"سب سمجھتا ہوں قیصرِ روم!"——— خبر لانے والے نے کہا ——"میرا نام سازیرس ہے۔ ایک جیش کا کماندار ہوں.... حمص ایک دھوکے نے ہم سے چھینا ہے۔ ہمارے سالاروں کو توقع تھی کہ مسلمان اتنی سردی برداشت نہیں کر سکیں گے اور محاصرہ اٹھا کر چلے جائیں گے۔ اُنہوں نے سردی کی شدت محاصرے میں گزار دی اور محاصرہ اُس وقت اٹھا کر چلے گئے جب سردی کی شدت گزر گئی تھی اور درختوں کی کونپلیں پھوٹنے لگی تھیں۔"

"اور ہمارے سالار اُس وقت قلعے میں بیٹھے رہے جب دشمن باہر سردی سے ٹھٹھر رہا تھا"——— ہرقل نے کہا ——"ہمارے سالار دشمن پر اُس وقت نہ جھپٹے جب سردی نے اُس کی رگوں میں خون منجمد کر دیا تھا.... پھر کیا ہُوا؟"

"قیصرِ روم!"——— سازیرس نے کہا ——"وہ جب کوچ کر گئے تو سالار ہربیس نے پانچ ہزار سواروں کے ایک دستے کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے تعاقب میں جاؤ اور اُن میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ رہے.... ہم اُن کے تعاقب میں گئے۔ جب اُن کے قریب پہنچے تو اُنہوں نے پلٹ کر ہمیں گھیرے میں لے لیا"——— سازیرس نے ہرقل کو تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں نے انہیں کس طرح گھیرے میں لیا اور ان کے سواروں کو تباہ وبرباد کر دیا ہے۔

"ہمارا سالار ہربیس کہاں ہے؟"——— ہرقل نے پوچھا ——"کیا وہ...."

"وہ زندہ ہیں"——— سازیرس نے کہا ——"وہ اُس وقت وہاں سے نکل گئے تھے جب مسلمانوں کے سالار خالدؓ ابن الولید نے ہمارے پہلوان کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا اور پہلوان کی آنکھیں باہر آ گئی تھیں۔"

"کیا ہمارے پہلوان کو خالدؓ ابن الولید نے مار ڈالا ہے؟" ——— ہرقل نے پوچھا۔

سازیرس کچھ دیر ہرقل کے منہ کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس نے دائیں بائیں آہستہ آہستہ سر ہلایا۔ "مسلمان سالار نے ہمارے پہلوان کو بازوؤں میں دبوچ کر اُس کی پسلیاں توڑ ڈالی تھیں" ——— سازیرس نے کہا ——— "اور وہ مر گیا۔"

"آفرین!" ——— ہرقل کے ہونٹوں سے سرگوشی پھسل گئی ——— "یہ طاقت جسم کی نہیں" ——— وہ اچانک جیسے بیدار ہو گیا ہو۔ اُس نے جاندار آواز میں کہا ——— "میں انہیں کچل دوں گا.... انہیں آگے آنے دو۔" اُس کی آواز اور زیادہ بلند ہو گئی ——— "انہیں اور آگے آنے دو.... اور آگے جہاں سے وہ بھاگ نہیں سکیں گے۔"

۵

سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ اور آگے چلے گئے تھے۔ انہوں نے حمص کے انتظامات کے لیے کچھ نفری وہاں چھوڑ دی تھی۔ حمص سے وہ اپنے دستوں کے ساتھ حمص سے آگے حما پھر اس سے آگے شیرز تک جا پہنچے تھے۔ وہاں سے انطاکیہ کا فاصلہ سینتیس چالیس میل کے درمیان تھا۔ انطاکیہ اہم ترین مقام تھا کیونکہ اسے ہرقل نے اپنا ہیڈکوارٹر بنا لیا تھا اور وہیں رومیوں کی فوج کا اجتماع اور فوج کی تقسیم ہوتی تھی۔

مسلمانوں نے شیرز سے کوچ کیا۔ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ رومیوں کا ایک قافلہ سا آتا نظر آیا۔ اس کی حفاظت کے لیے رومی فوجیوں کا چھوٹا سا ایک دستہ تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اونٹوں اور گاڑیوں کے اس قافلے میں فوجی سامان جا رہا ہے۔ خالدؓ کے اشارے پر مجاہدین نے قافلے کو گھیرے میں لے لیا۔ رومی فوجیوں نے مقابلہ کرنے کی حماقت نہ کی۔ اُنہوں نے بتایا کہ یہ فوج کے کھانے پینے کا سامان ہے۔ اس میں ہتھیار بھی تھے۔ ان سب کو پکڑ لیا گیا اور انہیں تاثر یہ دیا گیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

"ہم نے آپ کا مقابلہ نہیں کیا" ——— اس رومی فوجی قافلے کے کماندار نے جان بخشی کی التجا کرتے ہوئے کہا ——— "ہم رومی نہیں، ہم تو ان کی رعایا ہیں۔ ہماری آپ کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔"

"پھر دوستی کا ثبوت دو" ——— انہیں کہا گیا ——— "یہ بتا دو کہ انطاکیہ میں کیا ہو رہا ہے۔"

"آپ کی تباہی کا سامان تیار ہو رہا ہے" ——— قافلے کے کماندار نے جواب دیا ——— "وہاں بہت بڑی فوج اکٹھی کی جا رہی ہے۔ دُور دُور سے عیسائی قبیلے آپ کے خلاف لڑنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں اور انہیں میدانِ جنگ میں لڑنے کے ڈھنگ سکھائے جا رہے ہیں۔"

"آپ نے ہماری جانیں ہمیں واپس کر دی ہیں تو ہم آپ کی جانیں بچاتے ہیں" ——— قافلے کے ایک اور آدمی نے کہا ——— "آپ آگے نہ جائیں۔ آپ کی نفری بہت تھوڑی ہے اور انطاکیہ میں شہنشاہ ہرقل جو فوج اکٹھی کر چکا ہے وہ اتنی زیادہ ہے کہ آپ کا ایک بھی آدمی زندہ نہیں رہے گا۔"

"کیا اتنی زیادہ شکستوں نے اس کی کمر ابھی توڑی نہیں؟" ——— مسلمانوں کے ایک سالار نے پوچھا۔

"ہم اتنے بڑے لوگ نہیں کہ شہنشاہ تک رسائی حاصل کر سکیں" ——— رومیوں کے کماندار نے کہا ——— "ہم اُس کے ساتھ بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے لیکن اپنے سالاروں سے جو پتہ چلتا ہے وہ آپ کو بتاتے ہیں.... ہرقل کی کمر اتنی کمزور نہیں کہ چند ایک شکستوں سے ٹوٹ جائے۔ اُس نے اپنا دماغ اپنے ہاتھ میں رکھا ہُوا ہے۔ اُسے فتح حاصل ہوتی ہے تو وہ اپنے اوپر اس کا نشہ طاری نہیں کیا کرتا اور شکست سے وہ مایوس نہیں ہُوا کرتا۔ وہ جو حسین ترین اور نوجوان لڑکیوں اور شراب کا رسیا ہے، اب شراب تو پیتا ہو گا لیکن اپنی پسندیدہ لڑکیوں کو بھی اپنے سامنے نہیں آنے دیتا۔"

"وہ تو راتوں کو شاید سوتا بھی نہیں ہو گا" ——— دوسرے نے کہا ——— "اُس پر ایک جنون سوار ہے فوج اکٹھی کرو۔ اُس کے آدمی بستی بستی جا کر لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ مسلمان طوفان کی طرح آ رہے ہیں اور وہ تمہارے مذہب کو اور تمہاری عورتوں کو اپنے ساتھ اُڑا لے جائیں گے.... لوگ قبیلہ در قبیلہ مذہب کے نام پر اور اپنی عورتوں کو مسلمانوں سے بچانے کی خاطر انطاکیہ میں آ رہے ہیں.... آپ نے آگے جانا ہے تو زیادہ فوج لے کر آئیں ورنہ رُک جائیں.... اب شہنشاہ ہرقل زیادہ وقت نئی فوج کی تنظیم اور تربیت میں گزارتا ہے اور کہتا ہے کہ مسلمانوں کو آگے آنے دو۔ انہیں اور آگے آنے دو۔"

"اُس نے یہ بھی کہا ہے" ——— ایک اور بولا ——— "اب اپنی فوج کی ہر پسپائی میرے دل کو مضبوط کرتی ہے۔ میری فوج کی ہر پسپائی عرب کے ان مسلمانوں کو میرے جال میں لا رہی ہے۔"

۵

اس قافلے سے جو صورتِ حال ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کو معلوم ہوئی وہ غلط نہیں تھی۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ہرقل روایتی شہنشاہ نہیں تھا، وہ اپنے وقت کا فنِ حرب و ضرب کا ماہر جنگجو تھا اور وہ میدانِ جنگ کا شاطر جرنیل تھا۔

ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کو ان اطلاعات نے جو انہیں اس قافلے سے ملیں، وہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔

"خدا کی قسم امین الامت!" ——— خالدؓ نے ابوعبیدہؓ سے کہا ——— "ہم یہاں بیٹھے نہیں رہیں گے، اور ہم ہرقل کو اتنی مہلت نہیں دیں گے کہ وہ اپنی تیاریاں مکمل کر لے۔"

"آج رات تک اپنے کسی آدمی کو آ جانا چاہیئے" ——— ابوعبیدہؓ نے کہا ——— "ابوسلیمانؓ! جب تک آگے کی مصدقہ صورتِ حال معلوم نہیں ہو جاتی ہم آگے نہیں جائیں گے۔"

اپنے کسی آدمی سے مراد وہ جاسوس تھے جو انطاکیہ تک پہنچے ہُوئے تھے۔ خالدؓ نے اپنی سپہ سالاری کے دور میں جاسوسی کے نظام کو باقاعدہ اور منظم کر دیا تھا اور جاسوسوں کو دُور دُور تک پھیلا دیا تھا۔ مسلمان جاسوس جان کی بازی لگا کر بڑی قیمتی معلومات لے آتے تھے۔

مؤرخوں کے مطابق، ہرقل نے اپنی فوج کی پے بہ پے شکستوں کی خبریں سن سن کر اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بکھری ہُوئی لڑائیوں میں شکست نہیں دے سکتا۔ ایک شکستیں تو وہ تھیں جو رومی فوج کو خالدؓ پھر ابوعبیدہؓ نے دی تھیں اور دوسری وہ تھیں جو دوسرے سالار شام کے دوسرے علاقوں میں رومیوں کو دیتے چلے جا رہے تھے۔

مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دینے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ انہیں کسی ایک میدان میں اکٹھا ہونے پر مجبور کیا جاتے اور ان کے خلاف ان سے کئی گنا زیادہ فوج میدان میں اتاری جائے۔ چنانچہ اُس نے نئی اور بہت بڑی فوج تیار کرنی شروع کر دی تھی۔ مسلمانوں نے جب حمص پر قبضہ کیا اُس وقت تک اُس کی نئی

فوج کی نفری ڈیڑھ لاکھ ہو چکی تھی۔

انطاکیہ سے چالیس میل دُور ابو عبیدہؓ اور خالدؓ اپنے دستوں کے ساتھ کیمپ کیے ہوئے تھے۔ اس سے دو روز بعد جب انہوں نے رومیوں کا قافلہ پکڑا تھا، مسلمان مغرب کی نماز کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک گھوڑ سوار پڑاؤ کی طرف آتا دکھائی دیا۔ اتنی دور سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ رومیوں کا کوئی فوجی سوار ہے یا کوئی مسافر ہے۔ پڑاؤ سے کچھ دُور اُس نے گھوڑا موڑ لیا اور پڑاؤ کے اردگرد گھوڑا دوڑانے لگا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کا لباس مسلمانوں جیسا نہیں تھا۔

"پکڑ لاؤ اسے!"— کسی کماندار نے اپنے سواروں کو حکم دیا۔

سوار ابھی گھوڑوں پر زینیں ڈال رہے تھے کہ اُس اجنبی سوار نے گھوڑا پڑاؤ کی طرف موڑ دیا۔

"اللہ اکبر!"— اُس نے نعرہ لگایا اور قریب آکر اُس نے بڑی بلند آواز میں کہا— "میں اپنے پرچم کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"ابنِ احدی!"— کسی نے کہا اور چند ایک مجاہدین اُس کی طرف دوڑے۔ ایک نے کہا— "خدا کی قسم، ہم اب بھی تجھے رومی فوجی سمجھ رہے ہیں۔"

"کیا یہ لباس اُس رومی کا ہے جسے تُو نے قتل کیا ہو گا؟"— ایک نے پوچھا۔

ابنِ احدی کسی کو بتا نہیں سکتا تھا کہ وہ جاسوس ہے اور انطاکیہ سے آیا ہے۔ وہ ابو عبیدہؓ کے خیمے میں چلا گیا۔ وہ اُن تین چار جاسوسوں میں سے تھا جو ڈیڑھ دو مہینوں سے انطاکیہ گئے ہوئے تھے۔

۞

"تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو ابنِ احدی!"— ابو عبیدہؓ نے اُسے گلے لگا کر کہا— "ہم انطاکیہ کی خبر کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔"

ابنِ احدی نے خالدؓ کے ساتھ مصافحہ کیا۔ خالدؓ نے بھی اُسے گلے لگا لیا۔

"کیا خبر لائے ہو؟"— خالدؓ نے پوچھا۔

"سیاہ کالی گھٹا ہے جو انطاکیہ کے افق سے اُٹھ رہی ہے"— ابنِ احدی نے عربوں کے مخصوص شاعرانہ انداز میں کہا— "اس گھٹا سے جو مینہ برسے گا وہ زمین پر سیلاب بن کر چٹانوں کو بھی بہا لے جائے گا۔ امین الاُمت اور ابن الولید! اللہ نے تمہیں اشارہ دیا ہے کہ آگے نہ جانا۔"

"ہمیں یہ اشارہ دشمن کے ایک قافلے نے دیا ہے"— ابو عبیدہؓ نے کہا— "یہ رومیوں کا فوجی قافلہ ہے جسے ہم نے پکڑ لیا ہے۔"

"اسے اللہ کا بھیجا ہوا قافلہ سمجھ امین الاُمت!"— ابنِ احدی نے کہا— "اب پوری بات مجھ سے سن۔ انطاکیہ کے اندر اور باہر لشکر کے سپاہیوں اور گھوڑوں کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ انطاکیہ کے گرد و نواح میں دور دور تک خیموں کا جنگل ہے جو بڑھتا ہی جا رہا ہے.... ہرقل نے جو منصوبہ بنایا ہے وہ بہت خطرناک ہے۔"

"کیا تیری خبر مصدقہ ہو سکتی ہے؟"— خالدؓ نے پوچھا۔

"میں ہرقل کی فوج کے ایک ٹولے کا کماندار ہوں اُبو سلیمان!"— ابنِ احدی نے مُسکراتے ہوئے

کہا— "رومیوں کی اس وقت یہ حالت ہے کہ جو کوئی انطاکیہ کے دروازے پر جا کر کہے کہ فوج میں بھرتی ہونے آیا ہوں تو اُس کے لیے شہر کے سارے دروازے کھُل جاتے ہیں۔"

ابنِ احدی جس طرح انطاکیہ کی فوج میں شامل ہُوا تھا، اس کی اُس نے تفصیلات سنائیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عیسائی عرب بن کر انطاکیہ گیا تھا۔ انہیں اُسی وقت فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ کُچھ روز گھوڑ دوڑ کے میدان میں شہسواری، تیغ زنی اور دوڑتے گھوڑے سے تیر تلوار چلانے کے مقابلے ہو رہے تھے۔ ان میں ہر کوئی شامل ہو سکتا تھا۔ ابن احدی اپنی فوج کا مشہور شہسوار تھا اور بڑا ہی خوبصورت جوان۔ وہ مقابلے میں اس طرح شریک ہوا کہ میدان میں جا کر گھوڑا چکر میں دوڑایا اور تلوار نکال کر تیغ زن سواروں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ ایک سوار اُس کے مقابلے میں اترا۔ وہ رومی تھا۔

"اگر تجھے اپنے بازوؤں اور اپنے گھوڑے پر پورا بھروسہ ہے تو میرے مقابلے میں آ اے اجنبی سوار!"— ابنِ احدی نے اُسے کہا— "میری تلوار تیرے خون کی پیاسی تو نہیں لیکن اس کے سامنے تیری تلوار آئے گی تو...."

"تیری تلوار کے مقابلے میں میری برچھی آئے گی اے بدقسمت اجنبی!"— دوسرے سوار نے کہا— "اگر تجھے زندگی عزیز نہیں تو آجا۔"

ابن احدی نے گھوڑا اُس کے اردگرد دوڑایا اور اُسے للکارا۔ رومی سوار گھوڑے کو کچھ دُور لے گیا اور گھوڑا موڑ کر ایڑ لگائی۔ اُس نے برچھی نیزہ بازی کے انداز سے آگے کر لی تھی۔ ابن احدی اُس کی طرف منہ کر کے کھڑا رہا۔ رومی کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ جب اُس کی برچھی کی انی ابن احدی کے سینے سے تھوڑی ہی دُور رہ گئی تو وہ اس قدر پھرتی سے گھوڑے کی دوسری طرف جھک گیا جیسے وہ گھوڑے پر تھا ہی نہیں۔

رومی کی برچھی ہوا کو کاٹتی آگے نکل گئی۔ ابن احدی گھوڑے پر سیدھا ہُوا اور اپنے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا۔ اُس کا گھوڑا دوڑا اور فوراً ہی مڑ کر رومی کے پیچھے چلا گیا۔ رومی اپنا گھوڑا موڑ رہا تھا کہ ابن احدی اُس تک جا پہنچا اور تلوار سے اُس کی برچھی توڑ دی۔ رومی نے گھوڑا موڑ کر تلوار نکال لی لیکن وہ ابن احدی پر صرف ایک وار کر سکا جو ابن احدی نے بچا لیا اور فوراً ہی اس مسلمان شہسوار کی تلوار رومی سوار کے پہلو میں اُتر گئی۔ وہ اُس پہلو کی طرف لڑھک گیا۔

اُسے گرتا دیکھ کر ایک رومی سوار ابن احدی کے مقابلے میں آیا۔ وہ آتا نظر آیا اور تماشائیوں نے اُسے گھوڑے سے گرتے دیکھا۔ ایک اور سوار میدان میں آیا۔

"رک جاؤ"— ہرقل کی گرجدار آواز سنائی دی— "اِدھر آ شہسوار!"

ابن احدی نے گھوڑا ہرقل کے سامنے جا روکا۔ ہرقل اونچی جگہ بیٹھا ہُوا تھا۔

"کیا تجھے بتایا نہیں گیا تھا کہ یہ مقابلے ہیں لڑائی نہیں"— ہرقل نے کہا— "تم ان دونوں کو زخمی کر سکتے تھے جان سے نہیں مارنا تھا.... پھر بھی ہم تمہاری قدر کرتے ہیں۔ کہاں سے آیا ہے تو؟"

"مت پوچھ شہنشاہ، کہاں سے آیا ہوں"— ابنِ احدی نے کہا— "یہ میرے دشمن نہیں تھے۔ لیکن میرے ہاتھ میں جب تلوار ہوتی ہے اور جب کوئی مجھے مقابلے کے لیے للکارتا ہے تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے۔ میں جب اُسے قتل کر چکتا ہوں تو مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے

کہ یہ مسلمان نہیں تھا۔ میرا دماغ میرے قابو میں نہیں رہتا... میں عیسائی عرب ہوں شہنشاہ۔ بہت دُور سے آیا ہوں۔"

"کیا تیرے دل میں مسلمانوں کی اتنی دشمنی ہے کہ تُو اندھا ہو جاتا ہے؟" ـــــ ہرقل نے پوچھا۔

"اِس سے بھی زیادہ جتنی شہنشاہ سمجھتے ہیں" ـــــ ابن احدی نے کہا ـــــ "کیا شہنشاہ مجھے آگے نہیں بھیجیں گے؟ میں مسلمانوں سے لڑنے آیا ہوں۔"

"ہم تجھے آگے بھیجیں گے" ـــــ ہرقل نے کہا ـــــ "تُو نے دو شیردل کو مارا ہے اور تو معمُولی سے خاندان کا فرد نہیں لگتا۔"

۞

"امین الامت!" ـــــ ابن احدی نے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ سے کہا ـــــ "میرا خیال تھا کہ وہ مجھے سپاہی کی حیثیت میں فوج میں رکھ لیں گے لیکن اُنہوں نے مجھے ایک سو سپاہیوں کا کماندار بنا دیا۔ اِس طرح میری رسائی سالاروں تک ہو گئی۔ میرے دوسرے ساتھی بھی کسی نہ کسی ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے انہیں قیمتی خبریں مِل سکتی ہیں۔ ہم سب عیسائی عرب بنے رہے اور آپس میں ملتے رہے۔ کچھ باتیں مجھے اُنہوں نے بتائی ہیں، باقی حالات میں نے خود دیکھے ہیں....

"حمص پر اپنے دستوں کے قبضے کی اطلاع انطاکیہ پہنچی تو میرے ساتھی مجھے ملے ہمیں معلوم تھا کہ تم حمص میں زیادہ دن نہیں رُکو گے اور انطاکیہ کی طرف پیش قدمی کرو گے۔ ہم تمہیں حمص میں ہی روکنا چاہتے تھے۔ تمہیں آگے کے خطرے سے خبردار کرنا ضروری تھا۔ انطاکیہ کے اردگرد کے علاقے میں اپنے لشکر کی تباہی کے سوا کچھ نہ تھا۔"

ابن احدی نے آگے کے جو حالات بتائے وہ اس طرح تھے کہ ہرقل نے بہت بڑی فوج تیار کرنے کی مہم ایسے طریقے سے چلائی تھی کہ عیسائیوں کے تمام قبیلے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے اپنے گھوڑوں، اونٹوں اور ہتھیاروں کے ساتھ انطاکیہ میں جمع ہو گئے تھے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ان قبیلوں کے علاوہ یورپی ملکوں کے لوگ بھی آ گئے تھے۔ روم، یونان اور آرمینیا کے رہنے والے بھی بہت بڑی تعداد میں آئے تھے۔ ان سب کو اُس فوج کے ساتھ مِلا کر جو پہلے موجُود تھی، ہرقل کی فوج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہو گئی تھی۔

اس اتنے بڑے لشکر کو تیس تیس ہزار کے پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر حصّے کا جو سالار مقرر کیا گیا تھا وہ تجربہ کار اور منتخب تھا۔ ان پانچ سالاروں میں ایک کا نام ماہان تھا جو آرمینیا کا بادشاہ اور اپنے وقتوں کا مانا ہُوا ماہر سپہ سالار تھا۔ دوسرا غسان کا حکمران جبلہ بن الایہم تھا جو اپنی فوج ساتھ لایا تھا اور اسی کا وہ سالار تھا۔ تیسرا روس کا ایک شہزادہ قناطیر تھا۔ چوتھے کا نام گرگیجری اور پانچویں کا دیرجان تھا۔ یہ سب عیسائی تھے اور انہوں نے اسے صلیب اور ہلال کی جنگ بنا رکھا تھا۔ ڈیڑھ لاکھ کے اس لشکر کا سالارِ اعلیٰ ماہان تھا۔

ہرقل نے اس لشکر کو اپنے بہتر ہتھیاروں سے مسلح کر دیا اور جب یہ تیار ہو کر پانچ حصوں میں تقسیم ہو گیا تو ہرقل نے اتنے بڑے لشکر کو اکٹھا کیا۔

"صلیب کے پاسبانو!" ـــــ ہرقل نے بلند جگہ کھڑے ہو کر گلا پھاڑ پھاڑ کر کہا ـــــ "تم جس جنگ کے

لیے اکٹھے ہُوتے ہو یہ کسی ملک کو فتح کرنے کے لیے نہیں لڑی جائے گی۔ یہ تمہارے مذہب اور تمہاری عزّت کی جنگ ہے۔ ایک نیا مذہب ہمارے مذہب کے خلاف اُٹھا ہے۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ اس مذہب کو جو دراصل کوئی مذہب نہیں ختم کر دیں۔ مسلمانوں کی فوج چالیس ہزار سے زیادہ نہیں۔ تم ان کی ہڈیاں بھی پیس ڈالو گے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہماری فوج میں مسلمانوں کی دہشت پھیل گئی ہے۔ یہ سب سنی سنائی باتیں ہیں۔ مسلمانوں نے جہاں بھی ہماری فوج پر حملہ کیا ہے چوروں کی طرح کیا ہے اور وہاں ہماری نفری تھوڑی تھی.... وہ کوئی جن بھوت نہیں۔ تمہاری طرح انسان ہیں۔ وہ لٹیرے ہیں جو تمہارے گھروں میں گھس آتے ہیں لیکن وہ تمہارا صرف مال و اموال نہیں لوٹتے، وہ تمہارا مذہب اور تمہاری عزت لوٹنے آتے ہیں۔"

مؤرخ واقدی، بلاذری اور ہنری سمتھ لکھتے ہیں کہ ہرقل نے پہلے ہی ان لوگوں کو بھڑکا کر اپنے لشکر میں شامل کیا تھا۔ اب انہیں اور زیادہ بھڑکا دیا۔ ابن احدی نے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کو بتایا کہ ہرقل نے دوسرا اجتماع سالاروں، نائب سالاروں اور کمانداروں کا کیا۔ پہلے انہیں بھی بھڑکایا پھر انہیں احکام دیئے اور ہدایات دیں۔ ان کے مطابق ہر سالار کی پیشقدمی اور اُس کے ہدف کا تعیّن کیا گیا تھا۔

یہ ایک دہشت ناک منصوبہ تھا جو اتنے بڑے لشکر سے آسانی سے کامیاب ہو سکتا تھا۔ ہدف حمص تھا اور دوسرا دمشق۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی تمام تر فوج کو جس کی نفری تقریباً چالیس ہزار تھی گھیرے میں لے کر ختم کرنا تھا۔ ہرقل نے گھیرا ڈالنے کا بڑا اچھا منصوبہ تیار کیا تھا۔ اُس کے سالار قناطیر کو اپنے تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ انطاکیہ سے سمندر کے ساتھ ساتھ بیروت تک پہنچنا اور وہاں سے دمشق کی طرف مڑ جانا تھا۔ اُس کا کام یہ تھا کہ مسلمان آگے سے پسپا ہو کر دمشق کی طرف آئیں تو قناطیر کا لشکر اُن پر حملہ کر دے۔

جبلہ بن الایہم نے حمص کی طرف جا کر مسلمانوں کی پیشقدمی کو روکنا اور انہیں ختم کرنا تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حمص پہ حملہ کرنے والے لشکر میں صرف عرب عیسائی تھے جن کی تعداد تیس ہزار تھی۔ ہرقل نے کہا تھا کہ وہ عربوں کے خلاف عربوں کو لڑانا چاہتا ہے۔

"لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے" ـــــ یہ ہرقل کے تاریخی الفاظ ہیں۔

حمص کے علاقے میں ہرقل کے ایک اور سالار دیرجان نے بھی جانا تھا۔ اُس نے جبلہ سے اُلٹی سمت سے پیش قدمی کرنی تھی تاکہ مسلمان کسی طرف سے بھی نہ نکل سکیں۔

سالار گرگیجری کو ایک اور سمت سے حمص کے علاقے میں پہنچنا اور مسلمانوں پر حملہ کرنا تھا۔ اس طرح صرف حمص اور گردونواح کے علاقے میں مسلمانوں پر حملہ کرنے والی رومی فوج کی تعداد نوّے ہزار تھی۔ ماہان جو سالارِ اعلیٰ تھا، اُسے اپنا تیس ہزار کا لشکر کہیں قریب رکھنا تھا تاکہ جہاں کہیں اُس کی ضرورت پڑے وہ پہنچے۔

۞

"تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو ابن احدی!" ـــــ ابوعبیدہؓ نے ہرقل کا تمام تر منصوبہ سن کر کہا ـــــ "خدا کی قسم! تُو نے اپنا گھر جنت میں بنا لیا ہے۔ اگر تُو یہ خبریں لے کر نہ آتا تو خود سوچ کہ ہمارا انجام کیا ہوتا۔ ابوسلیمان!" ـــــ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا ـــــ "کیا تُو نے محسوس نہیں کیا کہ ہم اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں؟

خالدؓ جو میدانِ جنگ میں دشمن کے اعصاب پر چھا جایا کرتے تھے، چپ چاپ ابو عبیدہؓ کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہمیں پیچھے نہیں ہٹ جانا چاہیئے ابو سلیمان؟" ـــــ ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔

"امین الامّت!" ـــــ خالد نے آہ بھر کر کہا ـــــ "پیچھے ہٹنا ایک ضرورت ہے لیکن پیچھے ہٹنا میری فطرت نہیں۔"

"خدا کی قسم ابو سلیمانؓ! جو تو سوچ سکتا ہے وہ شاید میں نہ سوچ سکوں" ـــــ ابو عبیدہؓ نے کہا ـــــ "اس وقت اپنی ذات کو نہ دیکھ۔ اپنے ساتھیوں کو اور ان کے انجام کو دیکھ اور بتا ہم کیا کریں۔"

"ہاں ابن عبداللہ!" ـــــ خالدؓ نے ابو عبیدہؓ کو دوسرے نام سے پکارتے ہوئے کہا ـــــ "میں اس حقیقت کو دیکھ کر بات کروں گا جو ہمارے سامنے ہے اور یہ طوفان جو آرہا ہے، اسے روکنا ہمارے بس کی بات نہیں لیکن ہمیں اس اللہ کو بھی منہ دکھانا ہے جس کے نام پر ہم یہاں تک اپنا اور اپنے دشمن کا خون بہاتے پہنچے ہیں۔ ہماری جانیں اسی کی امانت ہیں.... پہلا کام یہ کر کہ اپنے تمام سالاروں کو جہاں جہاں وہ ہیں، دستوں سمیت ایک جگہ اکٹھا کر لے۔"

"اور اُن جگہوں کا کیا بنے گا جو ہمارے قبضے میں ہیں؟" ـــــ ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔

"امین الامّت!" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "تو یقیناً دشمن کے ارادے کو سمجھتا ہے۔ وہ فیصلہ کُن جنگ لڑنے آرہا ہے اور ہر طرف سے آرہا ہے.... آگے سے، پیچھے سے، دائیں اور بائیں سے.... اور تو نے ابن احدی سے سن لیا ہے کہ ہرقل نے ہماری پسپائی کے راستے روکنے کا بھی انتظام کر دیا ہے.... ابن عبداللہ! قیصرِ روم ہمارے دستوں کو وہیں گھیرے میں لے لینا چاہتا ہے جہاں جہاں وہ ہیں۔ یہ تو اللہ کا احسانِ عظیم ہے کہ ہمیں دشمن کے منصوبے کا پہلے ہی علم ہو گیا ہے۔"

"کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہماری شکست منظور نہیں؟" ـــــ ابو عبیدہؓ نے کہا۔

"اللہ ہمارے ساتھ ہے امین الامّت!" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "لیکن اللہ اُن کی مدد نہیں کیا کرتا جو اپنے آپ کو دشمن اور حالات کے رحم و کرم پر پھینک دیتے ہیں.... ہرقل ہمیں بکھرا ہوا رکھنا چاہتا ہے۔ تمام سالاروں کو وہ تمام جگہیں چھوڑنی پڑیں گی جو ہمارے قبضے میں ہیں۔ اگر اللہ نے ہمیں فتح عطا کی تو یہ سب جگہیں ہماری ہوں گی۔"

"ہمیں کہاں اکٹھے ہونا چاہیئے؟" ـــــ ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔

"جہاں صحرا ہمارے عقب میں ہو" ـــــ خالدؓ نے جواب دیا ـــــ "جتنی آسانی اور تیزی سے ہم صحرا میں حرکت کر سکتے ہیں اتنی تیزی سے ان علاقوں میں نہیں کر سکتے جہاں ہم اس وقت موجود ہیں۔ صحرا میں ہمارا دشمن نہیں لڑ سکتا۔ ہم صحرا کو اپنے قریب رکھیں گے تو ہمیں پیچھے ہٹنے میں سہولت ہو گی اور جب دشمن ہمارے پیچھے آئے گا تو وہ اپنے علاقے کی سہولتوں سے محروم ہو جائے گا۔"

"تیرے سامنے ایسی کون سی جگہ ہے؟"

"جابیہ!" ـــــ خالدؓ نے جواب دیا ـــــ "وہاں سے تین راستے نکلتے ہیں اور قریب سے ہی صحرا شروع ہو جاتا ہے۔ دریائے یرموک بھی بالکل قریب ہے۔"

مسلمانوں کے بکھرے ہوئے دستوں کے سالارِ اعلیٰ ابو عبیدہؓ تھے لیکن وہ خالدؓ کو اپنی نسبت زیادہ قابل، تجربہ کار اور جارح سالار سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے خالدؓ کو اپنا مشیرِ خاص بلکہ دستِ راست بنا کر ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اب ہرقل نے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی تھی جس میں انہیں خالدؓ کے مشوروں کی شدید ضرورت تھی۔ خالدؓ تو اس سے بھی زیادہ خطرناک اور خوفناک صورتِ حال میں نہیں گھبراتے تھے۔ انہوں نے جو مشورے دیئے، ابو عبیدہؓ نے فوری طور پر ان پر عمل کیا۔ وہاں زیادہ سوچنے کا وقت تھا ہی نہیں۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

ہرقل کا لشکر انطاکیہ سے کوچ کر چکا تھا۔ حمص پر مسلمانوں کے قبضے کا تیسرا مہینہ گزر رہا تھا۔

۵

ہرقل کے لشکر کا وہ حصّہ جو جبلہ بن الایہم کی زیرِ کمان تھا جون ۶۳۶ء میں حمص کے قریب پہنچ گیا۔ ہرقل کے جاسوسوں نے اُسے اطلاع دی تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کی فوج کو شیزر کے مقام پر پڑاؤ ڈالے دیکھا ہے لیکن جبلہ کا لشکر وہاں پہنچا تو وہاں پڑاؤ کے آثار تو ملتے تھے لیکن لشکر کا کوئی ایک بھی آدمی وہاں نہیں تھا۔

جبلہ نے کہا کہ وہ حمص میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اُس نے اپنا ہراول دستہ حمص کو روانہ کر دیا۔ دیکھا کہ شہر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ دیواروں پر شہر کے لوگ کھڑے تھے، کوئی فوجی نظر نہیں آتا تھا۔

"کہاں ہیں مسلمان؟" ـــــ ہراول کے سالار نے پوچھا۔

"یہاں کوئی مسلمان نہیں" ـــــ اُسے اوپر سے جواب ملا۔

"کیا تم اپنے مذہب کے دشمن کے ساتھ مل گئے ہو؟" ـــــ رومی ہراول کے سالار نے کہا ـــــ

"کیا دروازے کھلے چھوڑ کر ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہو؟"

"اندر آکر دیکھ لو" ـــــ اُوپر سے شہریوں نے اُسے بتایا۔

"اگر تم بھی اس دھوکے میں شریک ہو تو اپنی سزا سوچ لو" ـــــ ہراول کے سالار نے کہا۔

اُس نے اپنے دستے کو شہر سے باہر رہنے دیا اور اپنے سالارِ جبلہ کی طرف قاصد دوڑا دیا کہ یہ دھوکہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں کوئی فوج نہیں۔ جبلہ کو پیغام ملا تو وہ واہی تباہی بکنے لگا۔

"یہ دھوکہ ہے" ـــــ جبلہ غصّے سے چلّایا ـــــ "مسلمانوں نے ہماری فوج کو جہاں بھی شکست دی ہے دھوکے سے دی ہے۔ وہ شہر میں موجود ہیں اور انہوں نے ہمیں پھانسنے کے لیے شہر کے دروازے کھلے چھوڑ رکھے ہیں۔"

جبلہ نے اپنے تیس ہزار کے لشکر کو پیشقدمی کا حکم اس ہدایت کے ساتھ دیا کہ حمص کے دروازوں میں سیلاب کی طرح داخل ہوں اور شہر میں بکھریں نہیں۔ مسلمان لوگوں کے گھروں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ اُسے خطرہ یہ نظر آرہا تھا کہ اُس کا لشکر شہر میں بکھر گیا تو مسلمان اُس کے سپاہیوں کو چُن چُن کر ماریں گے۔

وہ سیلاب کی ہی مانند شہر میں داخل ہوئے اور مسلمانوں کو للکارنے لگے کہ وہ باہر آئیں لیکن کوئی بھی مسلمان باہر نہ آیا۔ جبلہ نے خطرہ مول لے کر ہر گھر کی تلاشی کا حکم دیا۔ سپاہی لوگوں کے گھروں پر ٹوٹ پڑے۔ تلاشی کے بہانے اُنہوں نے گھروں میں لوٹ مار کی اور عورتوں پر دست درازی کی۔ شہری چیختے چلّاتے باہر آگئے۔

"تم سے وہ اچھے تھے جو چلے گئے ہیں۔"

"تم نے اپنے مذہب کا بھی احترام نہیں کیا۔"

"ہمارے مذہب کا احترام مسلمانوں نے کیا تھا۔"

"وہ ہم سے لیا ہوا جزیہ واپس کر گئے ہیں۔"

وہی اچھے تھے.... وہی اچھے تھے۔"

"مسلمان تمھاری طرح لٹیرے نہیں تھے۔"

جبلہ بن الایہم شہر کے مردوں اور عورتوں کی چیخ و پکار اور آہ و بکا سنتا رہا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان چلے گئے ہیں۔ اُس نے جب اپنے ہم مذہب لوگوں کی زبان سے یہ الفاظ سنے کہ مسلمان اچھے تھے اور وہ تمھاری طرح لٹیرے نہیں تھے اور یہ کہ انھوں نے جزیہ واپس کر دیا تھا تو اُس نے اپنے لشکر کو اکٹھا کیا۔

"شکست تمھارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے" — جبلہ نے اپنے لشکر سے کہا — "آج پہلی بار مجھے پتہ چلا ہے کہ مسلمانوں کی فتح کا باعث کیا ہے اور کیوں ہر قصبے اور ہر شہر کے لوگ اُن کا استقبال کرتے ہیں۔ یہ اہلِ صلیب کا شہر ہے۔ مسلمانوں نے ان کی عزت اور آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ تم بھی اہلِ صلیب ہو مگر تم نے ان کی آبرو پامال کر دی ہے اور ان کے گھروں سے قیمتی سامان اٹھا لائے ہو۔ تم لڑنے نہیں آتے، لوٹ مار کرنے آتے ہو اور کہتے پھرتے ہو کہ مسلمانوں میں کوئی غیبی طاقت ہے۔ تم نے لڑے بغیر یہ شہر لے لیا ہے۔ اگر تمھارا ایمان ہوتا تو تمھیں نہ لوٹ مار کی ہوش رہتی نہ تم کسی عورت کی طرف دیکھتے.... جو سامان تم نے لوگوں کے گھروں سے اٹھایا ہے وہ یہاں رکھ دو۔"

جزیے کی واپسی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ بلاذری، ابوسعید، ابنِ ہشام اور طبری نے لکھا ہے کہ خالدؓ کے مشورے پر جب سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ نے مفتوحہ قصبے اور شہر چھوڑ کر جابیہ کے مقام پر تمام دستوں کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا تو اُنھوں نے حمص کے چند ایک سرکردہ افراد کو بلایا اور انہیں بتایا کہ وہ حمص سے جا رہے ہیں۔ پہلے تو ان افراد کو یقین نہ آیا۔ جب یقین آیا تو انھوں نے افسوس کا اظہار کیا۔

"ہم نے پہلی بار عدل و انصاف دیکھا تھا" — ایک شہری نے کہا — "ہم نے ظلم، جبر اور بے انصافی کا راج دیکھا تھا۔ آپ ہمیں عدل و انصاف اور عزت و آبرو سے محروم کر کے پھر ہمیں ظالموں کے حوالے کر کے جا رہے ہیں۔"

"اللہ نے چاہا تو ہم پھر آ جائیں گے" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "میں نے تمھیں وہ جزیہ واپس دینے کے لیے بلایا ہے جو ہم نے تم سے وصول کیا تھا۔"

"نہیں" — شہریوں کے نمائندوں نے متفقہ طور پر احتجاج کیا — "ہم اپنا جزیہ واپس نہیں لیں گے۔"

"یہ جزیہ ہم پر حرام ہو گیا ہے" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "ہم نے تم سے اس معاہدے پر جزیہ لیا تھا کہ ہم تمھاری حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے لیکن ہم تمھیں ان لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر جا رہے ہیں جنہیں تم ظالم اور جابر سمجھتے ہو۔ ہم تمھاری حفاظت اور سلامتی کا معاہدہ پورا نہیں کر سکے۔ تم اپنا جزیہ واپس لے جاؤ اور یہ تمام شہریوں کو واپس کر دینا۔"

ایک مورخ ابویوسف نے لکھا ہے کہ حمص کے شہری جو پہلے ہی مسلمانوں کے سلوک، انتظام اور عدل و انصاف سے متاثر تھے، جزیے کی واپسی سے اور زیادہ متاثر ہوئے۔ حد یہ کہ حمص میں جو یہودی مقیم تھے، اُن کے نمائندے نے ابوعبیدہؓ سے کہا کہ حمص میں اب وہی حکمران داخل ہو سکے گا جو فوجی طاقت کے بل بوتے پر آئے گا ورنہ وہ کسی اور کو اپنے اوپر حاکم تسلیم نہیں کریں گے۔ ایک یہودی کے منہ سے مسلمانوں کی حمایت کے الفاظ اس وجہ سے حیران کن ہیں کہ یہودی مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔

۵

رومی فوج کا سالار قناطیر ہرقل کے منصوبے کے مطابق دمشق پر حملہ کرنے گیا تو وہاں اُسے اسلامی فوج کا کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ مسلمان دمشق سے نکل کر جابیہ چلے گئے تھے۔ ابوعبیدہؓ نے اُن تمام سالاروں کو جو مفتوحہ جگہوں کے حاکم مقرر ہوئے تھے، حکم بھیجا تھا کہ وہاں سے کوچ سے پہلے لوگوں کو جزیے کی رقم واپس کر دی جائے کیونکہ ہم اُن کی حفاظت نہیں کر سکے۔ چنانچہ دمشق کے شہریوں کو بھی جزیہ واپس کر دیا گیا تھا۔

اِس طرح مسلمان اپنے پیچھے بڑا اچھا تاثر چھوڑ کر آتے لیکن وہ اُس علاقے سے نکلے نہیں۔ تمام دستے دریائے یرموک سے سات آٹھ میل دور جابیہ کے مقام پر اکٹھے ہو گئے۔ ان میں شرجیلؓ بن حسنہ، عمروؓ بن العاص، یزیدؓ بن ابی سفیان، ضرارؓ بن الازور جیسے نامی گرامی سالار قابلِ ذکر ہیں۔ سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ نے سب کو مشاورت کے لیے بلایا۔

"تم سب پر اللہ کی سلامتی ہو" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "کیا میرے چہرے پر وہی پریشانی نہیں ہے جو تم ایک دوسرے کے چہرے پر دیکھ رہے ہو؟ لیکن یہ پریشانی ہے مایوسی نہیں۔ مایوس نہ ہونا اُس اللہ کی ذاتِ باری سے جس کے رسولؐ کی اطاعت اور پیروی میں ہم اتنی مدت سے گھروں سے نکلے ہوئے ہیں۔ ہم پسپا نہیں ہوئے، پیچھے ہٹے ہیں اور پیچھے اس لیے ہٹے ہیں کہ اکٹھے ہو کر اُس دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہو سکیں جو ہمارے دین کا دشمن ہے.... کیا تم نے سن لیا ہے کہ ہرقل کی فوج کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہے؟"

"ہاں امین الامت!" — سالاروں کی آوازیں سنائی دیں — "سن لیا ہے۔"

"اور ہم کتنے ہیں؟" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "چالیس ہزار.... لیکن تم ہر میدان میں قلیل تعداد میں تھے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا کہ ایمان والے بیس ہوئے تو دو سو کفار پر غالب آئیں گے۔ پھر بھی میں تمھیں امتحان میں نہیں ڈالوں گا۔ حکم نہیں دوں گا۔ مجھے مشورہ دو۔"

"کیا ایسا ٹھیک نہیں ہوگا کہ ہم واپس چلے جائیں؟" — ایک سالار نے کہا — "ہرقل ہمیشہ اتنی زیادہ فوج نہیں رکھے گا۔ جوں ہی کبھی اطلاع ملے کہ ہرقل نے فوج کی تعداد کم کر دی ہے ہم پھر آ جائیں۔ ہم پہلے سے زیادہ تیار ہو کر آئیں گے۔"

"اِس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ ہمارے مجاہدین نے اتنا خون بہا کر اور قربانیاں دے کر جو علاقے فتح کیے ہیں وہ رومیوں کو واپس کر دیں" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "اگر ہم نے ایسا کیا تو ہمارے سارے لشکر کا حوصلہ ٹوٹ جائے گا اور دشمن کا حوصلہ مضبوط ہو جائے گا۔ رومی فوج پر ہم نے جو دھاک بٹھائی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔"

"ہم فیصلہ کن جنگ لڑیں گے" ——— ایک اور سالار نے کہا ——"فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے"

اس مشورے پر زیادہ تر سالاروں نے لبیک کہا۔

"لڑے بغیر واپس گئے تو مدینہ والوں کو کیا منہ دکھائیں گے؟"

"پھر پسپائی بھی ہماری روایت بن جائے گی"

"اپنے بچوں کو یہ سبق ملے گا کہ دشمن قوی ہو تو بھاگا بھی جا سکتا ہے"

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کی طرف دیکھا جو بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ انہوں نے نہ کسی کی تائید میں کچھ کہا نہ مخالفت میں۔

"کیوں ابوسلیمان!" ——— ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا ——"کیا تو کوئی مشورہ نہیں دے گا؟ تیری جرأت اور قابلیت کی ضرورت تو اب ہے۔ کیا سوچ رہا ہے تو؟"

"ابنِ عبداللہ!" ——— خالدؓ نے کہا ——"جس کسی نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ اپنے خیال کے مطابق ٹھیک کہا ہے لیکن میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ سب نے مل کر جو فیصلہ کیا، میں اس کا پابند رہوں گا اور تیرا ہر حکم مانوں گا"

"تو جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہہ دے ابوسلیمان!" ——— ابوعبیدہؓ نے کہا ——"مجھے تیری رائے کی ضرورت ہے"

"پہلی بات یہ ہے امین الامت!" ——— خالدؓ نے کہا ——"ہم بڑی خطرناک جگہ آ کر بیٹھ گئے ہیں۔ یہاں سے تھوڑی ہی دور قیساریہ میں رومیوں کی فوج موجود ہے۔ اس کی نفری چالیس ہزار ہے اور اس کا سالار ہرقل کا ایک بیٹا قسطنطین ہے۔ ہماری تعداد اتنی ہی ہے جتنی اکیلے قسطنطین کی ہے۔ ہم ایسی جگہ پر ہیں کہ وہ ہم پر عقب سے آسانی سے حملہ کر سکتا ہے۔ ایسا حملہ وہ اس وقت کرے گا جب سامنے سے ہم پر ہرقل کی فوج حملہ کرے گی۔ ہمیں یرموک کے مقام پر چلے جانا چاہیئے۔ وہ زمین گھوڑسوار دستوں کے لڑنے کے لیے بہت اچھی ہے اور ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مدینہ سے کمک اور رسد کا راستہ کھلا رہے گا"

ابوعبیدہؓ نے دوسرے سالاروں کی طرف دیکھا۔ سب نے کہا کہ اس سے بہتر اور کوئی تجویز نہیں ہو سکتی۔ ابوعبیدہؓ نے اسی وقت جابیہ سے یرموک کی طرف کوچ کا حکم دے دیا اور خالدؓ کو فوج کے عقبی گارڈ کے طور پر پیچھے رہنے دیا۔ خالدؓ کو ان چار ہزار سواروں کے دستے کی کمان دی گئی جو خالدؓ نے تیار کیا تھا۔ یہ سب منتخب شہسوار تھے۔ یہ دستہ جم کر نہیں گھوم پھر کر لڑتا تھا۔ یہ خالدؓ کی اپنی جاسوسی تھی کہ انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ قیساریہ میں ہرقل کی جو فوج ہے اس کی نفری چالیس ہزار اور اس کا سالار ہرقل کا بڑا بیٹا قسطنطین ہے۔

۞

معروف مؤرخ گبن لکھتا ہے کہ جنگی اصولوں اور امور کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کو رومی فوج کے مقابلے میں آنا ہی نہیں چاہیئے تھا۔ صرف چالیس ہزار نفری سے اس فوج کے خلاف لڑنا جس کی نفری ڈیڑھ اور دو لاکھ کے درمیان تھی، ممکن نہ تھا۔ روم کا شہنشاہ صحیح معنوں میں سپاہیوں اور گھوڑوں کا ایسا سیلاب لے آیا تھا جس کے آگے کوئی بھی فوج نہیں ٹھہر سکتی تھی لیکن مسلمان اس سیلاب کے آگے بند باندھنے اور اسے پھیلا کر ختم کر دینے کا تہیّہ کر چکے تھے۔ ان کے پاس صرف جذبہ تھا۔

مسلمانوں کے جذبے کی شدت اور عزم کی پختگی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خالدؓ ان میں موجود تھے اور خالدؓ

سراپا عزم اور مجسّم جذبہ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان کے آگے باطل کی کوئی طاقت ٹھہر نہیں سکتی۔ خالدؓ نے ایک مثال وہیں قائم کر دی۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں کی فوج جابیہ سے کوچ کر گئی تو خالدؓ ابوعبیدہؓ کے حکم کے مطابق ابھی جابیہ میں تھے۔

اُدھر ہرقل کے لشکر نے اتنی تیزی سے نقل و حرکت کی تھی کہ اس کے سالاروں کو جن علاقوں میں پہنچنے کا حکم ملا تھا، وہ اپنے دستوں کے ساتھ ان علاقوں میں پہنچ گئے تھے۔ شام اور فلسطین میں ہرقل کی فوج چھا گئی تھی۔

خالدؓ جابیہ سے روانہ ہونے لگے تو اچانک رومی فوج کا ایک دستہ دائیں پہلو سے آتا نظر آیا۔ یہ رومی فوج کے کسی حصّے کا ہراول تھا اور اس سوار دستے کی تعداد خالدؓ کے دستے سے زیادہ تھی۔ رومی دستے کو اپنی بے پناہ فوج کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس نے خالدؓ کے دستے پر حملہ کر دیا۔ خالدؓ نے اپنے اس سوار دستے کو خود تربیت دی تھی۔ انہوں نے ان سواروں کو بھاگ دوڑ کر لڑنے کی ترتیب میں کر دیا۔

رومی دستے کے سوار اسی علاقے کے عیسائی تھے۔ وہ جنگ کی ترتیب میں حملے پہ حملہ کرتے تھے مگر خالدؓ کے سواروں کا انداز کچھ اور تھا۔ عیسائیوں کا ہر ہلّہ اس طرح ضائع جاتا تھا جس طرح حریف کو مارا ہوا گھونسہ حریف کو لگنے کی بجائے ہوا میں لگے۔ ذرا ہی دیر بعد عیسائی سوار میدان میں بے ترتیب بکھرے ہوئے تھے اور مسلمان سوار انہیں کاٹ رہے تھے۔

خالدؓ نے اپنا مخصوص نعرہ ——"میں خالدؓ ابنِ ولید ہوں" — لگایا تو معرکے کی صورت ہی بدل گئی۔ خالدؓ کا یہ نعرہ پہلے ہی رومی فوج میں مشہور تھا اور اس نعرے کے ساتھ ایک دہشت وابستہ تھی۔ عیسائی سواروں کی تنظیم پہلے ہی بکھر گئی تھی اور مسلمان سوار ان پر غالب آ گئے تھے۔ خالدؓ کے نعرے نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور عیسائی سوار افراتفری کے عالم میں بھاگنے لگے۔

خالدؓ یہ معرکہ ختم ہوتے ہی اپنے لشکر کی طرف روانہ نہ ہوئے بلکہ دو تین دن وہیں موجود رہے۔ انہیں توقع تھی کہ رومی فوج کا یہ حصہ اپنے ہراول کا انتقام لینے آگے آئے گا۔ خالدؓ رومیوں کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ مسلمان کہیں بھاگ نہیں گئے، یہیں ہیں اور زندہ و بیدار لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ رومی آگے نہ آئے اور خالدؓ اپنے لشکر سے جا ملے۔

گبن نے لکھا ہے کہ رومی اسی ایک جھڑپ سے ہی محتاط ہو گئے تھے۔

۞

خالدؓ ابوعبیدہؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے اس میدان کا جائزہ لیا۔ لڑائی کے لیے یہ ہر لحاظ سے موزوں نظر آیا۔ اس طرح مسلمانوں کو اپنی پسند کے میدان کا فائدہ حاصل ہو گیا۔ رومی ایک تو اسے بہت بڑی کامیابی سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں سے مفتوحہ علاقے لے لیے تھے اور وہ اس لیے بھی خوش تھے کہ انہوں نے اس دور کی سب سے بڑی فوج بنا لی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کے مشوروں کے مطابق اپنے دستوں کو لڑائی کی ترتیب میں کر دیا اور اسی ترتیب میں ڈیرے ڈال دیئے۔ وہ خیمہ زن ہونے کی بجائے تیاری کی حالت میں رہے۔ انہوں نے اپنے بائیں پہلو کو محفوظ رکھنے کے لیے پہاڑیوں سے فائدہ اٹھایا۔ مسلمانوں کے محاذ کی لمبائی کم و بیش گیارہ میل تھی اور گہرائی کچھ بھی نہیں تھی۔

رومی اپنے بڑے لشکر کے باوجود محتاط ہو کر بڑھ رہے تھے حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس ہزار ہے جو کم ہو سکتی ہے زیادہ نہیں ہو سکتی اور انہیں اتنی جلدی کمک بھی نہیں مل سکتی۔ رومی لشکر چند دنوں بعد آگے آیا لیکن آتے ہی اس نے حملہ نہ کیا۔ وہ چند میل دور رک گئے اور اپنے دستوں کو جنگ کی ترتیب میں پھیلا دیا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ رومی فوج کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ صحیح معنوں میں انسانوں اور گھوڑوں کا سمندر لگتی تھی۔ اس فوج کے محاذ کی لمبائی اٹھارہ میل تھی اور گہرائی بھی خاصی زیادہ تھی۔ صفوں کے پیچھے صفیں تھیں۔

رومی لشکر کے سالارِ اعلیٰ ماہان نے آگے آکر مسلمانوں کی فوج کا جائزہ لیا۔ اُسے اپنی جنگی طاقت پر اتنا ناز تھا کہ وہ مسلمانوں کی صفوں کے قریب آگیا۔ اُس کے چہرے پر رعونت اور ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ مسلمان اُسے خاموشی سے دیکھتے رہے اور وہ مسلمانوں کو حقارت سے دیکھتا آگے بڑھتا گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے بارہ محافظ گھوڑوں پر بڑی شان سے جا رہے تھے۔

۞

ماہان زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اُس کے لشکر کی طرف سے ایک سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا آیا۔ ماہان رک گیا۔ گھوڑسوار اُس کے قریب آرکا اور رومی انداز سے سلام کر کے اُس کے ہاتھ میں کچھ دیا۔ یہ ہرقل کا پیغام تھا جو اُس نے ماہان کو انطاکیہ سے بھیجا تھا۔ یہ دراصل پیغام نہیں شہنشاہ ہرقل کا فرمان تھا۔

ہرقل نے اُسے لکھا تھا کہ مسلمانوں پر حملہ کرنے سے پہلے انہیں صلح نامے کے لیے راضی کرو۔ مسلمان اگر یہ شرط مان لیں کہ وہ پُرامن طریقے سے واپس چلے جائیں گے اور آئندہ کبھی رومی سلطنت کی سرحد میں داخل نہیں ہوں گے تو انہیں عزت سے اور کچھ رقم دے کر رخصت کرو۔ اپنی طرف سے پوری کوشش کرو کہ وہ صلح پر راضی ہو جائیں۔ اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو عربی عیسائیوں کو استعمال کرو۔ شاید ان کی بات مان جائیں۔

ماہان نے یہ پیغام پڑھا تو اُس کے چہرے پر غصے کے آثار آ گئے۔ اُس نے قاصد کو رخصت کر دیا۔

"ان بدّوؤں کے آگے گھٹنے ہی ٹیکنے تھے تو اتنا لشکر اکٹھا کرنے کی کیا ضرورت تھی" ––– اُس نے غصّے سے کہا۔

اُس نے پیچھے دیکھا۔ اُس کا احتجاج سننے والے اُس کے محافظ ہی تھے۔ اُس نے مسلمانوں کے محاذ کی طرف دیکھا اور گھوڑے کا رُخ اس طرف کر کے آگے گیا۔ قریب جا کر اُس نے گھوڑا روک لیا اور ایک محافظ کو اپنے پاس بلایا۔

"انہیں کہو کہ اپنے سالارِ اعلیٰ کو سامنے کریں" ––– اُس نے اپنے محافظ سے کہا ––– "اور کہو کہ ہمارے سالارِ اعلیٰ ماہان صلح کی بات کرنے آتے ہیں"۔

محافظ نے اُس کے الفاظ بلند آواز سے دہرائے۔ مسلمانوں کی طرف سے جواب آیا کہ آتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ہرقل کی آدھی فوج کٹ گئی تھی۔ بے انداز مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا اور مسلمانوں نے سلطنتِ روم کے بے شمار علاقے پر قبضہ کر لیا تھا پھر ہرقل نے انہیں بخش کیوں دیا تھا؟ اُس نے ڈیڑھ دو لاکھ فوج اکٹھی کر کے بھی مسلمانوں کے آگے صلح کا ہاتھ کیوں بڑھایا تھا؟

فوری طور پر یہ جواب سامنے آتا ہے کہ اُس کی فوج پر مسلمانوں کی جو دہشت طاری تھی، اس سے وہ خطرہ محسوس کرتا تھا کہ اُس کی اتنی بڑی فوج بھی شکست کھا جائے گی لیکن اُس وقت کے وقائع نگاروں، مؤرخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں نے مختلف حوالوں سے لکھا ہے کہ ہرقل اوچھا دشمن نہیں تھا۔ وہ جنگجو تھا اور جنگجو قوم کی قدر کرتا تھا خالدؓ کی قیادت سے وہ متاثر تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک جنگجو قوم کی اتنی پُرعزم فوج اُس کے لشکر کے ہاتھوں ختم ہو جائے۔ وہ مسلمانوں کو زندہ واپس چلے جانے کا موقع دے رہا تھا اُسے توقع تھی کہ مسلمانوں نے جذبے کے زور پر اُس کے لشکر سے ٹکر لی تو مسلمانوں کا قتلِ عام ہو گا۔

ہرقل نے جو کچھ بھی سوچا تھا اس کے متعلق آرا مختلف ہو سکتی ہیں لیکن مسلمانوں کی سوچ مختلف تھی۔ میدانِ جنگ میں نہ وہ رحم کرتے تھے نہ رحم کے طلب گار ہوتے تھے۔ اپنی نفری کی کمی اور دشمن کی کئی گنا زیادہ طاقت نے انہیں کبھی پریشان نہیں کیا تھا۔

۞

رومی سالار ماہان کی پکار پر ابوعبیدہؓ آگے گئے۔ اُن کے ساتھ ایک ترجمان تھا۔

"اے سالار!" ––– ماہان نے بارُعب لہجے میں پوچھا ––– "کیا تُو امن و امان سے یہاں سے چلے جانا چاہتا ہے؟"

"ہم امن و امان چاہتے ہیں" ––– ابوعبیدہؓ نے کہا ––– "لیکن جانا نہیں چاہتے"۔

"شہنشاہ ہرقل کے حکم کی تعمیل لازمی ہے" ––– ماہان نے کہا ––– "اُنہی کے حکم سے میں تیرے پاس آیا ہوں"۔

"لیکن میرے رومی دوست!" ––– ابوعبیدہؓ نے کہا ––– "ہم پر صرف اللہ کے حکم کی تعمیل لازمی ہے"۔

"شہنشاہ ہرقل تمہیں ایک موقع دے رہے ہیں" ––– ماہان نے کہا ––– "اپنی اس ذراسی فوج سے میری فوج کے ساتھ ٹکر لینے سے باز آجاؤ .... میں اپنے ایک سالار کو صلح کی بات چیت کے لیے بھیج رہا ہوں" ––– اور وہ چلا گیا۔

رومی فوج کا جو سالار صلح کی بات چیت کرنے آیا وہ گرگیری تھا۔ ابوعبیدہؓ نے اُس کا استقبال کیا۔

"میں شہنشاہ ہرقل کی طرف سے صلح کی پیش کش لے کر آیا ہوں" ––– گرگیری نے کہا ––– "اگر تم واپس چلے جاؤ اور پھر کبھی اِدھر نہ آنے کا معاہدہ کر لو تو ہمارے شہروں اور قصبوں سے جو مالِ غنیمت وغیرہ اٹھایا ہے وہ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ ہمارا لشکر دیکھ لو اور اپنی تعداد دیکھ لو"۔

"اگر یہ لڑائی میری ذاتی ہوتی تو میں تمہاری پیش کش قبول کر لیتا" ––– ابوعبیدہؓ نے کہا ––– "میں شہنشاہ نہیں شہنشاہ اللہ ہے اور ہم اُسی کے حکم پر آتے ہیں۔ ہم کوئی پیش کش قبول نہیں کر سکتے"۔

گرگیری چلا گیا۔ ہرقل نے اپنے فرمان میں لکھا تھا کہ صلح کا ذریعہ استعمال کرو۔ اس حکم کے مطابق ماہان نے ایک اور سالار جبلہ بن الایہم کو بھیجا۔

"کیا تمہاری فوج کے تمام سالار باری باری صلح کا پیغام لے کر آئیں گے؟" ––– ابوعبیدہؓ نے پوچھا ––– "کیا کوئی میرے انکار کو اقرار میں بدل سکتا ہے؟"

"صلح کا پیغام لانے والا میں آخری سالار ہوں" ––– جبلہ نے کہا ––– "میں اس لیے آیا ہوں کہ میں بھی

عربی ہوں۔ ہوں تو عیسائی لیکن میرے دل میں اپنے وطن کے لوگوں کی محبّت ہے۔ میں تمھیں تباہی سے بچانے آیا ہوں۔ تم واپس چلے جاؤ۔ اگر تمھارا کوئی مطالبہ ہے تو بتا دو۔ میں وہ پورا کر دوں گا۔"

"ہمارا مطالبہ تم جانتے ہو" ــــ ابو عبیدہؓ نے کہا ــــ "ہم خیرات نہیں جزیہ لیں گے۔"

"اے عربی سالار!" ــــ جبلہ نے حیران ہو کر پوچھا ــــ "کیا چالیس ہزار کی فوج چار گنا طاقتور لشکر سے جزیہ وصول کر سکتی ہے؟"

ابو عبیدہؓ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف کی اور اُن کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔ انہوں نے رومیوں کی ہر پیش کش ٹھکرا دی اور صلح سے انکار کر دیا۔

۞

جولائی ۶۳۶ء (جمادی الآخر ۱۵ھ) کا تیسرا ہفتہ شروع ہو چکا تھا۔ جبلہ بن الایہم نے اپنے سالارِ اعلیٰ ماہان کو جا کر بتایا کہ مسلمان کسی قیمت اور کسی شرط پر صلح کے لیے تیار نہیں۔

"ہم شہنشاہ ہرقل کے حکم کی تعمیل کر چکے ہیں" ــــ ماہان نے کہا ــــ "میں نے اپنے ذرائع استعمال کر لیے ہیں... جبلہ! اب وہ طریقہ اختیار کر دو جو شہنشاہ ہرقل کو پسند نہیں تھا۔ ان بدقسمت اور کم عقل مسلمانوں پر حملہ کر دو۔ اس سے انہیں ہماری طاقت کا اندازہ ہو جائے گا اور ہم یہ دیکھ لیں گے کہ اُن میں کتنا دم خم ہے اور ان کے انداز کیا ہیں۔"

رومی لشکر کا پڑاؤ کئی میل دُور تھا۔ جبلہ اپنے دستوں کو لے کر مسلمانوں کے سامنے آیا۔ اُس کے دستوں کو رومی فوج کے ہتھیار دیئے گئے تھے جو بہتر قسم کے تھے۔ ان دستوں میں عربی عیسائی تھے۔ وہ جب آئے تو مسلمان لڑائی کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ جبلہ نے آتے ہی حملہ نہ کیا۔ وہ مسلمانوں کے محاذ کو دیکھ کر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

آخر اُس نے ہلّہ بولنے کا حکم دے دیا۔ وہ ابھی مسلمانوں کی اگلی صف تک پہنچا بھی نہ تھا کہ اُس کے دستوں کے دونوں پہلوؤں پر حملہ ہو گیا۔ حملہ کرنے والا مسلمان سواروں کا دستہ تھا جس کی کمان خالدؓ کر رہے تھے۔ گھوم پھر کر لڑنے والے اس دستے نے اپنا مخصوص انداز اختیار کیا۔ جبلہ کی ترتیب گڈمڈ ہو گئی۔ اُس پر سامنے سے بھی حملہ ہُوا۔

عیسائی بوکھلا گئے۔ انہیں اپنے پہلوؤں پر حملے کی توقع نہیں تھی۔ مسلمان سواروں نے انہیں بکھیر دیا۔ عیسائی اب بھاگنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ بہت سی لاشیں اور بے انداز زخمی پیچھے پھینک کر پسپا ہو گئے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ ماہان نے مسلمانوں کو لڑتے بھی دیکھا اور جس تیزی سے مسلمان سواروں نے جبلہ کے دستوں پر حملہ کیا تھا، وہ بھی دیکھا اور وہ سمجھ گیا کہ مسلمانوں سے لڑنا بہت مشکل ہے اور اس کے لیے مزید تیاری کی ضرورت ہے۔ ماہان نے حملے کے لیے کوئی اور دستہ نہ بھیجا۔

ماہان کو توقع تھی کہ مسلمان جوابی حملہ کریں گے لیکن نفری کی کمی مسلمانوں کی مجبوری تھی۔ وہ جوابی حملہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اُدھر جبلہ محتاط ہو گیا۔ دن گزرنے لگے۔ دونوں طرف کی فوجوں نے ایک دوسرے پر نظر رکھنے کے لیے اپنے اپنے آدمی مقرر کر دیئے۔

یہ وقفہ مسلمانوں کے لیے فائدہ مند رہا۔ انہیں مدینہ سے چھ ہزار افراد کی کمک مل گئی۔ یہ چھ ہزار افراد یمنی تھے اور تازہ دم۔ ان سے مسلمانوں کے محاذ کو کچھ تقویت مل گئی۔

مسلمانوں کی فوج کی تفصیل اس طرح تھی کہ اس کی کل تعداد چالیس ہزار تھی۔ ان میں ایک ہزار رسولِ اکرمؐ کے صحابہ کرامؓ تھے۔ ان ایک ہزار میں ایک سو وہ مجاہدین بھی شامل تھے جو بدر کی لڑائی لڑے تھے۔ اس نفری میں رسولِ کریمؐ کے پھوپھی زاد بھائی زبیرؓ بھی شریک تھے، اور اس نفری میں پہلی جنگوں کی دو مشہور شخصیتیں بھی شامل تھیں ــــ ابوسفیانؓ اور اُن کی بیوی ہند ــــ ہند وہ خاتون تھیں جنہوں نے قبولِ اسلام سے پہلے غزوۂ اُحد میں حمزہؓ کی لاش کا کلیجہ نکلوا کر چبایا تھا۔ ابوسفیانؓ کے بیٹے یزیدؓ پہلے ہی چالیس ہزار کی اس فوج میں شامل تھے اور سالار تھے۔

۞

ایک مہینہ گزر گیا تو دشمن نے دیکھا کہ اُس کا لشکر لڑنے کے لیے تیار ہو گیا ہے اور مسلمانوں کی نفری میں بھی کوئی اضافہ نہیں ہُوا تو اُس نے مزید انتظار مناسب نہ سمجھا لیکن اُس نے ایک بار پھر صلح کی کوشش کو ضروری سمجھا۔ اُس نے اپنا ایک ایلچی مسلمانوں کے محاذ کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ سالارِ اعلیٰ بات چیت کے لیے آئیں۔

"ابو سلیمان!" ــــ ابو عبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا ــــ "کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ اب اس شخص کے ساتھ تُو بات کرے؟ وہ ہمیں اپنی طاقت سے ڈرا کر صلح کرنا چاہتا ہے۔"

"مجھے ہی جانا چاہیئے امین الامّت!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "اُس کے ساتھ میں ہی بات کروں گا۔"

خالدؓ گھوڑے پر سوار ہُوئے اور ایڑ لگا دی۔ ماہان نظر نہیں آ رہا تھا۔ خالدؓ کے ساتھ چند ایک محافظ تھے۔ وہ رومیوں کے محاذ تک چلے گئے۔ ماہان نے اُن کا استقبال کیا اور انہیں اپنے خیمے میں لے گیا۔ خیمے میں محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ میدانِ جنگ ہے۔ یہ شاہانہ کمرہ تھا۔

"میں ماہان ہوں" ــــ ماہان نے اپنا تعارف کرایا ــــ "رومی افواج کا سالارِ اعلیٰ!"

"میں کچھ بھی نہیں ہُوں" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "میرا نام خالدؓ بن ولید ہے۔"

"تم سب کچھ ہو ابنِ ولیدؓ!" ــــ ماہان نے کہا ــــ "جہاں تک تم نہیں پہنچ سکے وہاں تک تمھارا نام پہنچ گیا ہے.... میرا خیال ہے کہ تم جتنے قابل اور جرأت مند سالار ہو اتنے ہی دانشمند انسان بھی ہو گے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تمھاری چالیس ہزار فوج میرے اس لشکر کے ہاتھوں ماری جائے جو بڑی دُور دُور تک پھیلی ہُوئی چٹانوں کی مانند ہے؟ دانشمند آدمی چٹانوں سے نہیں ٹکرایا کرتے۔"

"بہت اچھے الفاظ ہیں" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "میں ان الفاظ کی قدر کرتا ہوں لیکن ہم وہ دانشمند ہیں جو باطل کی چٹانوں سے ڈرا نہیں کرتے۔ تم نے مجھے یہاں تک آنے کا موقع اس لیے دیا ہے کہ میں تمھارے لشکر کو دیکھ کر ڈر جاؤں۔"

"ابنِ ولیدؓ!" ــــ ماہان نے کہا ــــ "کیا تجھے اپنے سپاہیوں کی بیویوں اور بچّوں کا بھی کوئی خیال نہیں جو تمھارے لشکر کے ساتھ ہیں؟ کیا تم نے سوچا نہیں کہ تم سب مارے گئے تو یہ بیویاں اور بچے ہماری ملکیت ہوں گے؟"

"ماہان!" ــــ خالدؓ نے مسکراتے ہوتے کہا ــــ "ہم سب کچھ سوچ چکے ہیں.... صلح نہیں ہو گی۔"

"ابنِ ولیدؓ!" ـــــ ماہان نے کہا ـــــ "کیا تم یہ بھی نہیں سمجھ رہے کہ میں تم پر رحم کر رہا ہوں؟... میں تمہیں، تمہارے سارے لشکر کو اور تمہارے خلیفہ کو بھی اتنی رقم پیش کروں گا جو تم سب کو حیران کر دے گی۔"

"رحم کرنے والا صرف اللہ ہے جس کے قبضے میں میری اور تیری جان ہے" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ

"ہم اُسی کی عبادت کرتے اور اُسی سے مدد اور رحم مانگتے ہیں۔ اگر تُو نہیں چاہتا کہ کُشت و خون ہو تو اسلام قبول کرلے جو اللہ کا سچا دین ہے۔"

"نہیں" ـــــ ماہان نے بڑے رعب سے جواب دیا۔

"اگر مجھے، میرے خلیفہ اور میرے لشکر کو انعام دینا ہے تو جزیہ ادا کر دے" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "لیکن جزیہ لے کر ہم چلے نہیں جائیں گے بلکہ تجھے اور ہرقل کی رعایا کی حفاظت، عزت اور ہر ضرورت کے ذمہ دار ہوں گے.... اگر یہ بھی منظور نہیں تو میدانِ جنگ میں ہماری تلواروں کی ملاقات ہو گی۔"

مؤرخ واقدی، بلاذری اور ابو یوسف نے لکھا ہے کہ خالدؓ ماہان پر اپنا بڑا اچھا تاثر چھوڑ آتے اور ماہان کا جو تاثر لے کر آئے وہ بھی اچھا تھا۔ اُس نے کوئی اوچھی بات نہ کی۔ خالدؓ نے واپس آکر ابوعبیدہؓ کو ایک تو یہ بتایا کہ ماہان کے ساتھ کیا بات ہُوئی ہے، دوسرے یہ کہ ماہان کتنا اچھا اور کتنا باوقار سپہ سالار ہے۔

"پھر اُس میں ایک ہی خرابی ہے" ـــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ـــــ "اُس کی عقل و دانش شیطان کے قبضے میں ہے۔"

خالدؓ ماہان کو آخری فیصلہ سنا آئے کہ صلح نہیں ہو گی۔

۞

ابوعبیدہؓ نے اپنے تمام سالاروں کو اکٹھا کر کے بتایا کہ دشمن نے صلح کی پیش کش کی تھی جو ٹھکرا دی گئی ہے اور اب لڑائی ناگزیر ہو گئی ہے اور تمام مجاہدین کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ رومیوں نے ہمیں اپنے لشکر اور اپنی جنگی طاقت سے ڈرایا ہے۔

مؤرخوں کے مطابق، خالدؓ اور ماہان کی بات چیت کی ناکامی کے بعد جب دونوں طرف کی فوجوں کو بتایا گیا کہ جنگ ہو کے رہے گی اور کل صبح سے فوجیں ایک دوسری کے آمنے سامنے آجائیں گی، اُس وقت سے دونوں فوجوں پر ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی۔ رومی محاذ پر پادریوں نے لشکر کو صلیبیں دکھا کر مذہب کے نام پر گرمایا اور انہیں صلیب اور یسوع مسیح کے نام پر مر مٹنے کی تلقین کی۔ پادریوں کے الفاظ اور اُن کا انداز اتنا جوشیلا تھا کہ سپاہیوں نے صلیب کی طرف ہاتھ کر کے حلف اٹھائے کہ وہ فتح حاصل کریں گے ورنہ مر جائیں گے۔

مسلمانوں نے عبادت اور دعا کے لیے رات کا وقت مقرر کیا۔ انہیں گرمانے اور جوش دلانے کے لیے وعظ کی ضرورت نہیں تھی جس مقصد کے لیے وہ گھروں سے نکلے تھے اُس مقصد کی عظمت سے وہ آگاہ تھے۔ اُنہوں نے اپنی جانیں اللہ کے سپرد کر دی تھیں۔

اُسی روز دونوں فوجوں نے صف بندی اور دستوں کو موزوں جگہوں پر پہنچانے کا کام شروع کر دیا۔ ماہان نے اپنے لشکر کو چار حصّوں میں تقسیم کیا اور انہیں آگے لا کر صف آرا کیا۔ اُس کے محاذ کی لمبائی بارہ میل تھی اور گہرائی اتنی زیادہ کہ صفوں کے پیچھے صفیں تھیں جو دور پیچھے تک چلی گئی تھیں۔

رومی افواج کو اس ترتیب سے کھڑا کیا گیا تھا کہ ایک پہلو پہ سالار گریگری کے دستے تھے اور دوسرے پہلو پر سالار قناطیر کے دستے قلب میں سالارِ اعلیٰ ماہان کی آرمینی فوج اور سالار دیرجان کے دستے تھے۔ گھوڑ سوار دستوں کو چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا اور انہیں ایسی جگہوں پر کھڑا کیا گیا جہاں اُن کے سامنے مسلمانوں کے پیادہ دستے تھے۔ رومیوں کے پاس سوار دستے اتنے زیادہ تھے کہ انہوں نے سواروں کے پیچھے بھی سوار کھڑے کر دیئے تھے۔ سالار جبلہ بن الایہم کے گھوڑ سواروں اور شتر سواروں کو بارہ میل لمبے محاذ کے آگے کھڑا کیا گیا۔

ماہان نے ایک بندوبست اور کیا۔ گریگری کے دستے ایک پہلو پر تھے۔ ان میں تیس ہزار پیادے تھے۔ ان تمام پیادوں کو زنجیروں سے باندھ دیا گیا۔ ایک زنجیر میں دس دس آدمی باندھے گئے۔ زنجیریں اتنی لمبی تھیں کہ ان سے بندھے ہُوئے سپاہی آسانی سے لڑ سکتے تھے۔ زنجیروں کا ایک مقصد یہ تھا کہ سپاہی بھاگ نہیں سکیں گے اور دوسرا مقصد یہ کہ مسلمان حملہ کریں گے تو ان زنجیروں سے اُلجھ جائیں گے، گریں گے اور صفیں توڑ کر آگے نہیں نکل سکیں گے۔

۞

خالدؓ رومیوں کی صف بندی دیکھ رہے تھے۔ سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ تھے۔ اُن میں ایک قابل سالار کی ساری خصوصیات موجود تھیں لیکن میدانِ جنگ میں بڑی احتیاط سے قدم اُٹھاتے تھے اور خطرہ مول لینے سے کچھ گریز کرتے تھے۔ جنگِ یرموک میں اُنہوں نے سپہ سالاری کے فرائض خالدؓ کے حوالے کر دیئے تھے۔ یہ جنگ ایسی تھی جس میں خطرے مول لینے ہی تھے۔ دشمن کی اتنی زیادہ طاقت کے مقابلے میں روایتی طریقوں سے جنگ نہیں لڑی جا سکتی تھی۔ سپہ سالار ابوعبیدہؓ ہی تھے۔ اُنہوں نے یہ صورتِ حال خالدؓ کے سپرد کر دی تھی۔

خالدؓ نے ابوعبیدہؓ سے کہا کہ وہ تمام سالاروں اور کمانداروں کو اکٹھا کریں۔ خالدؓ انہیں صف آرائی اور جنگ کے متعلق کچھ بتانا چاہتے تھے۔ چونکہ وہ سپہ سالار نہیں تھے اس لیے سالاروں پر ان کا حکم نہیں چل سکتا تھا۔ ابوعبیدہؓ نے سب کو بلا لیا۔

خالدؓ نے انہیں بتایا کہ دشمن کی تعداد کو وہ دیکھ رہے ہیں اور اپنی تعداد بھی اُن کے سامنے ہے اس لیے یہ زندگی اور موت کی جنگ ہو گی۔ اس کے بعد خالدؓ نے مجاہدین کو اس طرح تقسیم کیا۔ چالیس ہزار تعداد میں کل دس ہزار گھوڑ سوار تھے۔ تیس ہزار پیادوں کو چھتیس حصّوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصے میں آٹھ سو سے نو سو پیادے آئے۔

گھوڑ سواروں کو اُنہوں نے دو دو سو کے تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک کی کمان قیس بن ہبیرہ کو دی، دوسرے کی مسرہ بن مسروق کو اور تیسرے کی کمان عامر بن طفیل کو دی۔

مسلمانوں کے محاذ کی لمبائی گیارہ میل تھی، یعنی دشمن سے ایک میل کم۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی صف آرائی کی گہرائی تھی ہی نہیں۔ ایک پہلو پر یزیدؓ بن ابوسفیان کے اور دوسرے پہلو پر عمروؓ بن العاص کے دستے تھے۔ انہیں دو دو سو کا ایک ایک سوار دستہ بھی دیا گیا تھا۔

ابوعبیدہؓ قلب میں تھے۔ اُنہوں نے سالار شرجیلؓ بن حسنہ کے دستوں کو اپنے ساتھ دائیں طرف رکھا۔

اُن کے ساتھ سالار عکرمہؓ بن ابوجہل اور عبدالرحمٰن بن خالدؓ بھی تھے۔ چار ہزار گھوڑ سواروں کو خالدؓ نے اپنی کمان میں اگلی صفوں کے پیچھے رکھا تھا۔ انہیں ہر اُس جگہ پہنچنا تھا جہاں دُشمن کا دباؤ زیادہ ہونا تھا اور ان سواروں نے گھوم پھر کر لڑنا تھا۔

اگلی صف کے پیادوں کو لمبی برچھیاں دی گئی تھیں جو نیزے کہلاتی تھیں۔ ان کی انّیاں تین دھاری اور چار دھاری تھیں اور بہت تیز۔ ان پیادوں میں تیرانداز خاص طور پر رکھے گئے تھے۔ رومیوں کے حملے کو نیزوں اور تیروں کی بوچھاڑوں سے روکنا تھا۔ اس کے بعد تیغ زنوں نے اپنے جوہر دکھانے تھے۔

اُس دَور کے رواج کے مطابق بہت سے مجاہدین کے بیوی بچّے اور بعض کی بہنیں اُن کے ساتھ تھیں۔ ان عورتوں اور بچوں کو فوج کے پیچھے رکھا گیا۔ ابوعبیدہؓ وہاں گئے۔

"قوم کی بیٹیو!" — ابوعبیدہؓ نے عورتوں سے کہا — "ہم تمہاری حفاظت کریں گے لیکن تمہیں ایک کام کرنا ہے۔ اپنے پاس پتھر جمع کرلو اور خیموں کے ڈنڈے اپنے ہاتھوں میں رکھو۔ اگر کوئی مسلمان بھاگ کر پیچھے آئے تو اُسے پتھر مارو۔ ڈنڈے اُس کے مُنہ پر مارو۔ بھاگنے والوں کی بیویوں اور بچوں کو اُن کے سامنے کھڑا کردو۔"

عورتوں نے اُسی وقت خیموں سے ڈنڈے نکال لیے اور پتھر اکٹھے کرنے لگیں۔

۞

صف بندی ہو چکی تو ابوعبیدہؓ، خالدؓ اور دوسرے سالار ایک سرے سے دوسرے سرے تک گئے۔ وہ مجاہدین کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ وہ ہنستے اور مُسکراتے تھے اور کہیں رک جاتے تو خالدؓ چند الفاظ کہہ کر اُن کے جذبوں کو سہارا دیتے تھے۔ اُن کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے کہ اللہ کی طرف سے بڑے سخت امتحان کا وقت آگیا ہے۔ اللہ کی مدد اُسی کو حاصل ہوتی ہے جو اُس کی راہ پر ثابت قدم رہتا ہے۔ دنیا میں اور آخرت میں عزت اور تکریم اُنہیں ملتی ہے جن کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہوتی ہے اور وہ کفر کی تیز دھار تلوار کا مقابلہ بے خوف ہو کر کرتے ہیں۔

مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ یہ سالار ایک دستے کے سامنے سے گزرے تو ایک مجاہد نے کہا — "رومی کتنے زیادہ اور ہم کتنے تھوڑے ہیں۔"

خالدؓ نے گھوڑا روک لیا۔

"میرے رفیق!" — خالدؓ نے بڑی بلند آواز میں کہا — "کہو رومی کتنے تھوڑے اور ہم کتنے زیادہ ہیں۔ طاقت تعداد کی نہیں ہوتی، طاقت اللہ کی مدد سے بنتی ہے۔ تعداد رومیوں کے پاس ہے اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ جس کا ساتھ چھوڑ دے وہ بہت کمزور ہو جاتا ہے۔"

زیادہ تر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سالار اور کماندار جب اپنی فوج میں گھوم پھر رہے تھے تو یہ آیت بہ آوازِ بلند پڑھتے جاتے تھے:

"کتنی ہی بار چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے چاہنے سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔ اللہ صبر و استقامت والوں کا ساتھ دیتا ہے۔" (قرآنِ حکیم ۲/۲۴۹)

وہ اگست ۶۳۶ء کے تیسرے، رجب ۱۵ ہجری کے دوسرے ہفتے کی ایک رات تھی۔

مجاہدین تمام رات عبادتِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن میں مصروف رہے۔ اللہ کے سوا کون تھا جو اُن کی مدد کو پہنچتا۔ اکثر مجاہدین سورۃ انفال کی تلاوت کرتے رہے۔

رومی محاذ بھی شب بھر بیدار رہا۔ وہاں پادریوں نے سپاہیوں کو عبادت اور دعا میں مصروف رکھا۔ دونوں طرف مشعلیں بھی جلتی رہیں اور جگہ جگہ لکڑیوں کے ڈھیر جلتے رہے تاکہ رات کو دشمن حملہ کرنے آئے تو آتا نظر آجائے۔ دونوں فوجوں پر ہیجان اور کھچاؤ کی کیفیت طاری تھی۔

۞

مسلمانوں کے محاذ سے صبح کی اذان کی آواز اٹھی۔ مجاہدین نے وضو اور زیادہ تر نے تیمّم کر کے باجماعت نماز پڑھی اور اپنی جگہوں پر چلے گئے۔ جنگ شروع ہونے والی تھی جس کا شمار تاریخ کی بہت بڑی جنگوں میں ہوتا ہے۔

سورج افق سے اٹھا تو اُس نے زمین پر بڑا ہی ہیبت ناک منظر دیکھا۔ چالیس ہزار کی فوج ڈیڑھ لاکھ نفری کی فوج کے مقابلے میں کھڑی تھی۔ شان تو ہرقل کے لشکر کی تھی۔ اُس کے جھنڈے لہرا رہے تھے اور بہت سی صلیبیں اُوپر کو اٹھی ہوئی تھیں۔ اس میں ذرا سے شک کی بھی گنجائش نہیں تھی کہ یہ لشکر اپنے سامنے کھڑی اس چھوٹی سی فوج کو نیست و نابود کر دے گا۔

جرجہ رومی فوج کا ایک سالار تھا جو انفرادی مقابلوں میں بہت شہرت رکھتا تھا۔ اپنے سالارِ اعلیٰ ماہان کے حکم سے وہ آگے بڑھا۔

"کیا خالدؓ بن ولید میں اتنی ہمّت ہے کہ میری تلوار کے سامنے آسکے؟" — جرجہ نے للکار کر کہا۔

"میں ہوں رومیوں کا قاتل!" — خالدؓ للکارتے ہوئے آگے بڑھے — "میں ہوں خالدؓ بن ولید!"

خالدؓ دونوں فوجوں کے درمیان جا کر رُک گئے۔ انہوں نے تلوار نکال لی تھی لیکن جرجہ نے تلوار نہ نکالی۔ وہ گھوڑے پر سوار آرہا تھا۔ خالدؓ بن ولید اپنے گھوڑے کو اُس کے گھوڑے کے اتنا قریب لے گئے کہ دونوں گھوڑوں کی گردنیں مل گئیں۔ جرجہ نے پھر بھی تلوار نہ نکالی۔

طبری، واقدی، ہنری سمتھ اور ابویوسف نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔ اتنی قریب ہو کر بھی جرجہ نے تلوار نہ نکالی۔

"ابن ولیدؓ!" — جرجہ نے کہا — "جھوٹ نہ بولنا کہ جنگجو جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ دھوکہ بھی نہ دینا کہ اعلیٰ نسل کے لوگ دھوکہ نہیں دیا کرتے۔"

"پوچھ اے دشمن اسلام!" — خالدؓ نے کہا — "جنگجو جھوٹ نہیں بولے گا، دھوکہ نہیں دے گا۔ پوچھ کیا پوچھتا ہے۔"

"کیا میں اسے سچ سمجھوں کہ تیرے رسولؐ کو خدا نے آسمان سے تلوار بھیجی تھی؟" — جرجہ نے پوچھا — "اور یہ تلوار تیرے رسولؐ نے تجھے دے دی تھی؟ اور جب تیرے ہاتھ میں یہ تلوار ہوتی ہے تو دشمن شکست کھا کر بھاگ جاتا ہے؟"

"یہ سچ نہیں" — خالدؓ نے کہا۔

"پھر تُو سیف اللہ کیوں کہلاتا ہے؟" — جرجہ نے پوچھا — "پھر تُو اللہ کی شمشیر کیوں بنا؟"

"سچ یہ ہے اے دشمنِ اسلام!" ــــ خالدؓ نے کہا۔ "رسول اللہ نے میری تیغ زنی کے جوہر دیکھے تھے تو آپؐ نے بیساختہ کہا، تو اللہ کی تلوار ہے، آپؐ نے مجھے اپنی تلوار انعام کے طور پر دی تھی۔ اب نکال اپنی تلوار اور تو بھی اس کا ذائقہ چکھ لے۔"

"اگر میں تلوار نہ نکالوں تو؟"

"پھر کہو، لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "تسلیم کر کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں"

"میں ایسا کہنے سے انکار کر دوں تو تو کیا کرے گا؟"

"پھر تجھ سے جزیہ مانگوں گا" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "اور تجھے اپنی حفاظت میں رکھوں گا۔"

"اگر میں جزیہ دینے سے انکار کر دوں؟"

"پھر نکال اپنی تلوار!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "اور پہلا وار کر لے کہ تجھے افسوس نہ رہے کہ وار کرنے کا تجھے موقع نہیں ملا تھا۔"

جرجہ کچھ دیر خاموش رہا اور خالدؓ کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔

"اگر کوئی آج اسلام قبول کرے تو اُس کو کیا درجہ دو گے؟" ــــ جرجہ نے پوچھا۔

"وہی درجہ جو ہر مسلمان کا ہے" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "اسلام میں کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا نہیں۔"

"میں تیرے مذہب میں آنا چاہتا ہوں" ــــ جرجہ نے کہا ــــ "میں اسلام قبول کرتا ہوں۔"

خالدؓ کے چہرے پر حیرت کا بڑا گہرا تاثر آ گیا۔

"کیا تُو اپنے ہوش و حواس میں ہے اے رومی سالار؟" ــــ خالدؓ نے پوچھا۔

"ہاں ابنِ ولیدؓ!" ــــ جرجہ نے جواب دیا ــــ "مجھے اپنے ساتھ لے چل۔"

خالدؓ نے اپنا گھوڑا موڑا۔ جرجہ نے اپنا گھوڑا خالدؓ کے پہلو میں کر لیا اور وہ مسلمانوں کے محاذ میں آ گیا۔ خالدؓ نے اسے کلمہ پڑھایا اور وہ مسلمانوں کے محاذ میں شامل ہو گیا۔

مسلمانوں نے تکبیر کے نعرے بلند کیے اور رومی لشکر نے بڑی بلند آواز سے جرجہ پر لعن طعن کی لیکن جرجہ پر کچھ اثر نہ ہُوا۔

بڑی ہی خونریز جنگ شروع ہونے والی تھی اور جرجہ اپنے ہی لشکر کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

اگست ۶۳۶ء مسلمانوں کے بڑے ہی سخت امتحان کا مہینہ تھا۔ رومیوں کا ایک سالار اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے پاس آ گیا تھا۔ مسلمانوں نے خوشی کے نعرے تو بہت لگاتے تھے لیکن انہیں احساس تھا کہ دشمن کے ایک سالار کے اِدھر آ جانے سے رومیوں کے اتنے بڑے لشکر میں ذرا سی بھی کمزوری پیدا نہیں ہوگی اور دشمن کے لڑنے کے جذبے میں بھی کوئی فرق نہیں آئے گا۔

مسلمانوں کو اتنے بڑے اور ایسے منظم لشکر کا سامنا پہلی بار ہُوا تھا۔ اسلام کے لیے یہ بڑا ہی خطرناک چیلنج تھا جو اسلام کے شیدائیوں نے قبول کر لیا تھا۔ مسلمان ایک خودکُش جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش لڑنے کے لیے تیار ہو گئی تھیں۔ انہیں ابوعبیدہؓ نے تو یہ کہا تھا کہ خیموں کے ڈنڈے نکال لیں اور پتھر اکٹھے کر لیں اور جو مسلمان بھاگ کر پیچھے آئے اُس پر پتھر برسائیں اور اُس کے منہ پر ڈنڈے ماریں لیکن عورتوں نے اپنے آپ کو جنگ میں کود پڑنے کے لیے بھی تیار کر لیا تھا۔ دونوں فوجوں کی نفری اُن کے سامنے تھی۔

وہاں تو ہر مسلمان عورت میں اپنے مردوں جیسا جذبہ تھا لیکن اُن میں چند ایک عورتیں غیر معمولی جذبے والی تھیں۔ اِن میں ایک خاتون ہُند اور دوسری خولہ بنت الازور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ہُند کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ وہ ابوسفیان کی بیوی تھی۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے جنگِ اُحد میں اُنہوں نے اپنے قبیلے کا حوصلہ بڑھانے کے لیے میدانِ جنگ میں گیت گائے تھے۔ یہ گیت رزمیہ نہیں تھے اور یہ باقاعدہ جنگی ترانے بھی نہیں تھے۔ ان گیتوں میں اپنے آدمیوں کی مردانگی کو اُبھارا گیا تھا اور کچھ اس قسم کے الفاظ تھے کہ تم ہار گئے تو تمہاری بیویاں تھیں اپنے جسموں کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیں گی۔ ہُند کا چچا اس لڑائی میں حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا تو ہُند نے مشہور برچھی باز وحشی کو حمزہؓ کے قتل کے لیے کہا اور اُسے انعام پیش کیا تھا۔

وحشی کی پھینکی ہُوئی برچھی کبھی خطا نہیں گئی تھی۔ اُس نے میدانِ جنگ میں حمزہؓ کو ڈھونڈ نکالا اور تاک کر برچھی ماری۔ برچھی حمزہؓ کے پیٹ میں اُتر گئی اور وہ شہید ہو گئے۔ ہُند دوڑی گئی اور وحشی سے کہا کہ حمزہؓ کی لاش کا پیٹ چاک کر دو۔ وحشی نے حکم کی تعمیل کی تو ہُند نے حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر منہ میں ڈالا اور چبا کر پھینک دیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اُبوسفیان اور ہُند نے اسلام قبول کر لیا اور اب اس عورت کا وہی جوش و خروش اور جذبہ اسلام کی سربلندی کی خاطر لڑی جانے والی جنگوں میں کام آ رہا تھا۔ اُن کا بیٹا یزید بن ابوسفیانؓ اسلامی لشکر میں سالار تھا۔

دوسری نامور خاتون خولہ بنت الازور تھیں جو ضرارؓ بن الازور کی بہن تھیں۔ ضرارؓ کا پہلے ذکر آ چکا ہے وہ خود، زرہ اور قمیض اتار کر لڑا کرتے تھے۔ اس غیر معمولی دلیری کی وجہ سے ضرارؓ رومیوں میں ننگا ہو کر قہر اور غضب سے لڑنے والے کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ دو سال پہلے ضرارؓ ایک معرکے میں رومیوں کی

صفوں میں اتنی دور چلے گئے کہ بہت سے رومیوں نے انہیں گھیر لیا اور زندہ پکڑ لیا تھا۔ ضرارؓ رومیوں کے لیے بہت اہم شکار تھے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رومی انہیں زندہ چھوڑ دیں گے۔

اور یہ بھی کوئی نہیں سوچ سکتا تھا کہ ضرارؓ کی بہن خولہ انھیں چھڑا لائیں گی۔ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ ایک معرکے میں خولہ چہرے پر نقاب اور سر پر سبز عمامہ رکھ کر رومیوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ وہ خالدؓ کے قریب سے گزر کر آگے گئی تھیں۔ خالدؓ انہیں اپنا کوئی مجاہد سمجھتے رہے تھے۔ اُنہوں نے آخر انہیں اپنے پاس بلایا تو انہیں پتہ چلا کہ یہ کوئی آدمی نہیں بلکہ عورت ہے اور ضرارؓ بن الازور کی بہن ہے۔

یہ اطلاع مل گئی کہ رومی ضرارؓ کو پابجولاں کر کے فلاں طرف لے جا رہے ہیں۔ رومیوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ رافع بن عمیرہؓ کو ایک سو سوار دے کر خالدؓ نے ضرارؓ کو چھڑا لانے کو بھیجا تو خولہ بھی پیچھے پیچھے چلی گئی تھیں۔ خالدؓ کو اُن کے جانے کا علم نہیں تھا جب وہ رافعؓ بن عمیرہ کے سواروں سے جا ملیں تو رافعؓ نے بھی انہیں روکا تھا لیکن خولہ نہیں رُکی تھیں۔ اُنہوں نے اپنے بھائی کو آزاد کرانے کے لیے رومیوں پر حملے پہ حملہ کیا تو مردوں کو حیران کر دیا تھا۔ اس طرح جان کی بازی لگا کر ضرارؓ کو رومیوں سے چھڑا لیا تھا اور اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ اُن کے وہ الفاظ جو انہوں نے ضرارؓ کو گلے لگا کر کہے تھے تاریخ میں محفوظ ہیں ـــــ "میرے عزیز بھائی! میرے دل کی تپش دیکھ، کس طرح تیرے فراق میں جل رہا ہے"

اب جب کہ رومی بلند و بالا پہاڑ کی مانند سامنے کھڑے تھے تو ہند اور خولہ اور دوسری تمام مسلمان عورتیں صرف بیویوں اور بہنوں کی حیثیت سے بیٹھی نہیں رہ سکتی تھیں نہ وہ اپنے فرض کو دعاؤں تک محدود رکھ سکتی تھیں۔ ہند اور خولہ عورتوں کے کیمپ میں مردانہ چال چلتی گھوم پھر رہی تھیں۔ وہ عورتوں کو لڑائی کے لیے تیار کر رہی تھیں۔ انہوں نے یہاں تک فیصلہ کر لیا تھا کہ بچوں والی عورتیں بچوں کو پیچھے پھینک کر آگے چلی جائیں گی۔

رومی سالار جرجہ نے خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ ہی انفرادی مقابلے پھر شروع ہو گئے۔ رومی اپنے سالار جرجہ کی کمی کی خفت یوں مٹانے لگے کہ وہ اپنے چُنے ہوئے سالاروں کو انفرادی مقابلوں کے لیے اُتارتے جا رہے تھے۔ عموماً تین چار مقابلے ہُوا کرتے تھے لیکن مقابلوں کو ختم ہی نہیں ہونے دے رہے تھے۔ اِدھر سے کوئی سالار، نائب سالار یا کماندار سامنے آ کر رومیوں کو للکارتا تو رومی اپنے کسی نامی گرامی تیغ زن یا پہلوان کو آگے کر دیتے۔ تقریباً ہر مقابلے میں رومی مارا گیا یا بھاگ گیا۔

خلیفہ اوّل ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ مقابلے کے لیے سامنے آئے۔

"میں ہوں رسول اللہ ؐ کے پہلے خلیفہ ابوبکرؓ کا بیٹا!" ـــــ عبدالرحمٰنؓ نے دونوں فوجوں کے درمیان گھوڑا ایک چکر میں دوڑاتے ہوئے للکار کر کہا ـــــ "رومیو! میری حیثیت کا کوئی سالار آگے بھیجو۔"

تاریخ میں اُس رومی سالار کا نام نہیں ملتا جو اُن کے مقابلے میں آیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، بڑی جلدی کٹ کر گرا۔

"کیا اتنے بڑے لشکر میں میرے پائے کا کوئی سالار نہیں؟" ـــــ عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ نے

رومیوں کو للکارا۔

رومیوں کی صفوں سے کالے رنگ کا ایک گھوڑا نکلا جس کا قد اونچا نہیں تھا، سر سے دُم تک لمبائی عام گھوڑوں سے زیادہ تھی۔ اُس کا چمکتا ہُوا جسم گٹھا ہُوا اور غیر معمولی طور پر موٹا تازہ تھا گھوڑا دوڑتا تو زمین ہلتی محسوس ہوتی تھی۔ وہ اپنے سوار کے قابو میں تھا لیکن اُس کی چال اور مستی ایسی تھی جیسے اپنے سوار کے قابو میں نہ ہو۔ اُس کا سوار گورے رنگ کا تھا اور اپنے گھوڑے کی طرح فربہ جسم کا تھا۔ وہ پہلوان لگتا تھا۔

"اے بدقسمت جوان!" ـــــ رومی سالار نے للکار کر کہا ـــــ "کیا تُو روم کے بیٹے اُلمور کی برچھی کے سامنے کچھ دیر اپنے گھوڑے پر بیٹھا نظر آتا رہے گا؟"

"خدا کی قسم!" ـــــ عبدالرحمٰنؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر کہا ـــــ "روم والے ابھی وہ برچھی نہیں بنا سکے جو ابن ابی بکرؓ کو گھوڑے سے گرا سکے۔"

اُلمور کی برچھی کالے گھوڑے کی رفتار سے عبدالرحمٰنؓ کی طرف آ رہی تھی۔ عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ گھوڑے ایک دوسرے کے قریب آئے تو اُلمور نے رکابوں میں کھڑے ہو کر عبدالرحمٰنؓ کو برچھی ماری لیکن عبدالرحمٰنؓ نے اپنے گھوڑے کو ذرا ایک طرف کر دیا اور خود پہلو کی طرف اتنا جھک گئے کہ رومی سالار کی برچھی کا وار خالی گیا۔

عبدالرحمٰنؓ نے وہیں سے گھوڑا موڑا اور بڑی تیزی سے اُلمور کے پیچھے گئے۔ اُلمور ابھی گھوڑے کو موڑ رہا تھا۔ عبدالرحمٰنؓ کی تلوار اُس کی اُس کلائی پر پڑی جس ہاتھ میں اُس نے برچھی پکڑ رکھی تھی۔ ہاتھ صاف کٹ کر بازو سے الگ ہو گیا۔ برچھی اُس ہاتھ سمیت جس نے اُسے پکڑ رکھا تھا، زمین پر جا پڑی۔ یہ زخم معمولی نہیں تھا۔ اُلمور بلبلا اٹھا۔ عبدالرحمٰنؓ کا گھوڑا اُس کے اِردگرد دوڑ رہا تھا۔ اُلمور نے کٹے ہُوئے ہاتھ والا بازو اُوپر اٹھایا۔ وہ اس ٹنڈ منڈ بازو سے ابل ابل کر بہتے ہوئے خُون کو دیکھ رہا تھا کہ عبدالرحمٰنؓ کی تلوار اُس کی بغل میں گہری اُتر گئی۔ اُلمور نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور رُخ اپنے لشکر کی طرف کر لیا۔ وہ اپنے لشکر تک نہ پہنچ سکا۔ راستے میں ہی گر پڑا۔ اُس کا کالا گھوڑا اپنے لشکر تک پہنچ گیا۔

عبدالرحمٰنؓ نے ایک بار پھر رومیوں کو للکارا لیکن خالدؓ نے انہیں پیچھے بلا لیا۔ ضروری نہیں تھا کہ عبدالرحمٰنؓ ہر مقابلہ جیت جاتے۔ یکے بعد دیگرے چھ سات مسلمان سالار انفرادی مقابلوں کے لیے گئے اور ان کے مقابلے میں اُترنے والے رومی مارے گئے یا شدید زخمی ہو کر بھاگ گئے۔

عبدالرحمٰنؓ ایک بار پھر بغیر کسی کی اجازت کے آگے چلے گئے اور رومیوں کو للکارا۔ ایک رومی سالار اُن کے مقابلے میں آیا اور واپس نہ جا سکا۔ یہ تیسرا رومی سالار تھا جو عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس طرح عبدالرحمٰنؓ نے تین رومی سالاروں کو مار ڈالا۔ خالدؓ نے انہیں سختی سے کہا کہ اب وہ آگے نہ جائیں۔

❀

"اب کوئی آگے نہیں جائے گا" ـــــ رومی سالارِ اعلیٰ ماہان نے حکم دیا اور اپنے ساتھ کے سالاروں سے کہا ـــــ "اگر یہ مقابلے جاری رہے تو ہمارے پاس کام کا کوئی ایک بھی سالار نہیں رہ جائے گا۔ کیا

ہمیں اعتراف نہیں کر لینا چاہیئے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا سالار یا کوئی اور آدمی نہیں جو دُو بدو مقابلے میں مسلمانوں کو شکست دے سکے؟ اگر ہم اپنے سالاروں کو اسی طرح مرواتے چلے گئے تو اپنے لشکر پر اس کا بہت بُرا اثر پڑے گا۔"

"بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے"— ایک تجربہ کار سالار نے کہا— "میدان میں دیکھیں۔ صرف ہمارے سالاروں اور کمانداروں کی لاشیں پڑی ہیں اور مسلمان ہمیں طعنے دے رہے ہیں۔ ہم اتنا لشکر کیوں لائے ہیں؟ اِن چند ہزار مسلمانوں کو ہم اپنے گھوڑوں کے قدموں تلے کچل دیں گے۔ ان کی لاشیں پہچانی نہیں جائیں گی۔"

"ہمیں پورے لشکر سے ایک ہی بار حملہ کر دینا چاہیئے"— قلب کے ایک سالار نے کہا۔

"نہیں"— ماہان نے کہا— "مسلمانوں سے اتنی بار شکست کھا کر بھی تم مسلمانوں کو نہیں سمجھے۔ مسلمانوں کی نفری جتنی کم ہوتی ہے یہ اتنے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ میں پہلا حملہ ذرا کم نفری سے کروں گا اور دیکھوں گا کہ یہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔"

آدھا دن گزر گیا تھا۔ سورج سر پر آ گیا تھا۔ اگست کی گرمی اور حبس کا عروج شروع ہو چکا تھا۔ ماہان نے اتنی ہی نفری حملے کے لیے آگے بڑھائی جتنی مسلمانوں کی تھی۔ یہ اُس کے اپنے لشکر کی نفری کا چوتھا حصّہ تھا، یعنی تقریباً چالیس ہزار۔ یہ تمام نفری پیادوں کی تھی۔ جب یہ نفری رومیوں کی دفوں کی تال پر آگے بڑھی تو لگتا تھا جیسے طوفانی سمندر کی موجیں پہلو بہ پہلو بپھری ہوئی، غرّاتی ہوئی، اپنے ساتھ ہی سب کچھ بہا لے جانے کو آ رہی ہوں۔

"اِسلام کے پاسبانو!"— کسی مجاہد کی گرجدار للکار بلند ہوئی— "آج کا دن تمہارے امتحان کا دن ہے۔ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

مسلمانوں کی صفوں سے تکبیر کے نعرے گرجے۔ اگلی صف میں جو لمبی برچھیوں والے تھے اور جو تیر انداز تھے وہ تیار ہو گئے۔ ایک ایک تیر کمانوں میں چلا گیا۔ برچھیاں تن گئیں۔ ہر مجاہد کی زبان پر اللہ کا نام تھا۔ بعض کسی نہ کسی آیت کا وِرد کر رہے تھے۔

رومی پیادوں کا سیلاب قریب آیا تو اسلام کے نیزہ بازوں نے بڑھ بڑھ کر برچھیوں کے وار شروع کر دیئے۔ آگے والے رومی گرتے تھے تو پیچھے والے انہیں روندتے ہوئے آگے بڑھتے۔ نیزہ بازوں کا کام کچھ تو تیر اندازوں نے آسان کر دیا تھا۔ رومی ابھی برچھیوں کی زد سے دُور ہی تھے کہ اُن پر تیر اندازوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا تھا۔ رومیوں نے تیروں کو ڈھالوں پر لینے کی کوشش کی تھی پھر بھی کئی رومی تیروں کا شکار ہو گئے۔ اس سے رومیوں کی پیش قدمی کی رفتار سُست ہو گئی۔ آگے آئے تو مسلمانوں کی برچھیوں نے انہیں چھلنی کرنا شروع کر دیا لیکن ان رومیوں کا حملہ مسلمانوں کے سارے محاذ پر نہیں بلکہ گیارہ میل لمبے محاذ کے تھوڑے سے حصے پر تھا۔

اتنے تھوڑے سے حصے پر اتنی زیادہ نفری کا حملہ روکنا آسان نہیں تھا۔ رومی پیادے بڑھے آ رہے تھے، حالانکہ اُن کا نقصان خاصا زیادہ ہو رہا تھا۔ مسلمان تیر اندازوں اور نیزہ بازوں نے جب دیکھا کہ رومی سر پر آ گئے ہیں تو انہوں نے تلواریں نکال لیں اور معرکے کی خونریزی میں اضافہ ہو گیا۔

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ نے اپنے دماغ حاضر اور حوصلے قائم رکھے۔ صورتِ حال ایسی ہو گئی تھی کہ محاذ کے جس حصّے پر اتنا زوردار حملہ ہوا تھا اُسے کمک سے مزید مضبوط کیا جاتا لیکن خالدؓ اس سے بھی زیادہ خطرے مول لینے والے سالار تھے۔ اُنہوں نے محاذ کے کسی اور حصے کو کمزور کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مجاہدین کو معلوم تھا کہ وہ کتنے کچھ ہیں اور اُن کے پاس کیا ہے۔ انہی حالات میں لڑنا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جنگ فیصلہ کُن ہو گی۔ چنانچہ اُنہوں نے کمک اور مدد کی امید دل سے نکال پھینکی تھی۔ مدد کے لیے وہ صرف اللہ کو پکارتے تھے۔

صاف نظر آ رہا تھا کہ رومی سالار احتیاط سے کام لے رہے ہیں۔ رومی سالارِ اعلیٰ ماہان دیکھ رہا تھا کہ اُس کے حملہ آور پیادے کٹ رہے ہیں اور وہ مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا جس مقصد کے لیے اُس نے حملہ کرایا تھا، پھر بھی اُس نے اپنے حملہ آور پیادوں کو پیادہ یا سوار دستے کی کمک نہ دی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ماہان کو یہ توقع تھی کہ مسلمان اس حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے پورے محاذ کو درہم برہم کر دیں گے لیکن اُس کی یہ توقع پوری نہیں ہو رہی تھی۔

کمک نہ ملنے کا اور اپنے اتنے زیادہ نقصان کا اثر رومی حملہ آور پیادوں پر بہت بُرا ہوا۔ قریب تھا کہ وہ خود ہی پیچھے ہٹ جاتے کہ ان کے سالار نے انہیں پیچھے ہٹا لیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سورج غروب ہو رہا تھا۔

❀

وہ منظر جذباتی سا تھا جب مجاہدین جو اپنی جگہ سے آگے چلے گئے تھے، واپس آئے۔ اُن کی عورتیں اُن کی طرف دوڑ پڑیں۔ وہ اپنے خاوندوں کو پکار رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے مردوں کو گلے لگایا اور جو زخمی تھے اُن کی باقاعدہ مرہم پٹی کرنے سے پہلے اپنی اوڑھنیاں پھاڑ پھاڑ کر اُن کے زخم صاف کیے اور ان پر اوڑھنیوں کی پٹیاں باندھ دیں۔

عورتیں پانی کے مشکیزے اٹھائے میدانِ جنگ میں پھیل گئیں۔ وہ اُن زخمیوں کو ڈھونڈتی پھرتی تھیں جو اپنے سہارے اٹھ کر چلنے کے قابل نہیں تھے۔ عورتوں کے انداز میں والہانہ پن اور دیوانگی سی تھی۔ وہ شدید زخمی ہونے والوں کو پانی پلاتیں، اُن کے زخموں پر اپنے کپڑے پھاڑ کر پٹیاں باندھتیں اور انہیں اٹھا کر اپنے سہارے پیچھے لا رہی تھیں۔

شام گہری ہو گئی تو میدانِ جنگ میں مشعلیں نظر آنے لگیں۔ عورتوں کے ساتھ مجاہدین بھی اپنے شدید زخمی اور شہید ساتھیوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اُن کے حوصلے بلند تھے۔ انہوں نے بڑا ہی شدید حملہ بیکار کر دیا تھا۔ میدانِ جنگ میں رومیوں کی لاشیں دیکھ کر اُن کے حوصلے اور جذبے کو مزید تقویت ملی۔ مسلمانوں کے مقابلے میں رومیوں کا نقصان بہت زیادہ تھا۔

بہت سے رومی ایک گروہ یا جیش کی صورت میں مشعلیں اٹھائے آگے آئے۔ وہ اپنے زخمیوں کو اور اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو اٹھانے آتے تھے۔ وہ ایسی ترتیب اور ایسے انداز سے چلے آ رہے تھے جیسے حملہ کرنے آ رہے ہوں۔ مسلمان جو اپنے زخمیوں کو اٹھا رہے تھے، تلواریں نکال کر اُن پر ٹوٹ پڑے۔ اچھا خاصا معرکہ ہوا۔

"ہم اپنے زخمیوں کو اٹھانے آئے ہیں" — رومیوں کی طرف سے آواز بلند ہوئی۔
"تم زخمی ہو کر ہی اپنے زخمیوں کو اٹھا سکو گے" — مجاہدین کی طرف سے جواب گرجا۔

دو تین جگہوں پر اسی طرح کی جھڑپیں ہوئیں اور رات گزرتی رہی۔ اُس وقت رومی سالارِ اعلیٰ ماہان نے سالاروں کو اپنے سامنے بٹھا رکھا تھا۔

"اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھو" — وہ کہہ رہا تھا — "ہم اپنے حملے میں بُری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ ہمارے سپاہیوں نے اپنے اوپر مسلمانوں کا خوف طاری کر رکھا ہے" — ایک سالار نے کہا۔

"نہیں" — ماہان نے کہا — "ہماری صفوں میں اتحاد نہیں۔ مسلمان ایک ہیں۔ وہ بھی مختلف قبیلوں کے ہیں لیکن وہ سب اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو اسلام کے رشتے کا پابند کر لیا ہے۔ اس عقیدے نے انہیں یک جان کر دیا ہے۔ ہم میں یہ اتحاد نہیں۔ کئی ایک علاقوں اور کئی ایک قبیلوں کے لوگ ہمارے ساتھ آملے ہیں لیکن ہمارے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں جو ہم سب کو متحد کر سکے۔"

"ایک رات میں اتحاد پیدا نہیں کیا جا سکتا سالارِ اعلیٰ!" — ایک پرانے سالار نے کہا — "ہمارے درمیان اتحاد نہ ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔ ہمیں انہی حالات میں لڑنا ہے۔"

"ہاں!" — ماہان نے کہا — "ہمیں انہی حالات میں لڑنا ہے۔ میں مایوس نہیں۔ ہمیں کوئی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا..... کل صبح ہم اُس وقت مسلمانوں پر حملہ کریں گے جب وہ حملہ روکنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اور یہ اُن کی عبادت کا وقت ہو گا۔"

تقریباً اُن تمام مؤرخوں نے جنہوں نے جنگِ یرموک کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ماہان کا اگلی صبح کے حملے کا پلان اس طرح لکھا ہے کہ مسلمانوں کے قلب پر حملہ کیا جائے گا جو دھوکہ ہو گا۔ اس کا مقصد یہ ہو گا کہ قلب یعنی مسلمانوں کے درمیانی دستوں کو جن میں مرکزی کمان بھی تھی، لڑائی میں اُلجھا کر وہیں روک کر رکھا جائے گا۔ اس سے فائدہ یہ اُٹھایا جائے گا کہ مسلمانوں کا مرکز اپنے دائیں بائیں کی طرف توجہ نہ دے سکے۔

ماہان کے پلان کے مطابق اصل حملہ مسلمانوں کے پہلوؤں پر کرنا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ پہلوؤں کے دستوں کو بکھیر کر ختم کیا جائے اور اگر مسلمان مقابلے میں جم جائیں تو اُن پر ایسا دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اپنے قلب کی طرف اکٹھے ہو جائیں۔ اس صورت میں ان پر پہلوؤں اور عقب سے حملہ کیا جائے۔
پلان بڑا خطرناک تھا۔ رومیوں کی نفری اتنی زیادہ تھی کہ اس کے بل بوتے پر اپنے پلان کو کامیاب کر سکتے تھے۔

"جاؤ اور اپنے دستوں کو صبح کے حملے کے لیے تیار کرو" — ماہان نے کہا — "لیکن تیاری ایسی خاموشی سے ہو کہ پتہ نہ چلے۔ مسلمانوں کے جاسوس ہمارے ارد گرد موجود رہتے ہیں۔"

رات کو ہی ماہان نے اپنا خیمہ اکھڑوایا اور ایک چٹان کی سب سے اونچی چوٹی پر لے جا نصب کرایا۔ وہاں سے تمام تر محاذ کو وہ دیکھ سکتا تھا۔ اُس نے تیز رفتار گھوڑوں والے قاصد اپنے ساتھ رکھ لیے اور اپنا حفاظتی دستہ بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ دستے کی نفری دو ہزار تھی۔

❁

دونوں طرف کی فوجوں کے درمیان ڈیڑھ ایک میل کا فاصلہ تھا۔ خالدؓ نے حسبِ معمول دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے اور اطلاع دینے کے لیے اپنے آدمی آگے بھیج رکھے تھے لیکن دشمن کے محاذ کی صورت ایسی تھی کہ قریب جا کر کچھ دیکھنا ممکن نہ تھا۔ اپنے آدمی بلندیوں سے دیکھتے رہتے تھے۔
مسلمان فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ آگے گیا ہوا ایک آدمی دوڑتا آیا اور خالدؓ کو بتایا کہ رومی تیار ہو کر ترتیب میں آرہے ہیں۔
"ترتیب کیسی ہے؟" — خالدؓ نے پوچھا۔
"ترتیب حملے کی معلوم ہوتی ہے" — جاسوس نے جواب دیا — "پہلے دف بجے تھے پھر اُن کے دستے بڑی تیزی سے ترتیب میں آگئے۔ سوار گھوڑوں پر سوار ہو چکے ہیں۔"
"ہو نہیں سکتا کہ رومی کہیں اور جا رہے ہوں" — خالدؓ نے کہا — "وہ حملے کے لیے آرہے ہیں۔"
خالدؓ کچھ پریشان بھی ہوئے لیکن وہ حوصلہ ہارنے والے نہیں تھے۔ تیاری کا وقت نہیں تھا۔ اگر رومی تیار تھے تو انہوں نے مسلمانوں کو اس حالت میں آدبوچنا تھا جب وہ تیاری کر رہے تھے۔ انہوں نے بڑی تیزی سے تمام سالاروں کو اطلاع بھجوا دی کہ دشمن کا حملہ آرہا ہے۔
مسلمان جب تیار ہو رہے تھے اُس وقت رومی لشکر اپنے محاذ سے چل پڑا تھا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ رومی سالاروں کو توقع تھی کہ وہ مسلمانوں کو بے خبری میں جا لیں گے لیکن وہ جب قریب آئے تو مسلمان تیار تھے۔ وہ خلافِ توقع اتنی جلدی تیار ہو گئے تھے۔ خالدؓ نے انہیں لمبا چوڑا حکم نہیں بھیجا تھا نہ کوئی ہدایت جاری کی تھی، صرف اتنا پیغام دیا تھا کہ دشمن کا حملہ آرہا ہے، اپنے اپنے محاذ پر تیار رہو۔
صبح کا اجالا سفید ہو رہا تھا۔ رومی سیلاب کی طرح بڑھے آرہے تھے۔ اُن کا رُخ مسلمانوں کے قلب کی طرف تھا۔ اُن کے بہت سے دستے دائیں اور بائیں پہلوؤں کی طرف بھی آرہے تھے لیکن معلوم یہی ہوتا تھا کہ وہ حملہ قلب پر کریں گے۔
خالدؓ نے اپنے قلب کے دستوں کو آگے بڑھ کر دشمن کا استقبال کرنے کا حکم دیا۔ اُنہوں نے دفاع کا طریقہ وہی اختیار کیا کہ برچھی بازوں اور تیر اندازوں کو آگے رکھا گیا۔ رومی جو اِس امید پر بہت تیزی سے آرہے تھے کہ مسلمان بے خبر ہوں گے اور یہ بڑی آسان فتح ہو گی، مسلمانوں کو ہر لحاظ سے تیار دیکھ کر ذرا سست ہو گئے اور اُن کے قدم رُکنے لگے۔ انہوں نے گذشتہ روز حملہ کر کے دیکھ لیا تھا۔
مسلمان تیر اندازوں نے اتنی تیزی سے تیر چلانے شروع کر دیئے کہ فضا میں ایک جال تن دیا۔

رومی رُک کر پیچھے ہٹے اور تیروں کی زد سے نکل گئے۔ کچھ دیر بعد وہ ڈھالیں آگے کر کے بڑھنے لگے۔ تیر اندازوں نے ایک بار پھر تیروں کا مینہ برسا دیا لیکن اب کے رومی بڑھتے آئے۔ تیر کھا کھا کر گرتے بھی رہے

اور وہ نیزہ بازوں تک آن پہنچے۔ رومیوں کے پاس مروانے کے لیے بہت نفری تھی۔

نیزہ بازوں نے رومیوں کو روکنے کی بھرپور کوشش کی لیکن رومیوں کی یلغار اتنی شدید تھی کہ رُک نہ سکی۔ تب قلب کے دستے آگے بڑھے اور مجاہدین نے جان کی بازی لگا دی۔ خالدؓ یہ دیکھ کر کچھ حیران ہوتے کہ رومی پیچھے ہٹنے لگے ہیں مجاہدین اُن کے پیچھے گئے لیکن خالدؓ نے انہیں روک دیا۔

کچھ دیر بعد رومی پھر آگے بڑھے اور مجاہدین نے پہلے کی طرح حملہ روکا۔ خاصی خونریزی ہُوتی اور رومی پیچھے ہٹ گئے اور اس کے بعد یہی سلسلہ چلتا رہا۔ مسلمان سالاروں کو معلوم نہیں تھا کہ ماہان کا پلان ہی یہی ہے کہ مسلمانوں کے قلب اور محفوظہ کو الجھائے رکھو تاکہ اپنے پہلوؤں سے بے خبر رہیں اور انہیں کمک نہ دے سکے۔

خالدؓ اِس دھوکے کو سمجھ تو نہ سکے لیکن انہوں نے ہر حملہ اس طرح روکا کہ مرکزیّت اور جمعیت کو درہم برہم نہ ہونے دیا۔ رومیوں نے پیچھے ہٹ کر مسلمان سالاروں کو موقع دیا کہ وہ جوابی حملہ کریں لیکن خالدؓ نے اپنے دستوں کو دفاع میں ہی رکھا۔ اس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی نفری اور نفری کی جسمانی طاقت زائل ہوتی رہے۔

❁

خالدؓ نے اپنے پہلوؤں کی طرف توجہ نہ دی۔ انہوں نے سالاروں کو بتا رکھا تھا کہ کمک کی امید نہ رکھیں۔ سالاروں کو بھی اپنی بے مائیگی کا احساس تھا، اور یہ احساس اسلامی لشکر کے ہر ایک فرد کو تھا کہ صورتِ حال کتنی ہی دگرگوں ہو جائے، مدد صرف اللہ کی طرف سے مِلے گی۔

رومیوں کے اصل حملے تو مسلمانوں کے پہلوؤں پر ہو رہے تھے جو ماہان کے پلان کے عین مطابق تھے۔ دائیں پہلو پر یوں ہُوا کہ رومیوں نے وہاں بڑا تیز حملہ کیا۔ اس پہلو کی کمان عمروؓ بن العاص کے پاس تھی۔ مجاہدین نے یہ حملہ نہ صرف روک لیا بلکہ دشمن کو پسپا کر دیا۔ دشمن نے یہ حملہ کرنے والے دستوں کو پیچھے کر کے دوسرا حملہ تازہ دم دستوں سے کیا۔ یہ پہلے حملے سے زیادہ شدید تھا۔

مسلمانوں نے اس کا بھی مقابلہ کیا لیکن اُن کے جسم شل ہو گئے۔ انہوں نے رومیوں کو اُس سے کہیں زیادہ نقصان پہنچایا جتنا رومیوں نے انھیں پہنچایا تھا اور انہوں نے اس حملے کا دم خم توڑ دیا۔ رومی بُری طرح ناکام ہو کر پیچھے ہٹ گئے لیکن مسلمانوں کی جسمانی حالت ایسی ابتر ہو گئی کہ وہ مزید لڑنے کے قابل نہ رہے۔

رومیوں نے تیسرا حملہ تازہ دم دستوں سے کیا۔ اب کے حملہ آوروں کی نفری بھی زیادہ تھی۔ مسلمانوں نے جذبے کے زور پر حملہ روکنے کی کوشش کی مگر جسم ہی ساتھ نہ دیں تو جذبہ ایک حد تک ہی کام آسکتا ہے۔ وہ حد ختم ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اُن کی ترتیب اور تنظیم ٹوٹ گئی۔ بیشتر اس طرح پسپا ہُوئے کہ خیمہ گاہ تک جا پہنچے اور جنہوں نے پسپائی کو قبول نہ کیا وہ درمیانی دستوں یعنی قلب کی طرف جانے لگے۔

سالار عمروؓ بن العاص بھاگنے والوں میں سے نہیں تھے۔ ان کے پاس محفوظہ میں دو ہزار سوار تھے جو وہاں موجود رہے۔ عمروؓ بن العاص نے ان دو ہزار سواروں سے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ اس کی قیادت

عمروؓ بن العاص نے خود کی۔ سواروں نے حملہ بہت تیز اور سخت کیا اور رومیوں کو کچھ پیچھے ہٹا دیا لیکن رومیوں نے تازہ دم دستے آگے لا کر ان دو ہزار مسلمان سواروں کا حملہ ناکام کر دیا اور اتنا دباؤ ڈالا کہ مسلمان سوار منہ موڑ گئے۔ وہ تو جیسے بڑے ہی تیز و تند سیلاب کے بھنور میں پھنس گئے تھے۔ یہ بھی اُن کی بہادری تھی کہ وہ لڑائی میں سے زندہ نکل آئے اور خیمہ گاہ کی طرف چلے گئے۔

"دشمن کو پیٹھ دکھانے والوں پر اللہ کی لعنت!" — یہ مسلمان عورتوں کی آوازیں تھیں جو خیموں کے ڈنڈے ہاتھوں میں لیے کھڑی تھیں۔

عورتوں نے بھاگ آنے والے مسلمانوں پر لعن طعن اور طنز کے تیر برساتے اور (دو مؤرخوں کے مطابق) بعض کو عورتوں نے ڈنڈے بھی مارے۔

"خدا کی قسم مسلمان خاوند اتنے بے غیرت نہیں ہو سکتے" — یہ بیویوں کی آوازیں تھیں۔ وہ اپنے خاوندوں سے چلّا چلّا کر کہہ رہی تھیں — "کیا تم ہمارے خاوند ہو جو ہمیں غیر مسلموں سے محفوظ نہیں رکھ سکتے؟"

اُس دَور کے عربی رواج کے مطابق چند ایک مسلمان عورتوں نے دف اٹھا کر ان کی تال پر گیت گانا شروع کر دیا۔ یہ کوئی باقاعدہ ترانہ نہیں تھا۔ عورتوں نے خود گیت گھڑ لیا اور گانے لگیں:

ہائے تمھاری غیرت کہاں گئی
اپنی اُن بیویوں کو جو خوبصورت ہیں
نیک بھی ہیں
حقیر اور قابلِ نفرت کفّار کے پاس
چھوڑ کر بھاگ رہے ہو، اس لیے کہ
کفّار اُن کو اپنی ملکیت میں لے لیں،
اُن کی عصمتوں کی بے حرمتی کریں
اور اُن کو ذلیل اور خوار کر دیں

مسلمان پسپائی میں حق بجانب تھے۔ اتنی زیادہ نفری کے حملے کو روکنا اُن کے لیے زیادہ دیر تک ممکن نہیں تھا لیکن ابوعبیدہؓ نے اس لیے عورتوں سے کہا تھا کہ وہ بھاگ آنے والوں کو ڈنڈے اور پتھر ماریں کہ وہ تاریخ اسلام کو پسپائی سے پاک رکھنا چاہتے تھے۔

اُن کا مقصد پورا ہو گیا۔ بھاگ آنے والوں کو عورتوں نے نیا حوصلہ دیا۔ اُن کا خون کھول اٹھا اور وہ واپس چلے گئے۔ عمروؓ بن العاص نے انھیں جلدی جلدی منظم کیا اور رومیوں پر جوابی حملے کی تیاری کرنے لگے۔

❁

بائیں پہلو کے سالار یزیدؓ بن ابوسفیانؓ تھے۔ اُن کے والد ابوسفیانؓ اُن کے ماتحت لڑ رہے تھے۔ اس پہلو پر بھی رومیوں نے حملہ کیا تھا جو مسلمانوں نے روک کر پسپا کر دیا تھا۔ دوسرا حملہ جس رومی دستے نے کیا وہ زنجیروں میں بندھا ہُوا تھا۔ دس دس سپاہی ایک ایک زنجیر کے ساتھ بندھے ہُوئے تھے۔ زنجیریں اتنی لمبی تھیں کہ سپاہی آسانی سے لڑ سکتے تھے۔

چونکہ اس دستے کے سپاہی زنجیروں کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک تھے اس لیے

ان کے حملے کی رفتار تیز نہیں تھی۔ مجاہدین نے پہلا حملہ بڑی جانفشانی سے روکا تھا اور رومیوں کو پسپا کرنے کے لیے انہیں چند گھنٹے لڑنا پڑا تھا۔ اس کے فوراً بعد تازہ دم دستوں کا حملہ روکنا اُن کے لیے محال ہوگیا۔ حملہ آوروں کی نفری تین گنا سے بھی کچھ زیادہ تھی چنانچہ مسلمانوں کے جسموں نے اُن کے جذبوں کا ساتھ نہ دیا اور اُن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپا ہونے لگے۔

اِن کی عورتوں کے خیمے ان کے پیچھے محفوظ فاصلے پر تھے۔ بھاگنے والوں میں ان کے سالار کے والد ابوسفیانؓ بھی تھے۔ وہ کوئی معمولی شخص نہیں تھے۔ قبیلے کے سرداروں میں سے تھے۔ قبولِ اسلام سے پہلے انہوں نے مسلمانوں سے کئی لڑائیاں لڑی تھیں اور مسلمانوں کی تباہی اور بربادی میں پیش پیش رہتے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد بھی وہ اپنے بدلے ہوئے کردار میں اہم حیثیت کے مالک رہے لیکن رومیوں کے سیلاب کے آگے ٹھہر نہ سکے اور عورتوں کے کیمپ کی طرف بھاگ آئے۔

وہاں بھی عورتوں نے بھاگ آنے والوں کا استقبال ڈنڈوں سے کیا۔ ان میں ابوسفیانؓ کی بیوی ہُند بھی تھیں۔ وہ اُن کی طرف دوڑی آئیں اور ڈنڈہ آگے کر کے انہیں روک لیا۔

"اے ابنِ حرب!" — ہُند نے ابوسفیان سے کہا — "تو کدھر بھاگا آرہا ہے؟" — انہوں نے ابوسفیانؓ کے گھوڑے کے سر پر ڈنڈا مارا اور کہا — "یہیں سے لوٹ جا اور ایسی بہادری سے لڑ کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے تُو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو کارروائیاں کی تھیں، اللہ وہ بخش دے۔"

اُبوسفیانؓ اپنی بیوی کو جانتے تھے۔ وہ بڑی زبردست خاتون تھیں۔ ابوسفیانؓ نے انہیں اتنا کہنے کی بھی جرأت نہ کی کہ وہ بھاگ آنے پر مجبور تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ہُند کے سامنے بولے اور کچھ دیر رُکے رہے تو ہُند ڈنڈوں سے مار مار کر انہیں بیہوش کر دیں گی۔

دوسری عورتوں نے یہاں بھی وہی منظر بنا دیا جو دائیں پہلو کے مجاہدین کی عورتوں نے بنا دیا تھا۔ بیویوں نے اپنے خاوندوں کو شرمسار کیا اور انہیں ایسا جوش دلایا کہ وہ سب واپس چلے گئے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ میدانِ جنگ تک چلی گئیں۔ ان میں ایک عورت کچھ زیادہ ہی آگے چلی گئی ایک رومی سپاہی اُس کے سامنے آگیا۔ وہ اُسے ایک عورت ہی سمجھ رہا تھا لیکن اِس عورت نے تلوار نکال لی اور اس رومی کو مار ڈالا۔

سالار یزیدؓ بن ابوسفیانؓ ایک جگہ پریشانی کے عالم میں اپنے بکھرے ہوئے مجاہدین کو ڈھونڈتے نظر آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ بھاگ جانے والے واپس آگئے ہیں تو اُن کے چہرے پر رونق واپس آگئی۔ رومی پیچھے ہٹ گئے تھے۔ یزید نے اپنے دستوں کو بڑی تیزی سے منظم کرلیا اور جوابی حملے کا حکم دے دیا۔

ہُند نے بہت ہی بلند آواز میں وہی گیت گانا شروع کر دیا جو اُنہوں نے اُحد کی جنگ میں اپنے قبیلے کو گرمانے کے لیے گایا تھا۔ اُس وقت ہُند مسلمان نہیں تھیں۔ اُن کے گیت کے بعض الفاظ غیر شائستہ تھے۔ گیت کا لُبّ لباب یہ تھا کہ ہم تمہارے لیے راحت اور لطف کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اگر تم نے دشمن کو شکست دی تو ہم تمہیں گلے لگا لیں گی اور اگر تم پیچھے ہٹ آئے تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گی۔

جنگِ یرموک میں بھی ہند نے وہی گیت گایا۔

خالدؓ کی نظر پورے محاذ پر تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ دائیں اور بائیں پہلوؤں پر کیا ہو رہا ہے۔ انہیں احساس تھا کہ پہلوؤں کو مدد کی ضرورت ہے لیکن خالدؓ نے مدد کو انتہائی مخدوش صورتِ حال میں استعمال کرنے کی سوچ رکھی تھی۔ انہیں خبریں مل گئی تھیں کہ دایاں پہلو پسپا ہو گیا ہے اور بایاں پہلو بھی بکھر کر پیچھے ہٹ گیا ہے۔ خالدؓ نے دونوں پہلوؤں کے سالاروں کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ جوابی حملہ کریں، نفری کتنی ہی تھوڑی کیوں نہ ہو۔

آخر انہیں اطلاع ملی کہ دائیں پہلو کے سالار نے جوابی حملہ کر دیا ہے۔ خالدؓ نے محفوظہ کے سوار دستے کے ساتھ متحرک سوار دستے کے کچھ حصے کو اس حکم کے ساتھ اُدھر بھیج دیا کہ وہ دائیں پہلو پر رومیوں پر دوسری طرف سے حملہ کریں۔

اُس وقت دائیں پہلو سے عمروؓ بن العاص نے جوابی حملہ کیا تھا۔ یہ تھکے ہوئے مجاہدین کا حملہ تھا جو نئے جوش اور ولولے سے کیا گیا تھا لیکن نفری بہت کم تھی، پھر بھی حملہ کر دیا گیا۔

"اب زندہ نہ جائیں" — یہ رومیوں کی للکار تھی — "اب بھاگ کر نہ جائیں۔"

رومی نفری کی افراط پر ایسا دعویٰ کر سکتے تھے کہ وہ مسلمانوں کی اس قلیل نفری کو زندہ نہیں جانے دیں گے لیکن اچانک اُن کے پہلو پر بڑا تیز حملہ ہو گیا۔ حملہ آور گھوڑسوار تھے۔ وہ نعرے لگاتے اور گرجتے آئے تھے۔

"ابنؓ العاص!" — سوار دستوں کا سالار للکار رہا تھا — "ہم آگئے ہیں۔ حوصلہ قائم رکھو۔"

عمروؓ بن العاص کے تھکے ہارے مجاہدین کے حوصلوں میں بھی اور جسموں میں بھی جان پڑ گئی اور اس کے ساتھ ہی رومیوں کے حوصلوں سے جان نکل گئی۔ وہ اب دوطرفہ حملوں کی لپیٹ میں آگئے تھے۔ وہ بوکھلا گئے۔ مسلمان سوار تازہ دم تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ساتھیوں کی بُری حالت دیکھ کر اور زیادہ جوش میں آگئے تھے۔ یہ انتقام کا قہر تھا۔

اگر دونوں طرف نفری برابر ہوتی یا دشمن کی نفری ذرا زیادہ ہی ہوتی تو دشمن کا بے تحاشہ نقصان ہوتا اور وہ میدان چھوڑ جاتا لیکن نفری کے معاملے میں رومی سیلابی دریا تھے۔ مسلمانوں کے حملے کا اُن پر یہ اثر پڑا کہ وہ اپنی بہت سی لاشیں اور بے شمار زخمی چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے لیکن بھاگے نہیں بلکہ منظم طریقے سے اپنے محاذ تک واپس چلے گئے۔

اِدھر مرکز یعنی قلب میں کیفیت یہ تھی کہ خالدؓ دشمن کی چال سمجھ چکے تھے۔ رومی ابھی تک مسلمانوں کے قلب کے سامنے موجود تھے۔ وہ ہلکا سا حملہ کر کے پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ خالدؓ جان گئے کہ دشمن انہیں مصروف رکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ اپنے پہلوؤں کی طرف توجہ نہ دے سکیں۔ خالدؓ کو دائیں بائیں پہلوؤں کی اطلاعیں ملیں تو انہوں نے ماہان کا پلان بیکار کرنے کا طریقہ سوچ لیا۔ پہلے تو انہوں نے دائیں پہلو کو مدد بھیجی پھر بائیں طرف توجہ دی جہاں کے سالار یزیدؓ بن ابوسفیانؓ تھے۔

"ابنؓ الازور!" — خالدؓ نے اپنے متحرک سوار دستے کے سالار ضرارؓ بن الازور کو بلا کر کہا — "کیا تو دیکھ

رہا ہے کہ دشمن ہمارے بازوؤں پر غالب آ گیا ہے؟"

"دیکھ رہا ہوں ابنِ الولید!" — ضرارؓ نے کہا — "میں تیرے حکم کا منتظر ہوں۔ کیا تُو دیکھ نہیں رہا کہ میرا گھوڑا کس بے چینی سے کُھر مار رہا ہے؟"

"بائیں پہلو پر جلد جا ابنِ الازور!" — خالدؓ نے کہا — "سوار دستہ اپنے ساتھ لے اور یزیدؓ کی مدد کو اس طرح پہنچ کہ جن رومیوں کے ساتھ وہ اُلجھا ہُوا ہے اُن پر پہلو سے حملہ کر دے۔"

"کس حال میں ہے یزیدؓ؟" — ضرارؓ نے پوچھا۔

"حال جو مجھے بتایا گیا ہے وہ میں کیسے بیان کروں!" — خالدؓ نے کہا — "ابوسفیانؓ جو کبھی ہمارے قبیلہ قریش کی آنکھ کا تارہ تھا، وہ بھی میدان چھوڑ گیا ہے.... دوسری اطلاع ملی ہے کہ بھاگ آنے والے پھر آگے چلے گئے ہیں لیکن تُو جانتا ہے کہ حوصلہ ایک ضرب کھائے تو دوسری ضرب کھانے کی تاب نہیں رہتی۔"

"اللہ ہم سب کو حوصلہ دے گا" — ضرارؓ بن الازور نے کہا۔

ضرارؓ تاریخی جنگجو تھے۔ دل میں اللہ اور رسولؐ کا عشق، زبان پر اللہ اور رسولؐ کا نام اور اُن کی تلوار اللہ کے نام پر چلتی تھی۔ وہ تو اپنی جان سے لاتعلق ہو چکے تھے۔ خالدؓ کا حکم ملتے ہی انہوں نے اپنے سوار دستے کو ساتھ لیا اور یہ دستہ اپنی ہی اُڑائی ہُوئی گرد میں غائب ہو گیا۔

وقت بعد دوپہر کا تھا۔ گرمی جُھلسا رہی تھی۔ گھوڑے پسینے میں نہا رہے تھے۔ پیاس سے مجاہدین کے منہ کُھل گئے تھے اور اُن کی روحیں پانی کی نہیں دشمن کے خون کی پیاسی تھیں۔

ضرارؓ کے دستے نے اُن رومیوں پر ایک پہلو سے حملہ کیا جنہیں یزیدؓ نے اپنے حملے میں اُلجھا رکھا تھا۔ یہ رومی زنجیر بند تھے۔ انہیں پہلی بار احساس ہُوا کہ زنجیریں نقصان بھی دے دیا کرتی ہیں۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ دس دس آدمی ایک ہی زنجیر میں بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب حملہ کیا تھا تو اُن کی رفتار زنجیروں کی وجہ سے سُست تھی۔ اب ان پر ضرارؓ نے حملہ کیا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ مسلمانوں کی تلواروں اور برچھیوں سے بچنے کے لیے انہیں تیزی سے پیچھے ہٹ جانا چاہیے تھا لیکن زنجیریں انہیں تیزی سے پیچھے ہٹنے نہیں دے رہی تھیں۔

ضرارؓ کے سواروں کا حملہ بڑا ہی تیز اور زوردار تھا۔ ضرارؓ بڑے ذہین سالار تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ہی طریقے اور جوش سے لڑنے والے سپاہی بھی تھے۔ اُن کی دلیری کا یہ عالم تھا کہ دشمن کی صفوں میں گُھس جایا کرتے تھے، یہاں بھی انہوں نے ایسی ہی دلیری کا مظاہرہ کیا۔ وہ رومیوں کے سالار کو ڈھونڈ رہے تھے۔

انہیں وہ سالار نظر آ گیا۔ وہ دیرجان تھا۔ اُس کے اِردگرد اُس کے محافظ سوار کھڑے تھے اور وہاں رومی پرچم بھی تھا۔ ضرارؓ اگر اسے للکارتے تو پہلے انہیں اُس کے محافظوں کا مقابلہ کرنا پڑتا جو اکیلے آدمی کے بس میں نہیں تھا۔ ضرارؓ محافظوں کو نظر انداز کر کے اُن کے حصار میں چلے گئے اور تلوار کا ایسا وار کیا کہ دیرجان کی گردن تقریباً آدھی کٹ گئی۔

پیشتر اس کے کہ دیرجان کے محافظ ضرارؓ کو گھیر لیتے، ضرارؓ وہاں سے غائب ہو گئے تھے۔ محافظوں میں

ہڑبونگ مچ گئی۔ اُن کا سالار گھوڑے سے لڑھک گیا۔ دو محافظوں نے اُسے تھام لیا اور گھوڑے سے گرنے نہ دیا لیکن اس کی زندگی ختم ہو چکی تھی۔ اُسے اب مرنا تھا۔ وہ ذبح ہونے والے بکرے کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اُسے پیچھے لے جانے لگے تو وہ دم توڑ گیا۔

اِدھر ضرارؓ ایک قہر کی طرح رومیوں پر برس رہے تھے اُدھر خالدؓ نے اسی پہلو کے اُس مقام پر حملہ کر دیا جہاں رومیوں کا سالار گریگری تھا۔ ضرارؓ اور خالدؓ کے حملوں نے رومیوں کا زور توڑ دیا۔ زیادہ نقصان اُن رومی سپاہیوں کا ہُوا جو زنجیروں سے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہُوئے تھے۔ وہ تیزی سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے تھے۔

اس جوابی حملے کا یہ اثر ہُوا کہ رومی پیچھے ہٹ گئے لیکن یہ پسپائی نہیں تھی۔ وہ محاذ یا خیمہ گاہ تک چلے گئے۔ اُن کا نقصان بہت ہُوا تھا لیکن اُن کے پاس نفری کی کمی نہیں تھی۔ مسلمان فوج پر یہ اثر ہُوا کہ اُن کا حوصلہ اور لڑنے کا جذبہ بحال ہو گیا اور اُن میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ اتنے بڑے لشکر کو پیچھے ہٹایا جا سکتا ہے تو اسے شکست بھی دی جا سکتی ہے۔

اُس روز مزید لڑائی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ سورج غروب ہو رہا تھا۔

وہ رات بیداری کی رات تھی۔ مسلمان عورتیں آگے جا کر لڑنے کے لیے بیتاب ہُوتی جا رہی تھیں لیکن اُن کے لیے دوسرے کام بھی تھے جن میں فوج کے لیے پانی فراہم کرنا اور کھانا پکانا تھا اور اس سے زیادہ اہم کام زخمیوں کی مرہم پٹی تھا۔ عورتیں زخمیوں کے زخم صاف کرتی اور ان پر پٹیاں باندھتی تھیں۔ ان کے انداز میں جو خلوص تھا اور جو اپنائیت تھی، اس سے زخمیوں کے حوصلے اور زیادہ مضبوط ہو گئے۔ ان میں جو اگلے روز لڑنے کے قابل نہیں تھے وہ بھی لڑنے کو تیار ہو گئے۔

مجاہدین رات کو اپنے ساتھیوں کی لاشیں ڈھونڈتے اور پیچھے لاتے رہے۔ کچھ زخمی بے ہوش پڑے تھے۔ انہیں بھی اُنہوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اُٹھایا اور پیچھے لے آئے۔

اُدھر ماہان نے اپنے سالاروں کو اپنے سامنے بٹھا رکھا تھا۔

"میں شہنشاہ ہرقل کو کیا جواب دوں گا؟" — وہ سخت برہم تھا — "تم ہی بتاؤ کہ میں شہنشاہ کو کیا بتاؤں کہ ان چند ہزار مسلمانوں کو ہم اپنے گھوڑوں کے قدموں تلے کچل کیوں نہیں سکے؟"

کوئی سالار اُسے تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔

"ہمارا ایک سالار بھی مارا گیا ہے" — ماہان نے کہا — "کیا تم نے اُن کے کسی سالار کو قتل کیا ہے؟"

اُس کے تمام سالار خاموش رہے۔

"قورین!" — اُس نے اپنے ایک سالار قورین سے کہا — "تم سالار دیرجان کے دستے لے لو.... اور سوچ لو کہ پسپا ہونا ہے تو زندہ میرے سامنے نہ آنا۔ آگے ہی کہیں مارے جانا" — اُس نے تمام سالاروں سے کہا — "کل کے سورج کے ساتھ مسلمانوں کا سورج بھی غروب ہو جاتے.... ہمیشہ کے لیے۔"

ماہان نے مسلمانوں کو اگلے روز ختم کر دینے کا نیا پلان بنایا اور سالاروں کو سمجھایا۔ اپنے مرے ہوئے سالار دیرجان کی جگہ اُس نے قورین کو اُس کے دستوں کا سالار مقرر کیا۔

مسلمان سالاروں نے بھی رات جاگتے گزاری۔ زخمیوں کی عیادت کی اور مجاہدین کا حوصلہ بڑھایا۔

اگلے روز کی لڑائی پہلے سے کہیں زیادہ شدید اور خونریز تھی۔ مسلمانوں کے دائیں پہلو پر سالار عمرؓو بن العاص کے دستے تھے اور ان کے ساتھ ہی سالار شرحبیلؓ بن حسنہ کے دستے تھے۔ رومیوں نے اُس جگہ حملہ کیا جہاں ان دونوں کے دستے آپس میں ملتے تھے۔ دونوں سالاروں نے مل کر رومیوں کا یہ حملہ بے جگری سے لڑکر پسپا کر دیا۔

رومیوں نے اپنا پہلے والا طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے دوسرا حملہ تازہ دم دستوں سے کیا۔ اس طرح وہ بار بار تازہ دم دستے آگے لاتے رہے اور مسلمان ہر حملہ روکتے رہے۔ انہوں نے اپنی تنظیم اور ترتیب برقرار رکھی مگر جسمانی طاقت جواب دینے لگی۔ رومیوں کی کوشش ہی یہی تھی کہ مسلمانوں کو اتنا تھکا دیا جائے کہ حملہ روکنے کے قابل نہ رہیں۔

دوپہر کے وقت جب گرمی انتہا کو پہنچ گئی تو رومیوں نے زیادہ نفری سے بڑا ہی سخت حملہ کیا۔ اس کے آگے پوری کوشش کے باوجود مسلمان جم نہ سکے۔ عمرؓو بن العاص کا پورے کا پورا اور شرحبیلؓ بن حسنہ کا تقریباً نصف دستہ پسپا ہو گیا۔ اُس روز بھی ایسے ہی ہوا جیسے گذشتہ روز ہوا تھا۔ بھاگنے والوں کو عورتوں نے روک لیا۔ انہیں ڈنڈے بھی دکھائے، طعنے بھی دیئے، غیرت کو جوش بھی دلایا اور اُن کا حوصلہ بھی بڑھایا۔

کسی مؤرخ نے ایک تحریر لکھی ہے کہ ایک مجاہد بھاگ کر پیچھے آیا اور عورتوں کے قریب آکر گر پڑا۔ اُس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔ منہ کھل گیا تھا۔ ایک عورت دوڑتی اُس تک پہنچی اور اُس کے پاس بیٹھ گئی۔

”کیا تو زخمی ہے؟“ — عورت نے پوچھا۔

وہ بول نہیں سکتا تھا۔ اُس نے سر ہلا کر بتایا کہ وہ زخمی نہیں۔

”پھر تُو بھاگ کیوں آیا ہے؟“ — عورت نے پوچھا — ”کیا تیرے پاس تلوار نہیں تھی؟“

مجاہد نے نیام سے تلوار نکالی جس پہ نوک سے دستے تک خون جما ہُوا تھا۔

”کیا تیرے پاس دل نہ تھا کہ تُو بھاگ آیا ہے؟“ — عورت نے پوچھا۔

مجاہد نے اُکھڑی ہوئی سانس کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا اور بول نہ سکا۔

”کیا تیری بیوی یہاں ہے؟“

اُس نے نفی میں سر ہلایا۔

”بہن؟“ — عورت نے پوچھا — ”ماں؟“

”کوئی نہیں!“ — اُس نے بڑی مشکل سے کہا۔

”کیا یہ عورتیں تمہاری مائیں اور بہنیں نہیں؟“ — عورت نے کہا — ”کیا تُو برداشت کرلے گا کہ ان کو کفّار اٹھا کر لے جائیں؟“

”نہیں“ — مجاہد نے جاندار آواز میں کہا۔

”کیا تُو اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان نہیں کرے گا؟“

”ضرور کروں گا“ — اُس نے جواب دیا۔

”پھر یہاں کیوں آن گرا ہے؟“ — عورت نے کہا۔

”تھک کر چُور ہو گیا ہوں“ — مجاہد نے کہا۔

”لے میرا ہاتھ پکڑ!“ — عورت نے کہا — ”میں تجھے اٹھاتی ہوں۔ نہیں اٹھنا تو تلوار مجھے دے تیری جگہ تیری بہن لڑے گی۔“

مجاہد اُٹھ کھڑا ہُوا اور میدانِ جنگ کی طرف چل پڑا۔

”بھائی!“ — عورت نے کہا — ”اللہ تجھے فاتح واپس لائے۔“

مسلمانوں کی پسپائی بزدلی نہیں تھی۔ وہ تو ہمت سے بڑھ کر لڑے تھے۔ اُن کا اتنے بڑے لشکر سے لڑ جانا ہی ایک کارنامہ تھا۔ جہاں تک رومیوں کو شکست دینے کا تعلق تھا، یہ ارادہ ناکام سی خواہش بنتا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کا بار بار پسپا ہو جانا کوئی اچھا شگون نہ تھا لیکن خالدؓ شکست کو قبول کرنے والے سالار نہیں تھے۔ باقی تمام سالار بھی عزم کے پکے تھے۔

سالار اپنے اُن مجاہدین کو جو پیچھے آ گئے تھے، اکٹھا کر کے منظم کر رہے تھے۔ خالدؓ بھی پریشانی کے عالم میں بھاگ دوڑ رہے تھے اور قاصدوں کو گیارہ میل لمبے محاذ پر مختلف سالاروں کو احکام پہنچانے کے لیے دوڑا رہے تھے۔ ایک خاتون اُن کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

”ابن الولیدؓ!“ — خاتون نے کہا — ”خدا کی قسم، عرب نے تجھ سے بڑھ کر کوئی دلیر اور دانشمند آدمی پیدا نہیں کیا۔ کیا تُو میری ایک بات پر غور نہیں کرے گا؟ .... سالار آگے آگے ہو تو سپاہی اُس کے پیچھے جانیں لڑا دیتے ہیں۔ سالار شکست کھانے پر اُتر آئے تو اُس کے سپاہی بہت جلد شکست کھا جاتے ہیں۔“

”میری بہن!“ — خالدؓ نے کہا — ”ہمارے لیے دعا کر۔ تیرے کانوں میں یہ آواز نہیں پڑے گی کہ اسلام کے سالار رومیوں سے شکست کھا گئے ہیں۔“

اِس خاتون نے کوئی ایسا مشورہ نہیں دیا تھا جو خالدؓ کے لیے نیا ہوتا۔ وہ تو اپنی فوج کے آگے رہنے والے سپہ سالار تھے لیکن اس خاتون کے جذبے سے خالدؓ متاثر ہوئے۔ خواتین کا جذبہ تو ہر لڑائی میں ایسا ہی ہوتا تھا لیکن یرموک کی جنگ میں عورتوں کے جذبوں کی کیفیت کچھ اور ہی تھی۔ وہ مردوں کے دوش بدوش لڑنے کے لیے بیتاب تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ خواتین نے مجاہدین کے جسموں اور جذبوں میں نئی روح پھونک دی تھی۔

اس کے فوراً بعد خالدؓ نے وہ سوار دستہ ساتھ لیا جو انہوں نے خاص مقصد کے لیے تیار کیا اور اسے گھوم پھر کر لڑنے کی ٹریننگ دی تھی۔ اُنہوں نے رومیوں کے ایک حصے پر جس کا سالار قناطیر تھا حملہ کر دیا۔ اُنہوں نے حملہ دائیں پہلو پر کیا تھا۔ خالدؓ کے حکم کے مطابق سالار عمرو بن العاصؓ نے اسی حصّے کے بائیں پہلو پر حملہ کیا۔ ان کے ساتھ سالار شرحبیلؓ بن حسنہ بھی اپنے دستوں کے ساتھ تھے۔ یہ دستے پیادہ تھے۔

رومیوں نے بڑی بے جگری سے یہ دو طرفہ حملہ روکا۔ وہ اگلے دستوں کو پیچھے کر کے تازہ دم دستے آگے لاتے تھے۔ تھکے ماندے مسلمانوں نے جیسے قسم کھالی تھی کہ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں نے جانوں کی قربانیاں بے دریغ دیں۔ شہید ہونے والوں کی تعداد کئی سو ہو گئی تھی۔ وہ رومیوں کو شکست تو نہ دے سکے، صرف یہ کامیابی حاصل کی کہ رومیوں کو اُن کے محاذ تک پسپا کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اُس دن کا سُورج میدانِ جنگ کے خاک و خون میں ڈوب گیا۔

❀

اُس روز کی جنگ پہلے سے زیادہ شدید، تیز اور خونریز تھی۔ یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلمان صرف ایک دن میں سینکڑوں کے حساب سے شہید ہوئے اور زخمیوں کا تو کوئی حساب نہ تھا۔ تاریخ میں صحیح اعداد و شمار نہیں ملتے رومیوں کا جانی نقصان مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ تھا۔

لڑنے کے جذبے اور حوصلے کی کیفیت یہ تھی کہ مسلمانوں میں خوداعتمادی بحال ہو گئی تھی، حالانکہ اُن کی تعداد خاصی کم ہو گئی تھی اور انہیں کمک ملنے کی توقع نہیں تھی۔ اُن کا حوصلہ اسی کامیابی سے قائم ہو گیا تھا کہ وہ پسپا نہیں ہوتے تھے بلکہ اُنہوں نے رومیوں کو پسپا کر دیا تھا۔

رومیوں میں مایوسی پیدا ہو گئی تھی کیونکہ انہیں توقع تھی کہ اتنے بڑے لشکر سے تو پہلے دن ہی مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے خالدؓ کو زندہ پکڑ لیں گے لیکن تیسرا دن گزر گیا تھا۔ مسلمان پیچھے ہٹتے اور پھر حملہ کر دیتے تھے۔ ہار مانتے ہی نہیں تھے۔

رومیوں کے سالارِ اعلیٰ کی ذہنی حالت تو بہت ہی بُری تھی۔ اُس نے آج رات پھر سالاروں کو بلایا اور اُن پر برس پڑا۔ وہ اُن سے پوچھتا تھا کہ وجہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ابھی تک شکست نہیں دے سکے۔ سالاروں نے اپنا اپنا جواز بیان کیا لیکن ماہان کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ آخر رومی سالاروں نے حلف اٹھایا کہ وہ اگلے روز مسلمانوں کو شکست دے کر پیچھے آئیں گے۔

گذشتہ رات کی طرح آج کی رات بھی خالدؓ اور ابوعبیدہؓ تمام محاذ پر پھرتے رہے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ جو زخمی چل پھر سکتے ہیں وہ اگلے روز کی لڑائی میں شامل ہوں گے۔

عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی رہیں۔ رات کے آخری پہر عورتیں اکٹھی ہوئیں۔ ابوسفیانؓ کی بیوی ہُند اور ضرارؓ بن الازور کی بہن خولہ نے عورتوں کو بتایا کہ کل کا دن فیصلہ کُن دن ہو گا۔

"....اور اپنے آدمیوں کی جسمانی حالت ہم سب دیکھ رہی ہیں" — ہُند نے کہا — "مجھے اپنی شکست نظر آ رہی ہے اور کمک نہیں آ رہی۔ اب ضرورت یہ ہے کہ تمام عورتیں لڑائی میں شامل ہو جائیں۔"

"کیا ہمارے مرد ہمیں اپنی صفوں میں شامل ہونے دیں گے؟" — ایک عورت نے پوچھا۔

"ہم مردوں سے اجازت نہیں لیں گی" — ہُند نے کہا — "وہ اجازت نہیں دیں گے.... کیا تم سب لڑنے کے لیے تیار ہو؟"

تمام عورتوں نے جوش و خروش سے کہا کہ وہ کل مردوں سے پوچھے بغیر میدانِ جنگ میں کُود پڑیں گی۔

اگلے روز کے لیے رومیوں نے جنگ کی جو تیاری کی وہ بڑی خوفناک تھی۔ مسلمان خواتین نے ہتھیار نکال لیے۔ کل انہیں بھی میدان میں اُترنا تھا۔

خاک و خون میں ڈوبی ہوئی رات کے بطن سے ایک اور صبح طلوع ہوئی۔ یہ تاریخ اسلام کی ایک بھیانک اور ہولناک جنگ کے چوتھے روز کی صبح تھی۔ مسلمان فجر کی نماز پڑھ چکے تو خالدؓ اُٹھے۔

"اے جماعتِ مومنین!" — خالدؓ نے مجاہدین سے کہا — "تم نے دن اللہ کی راہ میں لڑتے اور راتیں اللہ کو یاد کرتے گزاری ہیں۔ اللہ ہمارے حال سے بے خبر نہیں۔ اللہ دیکھ رہا ہے کہ تم لڑنے کے قابل نہیں رہے پھر بھی لڑ رہے ہو۔ اللہ تم سے مایوس نہیں ہُوا، تم اُس کے رحم و کرم سے مایوس نہ ہونا۔ ہم اللہ کے لیے لڑ رہے ہیں.... آج کے دن حوصلہ قائم رکھنا۔ آج اسلام کی قسمت کا فیصلہ ہو گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اللہ کے سامنے بھی، رسول اللہؐ کی روحِ مقدّس کے سامنے بھی اور اپنے اُن بھائیوں کی روحوں کے سامنے بھی شرمسار ہوں جو ہمارے ساتھ چلے تھے اور ہم نے اُن کے لہولہان جسموں کو اپنے ہاتھوں دفن کر دیا ہے۔ کیا تم اُن کے بچوں کی خاطر جو یتیم ہو گئے ہیں اور اُن کی بیویوں کی خاطر جو بیوہ ہو گئی ہیں اور اُن کی بہنوں اور اُن کی ماؤں کی عزّت کی خاطر نہیں لڑو گے؟"

"بیشک ابن الولید!" — مجاہدین کی آوازیں اٹھیں — "ہم لڑیں گے۔"

"شہیدوں کے خون کے قطرے قطرے کا انتقام لیں گے۔"

"آج کے دن لڑیں گے۔ کل کے دن اور زندگی کے جتنے دن رہ گئے ہیں وہ کفّار کے خلاف لڑتے گزار دیں گے۔"

اس طرح مجاہدین نے خالدؓ کی آواز پر جوش و خروش سے لبیک کہا لیکن اُن کی آوازوں میں وہ جان نہیں تھی جو ہُوا کرتی تھی۔ جہاد کا عزم موجود تھا۔ خالدؓ کا یہ پیغام سارے محاذ تک پہنچایا گیا۔ ہر سالار کی زبان پر یہی الفاظ تھے — "آج کے دن حوصلہ نہ ہارنا.... آج کے دن!"

اُدھر رومی لشکر کے سالاروں کو بھی یہی حکم ملا تھا — "آج کے دن مسلمانوں کا خاتمہ کر دو۔"

صبح کا اُجالا صاف ہوتے ہی رومی دستے نمودار ہوئے۔ اُن کا انداز پہلے والا اور پلان بھی پہلے والا تھا۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے دائیں پہلو پر سالار عمروؓ بن العاص کے دستوں پر حملہ کیا۔ حملہ آور آرمینیا کی فوج تھی جس کا سالار قناطیر تھا۔ عمروؓ بن العاص کے پہلو میں سالار شرجیلؓ بن حسنہ کے دستے تھے۔ ان پر آرمینیوں نے حملہ کیا اور ان کی مدد کے لیے عیسائی دستے بھی ساتھ تھے۔

عمروؓ بن العاص کے لیے صورتِ حال مخدوش ہو گئی۔ اُنہوں نے بہت دیر مقابلہ کیا لیکن وہ دشمن کے سیلاب کے آگے ٹھہر نہ سکے۔ عمروؓ بن العاص کے مجاہدین نے تنظیم اور ترتیب توڑ دی اور حملہ آوروں پر [illegible] پڑتے وہ دراصل پسپا ہو رہے تھے لیکن اب وہ پسپائی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے چنانچہ اُنہوں نے اپنی صفیں توڑ کر انفرادی لڑائی شروع کر دی۔ عمروؓ بن العاص سالار سے سپاہی بن گئے۔ وہ تو تلوار کے دھنی تھے۔ اکیلی انہی کی تلوار نے کئی آرمینیوں کو خون میں نہلا دیا۔ اُن کے دستے کا ہر فرد اب اپنی لڑائی لڑ رہا تھا۔ انہوں نے

دشمن کی بھی ترتیب توڑ دی۔

رومیوں کے اتحادی یہ آرمینی اس قسم کی لڑائی کی تاب نہ لا سکے لیکن وہ پسپا نہیں ہو سکتے تھے جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اُن کے پیچھے تازہ دم عیسائی دستے موجود تھے۔ وہ آرمینیوں کو پیچھے نہیں آنے دیتے تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ اُن کے سالار پیچھے ہٹنے کا حکم نہیں دیتے تھے اور تیسری وجہ یہ کہ مسلمان تعداد میں کم ہونے کے باوجود انہیں لڑائی میں سے نکلنے نہیں دے رہے تھے۔

شرجیلؓ بن حسنہ کے دستوں کی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ انہیں دشمن نے بہت پیچھے ہٹا دیا تھا۔ مجاہدین بے جگری سے لڑ رہے تھے لیکن دشمن کا دباؤ اُن کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔

٭

خالدؓ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اُنہوں نے یہ چال سوچی کہ عمرؓو بن العاص اور شرجیلؓ بن حسنہ پر حملہ کرنے والے آرمینیوں پر پہلو سے حملہ کیا جائے لیکن ان کی مدد کو آنے والے دستوں کا راستہ روکنا بھی ضروری تھا۔ اُنہوں نے قاصد کو بلایا۔

"ابوعبیدہؓ اور یزیدؓ سے کہو کہ آگے بڑھ کر اپنے سامنے والے رومیوں پر حملہ کر دیں"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "اور انہیں کہنا کہ دشمن کے ان دستوں کو روکے رکھنا ہے کہ ہمارے دائیں پہلو کی طرف نہ جا سکیں۔۔۔۔ اور انہیں کہنا کہ اپنے سوار دستے بھی حملہ کر رہے ہیں"۔

قاصد نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ابوعبیدہؓ اور یزیدؓ بن ابوسفیان تک جا پہنچا۔ پیغام ملتے ہی ان دونوں سالاروں نے اپنے سامنے والے رومی دستوں پر حملہ کر دیا۔

خالدؓ نے اپنے مخصوص رسالے کو دو حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّے کی کمان قیس بن ہبیرہ کو دی اور دوسرے کو اپنی کمان میں رکھا۔ خالدؓ اپنے دائیں پہلو کے پیچھے سے گزر کر آگے نکل گئے اور اُس طرف سے آرمینی دستوں پر حملہ کر دیا۔ اُن کے حکم کے مطابق قیس بن ہبیرہ کے سوار دستوں نے آرمینیوں پر دوسرے پہلو سے حملہ کر دیا۔ شرجیلؓ نے سامنے سے حملہ کر دیا۔

یہ سہ طرفی حملہ تھا جو آرمینیوں کے لیے ایک آفت ثابت ہُوا۔ عیسائی دستے اُن کی مدد کو آئے لیکن بے شمار لاشیں، تڑپتے ہُوئے زخمی اور بے لگام بھاگتے گھوڑے چھوڑ کر پسپا ہو گئے اور اپنے محاذ بلکہ خیمہ گاہ تک جا پہنچے۔ ابھی دشمن کا پیچھا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خالدؓ ابھی دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ دشمن حملے کر کر کے تھک جائے۔

ابوعبیدہؓ اور شرجیلؓ نے آگے بڑھ کر جو حملہ کیا تھا۔ وہ انہیں مہنگا پڑا۔ دشمن نے ان دونوں سالاروں کے دستوں پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ یہ ویسی تیراندازی نہیں جیسی لڑائیوں میں معمول کے مطابق ہُوا کرتی ہے۔ یہ تو صحیح معنوں میں تیروں کا مینہ تھا۔ رومی اپنے لشکر کے تمام تیراندازوں کو آگے لے آئے تھے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فضا میں اُڑتے ہوئے تیروں نے سورج کو چھپا لیا تھا۔

تیراندازوں کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ سات سو مسلمانوں کی آنکھوں میں تیر لگے اور آنکھیں ضائع ہو گئیں۔ اِسی لیے اس دن کو "یوم التعور" کہا جاتا ہے۔ مسلمان تیراندازوں نے رومی تیراندازوں پر تیر چلائے لیکن مسلمانوں کے تیر بیکار ثابت ہوئے کیونکہ مسلمانوں کی کمانیں چھوٹی تھیں۔ اِن سے تیر دُور تک نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے

علاوہ تیراندازوں کی تعداد دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔

ابوسفیانؓ کی بھی آنکھ میں تیر لگا اور وہ ایک آنکھ سے معذور ہو گئے۔

اِس صورتِ حال میں مسلمان میدان میں نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ ابوعبیدہؓ اور شرجیلؓ کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ سات سو مسلمان تو وہ تھے جن کی آنکھوں میں تیر لگے تھے۔ ان کے علاوہ زخمیوں کی تعداد کچھ کم نہیں تھی۔

٭

رومی سالارِ اعلیٰ ماہان ایک اونچی چٹان کی چوٹی سے یہ جنگ دیکھ رہا تھا۔

"وہ وقت آگیا ہے"۔۔۔ ماہان نے چلّا کر کہا۔۔۔ "اب حملے کا وقت آگیا ہے۔۔۔۔ نہیں ٹھہر سکیں گے"۔۔۔ اُس نے اپنے دو سالاروں کو پکار کر کہا۔۔۔ "گریگری۔۔۔۔ قورین۔۔۔۔ تیز ہلہ بول دو۔ فیصلے کا وقت آگیا ہے"۔

جنگ کے شوروغوغا میں اور پھر اتنی دور سے اُس کی آواز سالاروں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اُس کی پکار اُس کے قاصد سن سکتے تھے جو ہر وقت اُس کے قریب موجود رہتے تھے۔

"کوئی اور حکم؟"۔۔۔ ایک قاصد نے ماہان کے آگے ہو کر پوچھا۔

ماہان نے اپنا پورا حکم دیا اور قاصد کا گھوڑا بڑی تیزی سے چٹان سے اُتر کر میدانِ جنگ کی قیامت خیزی میں غائب ہو گیا۔

ماہان مسلمانوں کو اسی کیفیت میں لانا چاہتا تھا کہ وہ حملہ روکنے کے قابل نہ رہیں۔ وہ کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی نفری ہزاروں کے حساب سے کم ہو گئی تھی اور جو زخمی نہیں تھے وہ جسمانی تھکن سے چور ہو چکے تھے۔ رومیوں کے لیے وہ فیصلہ کن لمحہ آگیا تھا جس کا حکم ماہان نے گذشتہ رات اپنے سالاروں کو دیا تھا۔

ماہان کا حکم پہنچتے ہی رومیوں نے تین سالاروں۔۔۔ ابوعبیدہؓ، یزیدؓ بن ابوسفیان اور عکرمہؓ۔۔۔ کے دستوں پر حملہ کر دیا۔ ابوعبیدہؓ اور شرجیلؓ کے دستوں پر زیادہ دباؤ ڈالا گیا کیونکہ اُن کے قدم پہلے ہی اکھڑے ہُوئے تھے اور وہ پیچھے ہٹ رہے تھے۔ انہیں میدانِ جنگ سے بھگا دینا رومیوں کے لیے کوئی مشکل نہ تھا۔ وہ پیچھے ہی پیچھے ہٹتے جا رہے تھے۔

رومی جنگ کو فیصلہ کن مرحلے میں لے آئے تھے۔

مسلمانوں کی شکست یقینی تھی اور اس شکست کے نتائج صرف ان مسلمانوں کے لیے ہی تباہ کُن نہیں تھے جو لڑ رہے تھے بلکہ یہ اسلام کے لیے بھی کاری ضرب تھی۔ اسی میدان میں یہ فیصلہ ہونا تھا کہ اس خطے میں مسلمان رہیں گے یا رومی، اسلام رہے گا یا عیسائیت۔

میدان عیسائیت کے ہاتھ تھا۔

ابوعبیدہؓ اور یزیدؓ کے دستوں کے بائیں پہلو پر عکرمہؓ کے دستے تھے۔ ان پر بھی حملہ ہُوا تھا لیکن یہ اتنا زوردار نہیں تھا جتنا دوسرے دستوں پر تھا۔ عکرمہؓ نے ابوعبیدہؓ اور یزیدؓ جیسے بہادر سالاروں کو پسپائی کی حالت میں دیکھا تو انہوں نے محسوس کیا کہ اُن کے اپنے دستے بھی نہیں ٹھہر سکیں گے۔

"خدا کی قسم، ہم یوں نہیں بھاگیں گے"۔۔۔ عکرمہؓ نے نعرہ لگایا اور اپنے دستوں میں گھوم پھر کر کہا۔۔۔ "جو لڑ کر مرنے اور پیچھے نہ ہٹنے کی قسم کھانے کو تیار ہیں الگ ہو جائیں۔۔۔۔ سوچ کر قسم کھانا قسم توڑنے کے

عذاب کو سوچ لو.... فیصلہ کرو تمھیں کیا منظور ہے.... شکست یا موت.... ذلّت اور رسوائی کی زندگی یا با عزت موت!

اگر صورتِ حال یہ نہ ہوتی اور مسلمان تازہ دم ہوتے تو عکرمہؓ کے اس اعلان کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن مسلمان جسمانی طور پر جس بُری حالت کو پہنچ گئے تھے، اس کا بہت بُرا اثر ذہنوں پر بھی پڑا تھا۔ یہ دستے یہ پہلی جنگ تو نہیں لڑ رہے تھے۔ وہ تین تین چار چار برسوں سے گھروں سے نکلے ہُوئے تھے اور لڑتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔ یہ جذبہ تھا جو انہیں یہاں تک لے آیا تھا ورنہ عام ذہنی حالت میں یہ ممکن نہیں تھا۔

اس جسمانی اور ذہنی کیفیت میں عکرمہؓ کے اعلان اور للکار پر صرف چار سو مجاہدین نے لبیک کہا اور حلف اٹھایا کہ ایک قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے، لڑتے ہوئے جانیں دے دیں گے۔ باقی جو تھے وہ لڑنے سے منہ نہیں موڑ رہے تھے لیکن وہ ایسی قسم نہیں کھانا چاہتے تھے جسے وہ پُورا نہ کر سکیں۔

ان چار سو مجاہدین نے جنہوں نے حلف اٹھایا تھا، اپنے سالار عکرمہؓ کی قیادت میں اُن رومیوں پر ہلہ بول دیا جو ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ یہ ہلّہ اتنا شدید تھا جیسے شیر شکار پر جھپٹ رہے ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ رہا کہ رومیوں کا جانی نقصان بے شمار ہُوا۔ عکرمہؓ کے دستوں میں سے کوئی ایک آدمی بھی پسپا نہ ہُوا لیکن چار سو جانبازوں میں ایک بھی صحیح اور سلامت نہ رہا۔ زیادہ تر شہید ہو گئے، باقی شدید زخمی ہوئے اور بعد میں زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہوتے رہے۔ کئی ایک جسمانی طور پر معذور ہو گئے۔

انتہائی شدید زخمی ہونے والوں میں عکرمہؓ بھی تھے اور اُن کے نوجوان بیٹے عمروؓ بھی۔ انہیں بیہوشی کی حالت میں پیچھے لایا گیا تھا۔

❁

ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ کے دستے پیچھے ہٹتے گئے۔ رومی انہیں دھکیلتے چلے آ رہے تھے۔ بڑا ہی خونریز معرکہ تھا۔ جب یہ دستے مسلمانوں کی خیمہ گاہ تک پہنچنے لگے تو مسلمان عورتوں نے ڈنڈے پھینک کر تلواریں اور برچھیاں اٹھا لیں اور چادریں پگڑیوں کی طرح اپنے سروں سے لپیٹ کر رومیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ ان میں ضرارؓ کی بہن خولہ بھی تھیں جو عورتوں کو للکار رہی تھیں۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ عورتیں اپنے دستوں میں سے گزرتی آگے نکل گئیں اور بڑی مہارت، دلیری اور قہر سے رومیوں پر جھپٹنے لگیں۔ وہ تازہ دم تھیں۔ اُنہوں نے رومیوں کے منہ موڑ دیئے۔ اُن کی ضربیں کاری تھیں۔ رومی زخمی ہو ہو کر گرنے لگے۔

عورتوں کے یوں آگے آ جانے اور رومیوں پر جھپٹ پڑنے کا جو اثر مجاہدین پر ہُوا وہ غضب ناک تھا۔ اپنی عورتوں کو لڑتا دیکھ کر مجاہدین آگ بگولا ہو گئے۔ انسان میں جو مخفی قوتیں ہوتی ہیں وہ بیدار ہو گئیں اور وہی مجاہدین جو پسپا ہُوتے جا رہے تھے، رومیوں کے لیے قہر بن گئے۔ انہوں نے ترتیب توڑ دی اور اپنے سالاروں کے احکام سے آزاد ہو کر ذاتی لڑائی شروع کر دی۔ ان کی ضربوں کے آگے رومی بوکھلا گئے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ اپنے زخمیوں کو روندتے جا رہے تھے۔

سالار بھی سپاہی بن گئے اور عورتیں بدستور لڑتی رہیں۔ دن کا پچھلا پہر تھا معرکہ انتہائی خونریز اور تیز ہو

گیا۔ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ گھمسان کے اس معرکے میں ضرارؓ کی بہن خولہ جو اُس وقت تک کئی ایک رومیوں کو زخمی اور ہلاک کر چکی تھیں ایک اور رومی کے سامنے ہوئیں۔ پہلا وار خولہ نے کیا جو رومی نے روک لیا اور اس کے ساتھ ہی اُس نے ایسا زور دار وار کیا کہ اُس کی تلوار نے خولہ کے سر کا کپڑا بھی کاٹ دیا اور سر پر شدید زخم آیا۔ خولہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں پھر انہیں اٹھتے نہ دیکھا گیا۔

اس کے فوراً بعد سورج غروب ہو گیا اور دونوں طرف کے دستے اپنے اپنے مقام پر پیچھے چلے گئے اور زخمیوں اور لاشوں کو اٹھانے کا کام شروع ہو گیا۔ رومیوں کی لاشوں اور بیہوش زخمیوں کا کوئی شمار نہ تھا نقصان مسلمانوں کا بھی کم نہ تھا لیکن رومیوں کی نسبت بہت کم تھا۔

خولہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ انہیں خیمہ گاہ میں ڈھونڈا گیا۔ نہ ملیں تو لاشوں اور زخمیوں میں ڈھونڈنے لگے اور وہ بے ہوش پڑی مل گئیں۔ سر میں تلوار کا لمبا زخم تھا۔ بال خون سے جُڑ گئے تھے۔

"اس کے بھائی کو اطلاع دو"۔۔۔ کسی نے کہا۔۔۔ "ابن الازور سے کہو تیری بہن شہید ہو رہی ہے"۔

ضرارؓ بن الازور بہت دُور تھے۔ بڑی مشکل سے ملے۔ بہن کی اطلاع پر سرپٹ گھوڑا دوڑاتے آئے۔ جب اپنی بہن کے پاس پہنچے تو بہن ہوش میں آ گئیں۔ اُن کی نظر اپنے بھائی پر پڑی تو ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"خُدا کی قسم تُو زندہ ہے"۔۔۔ ضرارؓ نے جذبات سے مغلوب آواز میں کہا۔۔۔ "تُو زندہ رہے گی"۔

ضرارؓ نے خولہ کو اٹھا کر گلے لگا لیا۔ خولہ کے سر پر تہ در تہ کپڑا تھا جس نے تلوار کی ضرب کو کمزور کر دیا تھا۔ سر پر صرف اوڑھنی ہوتی تو کھوپڑی کٹ جاتی پھر زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا۔

جنگ کا بڑا ہی ہولناک دن گزر گیا۔ رومیوں کو اپنے اس عزم میں بہت بُری طرح ناکامی ہُوئی کہ آج کے دن جنگ کا فیصلہ کر دیں گے۔ اُن کی نفری تو بہت زیادہ تھی لیکن اُس روز اُن کی جو نفری ماری گئی تھی اس سے اُن کا یہ فخر ٹوٹ گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے کچل ڈالیں گے۔ مسلمانوں نے جس طرح اپنے سالاروں سے آزاد ہو کر اُن پر ہلّے بولے تھے اس سے وہ محتاط ہو گئے تھے۔

رومیوں کے لشکر میں سب سے زیادہ جو مارے گئے یا شدید زخمی ہُوئے وہ عیسائی اور آرمینی اور دوسرے قبائل کے آدمی تھے جو رومیوں کے اتحادی بن کر آئے تھے۔ رومی سالارِ اعلیٰ ماہان نے انہی کو آگے کر دیا اور بار بار انہی سے حملے کروا رہا تھا۔ ان لوگوں کا جذبہ اپنی اتنی زیادہ لاشیں اور زخمی دیکھ کر مجروح ہو گیا تھا۔

❁

اُس روز ایک اور واقعہ ہو گیا۔ خالدؓ پریشانی کے عالم میں کچھ ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ جنگ کے متعلق تو اُن کے چہرے پر اضطراب اور ہیجان رہتا تھا لیکن ایسی پریشانی اُن کے چہرے پر شاید ہی کبھی دیکھنے میں آئی ہو۔ اُن سے پریشانی کا باعث پوچھا گیا۔

"میری ٹوپی!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "سرخ ٹوپی میری کہیں گر پڑی ہے۔ اسے ڈھونڈ رہا ہوں"۔

یہ دن کا واقعہ ہے جب خالدؓ اپنے سوار دستے کو لڑا رہے تھے۔ معرکے میں کچھ دیر کا تعطّل پیدا ہو گیا تھا۔ یہ سُن کر سب حیران ہوئے کہ دشمن سیاہ گھٹاؤں کی طرح چڑھا آ رہا ہے اور فتح کی کوئی امید نہیں اور خالدؓ جیسا ذمہ دار سالار معمولی سی ٹوپی کے لیے پریشان ہو رہا ہے۔ خالدؓ نے سب سے کہا کہ اُن کی ٹوپی تلاش کریں۔

تلاشِ بسیار کے بعد اُن کی سرخ ٹوپی مِل گئی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ خالدؓ کے چہرے پر رونق اور ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔

"ابن الولید!" کسی سالار نے پوچھا — "کیا تجھے اُن کا غم نہیں جو ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے ہیں؟ تو ایک ٹوپی کے لیے اتنا پریشان ہو گیا تھا!"

"اس ٹوپی کی قدر و قیمت صرف میں جانتا ہوں" — خالدؓ نے کہا — "حجۃ الوداع کے لیے رسولِ اکرمؐ نے سر کے بال منڈھوائے تو میں نے کچھ بال اٹھا لیے۔ رسول اللہؐ نے پوچھا کہ ان بالوں کو کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ اپنے پاس رکھوں گا، کفّار کے خلاف لڑتے وقت یہ بال میرا حوصلہ مضبوط رکھیں گے رسول اللہؐ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ بال تیرے پاس رہیں گے اور میری دعائیں بھی تیرے ساتھ رہیں گی۔ اللہ تجھے ہر میدان میں فتح عطا کرے گا.... میں نے یہ بال اپنی اس ٹوپی میں سی لیے تھے۔ میں اس ٹوپی سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اسی کی برکت سے میری طاقت اور میری ہمت قائم ہے۔"

خالدؓ کو ٹوپی مِل جانے کی تو بہت خوشی ہوئی تھی لیکن وہ رات اُن کے لیے شبِ غم تھی۔ وہ ایک جگہ بیٹھے ہُوئے تھے۔ اُن کے ایک زانو پر سالار عکرمہؓ کا سر تھا اور دوسرے زانو پر عکرمہؓ کے نوجوان بیٹے عمروؓ کا سر رکھا تھا۔ باپ بیٹا اُس روز کی لڑائی میں اتنے زیادہ زخمی ہو گئے تھے کہ ہوش میں نہیں آ رہے تھے۔ جسموں سے خون نکل گیا تھا۔ زخم ایسے تھے کہ ان کی مرہم پٹی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس روز باپ بیٹا قسم کھا کر لڑے تھے کہ مر جائیں گے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

عکرمہؓ خالدؓ کے بھتیجے بھی تھے اور دوست بھی۔ ان کا بڑا پرانا ساتھ تھا۔ دونوں مانے ہُوئے شہسوار اور شمشیر زن تھے۔ خالدؓ کو اپنے اتنے عزیز ساتھی کے بچھڑ جانے کا بہت دکھ تھا۔ عکرمہؓ کا نوجوان بیٹا بھی دنیا سے رخصت ہو رہا تھا۔ خالدؓ نے پانی اپنے پاس رکھا ہُوا تھا۔ وہ پانی میں اپنا ہاتھ ڈبوتے اور انگلیاں جوڑ کر کبھی عکرمہؓ کے نیم وا ہونٹوں پر رکھتے کبھی اُن کے بیٹے عمروؓ کے ہونٹوں پر، مگر قطرہ قطرہ پانی جو باپ بیٹے کے منہ میں جا رہا تھا وہ آبِ حیات نہیں تھا۔ اللہ نے اس عظیم باپ اور اُس کے بیٹے کو فرائض سے سبکدوش کر دیا تھا۔

اِس طرح عکرمہؓ نے اور اس کے فوراً بعد اُن کے بیٹے نے خالدؓ کی گود میں سر رکھے جانیں جان آفریں کے سپرد کر دیں۔ خالدؓ کے آنسو نکل آئے۔

"کیا ابنِ حنظمہ اب بھی کہتا ہے کہ بنی مخزوم نے جانیں قربان نہیں کیں؟" — خالدؓ نے کہا۔

حنظمہ خلیفۃ المسلمین عمرؓ کی والدہ کا نام تھا۔ خالدؓ اور عکرمہؓ بنی مخزوم میں سے تھے۔ خالدؓ کو غالباً وہم تھا کہ عمرؓ کہتے ہیں کہ بنی مخزوم کی اسلام کے لیے جانی قربانیاں تھوڑی ہیں۔ عکرمہؓ اور اُن کے بیٹے کی شہادت معمولی قربانی نہیں تھی۔

وہ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی جیسے لمحے ڈر ڈر کر، کانپ کانپ کر گزر رہے ہوں۔ زخمیوں کے کراہنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کئی شہیدوں کی بیویاں وہیں تھیں لیکن کسی عورت کے رونے کی آواز نہیں آتی تھی۔ فضا خون کی بُو سے بوجھل تھی۔ دن کو اُڑی ہوئی گرد زمین پر واپس آ رہی تھی۔

شہیدوں کا جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کیا جا رہا تھا۔ ابوعبیدہؓ نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ رات کو کسی ایک سالار کو مقرر کرتے تھے کہ وہ تمام خیمہ گاہ کے ارد گرد گھوم پھر کر پہرہ داروں کو دیکھے پھر اُن مجاہدین کو جا کر دیکھے جنہیں دشمن کی خیمہ گاہ پر نظر رکھنے کے لیے آگے بھیجا جاتا تھا۔ اُس رات ابوعبیدہؓ نے اس خیال سے

کسی سالار کو اس کام کے لیے نہ کہا کہ سب دن بھر کے تھکے ہُوئے ہیں۔ وہ خود اس کام کے لیے چل پڑے لیکن وہ جدھر بھی گئے انہیں کوئی نہ کوئی سالار گشت پر نظر آیا۔ سالار زبیرؓ تو اپنی بیوی کو ساتھ لے کر گشت پر نکلے ہُوئے تھے۔ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ اُن کی بیوی بھی دن کو لڑی تھیں۔

۵

یہ رات بھی گزر گئی۔ جنگِ یرموک کی پانچویں صبح طلوع ہُوئی۔ خالدؓ نے فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی سالاروں کو بلا لیا تھا۔

"میرے رفیقو!" — خالدؓ نے کہا — "آج کا دن کل سے زیادہ خطرناک ہو گا۔ اپنی تعداد دیکھ لو ہم تھوڑے رہ گئے ہیں اور جو رہ گئے ہیں اُن کی حالت بھی تمہارے سامنے ہے۔ آج زخمی بھی لڑیں گے۔ دشمن کا بھی بہت نقصان ہو چکا ہے لیکن اُس کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ اتنے زیادہ نقصان کو برداشت کر سکتا ہے۔ تم نے دشمن کے لڑنے کا انداز دیکھ لیا ہے۔ صرف یہ خیال رکھو کہ مرکزیت قائم رہے۔ اب ہم زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے ہیں۔"

خالدؓ نے سالاروں کو کچھ ہدایات دیں اور رخصت کر دیا۔ معاً بعد مسلمان دستے اپنی پوزیشنوں پر چلے گئے۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ ہر دستے میں جسمانی لحاظ سے جتنے بالکل ٹھیک افراد تھے اتنے ہی زخمی بھی تھے۔ زخمیوں میں زیادہ تر ایسے تھے جو کسی حد تک لڑنے کے قابل تھے لیکن ایسے بھی تھے جو لڑنے کے قابل نہیں تھے مگر وہ اپنے ساتھیوں کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ عورتیں آج بھی لڑنے کے لیے تیار تھیں۔

مسلمانوں کی یہ دگرگوں کیفیت دشمن سے چھپی ہُوئی نہیں تھی۔ اُس نے اِس سے پورا فائدہ اٹھانا تھا۔ مسلمان سالار رومیوں کے محاذ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ آج رومی زیادہ نفری کے دستوں سے حملہ شروع کر دیں گے۔ مسلمان سالاروں کو یہ خطرہ بھی نظر آ رہا تھا کہ رومی اپنے سارے لشکر سے حملہ کر دیں گے۔

صبح سفید ہو چکی تھی لیکن رومی آگے نہ آئے، پھر سورج نکل آیا، رومی آگے نہ آئے۔

رومیوں کا یہ سکوت خطرناک لگتا تھا۔ یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی معلوم ہوتی تھی۔ خالدؓ کو خیال گزرا کہ رومی مسلمانوں کو حملے میں پہل کرنے کا موقع دے رہے ہیں۔ خالدؓ پہل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ کچھ دقت اور دفاع کو ہی بہتر سمجھتے تھے۔

آخر رومیوں کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ رومیوں کے لشکر نے کوئی حرکت نہ کی۔ سوار مسلمان دستوں کے سامنے آ کر رک گیا۔ وہ کوئی عیسائی عرب تھا۔ عربی روانی سے بولتا تھا۔

"میں اپنے سالارِ اعلیٰ ماہان کا ایلچی ہوں" — اُس نے اعلان کرنے کے انداز سے کہا — "تمہارے سالارِ اعلیٰ سے ملنے آیا ہوں۔"

سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ تھے۔ یہ تو اُنہوں نے اپنے طور پر خالدؓ کو سالارِ اعلیٰ کے اختیارات دے رکھے تھے۔ ذمہ داری بہرحال ابوعبیدہؓ کی تھی اور اہم فیصلے انہوں نے ہی کرنے تھے۔ وہ آگے چلے گئے۔

خالدؓ وہاں سے ذرا دُور تھے۔ اُن کے کان کھڑے ہوتے اور وہ اُن کی طرف چل پڑے۔

"کہو روم کے ایلچی!" — ابوعبیدہؓ نے پوچھا — "کیا پیغام لائے ہو؟"

"سالارِ اعلیٰ ماہان نے کہا ہے کہ چند دنوں کے لیے لڑائی روک دی جائے" — ایلچی نے کہا —

"کیا آپ رضامند ہوں گے؟"

"کیا تمھارے سالارِ اعلیٰ نے کوئی وجہ نہیں بتائی؟" ——— ابوعبیدہؓ نے پوچھا۔

"یہ عارضی صلح ہوگی" ——— ایلچی نے کہا ——— "اِس دوران یہ فیصلہ ہوگا کہ مستقل صلح کے لیے بات چیت ہوگی یا نہیں۔"

"ہم عارضی صلح پر رضامند ہوجائیں گے" ——— ابوعبیدہؓ نے کہا ——— "لیکن بات چیت کا فیصلہ کون کرے گا؟"

"کیا آپ لڑائی روکنے پر راضی ہیں؟" ——— ایلچی نے پوچھا۔

"ہاں!" ——— ابوعبیدہؓ نے کہا ——— "لیکن...."

"نہیں!" ——— ایک گرجدار آواز سنائی دی۔

دونوں نے دیکھا۔ یہ خالدؓ کی آواز تھی۔ انہوں نے ابوعبیدہؓ کی صرف "ہاں" سنی تھی۔

"ابوسلیمان!" ——— ابوعبیدہؓ نے کہا ——— "ان کے سالار نے عارضی صلح کے لیے کہا ہے۔"

"امین الامّت!" ——— خالدؓ نے ابوعبیدہؓ کے کان میں کہا ——— "یہ حملے کی تیاری کے لیے مہلت چاہتے ہیں۔ ان کا اتنا نقصان ہوچکا ہے کہ فوری طور پر حملہ نہیں کرنا چاہتے۔ مجھے اجازت دے کہ اس ایلچی کو کورا جواب دے سکوں۔"

"اے سلطنتِ روم کے ایلچی!" ——— ابوعبیدہؓ نے ایلچی سے کہا ——— "صلح سمجھوتے کا وقت گزر گیا ہے۔ اپنے اتنے زیادہ آدمی مروا کر میں یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ میں اپنے اتنے زیادہ مجاہدین کا خون ضائع کر آیا ہوں.... لڑائی جاری رہے گی۔"

ابوعبیدہؓ نے گھوڑا موڑا اور خالدؓ کے ساتھ اپنے محاذ کی طرف چل پڑے۔

"ابوسلیمان!" ——— ابوعبیدہؓ نے کہا ——— "اپنے مجاہدین کی حالت دیکھتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ انہیں آرام مل جائے اور کچھ زخمی ٹھیک ہوجائیں۔ کیا تُو دیکھ نہیں رہا کہ...؟"

"سب دیکھ رہا ہوں ابن الجراح!" ——— خالدؓ نے کہا ——— "لیکن حالت ہمارے دشمن کی بھی ٹھیک نہیں ورنہ وہ صلح کا دھوکہ نہ دیتا۔ رومیوں کے ساتھ بہت سے قبیلے آئے تھے۔ رومی سالاروں نے انہی کو سب سے پہلے مروایا ہے اور اپنی باقاعدہ فوج کو وہ بہت کم استعمال کر رہے ہیں۔ یہ قبیلے باغی ہوگئے ہوں گے یا اُن کا دم خم ٹوٹ چکا ہوگا۔ ہم انہیں سنبھلنے کی مہلت نہیں دیں گے۔"

"کیا تُو ان پر حملے کی سوچ رہا ہے؟" ——— ابوعبیدہؓ نے پوچھا۔

"کیا تُو سوچنے کے قابل نہیں رہا امین الامّت؟" ——— خالدؓ نے کہا ——— "آ، مل کر سوچیں گے۔"

۞

خالدؓ نے جو سوچا وہ بڑا ہی پُرخطر اور دلیرانہ اقدام تھا۔

وہ دن جو جنگ کا پانچواں دن تھا، بغیر لڑائی کے گزر گیا۔ دستوں کو ایک دن کا تو آرام مل گیا لیکن سالاروں نے آرام نہ کیا۔ خالدؓ نے سالاروں کو اپنے ساتھ مصروف رکھا۔ انہوں نے آٹھ ہزار گھوڑسوار الگ کر کے ایک دستہ بنالیا۔ سالاروں کو اپنا نیا منصوبہ سمجھایا۔ انہوں نے یہ منصوبہ اپنے جن پیادہ اور سواروں کے لیے بنایا

تھا، ان میں آدھی تعداد زخمی تھی۔ ایسا خطرہ خالدؓ ہی مول لے سکتے تھے۔

چھٹے دن کی صبح طلوع ہوئی۔ رومی لشکر آگے آگیا۔ مسلمان میدان میں نئی ترتیب سے موجود تھے۔ رومی سالار گرگیری گھوڑے پر سوار آگے بڑھا۔ گرگیری اُن دستوں کا سالار تھا جن کے دس دس سپاہی ایک ایک زنجیر سے بندھے ہوئے تھے۔ گرگیری نے دونوں فوجوں کے درمیان گھوڑا روکا۔

"کیا تمھارے سالارِ اعلیٰ میں ہمّت ہے کہ میرے مقابلے میں آئے؟" ——— گرگیری نے للکار کر کہا۔

ابوعبیدہؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گرگیری کی طرف گئے۔

"رک جا ابن الجراح!" ——— خالدؓ نے ابوعبیدہؓ کو پکارا اور گھوڑا دوڑا کر اُن کے قریب چلے گئے کہنے لگے ——— "تُو آگے نہیں جائے گا۔ مجھے جانے دے۔"

"آہ ابوسلیمان!" ——— ابوعبیدہؓ نے کہا ——— "وہ مجھے للکار رہا ہے۔"

"امین الامّت کو روک لو" ——— متعدد سالاروں نے شور مچایا ——— "ابن الولید کو جانے دو۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ گرگیری کو مسلمان سالار ماہر تیغ زن سمجھتے تھے۔ تیغ زنی میں ابوعبیدہؓ بھی کم نہ تھے پھر بھی سب خالدؓ کو گرگیری کی ٹکر کا آدمی سمجھتے تھے لیکن ابوعبیدہؓ نے کسی کی نہ سنی اور گرگیری کے مقابلے کے لیے چلے گئے۔

گرگیری نے ابوعبیدہؓ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس طرح ایک طرف لے گیا جیسے وہ پہلو کی طرف سے آکر تلوار کا وار کرنا چاہتا ہو۔ ابوعبیدہؓ نے گھوڑا روک لیا اور گرگیری کو کنکھیوں دیکھتے رہے۔ گرگیری نے اپنے ہی انداز سے گھوڑا گھما کر اور دوڑا کر ابوعبیدہؓ پر وار کیا۔ وار ایسا تھا جو لگتا تھا روکا نہیں جاسکے گا لیکن ابوعبیدہؓ نے وار روک کر گھوڑے کو گھمایا اور بڑی پھرتی سے وار کیا۔ گرگیری نے وار روک لیا۔

اس کے بعد تلواریں ٹکراتی اور گھوڑے اپنے سواروں کے پینتروں کے مطابق گھومتے، مڑتے، دوڑتے اور رُکتے رہے۔ دونوں سالار شمشیر زنی کے استاد معلوم ہوتے تھے۔ دونوں کے وار بڑے ہی تیز تھے اور ہر وار لگتا تھا کہ حریف کو کاٹ دے گا۔ دونوں فوجیں اپنے اپنے سالار کو چِلّا چِلّا کر داد دے رہی تھیں کبھی دونوں فوجیں یوں دم بخود ہوجاتیں جیسے وہاں کوئی انسان موجود ہی نہ ہو۔

گرگیری نے ایک وار کیا جو ابوعبیدہؓ نے روک لیا۔ ابوعبیدہؓ وار کرنے لگے تو گرگیری نے گھوڑا دوڑا دیا اور ابوعبیدہؓ کے اردگرد گھومنے لگا۔ ابوعبیدہؓ وار کرنے کو بڑھتے تو وہ رک کر وار روکنے کی بجائے گھوڑے کو پرے کر لیتا۔ ابوعبیدہؓ نے اُس پر وار کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ وار سے بھاگ رہا تھا۔ ایسے نظر آتا تھا جیسے وہ مقابلے سے منہ موڑ رہا ہو۔ ابوعبیدہؓ اُس کے پیچھے ہوگئے۔

آخر اُس نے گھوڑے کا رُخ اپنے لشکر کی طرف کر دیا۔ ابوعبیدہؓ اُس کے پیچھے پیچھے اور اُس کا پیچھا کرتے رہے۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ ابوعبیدہؓ نے بھی رفتار بڑھا دی۔ رومی لشکر پر تو خاموشی طاری ہوگئی لیکن مسلمانوں نے داد و تحسین کا شور بپا کر دیا۔ رومی سالار مقابلے سے منہ موڑ کر بھاگ گیا تھا۔

گرگیری نے گھوڑے کو ایک طرف موڑا اور رفتار اور تیز کر دی۔ ابوعبیدہؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس کے قریب چلے گئے۔ گرگیری نے گھوڑا فوراً گھما کر ابوعبیدہؓ کے سامنے کر دیا۔ یہ اُس کی چال تھی۔ وہ بھاگ

نکلنے کا دھوکہ دے رہا تھا۔ دھوکہ یہ تھا کہ وہ اچانک گھوم کر ابوعبیدؓہ پر وار کرے گا اور انہیں وار روکنے کی مہلت نہیں ملے گی۔

مؤرخ طبری اور بلاذری نے لکھا ہے کہ ابوعبیدؓہ چوکنے تھے اور گرگیری کے دھوکے کو سمجھ گئے تھے۔ گرگیری فوراً پیچھے کو گھوڑا موڑ کر وار کرنے لگا تو ابوعبیدؓہ کی تلوار پہلے ہی حرکت میں آچکی تھی۔ گرگیری کی گردن موزوں زاویے پر تھی۔ ابوعبیدؓہ کا وار سیدھا گردن پر پڑا جس سے گردن کی ہڈیوں کا ایک جوڑ کٹ گیا اور گردن ایک طرف ڈھلک گئی، گرگیری گھوڑے سے گر پڑا۔

مسلمانوں نے دادو تحسین کا غل غپاڑہ بپا کر دیا۔ دستور کے مطابق ابوعبیدؓہ کو گھوڑے سے اُتر کر گرگیری کی تلوار، خود اور زرہ اتار لینی چاہیے تھی لیکن وہ گھوڑے سے نہ اُترے، کچھ دیر گرگیری کو تڑپتا دیکھتے رہے، جب اُس کا جسم بے حس ہو گیا تو ابوعبیدؓہ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنی صفوں میں آ گئے۔

ابن الولیدؓ ابوعبیدؓہ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے نہ رُکے۔ وہ گھوڑ سوار دستے کے پاس چلے گئے جو انہوں نے اُس روز کی جنگ کے لیے تیار کیا تھا۔ آٹھ ہزار سواروں کے اس دستے کو دائیں پہلو پر عمرو بن العاصؓ کے دستوں کے عقب میں ایسی جگہ کھڑا کیا گیا تھا جہاں سے یہ دشمن کو نظر نہیں آسکتا تھا۔

خالدؓ نے اپنی تمام فوج کو سامنے کا حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ رومی سالار حیران ہوتے ہوں گے کہ مسلمان سالاروں کا دماغ جواب دے گیا ہے کہ انہوں نے ایک ہی بار ساری فوج حملے میں جھونک دی ہے۔ رومیوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ مسلمانوں کے گھوڑ سوار دستے حملے میں شریک نہیں۔ رومیوں کو یہ سب کچھ دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملی تھی کیونکہ خالدؓ کے حکم کے مطابق بہت تیز حملہ کیا جا رہا تھا۔ رومیوں کی بہت سی نفری ہلاک اور شدید زخمی ہو چکی تھی پھر بھی اُن کی نفری مسلمانوں کی نسبت سہ گنا تھی۔ مسلمانوں کا جانی نقصان بھی ہوا۔ اتنی کم نفری کا اتنی بڑی تعداد پر حملہ خودکشی کے برابر تھا۔

"انہیں آنے دو" —— رومی سالار ماہان چلا رہا تھا —— "اور آگے آنے دو...... یہ ہمارے ہاتھوں مرنے کے لیے آ رہے ہیں۔"

خالدؓ آٹھ ہزار سواروں کو پیچھے لے جا کر رومیوں کے بائیں پہلو سے پرے لے گئے۔ انہوں نے سالار عمرؓو بن العاص سے کہا تھا کہ رومیوں کے اس پہلو پر تیز اور زوردار حملہ کریں۔ عمرؓو بن العاص نے حکم کی تعمیل کی اور جانیں لڑا دیں۔ خالدؓ چاہتے تھے کہ دشمن کے پہلو کے دستوں کو سامنے سے اُلجھا لیا جائے۔

عمرؓو بن العاص نے خالدؓ کا یہ مقصد پورا کر دیا۔ خالدؓ نے آٹھ ہزار سواروں میں سے دو ہزار سواروں کا ایک دستہ الگ کر دیا تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن کے پہلو کے دستے عمرؓو بن العاص کے دستوں سے اُلجھ گئے ہیں تو چھ ہزار سواروں کے ساتھ رومیوں کے پہلو والے دستوں کے خالی پہلو کی طرف سے حملہ کر دیا۔ رومیوں کے لیے یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ اُن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عمرؓو بن العاص نے اپنے حملوں میں شدت پیدا کر دی۔

دشمن کے انہی دستوں پر سامنے سے شرحبیلؓ بن حسنہ نے بھی حملہ کیا تھا۔ خالدؓ نے جن دو ہزار سواروں کو الگ کیا تھا، انہیں حکم دیا کہ وہ دشمن کے اُس سوار دستے پر حملہ کریں جو اپنے پہلو کے دستوں کی مدد کے لیے تیار تھا۔ ان دو ہزار سواروں کے لیے حکم یہ تھا کہ وہ دشمن کے سوار دستے کو روکے رکھیں یعنی حملہ شدید نہ کریں بلکہ دشمن کو دھوکے میں رکھیں۔

بعد میں پتہ چلا تھا کہ رومیوں کا یہ سوار دستہ خاص طور پر تیار کیا گیا تھا۔ اسے ہر اُس جگہ مدد کے لیے پہنچنا تھا جہاں مدد کی ضرورت تھی۔ مسلمان سواروں نے اس سوار دستے کو اس طرح اُلجھایا کہ حملہ کرتے اور پیچھے یا دائیں بائیں نکل جاتے۔ پینترا بدل کر پھر آگے بڑھتے اور ہلکی سی جھڑپ لے کر ادھر اُدھر ہو جاتے۔

خالدؓ کی یہ چال کارگر ثابت ہوئی۔ اُنہوں نے دشمن کے مقابلے میں اتنی کم تعداد کو ایسی عقلمندی سے استعمال کیا تھا کہ دشمن کے پہلو کے دستوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان دستوں کو توقع تھی کہ مشکل کے وقت سوار دستے مدد کو آجائیں گے لیکن مدد کو آنے والے سواروں کو خالدؓ کے دو ہزار سواروں نے آنکھ مچولی جیسی جھڑپوں میں اُلجھا رکھا تھا۔

دشمن کے پہلو کے دستے ایک بار پیچھے ہٹے تو خالدؓ نے چھ ہزار سواروں سے حملے میں شدت پیدا کر دی۔ ماہان نے خود آکر اپنے دستوں کو جم کر لڑانے کی کوشش کی لیکن اُس کا سوار دستہ بُری طرح بکھرنے اور پیچھے ہٹنے لگا۔ پیادہ دستے سوار دستوں کی مدد کے بغیر نہیں لڑ سکتے تھے۔ وہ بے طرح بکھرنے اور بھاگنے لگے۔ بھاگنے والے پیادہ دستے آرمینی تھے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ اُن کے بھاگنے کی ایک وجہ تو مسلمانوں کے سوار دستے کا حملہ تھا اور اُن پر سامنے سے بھی بہت زیادہ دباؤ پڑ رہا تھا، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آرمینی سالاروں نے محسوس کیا کہ انہیں دانستہ سواروں کی مدد سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ ان کے پیچھے عیسائی عرب تھے جن کا سالار جبلہ بن الایہم تھا۔ انہوں نے بھی رسالے کی مدد نہ آنے کو غلط سمجھا اور لڑنے سے مُنہ موڑ گئے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ آرمینیوں اور عیسائیوں کی پسپائی بھگدڑ کی مانند تھی۔ دو مؤرخوں نے اسے سیلاب بھی کہا ہے جس کے آگے جو کچھ بھی آتا ہے سیلاب اُسے اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے۔ رومیوں کے بائیں پہلو سے بھاگنے والے دستوں کی تعداد چالیس ہزار بتائی گئی ہے۔ چالیس ہزار انسانوں کی بھگدڑ ایسا بے قابو سیلاب تھا جو اپنے سالاروں کو بھی اپنے ساتھ بہا لے گیا، یہاں تک کہ سالارِ اعلیٰ ماہان جو ابھی میدان نہیں چھوڑنا چاہتا تھا، اپنے محافظوں سمیت اس سیلاب کی لپیٹ میں آگیا اور بہتا چلا گیا۔

یہ کامیابی خالدؓ کی عسکری دانش کا حاصل تھی۔ انہوں نے دشمن کے پیادوں کو سواروں کی مدد سے محروم کر دیا تھا اور سواروں سے پیادوں پر ہلّہ بول دیا تھا۔ خالدؓ کے آگے بڑھنے کا رخ ماہان اور اُس کے دو ہزار سوار محافظوں کی طرف تھا۔

اُدھر ابوعبیدؓہ اور یزیدؓ بن ابوسفیان اپنے سامنے کے دستوں پر اس انداز سے حملے کر رہے تھے کہ بھرپور لڑائی بھی نہیں لڑتے تھے اور پیچھے بھی نہیں ہٹتے تھے۔ ابوعبیدؓہ نے دشمن کے ان دستوں کو روکا ہُوا تھا جو زنجیروں میں بندھے ہُوئے تھے۔ یہ دستے تیزی سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے تھے۔

خالدؓ دشمن کے اُس رسالے کو جس نے سارے محاذ کو مدد دینی تھی، بکھیر کر بھگا چکے تھے۔ اس رسالے کو کُھل کر لڑنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا تھا۔ خالدؓ اب اپنے رسالے (سوار دستے) کے ساتھ رومیوں کے عقب میں چلے گئے تھے۔ انہوں نے عقب سے حملہ کر دیا۔ یہ رومی فوج کا دوسرا حصہ تھا۔ اس پر اپنے بائیں کے دستوں اور سوار دستوں کے بھاگنے کا بہت برا اثر پڑ چکا تھا۔ ماہان کے غائب ہو جانے کی وجہ سے مرکزیت بھی

ختم ہوگئی تھی۔ اب سالار اپنی اپنی لڑائی لڑ رہے تھے۔ وہ اب صرف دفاع میں لڑ سکتے تھے۔

کسی بھی فوج کا بڑا حصہ بھاگ نکلے اور کمک کی امید نہ رہے تو اس صورت میں یہی ہو سکتا ہے کہ اپنی جانیں بچانے کے لیے لڑا جاتا ہے اور موقع ملتے ہی پسپائی اختیار کی جاتی ہے۔ رومی لشکر کے لیے یہ صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی۔ خالدؓ نے دشمن کے بھاگنے کے راستے روک لیے تھے سوائے ایک کے۔ خالدؓ کی کوشش بھی یہی تھی کہ رومی اسی راستے سے بھاگیں، چنانچہ دشمن کے بھاگنے والے دستے اسی راستے پر جا رہے تھے۔

رومی فوج بھی پسپا ہو رہی تھی لیکن منظم طریقے سے۔ اس کا کچھ حصہ بھگدڑ میں بہ گیا تھا، زیادہ تعداد منظم انداز سے پسپا ہوئی۔

خالدؓ نے اس تمام علاقے کی زمین کو دُور دُور تک دیکھ لیا تھا اور انہوں نے اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لیے اور جو کچھ سوچ لیا تھا وہ کسی عام دماغ میں نہیں آسکتا۔ رومی لشکر جب بھاگ رہا تھا تو خالدؓ کے حکم سے اُن کے دستے بھاگنے والوں کا تعاقب کر کے ایک خاص طرف جانے پر مجبور کر رہے تھے۔ اُس طرف وادی الرقاد تھی جس میں ایک ندی بہتی تھی اور اس وادی کے خدوخال کچھ اس طرح تھے۔ وادی اردگرد کی زمین سے گہرائی میں چلی جاتی تھی۔ اس کی ایک طرف کی ڈھلان تو ٹھیک تھی لیکن اس کے بالمقابل کی ڈھلان زیادہ تر سیدھی تھی۔ وہاں سے اوپر چڑھا تو جا سکتا تھا لیکن بہت مشکل سے۔

رومی فوج کے باقاعدہ دستے اُس طرف چلے گئے۔ اُن کے سامنے یہی راستہ تھا۔ وہ آسان ڈھلان اُتر گئے اور انہوں نے ندی بھی پار کر لی۔ جب وہ دوسری ڈھلان چڑھنے لگے تو مشکل پیش آئی۔ آہستہ آہستہ اوپر چلے گئے۔ اچانک اوپر سے نعرے بلند ہوئے اور للکار سنائی دی۔

نعرے لگانے والے مسلمان سوار تھے اور ان کے سالار ضرارؓ بن الازور تھے۔ اُن کا جسم ناف سے اوپر ننگا تھا۔ خالدؓ نے رات کو جو منصوبہ بنایا تھا اس کے مطابق اُنہوں نے اسی وقت ضرارؓ کو پانچ سو سوار دے کر وادی الرقاد کے دوسرے کنارے پر بھیج دیا اور اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

خالدؓ نے جیسا سوچا تھا ویسے ہی ہُوا۔ رومی فوج کی دراصل کوشش یہ تھی کہ اُس کے تعاقب میں جو مسلمان آرہے ہیں، اُن سے بہت فاصلہ رکھا جائے، اس لیے وہ بہت جلدی میں جا رہے تھے۔ خالدؓ نے تعاقب اسی مقصد کے لیے جاری رکھا تھا کہ رومی فوج جلدی میں رہے۔ اس مقصد میں کامیابی یوں ہوئی کہ رومی اوپر گئے تو اوپر ضرارؓ کے پانچ سو سوار برچھیاں تانے کھڑے تھے۔ رومی جو اوپر چلے گئے وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے اور جو ابھی اوپر جا رہے تھے وہ پیچھے مڑے لیکن عمودی کنارے سے وہ تیزی سے نیچے نہیں آسکتے تھے۔ مسلمانوں نے اُن پر پتھر برسانے شروع کر دیئے جو انہوں نے اسی مقصد کے لیے اکٹھے کر رکھے تھے۔ اوپر والے گرتے اور لڑھکتے ہوئے نیچے جاتے تھے۔ اوپر سے ان پر وزنی پتھر گرتے تھے۔ ان میں گھوڑسوار بھی تھے۔ گھوڑے بھی گرے اور پیادے ان کے نیچے آکر مرنے لگے۔

۞

رومی کچھ کم تو نہ تھے۔ ابھی ایک بڑی تعداد ندی تک نہیں پہنچی تھی۔ رومی سالاروں نے اپنے آگے جانے والوں کی تباہی دیکھی تو اپنے دستوں کو آگے جانے سے روک دیا اور وادی میں اُترنے کی بجائے انہیں

اوپر صف آرا کر دیا۔ وہ لڑ کر مرنا چاہتے تھے۔ آرمینیوں اور عیسائی عربوں کی بھی کچھ نفری ان سے آملی تھی۔ یہ نفری بھاگ رہی تھی اور مسلمان انہیں وادی کی طرف لے آئے تھے۔

خالدؓ اپنی فوج کے ساتھ تھے۔ اُنہوں نے دشمن کو صف آرا دیکھا تو اپنے سالاروں کو بلا کر کہا کہ دشمن پر حملہ کر دیں۔

"اِن میں لڑنے کا دم نہیں رہا" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "سیدھا حملہ کرو۔ میرے حکم کا انتظار نہیں کرنا۔ ان کے لیے پیچھے ہٹنے کی جگہ نہیں ہے۔ ایک طرف دریا (یرموک) ہے۔ دوسری طرف گہری وادی ہے۔ سامنے ہم کھڑے ہیں۔ ان پر ہلّہ بول دو۔"

رومی پھندے میں آگئے تھے۔ ان کا لڑنے کا جذبہ پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ بعض مؤرخوں نے مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار اور دو نے اس سے کچھ کم لکھی ہے۔ شہادت اور شدید زخمیوں کی وجہ سے نفری کم ہوگئی تھی۔ ایک دستے کو عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔

مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ اس میں کوئی چال نہ چلی گئی۔ اس حملے کا انداز ٹوٹ پڑنے جیسا تھا۔ سوار اور پیادے گڈمڈ ہوگئے تھے۔ رومی اب زندگی اور موت کا معرکہ لڑنے کے لیے تیار ہوگئے۔ وہ تو تربیت یافتہ فوج تھی۔ اس فوج کی اگلی صف نے مسلمانوں کا جم کر مقابلہ کیا لیکن وہ جگہ ایسی تھی جہاں دائیں بائیں ہونے اور گھوم پھر کر لڑنے کی گنجائش نہیں تھی۔ اس وجہ سے رومی اپنے ہی ساتھیوں کے ساتھ ٹکرانے اور ایک دوسرے کے لیے رکاوٹ بننے لگے۔

یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے سُودمند تھی۔ رومیوں کی اگلی صف نے مقابلہ تو کیا لیکن اِس کا کوئی ایک بھی آدمی زندہ نہ رہا۔ مسلمان سواروں نے رومی پیادوں پر گھوڑے چڑھا دیئے اور انہیں صحیح معنوں میں کچل ڈالا۔ جہاں جگہ کچھ کشادہ تھی وہاں رومیوں نے مقابلہ کیا لیکن مؤرخوں کے مطابق، یوں بھی ہُوا کہ گرد و غبار میں رومیوں نے رومیوں کو ہی کاٹ ڈالا۔ اپنے پرائے کی پہچان نہ رہی۔

یہ بڑا خوفناک معرکہ تھا، بڑی بھیانک لڑائی تھی، یہ رومیوں، عیسائی عربوں اور ان کے اتحادی قبیلوں کا قتلِ عام تھا۔

"گھوڑوں کو اٹھا کر ان پر گراؤ" ـــــ یہ خالدؓ کی للکار تھی ـــــ "مومنین! کفر کی چٹانوں کو پیس ڈالو۔"

مسلمان سوار باگوں کو جھٹکا دیتے تو گھوڑے اپنی اگلی ٹانگیں اٹھا لیتے تھے اور جب گھوڑے ٹانگیں نیچے لاتے تو ایک دو رومی کچلے جاتے۔ یہ تو رومیوں کا قتلِ عام تھا۔ رومی وادی الرقاد کی طرف بھاگ رہے تھے جہاں وہ اگلے عمودی کنارے کی ایک گھاٹی چڑھتے تو ضرارؓ کے سواروں کی برچھیوں سے چھلنی ہوتے اور اُوپر سے لڑھکتے ہوئے نیچے آتے۔

مسلمانوں نے اس فتح کے لیے بہت سی جانیں قربان کی تھیں اور جو شدید زخمی ہوتے تھے اُن میں کئی ایک ساری عمر کے لیے معذور ہوگئے تھے۔ یہ جنگ مسلمان عورتیں بھی لڑی تھیں۔ عورتوں نے اپنے بھاگتے مردوں کو دھمکیاں دے کر بھاگنے سے روکا تھا۔ اب وہ دشمن جو اسلام کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے ارادے سے ڈیڑھ لاکھ کا لشکر لایا تھا بڑے بُرے پھندے میں آگیا تھا۔ وادی الرقاد اُس کے لیے موت کی وادی بن گئی تھی۔

اللہ نے مومنین کی وہ دعائیں قبول کر لی تھیں جو وہ راتوں کو جاگ جاگ کر مانگتے اور اللہ کے حضور گڑگڑاتے رہے تھے۔ وہ ایک آیت کا وِرد کرتے رہے تھے:

کتنی ہی بار چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے چاہنے سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔ اللہ صبر و استقامت والوں کا ساتھ دیتا ہے: (قرآن حکیم ۲۴۹ / ۲)

اب میدانِ جنگ کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ رومیوں کی چیخیں اٹھتی تھیں جو مسلمانوں کے نعروں میں دب جاتی تھیں۔ وادی میں گہری کھائیاں بھی تھیں۔ بعض رومی ان میں بھی گرے اور بڑی بُری موت مرے۔

۵

جنگِ یرموک کے چھٹے اور آخری روز کا سورج میدانِ جنگ کے گرد و غبار میں ڈوب گیا۔ فضا خُون کی بُو سے بوجھل تھی۔ مشعلیں جل اٹھیں اور رومیوں کی لاشوں کے درمیان گھومنے پھرنے لگیں۔ یہ مسلمانوں کی مشعلیں تھیں۔ وہ اپنے شہیدوں اور شدید زخمیوں کو اٹھا رہے تھے اور مالِ غنیمت بھی اکٹھا کر رہے تھے۔ خیمہ گاہ میں خبر پہنچی تو عورتیں آگئیں۔ وہ کئی میل فاصلہ طے کر کے آئی تھیں۔ وہ اپنے خاوندوں کو اپنے بھائیوں اور اپنے بیٹوں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

"تو جنّتی ہے" ـــ کسی نہ کسی عورت کی آواز سنائی دیتی تھی ـــ "تو جنّت میں جا رہا ہے"۔

جنگ ختم ہو چکی تھی لیکن خالدؓ کی جنگ ابھی جاری تھی۔ رات بھر مسلمان شہیدوں، زخمیوں اور مالِ غنیمت کے ساتھ مصروف رہے لیکن خالدؓ کی مصروفیت کچھ اور تھی۔ اُن کے لیے ابھی جنگ ختم نہیں ہُوئی تھی۔ اُنہوں نے جو رومی قیدی پکڑے تھے، ان سے خالدؓ معلوم کرتے رہے تھے کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ ماہان جو آرمینیا کا بادشاہ بھی تھا، کس طرف گیا ہے۔ بیشتر قیدیوں کو معلوم نہ تھا۔ آخر پتہ چل گیا۔ ماہان کو انطاکیہ کی بجائے دمشق کی طرف جاتے دیکھا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کا محافظ سوار دستہ تھا جس کی تعداد دو ہزار تھی۔

صبح طلوع ہوتے ہی خالدؓ اپنے سوار دستے کو ساتھ لے کر ماہان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ اُس وقت ماہان دمشق سے دس بارہ میل دُور پہنچ چکا تھا۔ اُسے یہ توقع نہیں تھی کہ مسلمان اُس کے تعاقب میں پہنچ جائیں گے۔ شاید اسی لیے وہ بڑے اطمینان سے جا رہا تھا، رات اُس نے پڑاؤ کیا اور صبح دمشق کو روانہ ہُوا تھا۔

"شہنشاہِ معظّم!" ـــ اُسے اپنے کسی ساتھی نے کہا ـــ "وہ دیکھیں گرد اُٹھ رہی ہے۔ یہ کوئی سوار دستہ لگتا ہے"۔

"اپنا ہی ہو گا" ـــ ماہان نے کہا ـــ "ان کی گرد کو نہ دیکھو جو میدانِ جنگ کی گرد سے بھاگ آئے ہیں۔ یہ شکست کھا کر آئے ہیں"۔

ان کے درمیان پھر خاموشی چھا گئی۔ ماہان کی ذہنی کیفیت بہت بُری تھی۔ وہ کسی کے ساتھ بولتا نہیں تھا۔ اُس کی افسردگی کا باعث صرف یہ نہیں تھا کہ اُس نے شکست کھائی تھی بلکہ یہ کہ اُس نے بڑی تھوڑی تعداد کی فوج سے شکست کھائی تھی۔ اُس نے مسلمانوں کو کچل کر واپس آنے کا دعویٰ کیا تھا مگر اب وہ انطاکیہ جانے کی بجائے دمشق کی طرف جا رہا تھا۔ انطاکیہ میں شہنشاہِ روم ہرقل تھا۔ ماہان اُس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جن سواروں کی گرد نظر آئی تھی اب اُن کے گھوڑوں کے قدموں کی ہنگامہ خیز آواز سنائی دینے لگی تھی جو

بڑی تیزی سے قریب آ رہی تھی۔ ماہان پیچھے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ انہیں میدان سے بھاگے ہوئے سوار سمجھ رہا تھا۔ سوار قریب آئے تو دو حصوں میں بٹ گئے اور اُس کے گرد گھیرا ڈالنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی للکار سنائی دی:

انا فارس الضدید

انا خالد بن الولید

تب ماہان چونکا۔ اُس کے ساتھ اپنے دو ہزار سوار محافظ ہی نہیں تھے بلکہ آرمینیا کی باقاعدہ فوج کی بھی کچھ تعداد تھی اور کچھ عیسائی عرب بھی تھے۔ اُس نے ان سب کو لڑنے کی ترتیب میں کر دیا اور خود اپنے چند ایک محافظ ساتھ لے کر الگ ہٹ گیا۔

خالدؓ کو بتایا گیا تھا کہ ماہان کے ساتھ اپنے محافظوں کا سوار دستہ ہے لیکن اُس کے ساتھ اس سے دگنی سے بھی کچھ زیادہ تعداد تھی۔ خالدؓ نے گھیرے کی شکل میں حملہ کیا۔ ماہان کی فوج نے جم کر مقابلہ کیا لیکن مسلمان تھکے ہوئے ہونے کے باوجود تازہ دم لگتے تھے۔ یہ فتح کی خوشی کا اثر تھا۔

تاریخ میں اُس مجاہد کا نام نہیں مِلتا جو لڑائی میں بچتا بچاتا ماہان تک جا پہنچا۔ وہ ماہان کے سواروں کا حصار توڑ گیا اور اُس نے ماہان کو ہلاک کر دیا۔ مجاہد خود بھی زخمی ہُوا لیکن ماہان کو ہلاک کر کے اُس نے اپنے ساتھیوں کا کام آسان کر دیا۔ اپنے شہنشاہ اور سالارِ اعلیٰ کو مرتا دیکھ کر اُس کے سوار معرکے میں سے نکلنے لگے۔

کچھ دیر بعد دشمن کے سوار اور پیادے جدھر کو رُخ ہُوا اُدھر کو ہی بھاگ نکلے لیکن بہت سی لاشیں اور اچھے بھلے گھوڑے پیچھے چھوڑ گئے۔

دمشق دُور نہیں تھا۔ خالدؓ نے دمشق کا رخ کر لیا۔ یہ اُن کا ایک اور دلیرانہ اقدام تھا۔ دمشق پر مسلمانوں کا قبضہ رہا تھا لیکن رومیوں کے اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر مسلمانوں نے دمشق سے قبضہ اُٹھا لیا تھا۔

"خُدا کی قسم!" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "دمشق کے دروازے اب بھی ہمارے لیے کھُل جائیں گے"۔

توقع نہیں تھی کہ ایسا ہو گا۔ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد بھی رومیوں نے اس اہم شہر پر اپنا تسلط نہ جمایا ہو۔

خالدؓ کی قیادت میں جب مسلمان سواروں کا دستہ دمشق پہنچا تو دیوار کے اُوپر سے کسی نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو؟

"کیا تم نے نہیں پہچانا کہ یہ تمہارے حاکم تھے لیکن حکومت تمہاری تھی؟" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "کیا تم نہ کہتے تھے کہ رومیوں سے مسلمان اچھے ہیں؟ .... خدا کی قسم، ہم رومیوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر آئے ہیں"۔

"مسلمان آ گئے ہیں" ـــ یہ ایک نعرہ تھا جو دیوار کے اوپر بلند ہُوا پھر یہ نعرہ سارے شہر میں پھیل گیا۔

شہر کا بڑا دروازہ کھُل گیا اور شہریوں کا ایک ریلا باہر نکلا۔ لوگوں نے بازو پھیلا کر مسلمانوں کا استقبال کیا اور خوشی سے ناچتے ہُوئے، خالدؓ اور ان کے سوار دستے کو شہر میں لے گئے۔ یہ اُس اچھے سلوک ، برتاؤ کا اثر تھا جو مسلمانوں نے اہلِ دمشق سے کیا تھا۔ مسلمانوں نے تو کردار کی بلندی کا یہ مظاہرہ بھی کیا: الہ دمشق سے رخصت ہونے سے پہلے شہریوں سے وصول کیا ہُوا جزیہ واپس کر دیا تھا۔

خالدؓ دمشق میں نہیں رک سکتے تھے، انہیں یرموک پہنچنا تھا اور فتح کے بعد کے امور اور انتظامات دیکھنے

تھے۔ وہ اُسی وقت روانہ ہو گئے۔

شام سے رومی سلطنت کا بوریا بستر گول ہو گیا۔ چند دنوں بعد شہنشاہ ہرقل انطاکیہ سے رخصت ہوا۔ اُس کا ٹھکانہ اب قسطنطنیہ تھا۔ دو مؤرخوں، بلاذری اور طبری نے لکھا ہے کہ شہنشاہِ ہرقل جب انطاکیہ سے روانہ ہُوا تو اُس نے کچھ دُور جا کر رک کر اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"اے ارضِ شام!— اُس نے آہ لے کر بوجھل سی آواز میں کہا— "اُس بدنصیب کا آخری سلام قبول کر جو تجھ سے جدا ہو رہا ہے۔ اب رومی ادھر آتے بھی تو اُن پر تیرا خوف سوار ہو گا.... کتنا خوبصورت ملک دشمن کو دیتے جا رہا ہوں۔"

جنگِ یرموک پر ہر دور کے جنگی مبصّروں نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ اس پر سب متفق ہیں کہ یہ جنگ خالدؓ کی عقل سے جیتی گئی تھی اور یہ کامیابی کارگر چالوں سے حاصل کی گئی تھی۔

اس جنگ میں چار ہزار مومنین شہید ہوئے اور زخمی تقریباً سبھی ہوئے۔ خود خالدؓ زخمی تھے۔ رومیوں کی اموات ایک لاکھ سے زیادہ بتائی گئی ہیں لیکن مؤرخوں کی اکثریت ستّر ہزار پر متفق ہے۔

سلطنتِ اسلامیہ شام تک پھیل گئی۔

وہ تعداد میں بہت تھوڑے تھے۔ اُن کے ہتھیار دشمن کے مقابلے میں کمتر تھے۔ اُن کے ذرائع یوں محدود تھے کہ اپنے وطن سے بہت دور تھے۔ کمک نہیں مل سکتی تھی۔ اس کا حصول دشوار تھا۔ دشمن مانندِ ٹڈی دَل تھا۔ اُس کے ہتھیار برتر تھے۔ وہ اُس کی اپنی زمین تھی، ملک اپنا قلعے اپنے تھے۔ کمک کی اُس کے ہاں کمی نہیں تھی۔ اپنی بادشاہی میں سے ہزاروں کی تعداد میں لڑنے والے لوگوں کو میدان میں لے آتا تھا، لیکن وہ جو تعداد میں تھوڑے تھے اور جو کئی کئی سالوں سے مسلسل لڑ رہے تھے اُس دشمن کے سینے پر کھڑے تھے جو اُن سے کہیں تین گنا اور کہیں چار گنا زیادہ طاقت ور تھا۔

وہ کون تھے جنہوں نے اُس دَور کے سب سے زیادہ طاقت ور دشمن کو فیصلہ کن شکست دی تھی؟

وہ مسلمان تھے۔

وہ نام کے مسلمان نہیں تھے۔

وہ جنگی طاقت کو آدمیوں اور گھوڑوں کی تعداد سے نہیں جذبے اور ایمان سے ناپتے تھے۔

یہ ایمان کی قوت کا کرشمہ تھا کہ شام میں قیصرِ روم کا پرچم اُتر گیا تھا۔ جن قلعوں پر یہ پرچم لہرایا کرتا تھا اُن قلعوں میں اب اذانیں گونج رہی تھیں۔

یرموک کے میدانِ جنگ میں چار ہزار مجاہدین نے اپنی جانوں کی قربانی دے کر رومیوں کو شام سے بے دخل کر دیا تھا۔ شہنشاہ ہرقل جو ایک جابر جنگجو تھا اور اپنی فوج کو ایک ناقابلِ تسخیر فوج سمجھتا تھا، اِن حالت میں شام کی سرحد سے نکلا تھا کہ اُس نے جوابی حملے کی سوچنے کی بجائے ذہنی طور پر شکست تسلیم کر لی تھی۔

اُس کی فوج کے بھاگنے کا انداز کسی منظم اور طاقتور فوج جیسا نہیں تھا۔ اس فوج کی آدھی نفری ماری گئی، زخمیوں کا کچھ حساب نہ تھا اور جو اب بھاگنے کے قابل تھے وہ افراد میں بکھر کر بھاگے۔ ان میں سے زیادہ تر نے بیت المقدس میں جا پناہ لی۔ اُس وقت بیت المقدس ایلیا کہلاتا تھا۔ یہ آخری قلعہ تھا جو رومیوں کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔ دو چار اور قلعے بھی تھے جو ابھی رومیوں کے پاس تھے لیکن یہ بیت المقدس جیسے بڑے نہیں تھے۔ ان کے اندر مسلمانوں کی دہشت پہنچ چکی تھی۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ شہریوں نے دیکھا کہ رومیوں کا سورج غروب ہو رہا ہے تو انہوں نے قیصرِ روم کی فوج کو اپنے تعاون سے محروم کر دیا۔ مسلمانوں کے متعلق اُن تک یہ راتے پہنچی تھی کہ مسلمان میدانِ جنگ میں سراپا قہر اور مانندِ فولاد ہیں اور حکمران کی حیثیت میں وہ ریشم جیسے نرم ہیں۔

ان قلعوں کو سر کر لیا گیا۔ کہیں ذرا سی مزاحمت ہُوئی جو مسلمانوں کو روک نہ سکی اور باقی قلعوں کے دروازے بغیر مزاحمت کھل گئے۔ شہریوں نے مسلمانوں کا استقبال کیا اور جزیہ ادا کر دیا، البتّہ بیت المقدس ذرا بڑا شہر تھا اور یہ شہر قلعہ بند تھا۔ قلعہ مضبوط تھا۔ اسے سر کرنا دشوار نظر آ رہا تھا۔

بیت المقدس میں رومی سالار اطربون تھا جس کے متعلق مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فنِ حرب و ضرب

میں ہرقل کا اہم پلّہ تھا۔ بعض مؤرخوں نے اُسے ہرقل کا اہم ترین بھی کہا ہے۔ مسلمانوں کے جاسوس، بیت المقدس تک پہنچے ہوئے تھے۔ اُن کی لائی ہوئی اطلاعوں کے مطابق اطربون جابر اور بے خوف سالار تھا اور وہ مرتے دم تک لڑنے والا جنگجو تھا۔ بیت المقدس کے دفاع میں اُسے آخری دم تک لڑنا ہی تھا کیونکہ اس خطے میں رومیوں کا یہ آخری مضبوط قلعہ تھا۔

ایک مقام اور بھی تھا جو خاصا اہم تھا۔ یہ تھا قیساریہ۔ اس کا قلعہ بھی مضبوط تھا۔ اس وقت مسلمان جابیہ کے مقام پر خیمہ زن تھے۔ یرموک کی جنگ کے بعد وہ جابیہ چلے گئے تھے۔ زخمیوں کی تعداد غیر معمولی تھی، اور جو زخمی نہیں تھے وہ لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ وہ تو پہلے ہی تھکن سے چور تھے، جنگِ یرموک نے اُن کے جسموں کا دم خم توڑ دیا تھا۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی اور زخمیوں کی مرہم پٹی اس سے زیادہ ضروری تھی۔ ان کے زخم ٹھیک ہونے کا انتظار کرنا تھا۔

انتظار خطرناک ہو سکتا تھا۔

خطرہ یہ تھا کہ رومی ایک جنگجو قوم تھی شکست تو انہیں فیصلہ کن ہوئی تھی لیکن وہ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے شکست کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ زیادہ پریشانی تو بیت المقدس کے متعلق تھی جہاں اطربون جیسا جری اور قابل سالار موجود تھا لیکن رومیوں کے کچھ دستے بکھرے ہوئے تھے۔ جاسوس اطلاعیں دے رہے تھے کہ بعض جگہوں پر رومیوں کے سالار موجود تھے۔

ابوعبیدہؓ اور دیگر مسلمان سالار یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ رومی جوابی حملہ کریں گے۔

"میرے رفیقو!" ــــ ابوعبیدہؓ نے اپنے سالاروں سے کہا ــــ "رومی حملہ ضرور کریں گے لیکن ان میں ابھی اتنا دم خم نہیں ہے کہ وہ فوری طور پر حملہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ وہ اس طرح دُور دُور بکھر گئے ہیں کہ انہیں اکٹھا ہونے کے لیے بھی وقت چاہیئے۔"

حقیقت بھی یہی تھی کہ جس طرح مسلمانوں میں ایک ہلکا سا معرکہ لڑنے کی سکت نہیں رہی تھی اسی طرح رومیوں میں بھی لڑنے کا دم نہیں رہا تھا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ڈیڑھ لاکھ میں ستر ہزار رومی مارے گئے تھے اور باقی جو بچے تھے ان میں زیادہ تر زخمی تھے۔ جاسوسوں کی اطلاعیں یہ تھیں کہ رومی کہیں بھی جوابی حملے کے لیے منظم نہیں ہو رہے لیکن وہ جہاں جہاں بھی ہیں، وہاں دفاعی جنگ لڑنے کے لیے تیار ہیں۔

❦

اکتوبر ۶۳۶ء (شعبان ۱۵ھ) کے ایک دن سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا۔

"میرے رفیقو!" ــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ــــ "زیادہ تر زخمی مجاہدین لڑنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ لشکر نے بھی آرام کر لیا ہے۔ ہم اب اس قابل ہیں کہ آگے پیش قدمی کریں۔ دو جگہیں ہیں جن پر قبضہ کرنا بہت ضروری ہے۔ ایک تو قیساریہ ہے اور دوسری جگہ ہے بیت المقدس۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ ان دونوں جگہوں میں سے کس پر ہم پہلے حملہ کریں؟"

اس مسئلے پر جب بحث شروع ہوئی تو سالاروں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض کا خیال تھا کہ یہ دونوں جگہیں دفاع کے لحاظ سے مضبوط ہیں، اس لیے ان پر یکے بعد دیگرے حملہ کیا جائے۔ کچھ یہ کہتے تھے کہ دونوں مقامات کو بیک وقت محاصرے میں لیا جائے۔ ابوعبیدہؓ ان کے درمیان فیصلہ نہ کر سکے۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم امیرالمومنین سے پوچھیں کہ ہمیں قیساریہ اور بیت المقدس میں سے کس جگہ کو پہلے محاصرے میں لینا چاہیئے؟" ــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ــــ "میں تم سب کے جذبے اور ایثار کی قدر کرتا ہوں اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔ میں کسی کی حوصلہ شکنی اپنی زبان سے نہیں کروں گا۔ الحمدللہ دشمن اس خطے سے بھاگ رہا ہے لیکن ہمیں اپنی فتح کو مکمل کرنا ہے۔ میں یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ ہم قاصد کو مدینہ بھیج کر امیرالمومنین کا حکم لیں۔"

تمام سالاروں نے ابوعبیدہؓ کی تائید کی اور اُسی وقت ایک تیز رفتار قاصد کو مدینہ اس پیغام کے ساتھ روانہ کر دیا گیا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب کی خدمت میں، سالارِ اعلیٰ برائے شام ابوعبیدہؓ بن الجراح کی طرف سے۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اطاعت اللہ کے رسول محمدؐ کی ہے۔ اللہ نے ہمیں جس فتح سے نوازا ہے، وہ ہماری آئندہ نسلوں پر اس کی ذات کا بہت بڑا احسان ہے۔ تمام فتوحات کی اطلاعیں مع مالِ غنیمت مدینہ بھیجی جاتی رہی ہیں۔ اب ہم جابیہ کے مقام پر آرام کی غرض سے رُکے ہوئے ہیں۔ الحمدللہ زخمی بہت بہتر ہو چکے ہیں۔ اب ضرورت یہ ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور رومیوں کو شام کی سرزمین سے ہمیشہ کے لیے بے دخل کر دیں۔ ہمارے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں کہ ہم قیساریہ اور بیت المقدس میں سے کون سی جگہ کا انتخاب کریں۔ کیا امیرالمومنین ہماری رہنمائی کریں گے؟"

وہاں سے مدینہ کا سفر کم و بیش ایک ماہ کا تھا۔ قاصد کے جانے اور آنے میں کم سے کم پچیس دن درکار تھے۔ ان دنوں میں زخمی مجاہدین مزید بہتر ہو گئے اور جو زخمی نہیں تھے انہیں آرام اور تیاری کے لیے مزید وقت مل گیا۔

بیت المقدس کے اندر کے ماحول پر جہاں شکست کی افسردگی، شرمساری اور دہشت طاری تھی وہاں جوش و خروش بھی پایا جاتا تھا۔ یہ جوش و خروش رومی سالار اطربون کا پیدا کردہ تھا۔ وہ ابھی مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں آیا تھا۔ اُس نے سنا تو تھا اور بڑی اچھی طرح سنا تھا کہ رومی فوج کسی بھی میدان میں مسلمانوں کے مقابلے میں جم نہیں سکی لیکن اطربون نے اپنے آپ پر یہ وہم طاری کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بیت المقدس میں شکست دے دے گا۔ اُس نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پلان بنانے شروع کر دیئے اور اس سلسلے میں ایک روز قیساریہ چلا گیا۔

قیساریہ میں اُس نے وہاں کے سالار اور فوج کو خوفزدگی کے عالم میں دیکھا۔

"معلوم ہوتا ہے تم نے لڑنے سے پہلے شکست تسلیم کر لی ہے" ــــ اطربون نے قیساریہ کے سالار سے کہا ــــ "اور میں تمہیں مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے تیار کرنے آیا ہوں۔"

"اگر ہرقل بھاگ گیا ہے تو مقابلے میں ہم بھی نہیں ٹھہر سکتے" ــــ قیساریہ کے سالار نے کہا ــــ "فوج جو میرے پاس ہے اس پر اُن سپاہیوں کا اثر ہو گیا ہے جو یرموک سے بھاگ کر یہاں آتے ہیں.... وہ ابھی تک آ رہے ہیں۔ نہ جانے کہاں کہاں بھٹک کر آ رہے ہیں۔ ان کے چہروں پر، آنکھوں میں اور باتوں میں خوف نمایاں ہوتا ہے۔"

"بزدل!" ــــ اطربون نے نفرت سے کہا ــــ "لڑائیوں سے بھاگے ہوئے سپاہی اور سالار بھی

ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں۔ وہ اپنے دشمن کی فوج کو جنات اور بدروحوں کی فوج ثابت کرتے ہیں جن کا وہ مقابلہ کر ہی نہیں سکتے تھے.... کیا تم مجھے یہ مشورہ دینا چاہتے ہو کہ ہرقل کی طرح ہم بھی مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیں؟ تمہاری عقل پر ایسا پردہ پڑ گیا ہے کہ تم یہ سوچنے کے بھی قابل نہیں رہے کہ ہرقل کی غیر حاضری میں میرا حکم چلتا ہے اور تم میرے حکم کے پابند ہو۔ ہم لڑیں گے۔"

"میں نے آپ کو فوج کی ذہنی حالت بتائی ہے" ــــ قیساریہ کے سالار نے کہا ــــ "یہ نہیں کہا کہ ہم بھاگ جائیں گے۔ آپ حکم دیں۔ فوج منہ موڑ جائے گی تو بھی آپ مجھے میدانِ جنگ میں ہی دیکھیں گے۔"

"فوج کو لڑانا تمہارا کام ہے" ــــ اطربون نے کہا ــــ "تم نے باقی جو کچھ کہا ہے یہ بڑہانکی ہے۔ فارسیوں نے بھی ان عربی مسلمانوں کو عرب کے بدّو اور صحرائی قزاق کہا تھا۔ ہرقل اور اُس کے سالار بھی یہی کہتے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے کہ کسی ایک بھی مسلمان کو زندہ واپس نہیں جانے دیں گے.... حکم یہ ہے اور یہ موجودہ صورتِ حال کا تقاضہ ہے کہ اپنی فوج کو لڑنے کے لیے تیار کر دو۔ مسلمان ایلیا (بیت المقدس) پر حملہ کریں گے۔ تمہارا کام یہ ہوگا کہ وہ جب ایلیا کو محاصرے میں لے لیں تو تم آکر انہیں محاصرے میں لے لو۔ تمہارے پاس فوج کی کمی نہیں۔ اگر تم دشمن کو مکمل محاصرے میں نہ لے سکو تو عقب سے اُس کی فوج پر حملے کرتے رہو۔ میں اپنے دستے شہر کے باہر بھیج کر اتنا سخت ہلّہ بولوں گا کہ دشمن قدم جمانے کے قابل نہیں رہے گا۔ عقب میں تم ہوگے۔ پھر سوچ یہ بدبخت کدھر سے نکل کر جائیں گے" ــــ اُس نے رازداری کے لہجے میں کہا ــــ "مسلمان تھک کر چُور ہو چکے ہیں۔ ان کی نفری کم و بیش چھ ہزار کم ہو گئی ہے۔ اب انہیں شکست دینا مشکل نہیں رہا۔"

"اور اگر وہ ایلیا کی بجائے قیساریہ میں آ گئے تو کیا....؟"

"پھر میں تمہاری مدد کو آؤں گا" ــــ اطربون نے کہا ــــ "اور میں تمہاری مدد اُسی طرح کروں گا جس طرح میں نے تمہیں کہا ہے کہ میری مدد کو آنا۔"

ان کے درمیان طے ہو گیا کہ دونوں میں سے کسی پر حملہ ہُوا تو دوسرا اُس کی مدد کو آئے گا۔ اطربون یقین سے کہتا تھا کہ مسلمان بیت المقدس پر آئیں گے۔

❀

اُس دور کے متعلق جب مسلمان شام پر چھا گئے تھے، ہرقل شام سے نکل گیا تھا اور مسلمان فلسطین پر قابض ہوتے چلے جا رہے تھے، مؤرخوں میں اختلاف پائے جاتے ہیں بعض نے واقعات کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ معرکوں کے تسلسل کو بھی آگے پیچھے کر دیا ہے کہیں کہیں اموات میں مبالغہ آرائی ملتی ہے۔ رومیوں اور مسلمانوں کی نفری بھی صحیح نہیں لکھی۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اکثر غیر مسلم مؤرخوں نے صحیح واقعات پیش کیے ہیں اور مسلمانوں کو خراجِ تحسین بھی پیش کیا ہے لیکن بعض مسلمان مؤرخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں نے اپنے اپنے فرقے کے عقیدوں کے مطابق تعصب کا مظاہرہ کیا ہے اور واقعات کو خلط ملط کر دیا ہے اور جو تعصبات آج ان جانبدار تاریخ نویسوں کے ذہنوں میں بھرے ہُوتے ہیں وہ اُنہوں نے خلفائے راشدین اور مجاہدین کے چہروں پر مل دیتے ہیں۔ مثلاً امیر المومنین عمرؓ نے خالدؓ کو معزول کر کے مدینہ بلا لیا تھا ہم اس کی وجوہات

آگے چل کر بیان کریں گے لیکن چند ایک تاریخ نویسوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امیر المومنین عمرؓ کے دل میں خالدؓ کے خلاف ذاتی رنجش کی بنا پر بغض اور کینہ بھرا ہُوا تھا۔ اس سے یہ تاریخ نویس یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عمرؓ کا کردار اتنا عظیم نہیں تھا جتنا بتایا جاتا ہے۔

ہم چونکہ صرف خالدؓ بن ولید سیف اللہ کی زندگی کی کہانی سنا رہے ہیں اس لیے ہم اُن جنگوں اور دیگر حالات کا زیادہ ذکر نہیں کریں گے جن کا تعلق خالدؓ کے ساتھ نہیں۔

اگر مؤرخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں کی تحریروں کی چھان بین کی جائے تو سوائے اُلجھاؤ کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک تو یہ پتہ چلتا ہے کہ سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ نے امیر المومنین عمرؓ سے بذریعہ قاصد پوچھا تھا کہ وہ قیساریہ کی طرف توجہ دیں یا بیت المقدس کی طرف، دوسری طرف کچھ ایسے تاریخ نویس ہیں جو لکھتے ہیں عمروؓ بن العاص نے امیر المومنین کو پیغام بھیجا تھا کہ بیت المقدس پر چڑھائی کریں یا کیا کریں، اور ایک تاریخ نویس نے یہ ظاہر کیا ہے کہ امیر المومنین بیت المقدس سے تھوڑی ہی دور کسی مقام پر موجود تھے۔

پسِ منظر کے واقعات کو اور مستند مؤرخوں کی تحریروں کو دیکھا جائے تو امیر المومنین عمرؓ ہمیں مدینہ میں موجود نظر آتے ہیں جہاں انہیں ہر محاذ کی رپورٹیں مل رہی ہیں، مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ خلافت کے لیے ہر طرف سے آ رہا ہے، امیر المومنین کے ہاتھوں تقسیم ہو رہا ہے اور وہ سالاروں کو خراجِ تحسین کے پیغام بھیج رہے ہیں۔

❀

سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ نے جو قاصد مدینہ کو روانہ کیا تھا وہ تیز رفتار تھا۔ قاصدوں کی رفتار اس وجہ سے مزید تیز ہو جاتی تھی کہ راستے میں گھوڑے بدلنے کا انتظام موجود تھا۔ اب تو تمام تر علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ قاصد پندرہ دنوں بعد امیر المومنین کا حکم لے آیا۔

امیر المومنین نے لکھا تھا کہ بیت المقدس سب سے پہلے فتح ہونا چاہیے لیکن اس کا محاصرہ کرنے سے پہلے رومیوں کی کمک کے راستے بند کرنا ضروری ہیں۔ عمرؓ کو یہاں تک معلوم تھا کہ قیساریہ میں رومی فوج کثیر تعداد میں موجود ہے جو بیت المقدس کو کمک اور دیگر مدد دے سکتی ہے۔ عمرؓ کو مدینہ میں موجود رہ کر بھی معلوم تھا کہ قیساریہ تک رومیوں کی مزید فوج سمندر کے راستے بھی پہنچ سکتی ہے۔ چنانچہ خلیفۃ المسلمین عمرؓ نے ابوعبیدہؓ کو حکم بھیجا کہ قیساریہ کا اڈہ ختم کرنا ضروری ہے۔

امیر المومنین نے اپنے حکم اور ہدایات میں یہ بھی لکھا کہ انہوں نے یزیدؓ بن ابی سفیان کو حکم بھیج دیا ہے کہ وہ اپنے بھائی معاویہؓ کو قیساریہ کا محاصرہ کرنے اور رومیوں کے اس مضبوط اور خطرناک قلعے کو سر کرنے کے لیے فوراً بھیج دے تاکہ بیت المقدس کی رومی فوج کو قیساریہ سے اور قیساریہ کو سمندر کی طرف سے مدد نہ پہنچ سکے اور اس سے یہ فائدہ بھی ہوگا کہ قیساریہ اور بیت المقدس کا رابطہ ٹوٹ جائے گا۔ اس حکم نامے میں یہ بھی لکھا تھا کہ قیساریہ کی فتح کے فوراً بعد ابوعبیدہؓ بیت المقدس پر چڑھائی کریں گے۔

مدینہ سے یہ جو احکام مختلف سالاروں کو بھیجے گئے ان کے مطابق معاویہؓ نے قیساریہ کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کے رومی سالار کو توقع تھی کہ اطربون اُس کی مدد کو آئے گا۔ اس توقع پر اُس نے مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ دستوں کو قلعے سے باہر نکال کر حملے کراتے۔

ان حملوں کا تسلسل اور انداز ایسا تھا کہ محاصرے کا تو صرف نام رہ گیا تھا، قلعے کے باہر خونریز لڑائی شروع ہوگئی۔ رومیوں کے حملوں کا طریقہ یہ تھا کہ قلعے کے دو دروازے کھلتے، دو تین دستے رُکے ہوئے سیلاب کی مانند باہر آتے اور مسلمانوں پر بڑا شدید ہلّہ بولتے۔ کچھ دیر لڑ کر وہ پیچھے ہٹتے اور قلعے میں چلے جاتے اور دروازے پھر بند ہوجاتے۔

مسلمانوں نے ان حملوں کا مقابلہ اس طرح کیا کہ رومی دستے باہر آتے تو مسلمان اُن کے عقب میں جانے کی کوشش کرتے کہ رومی قلعے میں واپس نہ جاسکیں۔ عقب میں جانا اس وجہ سے خطرناک ہوجاتا تھا کہ قلعے کی دیوار سے اُن پر تیر آتے تھے۔ مسلمان رومیوں کے پہلوؤں کی طرف ہوجاتے اور تیروں کی بوچھاڑوں سے بہت سے رومیوں کو گرا لیتے۔

اس طرح رومیوں نے اتنا نقصان اٹھایا کہ وہ لڑنے کے قابل نہ رہے۔ قیساریہ کے رومی سالار نے اطربون پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ بزدل نہیں، ایک روز خود دو چار دستوں کو ساتھ لیا اور باہر نکل آیا۔ مسلمانوں پر ایسے حملے کئی بار ہوچکے تھے اس لیے انہیں یہ حملے روکنے کا تجربہ ہوگیا تھا۔ اب رومی سالار خود باہر آیا تو مسلمانوں نے پہلے سے زیادہ شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ کئی مجاہدین رومی سالار کو مارنے کے لیے آگے بڑھنے لگے لیکن اُسے مارنا آسان نظر نہیں آتا تھا۔ وہ محافظوں کے حصار میں تھا۔

آخر وہ دہشت اپنا اثر دکھانے لگی جو رومیوں پر طاری ہونے لگی تھی۔ وہ تو ہونی ہی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کی لاشوں پر لڑ رہے تھے۔ پہلے حملوں میں جو رومی مارے گئے تھے ان کی لاشیں اٹھائی نہیں گئی تھیں۔ بہت سے دن گزر گئے تھے۔ پہلے دنوں کی لاشیں خراب ہوگئی تھیں اور ان کا تعفن پھیلا ہُوا تھا۔

رومیوں پر دہشت تو پہلے ہی طاری تھی چونکہ اُن کا سالار اُن کے ساتھ باہر آگیا تھا اس لیے اُن کے حوصلے میں کچھ جان پڑگئی لیکن ان کا سالار کسی مجاہد کی برچھی سے مارا گیا۔ رومیوں میں افراتفری مچ گئی اور وہ قلعے کے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ دروازے کھل گئے۔ اس سے مسلمانوں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ وہ بھاگتے اور دہشت زدہ رومیوں کے ساتھ ہی قلعے میں داخل ہوگئے۔

اب قیساریہ مسلمانوں کا تھا جس سے یہ فائدہ حاصل ہُوا کہ سمندر کی طرف سے رومیوں کو کمک نہیں مل سکتی تھی۔

❀

قیساریہ کا سالار دل میں یہ افسوس لیے مرگیا کہ اطربون اُس کی مدد کو نہ پہنچا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ اطربون قیساریہ کے محاصرے کی اطلاع ملتے ہی اپنا لشکر لے کر بیت المقدس سے چل پڑا تھا لیکن مسلمان جانتے تھے قیساریہ کو بچانے کے لیے بیت المقدس سے مدد آئے گی۔ انہوں نے مدد کو روکنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ عمرؓو بن العاص نے اپنے دو سالاروں علقمہ بن حکیم اور مسروق عکی کو بیت المقدس کی طرف اس حکم کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ بیت المقدس سے رومی فوج نکلے تو اُسے وہیں روک لیں۔

ایک جاسوس نے اطلاع دی کہ اطربون اپنی فوج کے ساتھ اجنادین کی طرف پیشقدمی کر رہا ہے۔ عمرؓو بن العاص نے سالار علقمہ بن حکیم اور سالار مسروق عکی کو بیت المقدس کی طرف بھیج دیا اور خود اطربون کے پیچھے گئے لیکن اجنادین تک انہیں کوئی رومی دستہ نظر نہ آیا۔ زمین بتا رہی تھی کہ اجنادین کی طرف فوج گئی ہے۔ شہر

کے باہر کچھ لوگ ملے۔ انہوں نے بتایا کہ رومی فوج آئی تھی اور قلعے میں داخل ہوگئی ہے۔

اجنادین دوسرے شہروں کی طرح قلعہ بند شہر تھا۔ اس کے اردگرد گہری اور چوڑی خندق تھی جسے پار کرنا ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔ عمرؓو بن العاص نے شہر پناہ کے اردگرد گھوم پھر کر دیکھا۔ قلعہ سَر کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ انہوں نے ایک نائب سالار کو (تاریخ میں اُس کا نام نہیں لکھا) اپنی طرف سے ایلچی بنا کر صلح کے پیغام کے ساتھ قلعے میں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

"یہ ضروری نہیں کہ تم صلح کرا کے ہی آؤ" ــــ عمرؓو بن العاص نے ایلچی کو ہدایات دے کر آخری بات یہ کہی ــــ "میں تمہیں جاسوسی کے لیے اندر بھیج رہا ہوں۔ ایک تو یہ اندازہ کرنا کہ اندر کتنی فوج ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی دیکھ سکو دیکھنا اور جائزہ لینا کہ اطربون کا اپنا حوصلہ کتنا مضبوط ہے۔"

❀

ایلچی اپنے محافظوں کے ساتھ قلعے میں چلا گیا۔ وہ واپس آیا اور عمرؓو بن العاص کو اپنے مشاہدات بتائے۔ عمرؓو بن العاص مطمئن نہ ہُوئے۔

"کیا یہ کام میں خود نہ کروں؟" ــــ عمرؓو بن العاص نے اپنے سالاروں سے کہا ــــ "جو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ صرف میری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں۔"

"ابن العاص!" ــــ ایک سالار نے کہا ــــ "کیا خود جا کر تُو اپنے آپ کو خطرے میں نہیں ڈال رہا؟"

"خدا کی قسم!" ــــ ایک اور سالار بولا ــــ "اسلام تجھ جیسے سالار کا نقصان برداشت نہیں کر سکے گا۔"

"کیا اطربون مجھے قید کرے گا؟" ــــ عمرؓو بن العاص نے پوچھا ــــ "کیا وہ مجھے قتل کردے گا؟"

"ہارے ہوئے دشمن سے اچھائی کی توقع نہ رکھ ابن العاص!"

"میں عمرؓو بن العاص کے روپ میں نہیں جاؤں گا" ــــ عمرؓو بن العاص نے کہا ــــ "میں اپنا ایلچی بن کر جاؤں گا۔ ہمیں یہ قلعہ لینا ہے۔ میں ہر طریقہ آزماؤں گا۔"

عمرؓو بن العاص نے بھیس بدلا اور یہ اعلان کرا کے کہ مسلمانوں کا ایلچی صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے قلعے میں آنا چاہتا ہے، قلعے کا دروازہ کھلوایا۔ رومیوں نے مضبوط تختے خندق پر پھینک کر انہیں خندق پار کروائی اور قلعے کے اندر اپنے سالار اطربون کے پاس لے گئے۔

مختلف مؤرخوں نے یہ واقعہ لکھا ہے۔ ان کے مطابق، عمرؓو بن العاص نے اپنا روپ اور حُلیہ تو بدل لیا تھا لیکن ان کے انداز اور بولنے کے سلیقے اور دو چار باتوں سے اطربون کو شک ہُوا کہ یہ شخص ایلچی نہیں ہوسکتا۔ عمرؓو بن العاص سالاری کے تدبّر اور استدلال کو نہ چھپا سکے۔

اطربون تجربہ کار سالار تھا اور وہ مردم شناس بھی تھا۔ وہ کوئی بہانہ کر کے باہر نکل گیا اور اپنے محافظ دستے کے کماندار کو بلایا۔

"یہ عربی مسلمان جو میرے پاس بیٹھا ہے ابھی واپس جائے گا" ــــ اطربون نے کماندار سے کہا ــــ "ایک محافظ کو راستے میں بٹھا دو۔ میں اس مسلمان کو اسی راستے سے بھیجوں گا۔ یہ زندہ نہ جائے۔ محافظ اسے قتل کردے۔ یہ شخص مسلمانوں کا سالار عمرؓو بن العاص ہے۔ اگر سالار نہیں تو یہ عمرؓو بن العاص کا کوئی خاص مشیر ہے

اور مجھے یقین ہے کہ عمروؓ بن العاص اسی مشیر کے مشوروں پر عمل کرتا ہے۔ اگر میں نے اسے قتل نہ کیا تو میں سلطنتِ روما سے غداری کروں گا۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ جس طرح اطربون اٹھ کر باہر نکل گیا تھا، اس سے عمروؓ بن العاص کو اس کی نیت پر شک ہُوا۔ وہ واپس آیا تو عمروؓ بن العاص نے اُس کے چہرے پر اور اُس کی باتوں میں نمایاں تبدیلی دیکھی۔ وہ بھانپ گئے کہ اطربون کی نیت صاف نہیں۔ انہوں نے پینترا بدلا۔

"معزز سالار!" ـــــ عمروؓ بن العاص نے کہا ـــــ "ہم دس جنگی مشیر ہیں جو مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ آتے ہیں۔ میں ان میں سے ایک ہوں۔ میں نے آپ کی شرائط سن لی ہیں۔ میں خود تو فیصلہ نہیں کر سکتا عمروؓ بن العاص کو مشورہ دوں گا کہ وہ آپ کی شرائط قبول کر لیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے مشورے پر عمل ہوگا اور مزید خون نہیں بہے گا۔"

اطربون دھوکے میں آگیا۔ وہ عمروؓ بن العاص کے ساتھ باہر نکلا اور محافظ دستے کے کماندار کو اشارہ کیا کہ اس شخص کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح عمروؓ بن اعاص زندہ قلعے سے نکل آتے۔ باہر آکر انہوں نے للکار کر کہا کہ اطربون، میں عمروؓ بن العاص ہوں۔

اس کے بعد اجنادین کے میدان میں دونوں فوجوں کے درمیان جو معرکہ ہُوا وہ جنگِ یرموک جیسا خونریز تھا۔ ہم اس معرکے کی تفصیلات بیان نہیں کر رہے کہ اطربون نے قلعے سے باہر آکر لڑنے کا فیصلہ کیوں کیا تھا اور عمروؓ بن العاص نے کیسی کیسی چالیں چل کر رومیوں کو بے تحاشہ جانی نقصان پہنچا کر پسپا کیا۔

اطربون اپنے بچے کھچے دستوں کو ساتھ لے کر بیت المقدس جا پہنچا اور وہاں قلعہ بند ہو گیا۔ اس معرکے میں مسلمانوں نے بہت جانی نقصان اٹھایا تھا۔

جب ابوعبیدہؓ کو اطلاع ملی کہ قیساریہ پر اپنا قبضہ ہو گیا ہے تو انہوں نے بیت المقدس کی طرف پیشقدمی کا حکم دے دیا۔ ہراول میں خالدؓ اپنے مخصوص رسالے کے ساتھ جا رہے تھے۔ ابوعبیدہؓ کو بھی یہ بتا دیا گیا تھا کہ اطربون لڑنے کے قابل نہیں رہا، پھر بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔

بیت المقدس کا اندرونی ماحول کچھ اور ہی تھا۔ وہی اطربون جس نے قیساریہ کے رومی سالار کو بزدل کہا تھا، وہ اب بیت المقدس کے بڑے پادری اسقف سفرینوس کے پاس شکست خوردگی کے عالم میں بیٹھا تھا۔

"محترم سالار!" ـــــ سفرینوس نے اسے کہا ـــــ "میں اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں کہ یہ مقدس شہر مسلمانوں کے حوالے کر دوں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ یہ کام آپ اپنے ہاتھوں کریں؟"

"نہیں محترم باپ!" ـــــ اطربون نے کہا ـــــ "میں یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ اطربون نے مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈالے تھے۔"

"کیا آپ اس شہر کے تقدس کو بھول گئے ہیں؟" ـــــ سفرینوس نے کہا ـــــ "یہ وہ زمین ہے جس پر حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ اس سرزمین کی آبرو کی خاطر ہم اپنی تمام فوج کو قربان کر دیں؟"

"کیا آپ فوج کی حالت دیکھ نہیں رہے؟" ـــــ اطربون نے کہا ـــــ "نصف کے قریب فوج ماری

گئی یا زخمی ہو گئی ہے۔ اس فوج کا حوصلہ اور جذبہ پہلے ہی ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ اب میں بڑی مشکل سے ان چند ایک دستوں کو اجنادین سے بچا کر لایا ہوں۔"

"محترم سالار!" ـــــ اسقف سفرینوس نے کہا ـــــ "اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کی فوجی برتری کو تسلیم کر لیا ہے۔ آپ روم کی عظیم جنگی روایات کو مسلمانوں کے قدموں تلے پھینک رہے ہیں۔ آپ کچھ دن مقابلہ کر کے دیکھیں۔ مسلمان آسمان کی مخلوق تو نہیں۔ وہ بے شک بہترین لڑنے والے ہیں لیکن آخر انسان ہیں۔ وہ یقیناً تھک کر چور ہو چکے ہیں۔ آپ اپنا حوصلہ قائم رکھیں۔ وہ پہلے محاصرہ کریں گے جس میں کتنے روز گزر جائیں گے۔ اس دوران آپ اپنا اور اپنے دستوں کا حوصلہ مضبوط کریں۔"

مسلمان بیت المقدس کی طرف تیز رفتاری سے بڑھے چلے جا رہے تھے اور بیت المقدس میں رومی سالار اطربون اپنے آپ کو لڑنے کے لیے تیار کر رہا تھا لیکن وہ اپنی فوج کی حالت دیکھتا تھا تو اس کا لڑنے کا جذبہ دم توڑنے لگتا تھا۔ اس پر اپنے اسقف سفرینوس کی باتوں کا کوئی خاص اثر نہیں ہو رہا تھا۔ جب اسقف نے دیکھا اطربون ذہنی طور پر شکست قبول کر چکا ہے تو اس نے اطربون کو جذباتی باتوں سے بھڑکانا اور شرمسار کرنا شروع کر دیا۔ اس کا اتنا اثر ہُوا کہ اطربون نے مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اسلامی فوج پہنچ گئی اور بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ دیواروں پر تیر انداز اور برچھیاں پھینکنے والے کثیر تعداد میں کھڑے تھے۔ اُن کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مسلمانوں کو قلعے کے قریب نہیں آنے دیں گے۔ مسلمان سالار قلعے کے ارد گرد گھوم پھر کر دیکھ رہے تھے کہ کہیں سے دیوار پر چڑھا جا سکتا ہے یا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے سرنگ لگا کر اندر جانے کا راستہ بنایا جا سکے۔

کسی وجہ سے محاصرہ مکمل نہیں تھا۔ محاصرے میں ایک جگہ شگاف تھا۔ مسلمان سالاروں نے جب دیکھا کہ شہر پناہ محفوظ ہے اور اس کا دفاع بھی خطرناک ہے تو انہوں نے محاصرے کو طول دینا مناسب سمجھا، اس طرح محاصرہ طول پکڑتا گیا اور بہت دن گزر گئے۔ اس دوران مجاہدین نے دروازوں پر ہلے بولے، زخمی ہوئے اور جانیں بھی قربان کیں لیکن دیوار سے آنے والے تیروں اور برچھیوں نے کسی بھی دروازے تک پہنچنے نہ دیا۔

آخر ایک روز بڑے دروازے کے اوپر سے ایک بڑی بلند آواز سنائی دی۔

"کیا تمہارا سالار صلح کے لیے آگے آئے گا؟" ـــــ دیوار کے اُوپر سے اعلان ہُوا ـــــ "ہم تمہاری شرطیں معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

ابوعبیدہؓ آگے گئے۔ خالدؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے کسی سے کہا کہ وہ بلند آواز سے یہ جواب دے کہ صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے تمہارا سالار باہر آئے۔

مسلمانوں کی طرف سے یہ اعلان ہُوا تو تھوڑی ہی دیر بعد اسقف سفرینوس چند ایک محافظوں کے ساتھ قلعے کے بڑے دروازے سے باہر آیا۔ اُس کے ساتھ ایک بڑی صلیب بھی تھی۔

"کیا کوئی سالار موجود نہیں؟" ـــــ ابوعبیدہؓ نے اسقف سے پوچھا۔

"سالار موجود ہے" ـــــ اسقف نے جواب دیا ـــــ "لیکن بیت المقدس وہ شہر ہے جس کی

اہمیت اور احترام کو اسقف ہی جان سکتا ہے۔ اگر میں نہ چاہتا تو ہماری فوج کا آخری سپاہی بھی مارا جاتا، شہر کی اینٹ سے اینٹ کیوں نہ بج جاتی۔ یہاں سے صلح کا پیغام آپ کے کانوں تک نہ پہنچتا۔ میں اس شہر کو انسانی خون کی آلودگی سے پاک رکھنا چاہتا ہوں۔ رومی سالار میرے زیرِ اثر ہیں۔ میں نے انہیں صلح کے لیے تیار کر لیا ہے لیکن آپ کی شرطیں سننے سے پہلے میں اپنی صرف ایک شرط پیش کروں گا۔ اسے آپ قبول کر لیں تو ہم آپ کی باقی تمام شرائط قبول کر لیں گے۔"

"محترم اسقف!" ــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ــــ "یہ شہر جتنا آپ کے لیے مقدس ہے اتنا ہی ہمارے لیے بھی قابلِ احترام ہے۔ یہ پیغمبروں اور نبیوں کا شہر ہے۔ ہم آپ کی اس خواہش کا احترام کریں گے کہ اس زمین کے تقدس کو انسانی خون سے پاک رکھا جائے۔ آپ اپنی شرط بتائیں۔"

"سالارِ محترم!" ــــ اسقف سفرنیوس نے کہا ــــ "یہ جانتے ہوئے کہ صلح کی شرائط آپ کے ساتھ ہی طے کی جا سکتی ہیں، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے امیرالمومنین کو یہاں بلائیں، میں شرائط ان کے ساتھ طے کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ شہر اپنے ہاتھوں اُن کے حوالے کروں پیغمبروں کے رشتے سے یہ شہر جتنا آپ کا ہے اتنا ہی ہمارا ہے۔"

اسقف سفرنیوس نے بیت المقدس کے متعلق ایسی جذباتی باتیں کیں کہ مسلمان سالار متاثر ہوئے اور انہوں نے اسقف کی اس شرط کو تسلیم کر لیا کہ امیرالمومنین عمرؓ کو بلایا جائے۔ اسقف کو بتا دیا گیا کہ امیرالمومنین صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے آئیں گے۔

⁂

ابوعبیدہؓ، خالدؓ اور دیگر سالاروں کے لیے یہ ایک مسئلہ بن گیا۔ مدینہ بہت دور تھا۔ صرف ایک طرف کا سفر کم و بیش ایک مہینے کا تھا۔ رومیوں کی طرف سے صلح کی پیش کش کا مطلب یہ تھا کہ رومی شہر کا دفاع کرنے کے قابل نہیں رہے اس لیے وہ صلح کرنا چاہتے ہیں۔ اس صورت میں مسلمان سالاروں کے سامنے سیدھا راستہ تھا کہ وہ قلعے پر تابڑ توڑ حملے کرتے اور قلعہ سر کر لیتے لیکن اسلامی احکام کے مطابق انہوں نے دشمن کو امن اور صلح کی طرف آنے کا پورا موقع دیا۔ قرآن کا یہ فرمان بڑا صاف ہے کہ دشمن جھک جائے تو اس کے ساتھ شرائط طے کر کے صلح کر لی جائے لیکن امیرالمومنین کے آنے کے لیے بہت زیادہ وقت درکار تھا۔ سالار اس مسئلے پر غور و خوض کرنے لگے۔

"میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں" ــــ سالار شرجیلؓ نے کہا ــــ "بیت المقدس والوں نے امیرالمومنین کو کبھی نہیں دیکھا، ان کا قد بت ابنِ ولیدؓ جیسا ہے۔ شکل و صورت میں بھی کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ وقت بچانے کی خاطر ہم یوں کر سکتے ہیں کہ تین چار دنوں بعد ابنِ ولید کو اپنے ساتھ قلعے میں لے جائیں اور کہیں کہ یہ ہیں ہمارے امیرالمومنین عمرؓ بن الخطاب۔"

"نہیں!" ــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ــــ "اسقفِ بیت المقدس نے ابنِ ولید کو دیکھ لیا ہے۔ بے شک اس کے ساتھ باتیں میں کرتا رہا ہوں اور اُس کی توجہ میری طرف رہی ہے۔ ہو سکتا ہے اُس نے ابنِ ولید کو اچھی طرح نہ دیکھا ہو لیکن شہر کے اندر ایسے رومی موجود ہوں گے جنہوں نے کسی میدانِ جنگ میں ابنِ ولید کو اچھی طرح دیکھا ہو گا۔ اُس وقت کی شرمساری کو سوچ جب کوئی ہمیں یہ کہہ بیٹھے گا کہ یہ ان کا امیرالمومنین نہیں

یہ تو خالدؓ ابن الولید ہے جو میدانِ جنگ میں نعرہ لگا کر آیا کرتا تھا ــــ 'انا خالدؓ بن الولید' ــــ کیا میرا یہ خدشہ غلط ہے؟"

"ایسا ہو سکتا ہے امین الامت!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسقف یا کوئی رومی سالار کہہ دے کہ مدینہ سے تمہارا امیرالمومنین اتنی جلدی کس طرح آ گیا ہے؟"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے" ــــ شرجیلؓ بن حسنہ نے کہا ــــ "کہ رومی ہمارے آگے یہ شرط رکھ کر اپنے امیرالمومنین کو بلاؤ، ہمارے مقابلے کی تیاری میں لگ جائیں۔ یہ وقت حاصل کر رہے ہوں گے۔"

"ہم یہ خطرہ مول لے سکتے ہیں ابنِ حسنہ!" ــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ــــ "لیکن ہم دروغ اور فریب کا سہارا نہیں لے سکتے۔ ہماری چالبازی کا داغ اسلام کو لگے گا۔"

دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ شرجیلؓ کے مشورے پر خالدؓ کو بیت المقدس میں لے جا کر اسقف سفرنیوس کو بتایا گیا تھا کہ یہ ہمارے امیرالمومنین عمرؓ بن الخطاب ہیں اور صلح نامہ عمرؓ کی بجائے خالدؓ نے عمرؓ بن کر کیا تھا، لیکن آگے پیش آنے والے واقعات اس روایت کی تردید کرتے ہیں۔ زیادہ تر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عمرؓ کو مدینہ سے بلایا گیا تھا اور عمرؓ فوری طور پر روانہ ہو گئے تھے۔

ابوعبیدہؓ نے ایک تیز رفتار قاصد مدینہ کو دوڑا دیا۔ پیغام میں وہی باتیں لکھیں جو اسقفِ بیت المقدس کے ساتھ ہوئی تھیں۔ پیغام مدینہ پہنچا ہی تھا کہ وہاں مسرتوں کی لہر دوڑ گئی۔ خلیفۃ المسلمین عمرؓ کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ انہوں نے خاص طور پر حکم بھیجا تھا کہ بیت المقدس فتح کیا جائے۔ عمرؓ تو فتح کی خوشخبری کے منتظر تھے۔

خلیفۃ المسلمین عمرؓ ابوعبیدہؓ کا پیغام مسجدِ نبویؐ میں لے گئے اور پڑھ کر سب کو سنایا۔

"تم سب مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟" ــــ عمرؓ نے حاضرین سے پوچھا ــــ "کیا میرا جانا بہتر ہے یا نہ جانا بہتر ہے؟"

"نہ جانا بہتر ہے امیرالمومنین!" ــــ عثمانؓ بن عفان نے کہا ــــ "تمہارے نہ جانے سے رومی سمجھیں گے کہ تم نے انہیں کوئی اہمیت نہیں دی اور تم اتنے طاقتور ہو کہ صلح کی تمہیں پرواہ ہی نہیں۔ اس کا یہ اثر ہو گا کہ رومی ہمارے مقابلے میں اپنے آپ کو حقیر جانیں گے اور جزیہ ادا کر کے ہماری اطاعت قبول کر لیں گے۔"

"اللہ تجھے اپنی امان میں رکھے ابنِ عفان!" ــــ علیؓ نے عثمانؓ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ــــ "امیرالمومنین کا جانا بہتر ہے۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ مجاہدین کب سے گھروں سے نکلے ہوئے ہیں؟ کب سے گرمی، سردی، آندھی، بارش اور طوفانوں میں کھلے آسمان تلے دن گزار رہے ہیں؟ جانیں قربان کر رہے ہیں، زخمی ہو رہے ہیں۔ اگر امیرالمومنین اُن کے پاس چلے جائیں گے تو اُن کے تھکے ہوئے حوصلے تازہ ہو جائیں گے۔"

"بے شک، بے شک!" ــــ چند آوازیں سنائی دیں۔

"امیرالمومنین نہیں جائیں گے تو رومی قلعے کے اندر محفوظ بیٹھے رہیں گے" ــــ علیؓ نے کہا ــــ "انہیں کمک بھی مل جائے گی اور کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ مجاہدین کی فتح جو اُن کے سامنے کھڑی ہے وہ اُلٹ کر شکست بن جائے؟"

حاضرین نے پُرزور طریقے سے تائید کی۔

"مجھے جانا چاہیئے" ــــ امیرالمومنین نے کہا ــــ "میں ابھی روانہ ہونا چاہتا ہوں۔"

⁂

امیرالمومنین عمرؓ بن الخطاب ایک اونٹنی پر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اُن کے ساتھ اپنے نائبین اور مشیر تھے جن کی تعداد اور ناموں کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں ملتا۔ وہ ایک مہینے سے کم عرصے میں جابیہ پہنچے۔ ابوعبیدہؓ نے اُن کے استقبال کا انتظام جابیہ میں کیا تھا اور گھوڑسواروں کا ایک مختصر سا دستہ امیرالمومنین کے استقبال کے لیے آگے روانہ کر دیا تھا۔

امیرالمومنین جابیہ پہنچے تو ابوعبیدہؓ، خالدؓ اور یزیدؓ کو وہاں دیکھ کر حیران ہوئے۔

"کیا تم نے ایلیا (بیت المقدس) کا محاصرہ اٹھا لیا ہے؟" — عمرؓ نے پوچھا — "تم سب یہاں کیوں ہو؟"

"امیرالمومنین!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "محاصرہ عمروؓ بن العاص کے سپرد کر آئے ہیں۔ محاصرہ مضبوط ہے۔ ہم تیرے استقبال کے لیے یہاں موجود ہیں۔"

خالدؓ اور یزیدؓ بڑی قیمتی اور زربفت کی عبائیں پہنے ہوئے تھے۔ وہ شہزادے لگ رہے تھے۔ خالدؓ قریش کے بڑے امیر خاندان کے فرد تھے اور یزیدؓ قبیلے کے سردار ابوسفیانؓ کے بیٹے تھے۔ اپنے امیرالمومنین کے استقبال کے لیے بنے ٹھنے ہوئے تھے۔

"خدا کی قسم، تم بے شرم ہو جو مجھے ملنے کے لیے اس شاہانہ لباس میں آئے ہو" — عمرؓ نے اپنے مخصوص غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا — "دو سال پہلے تک ہمارا کیا حال تھا؟ کیا تم نے مدینہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا؟ لعنت ہے اس مال و دولت پر جس نے تمہارے دماغ خراب کر دیئے ہیں۔ کیا تم میدانِ جنگ میں نہیں ہو؟ ... خدا کی قسم تم لباس کی شان و شوکت میں پڑ گئے تو تھوڑے ہی عرصے بعد تمہاری جگہ کوئی اور حکمران ہو گا۔"

امیرالمومنین کی اپنی یہ حالت تھی کہ موٹے کپڑے کا کُرتہ پہن رکھا تھا جو اتنا بوسیدہ ہو چکا تھا کہ اُس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔

خالدؓ اور یزیدؓ نے اپنی عبائیں کھول کر امیرالمومنین کو دکھایا۔ دونوں نے زرہیں پہن رکھی تھیں اور تلواریں ساتھ تھیں۔

"امیرالمومنین!" — خالدؓ نے کہا — "خوبصورت عبائیں تو پردہ ہے۔ ہم ہتھیاروں کے بغیر نہیں۔ لڑنے کے لیے تیار ہیں۔"

امیرالمومنین کے چہرے سے غصے کے آثار صاف ہو گئے۔ وہ مطمئن نظر آنے لگے۔

"ہمیں بہت جلدی بیت المقدس پہنچنا چاہیئے" — امیرالمومنین نے کہا — "رومیوں کو میں زیادہ انتظار میں نہیں رکھنا چاہتا۔"

امیرالمومنین نے اتنے لمبے سفر کی پرواہ نہ کی اور بیت المقدس کو چل پڑے۔

❋

امیرالمومنین جب بیت المقدس کے محاصرے میں پہنچے تو مجاہدین نے دیوانہ وار خوشیاں منائیں۔ امیرالمومنین کی صرف آمد ہی ان کے لیے حوصلہ افزا تھی، اب تو وہ اور زیادہ خوشیاں منا سکتے تھے۔ ایلیا (بیت المقدس) کی فتح کوئی معمولی کامیابی نہیں تھی۔ امیرالمومنین اپنی تمام تر فوج میں گھومے پھرے اور ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ بیت المقدس ان کا اپنا شہر تھا۔ اب صرف معاہدہ لکھنا باقی تھا۔

سب سے ملتے ملاتے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اذان دینی تھی جو کوئی بھی دے سکتا تھا، امیرالمومنین کے ساتھ جو مصاحب گئے تھے، ان میں مدینہ کے مشہور مؤذن بلالؓ بھی تھے۔ بلالؓ وہ مؤذن تھے جنہیں اسلام کی تاریخ تاقیامت فراموش نہیں کرے گی۔

"امیرالمومنین!" — کسی نے کہا — "بیت المقدس جیسا مقدس اور اہم شہر ہماری جھولی میں آ پڑا ہے۔ اس ایک شہر پر فتح کیے ہوئے سینکڑوں شہر قربان کیے جا سکتے ہیں۔ ایسی عظیم کامیابی کی خوشی میں آج بلالؓ اذان دیں تو کتنا اچھا ہو، ہم بیت المقدس میں بلالؓ کی اذان کے بعد داخل ہوں گے۔"

خلیفۃ المسلمین عمرؓ نے بلالؓ کی طرف دیکھا، بلالؓ خاموش کھڑے تھے۔ اُن کے چہرے پر اداسی کا تاثر اور زیادہ گہرا ہو گیا۔ بلالؓ حبشی نسل سے تھے۔ ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کی آواز بلند، سریلی اور پُرسوز تھی، انہوں نے پہلی دفعہ اذان دی تو مسلمانوں پر تو اثر ہونا ہی تھا، دوسرے لوگ بھی مسحور ہو کر رہ گئے تھے۔ یہ بلالؓ کی آواز کا جادو تھا۔ اہلِ قریش نے اس آواز کو بند کرنے کے لیے بلالؓ پر اتنا تشدد کیا تھا کہ وہ بہت دیر تک بیہوش پڑے رہتے تھے۔ جب اُٹھتے تھے تو پہلی آواز جو اُن کے منہ سے نکلتی تھی، وہ اللہ کا نام ہوتا تھا۔

ان کی اذانیں دشت و جبل اور صحراؤں پر وجد طاری کرتی رہیں لیکن رسول کریمؐ کے وصال کے ساتھ ہی یہ آواز خاموش ہو گئی۔ بلالؓ نے اذان دینی چھوڑ دی۔ ان کے چہرے پر ہر وقت اداسی اور افسردگی کی سیاہ گھٹائیں چھائی رہنے لگیں۔ اتنی مدت گزر جانے کے بعد آج پہلی بار بیت المقدس کے دروازے پر امیرالمومنین عمرؓ کے مصاحبوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ بیت المقدس کی فتح کے اس موقع پر بلالؓ اذان دیں۔ امیرالمومنین نے ان کی طرف دیکھا تو وہ خاموش رہے۔

"بلالؓ!" — امیرالمومنین نے کہا — "میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو لیکن یہ موقع ایسا ہے کہ میں خود چاہتا ہوں اذان تم ہی دو۔ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر کون ایسا ہو گا جو رسولؐ اللہ کو یاد نہ کرنا چاہتا ہو گا۔"

بلالؓ کچھ دیر خاموش رہے۔ سب کو توقع یہی تھی کہ بلالؓ اذان نہیں دیں گے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ان کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ انہیں ایک جگہ ذرا اونچی نظر آئی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے اس جگہ جا کھڑے ہوئے، کانوں پر ہاتھ رکھے اور برسوں بعد بیت المقدس کی فضا اُس پرسوز آواز سے مرتعش ہونے لگی جو وصالِ رسولؐ کے ساتھ ہی خاموش ہو گئی تھی۔ امیرالمومنین اور ان کے مصاحبین اور تمام مجاہدین پر سناٹا طاری ہو گیا۔ جب بلالؓ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے — "محمد الرسول اللہ" — تو کئی ایک افراد کی دھاڑیں نکل گئیں۔ اس سے پہلے تو سب کے آنسو جاری تھے لیکن اپنے رسولؐ کا نام سُن کر سب کے جذبات کے بند ٹوٹ گئے۔ کسی کو اپنے اوپر ضبط نہ رہا۔

اذان کے بعد امیرالمومنین عمرؓ بن الخطاب کی امامت میں سب نے نمازِ عصر ادا کی۔

❋

اگلے روز امیرالمومنین کا ایک ایلچی بیت المقدس کے اندر یہ پیغام لے کر گیا کہ امیرالمومنین صلح کا معاہدہ طے کرنے کے لیے مدینہ سے آ گئے ہیں۔ اسقف سفرنیوس اسی پیغام کا منتظر تھا۔ وہ اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر باہر آ گیا۔ معاہدے کی شرائط طے ہوئیں اور اسقف نے شہر کی چابی امیرالمومنین عمرؓ بن الخطاب کے

حوالے کر دی۔ معاہدہ جو تحریر ہوا، اس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس معاہدے کے تحت جو خلیفۃ المسلمین عمرؓ بن الخطاب اور اسقفِ بیت المقدس سفرنیوس کے درمیان طے پایا، خلیفۃ المسلمین نے ایلیا (بیت المقدس) کے باشندوں کو اس معاہدے کی رُو سے امن و امان دیا۔ یہ امان ایلیا کے لوگوں کی جان و مال کے لیے ہے، ان کے گرجوں اور ان کی صلیب کے لیے ہے، ہر عمر، ہر مذہب کے فرد کے لیے ہے، تندرست کے لیے، مریض کے لیے بھی ہے۔ کسی گرجے یا کسی دوسرے مذہب کی عبادت گاہ کو فاتحین کی رہائش کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا نہ انہیں یا ان کے احاطے کے اندر کسی چیز کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ انہیں مسمار کیا جائے گا.....

"گرجوں اور دیگر عبادت گاہوں میں سے نہ مال اٹھایا جائے گا نہ کوئی اور چیز۔ غیر مسلموں پر مسلمانوں کی طرف سے مذہب کے معاملے میں کسی قسم کا جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان کے ساتھ ناگوار سلوک کیا جائے گا۔ البتہ ایلیا میں یہودی نہیں رہ سکیں گے۔ یہ فرض ایلیا کے باشندوں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ یہودیوں، رومیوں اور جرائم پیشہ افراد کو شہر سے نکال دیں۔ ایلیا کے تمام شہری دوسرے شہروں کے لوگوں کی طرح جزیہ ادا کریں گے۔ شہر سے ہمیشہ کے لیے چلے جانے والوں کی جان و مال کا تحفظ ان کی اگلی پناہ گاہ تک دیا جائے گا۔ اوپر جن ملکوں کا ذکر آیا ہے، انہیں چھوڑ کر باقی تمام دوسرے ملکوں کے جو لوگ اس شہر میں رہنا چاہتے ہیں رہ سکتے ہیں۔ انہیں بھی جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر اس شہر کا کوئی باشندہ شہر سے جانے والے رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو وہ خود یا اپنے خاندان کے ساتھ جا سکتا ہے۔ وہ اپنا جس قدر مال و اموال اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے لے جائے۔ ان کی کھیتیوں میں جو فصل ہے، اس کی حفاظت مسلمانوں کے خلیفہ کی ذمہ داری ہے۔ فصل کے مالک وہی ہیں جنہوں نے بوئی تھی۔ شرط یہ ہے کہ وہ جزیہ ادا کریں اور فصل کاٹنے کے لیے آجائیں۔"

اس معاہدے پر امیر المومنین عمرؓ نے اپنی مہر لگائی۔ اسقف سفرنیوس نے اپنے دستخط کیے اور گواہوں کے طور پر خالدؓ بن ولید، عمروؓ بن العاص، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور معاویہؓ بن ابی سفیان نے دستخط کیے۔

اس کے فوراً بعد امیر المومنین نے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے دستوں کے ساتھ شام کے شمالی علاقوں میں چلے جائیں جہاں کچھ جگہوں پر رومی ابھی تک قلعہ بند تھے۔ جاسوسوں نے اطلاع دی تھی کہ شہنشاہ ہرقل شام کی سرحد سے تو نکل گیا ہے لیکن اس کی جو فوج ابھی شام میں موجود ہے، اس کے لیے ہرقل کمک تیار کر رہا ہے۔

✿

امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب، عمروؓ بن العاص اور شرحبیلؓ بن حسنہ کو ساتھ لے کر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ اسقف سفرنیوس نے ان کا استقبال کیا۔ ایک روز پہلے صلح نامے پر دستخط ہو چکے تھے اور سفرنیوس نے صلح نامہ شہر کے باشندوں کو پڑھ کر سنایا۔ لوگوں پر اس سے پہلے خوف و ہراس طاری تھا۔ انہوں نے پہلے فاتحین کا ظلم و تشدد دیکھا تھا۔ رومی جب بیت المقدس میں آئے تھے تو شہنشاہ ہرقل کے حکم سے اس شہر کے باشندوں پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ لوگوں کو سرکاری مذہب قبول کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اتنی

آسانی سے اپنا مذہب کون تبدیل کرتا ہے۔ جن لوگوں نے ہرقل کا مذہب قبول نہ کیا ان کے ناک کان کاٹ دیئے گئے اور اُن کے گھر مسمار کر دیئے گئے تھے۔ انہیں فوج میں جبری طور پر بھرتی کر لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ محکوموں اور مظلوموں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔

مسلمانوں سے تو وہ اور زیادہ خوفزدہ تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان جس شہر کو فتح کرتے ہیں وہاں کے رہنے والوں کو زبردستی مسلمان بناتے ہیں، گھر لوٹ لیتے اور خوبصورت عورتوں کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ بیت المقدس کے باشندوں نے رومی فوج کے سپاہیوں کی زبانی سنا تھا کہ مسلمان بڑے ظالم ہیں۔ یہ سپاہی دراصل میدانِ جنگ کی باتیں سناتے تھے اور شہری یہ سمجھ کر خوف زدہ تھے کہ مسلمان وحشی اور خونخوار ہیں۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ مسلمان صرف میدانِ جنگ میں خونخوار ہیں۔

بیت المقدس کے شہریوں نے جب معاہدے کی تحریر سنی پھر یہ دیکھا کہ مسلمان فوج نے کسی شہری کی طرف دیکھا تک نہیں تو وہ خوشیاں منانے لگے۔

امیر المومنین نے علقمہ بن مجزّز کو بیت المقدس کا حاکم یا امیر مقرر کیا۔

اسقف سفرنیوس نے امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب کو شہر کی سیر کرائی۔ انہیں قدیم تہذیبوں اور قوموں کے آثار دکھائے، یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہیں دکھائیں۔ بیت المقدس میں ایسے بے شمار آثار تھے۔ ان میں محرابِ داؤد بھی ہے اور صخرۂ یعقوب بھی۔ یہ وہ پتھر ہے جس کے متعلق روایت ہے کہ رسولِ اکرمؐ اس پر کھڑے ہوئے اور معراج کو گئے تھے۔

شہر میں گھومتے پھرتے امیر المومنین کلیسائے قیامت کے سامنے سے گزرے۔ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اُنہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ نماز کی کوئی جگہ مل جائے۔

"خلیفۃ المسلمین!" — اسقف سفرنیوس نے التجا کی — "میرے لیے یہ بات باعثِ فخر ہوگی کہ آپ کلیسا کے اندر نماز پڑھیں۔"

"نہیں" — خلیفہ عمرؓ نے کہا — "میں اس کلیسا کا احترام کرتا ہوں لیکن میں اس میں نماز نہیں پڑھوں گا کہ یہ صلح کے معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی۔ اگر میں نے آج آپ کے کہنے پر یہاں نماز پڑھ لی تو میرے بعد مسلمان اس کو رسم بنا لیں گے اور کلیسا میں نماز پڑھنے کو اپنا حق بنا لیں گے۔"

کلیسائے قیامت وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ یہاں یہ کلیسا تعمیر کیا گیا تھا۔ اس سے آگے کلیسائے قسطنطین تھا۔ اسقف نے اس کے دروازے میں مصلّٰی بچھا دیا لیکن امیر المومنین نے وہاں بھی نماز نہ پڑھی۔ انہوں نے نماز مسجدِ اقصیٰ میں پڑھی۔

"محترم اسقف!" — امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے سفرنیوس سے پوچھا — "رومی آپ کا ساتھ کیوں چھوڑ گئے ہیں؟ ان کا سالار اطربون کہاں گیا؟ سنا تھا وہ ہرقل کا ہم پلّہ ہے!"

"بھاگ گیا" — سفرنیوس نے جواب دیا — "بھاگ گیا..... کوئی شک نہیں کہ وہ ہرقل کا ہم پلّہ تھا۔ اس نے آپ کو شکست دینے کے بڑے اچھے منصوبے بنائے تھے۔ اُس نے قیساریہ کے سالار کو آپ کی فوج کے مقابلے کے لیے تیار کیا تھا لیکن آپ کے سالاروں کی چال نے اطربون کے منصوبے تباہ کر دیئے۔ اس سے پہلے وہ آپ کی فوج کے مقابلے میں نہیں آیا تھا.....

"وہ دیکھ رہا تھا کہ اُس کی فوج میں لڑنے کا جذبہ ختم ہو گیا تھا۔ یرموک اور دوسری جگہوں سے بھاگے ہوئے بہت سے سپاہی یہاں آ گئے تھے۔ انہوں نے یہاں کی فوج کو ایسی باتیں سنائیں جن سے سب کا جذبہ اور حوصلہ بُری طرح متاثر

ہُوا۔ اطربون نے اپنی فوج کو تیار کر لیا تھا اُسے جب اطلاع ملی کہ مسلمانوں نے قیساریہ کو محاصرے میں لے لیا ہے تو وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر قیساریہ کا محاصرہ توڑنے کے لیے نکلا لیکن آپ کے کسی سالار نے اُسے راستے میں روک لیا۔ اس نے پہلی بار مسلمانوں سے ٹکر لی اور اپنی بہت سی فوج مروا کر بُری حالت میں واپس آیا....

"وہ جو اپنے ہارے ہوئے سالاروں کو بُزدل کہتا تھا اور جس نے بیت المقدس کے دستوں کو لڑنے کے لئے تیار کیا وہ خود بُزدل بن گیا اور اُس کا اپنا حوصلہ جواب دے گیا۔ اُس نے یہاں سے خزانہ نکالنا شروع کر دیا اور سمندر کے راستے قسطنطنیہ لے گیا۔ زیادہ تر فوج بھی اُس کے ساتھ چلی گئی۔ یہ فوج برائے نام تھی جو میں نے قلعے کی دیوار پر کھڑی کر دی تھی۔ میں نے آپ کے ساتھ معاہدہ کرنے کی شرط اِس لئے پیش کی تھی کہ جو فیصلہ خلیفہ کر سکتے ہیں وہ سالار نہیں کر سکتے۔ میں اِس شہر کو اور اس کے باشندوں کے جان و مال کو بچانا چاہتا تھا"۔

اسقف سفرینوس نے عمرؓ بن الخطاب کو یہ نہ بتایا کہ اطربون اور سفرینوس نے مل کر بیت المقدس سے نہ صرف خزانہ نکالا تھا بلکہ گرجوں کے سونے اور چاندی کے بیش قیمت ظروب بھی نکلوا دیئے تھے۔ اِن میں صلیبِ اعظم بھی تھی۔ سفرینوس کے امیر المومنین کو مدینہ سے اس لئے بلایا تھا کہ وہ خزانہ، ظروب، رومی فوج اور اِس کا مال و اموال نکلوانے کے لئے وقت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جتنے وقت میں امیر المومنین پہنچے تھے اُتنے وقت میں بیت المقدس سے وہ سب کچھ نکل گیا تھا جو سفرینوس اور اطربون نکالنا چاہتے تھے۔

اپریل ۶۳۷ء (ربیع الاوّل ۱۶ھ) کے دن تھے جب خلیفۃ المسلمین عمرؓ بن الخطاب بیت المقدس میں دس دن قیام کر کے رخصت ہوئے۔ رخصت ہونے سے پہلے اُنہوں نے تفصیل سے جائزہ لیا تھا کہ رومی کہاں کہاں موجود ہیں۔ مجموعی طور پر رومی شکست کھا چکے تھے۔ ان کا شہنشاہ ہرقل شام سے رخصت ہو چکا تھا۔ رومی فوج کے نامی گرامی سالار مارے جا چکے تھے۔ کچھ اہم مقامات تھے جن پر ابھی رومیوں کا قبضہ تھا۔ وہاں سے رومیوں کو نکالنا ضروری تھا۔

ایسے مقامات میں ایک کا نام قیساریہ تھا جو بحیرۂ روم کی بندرگاہ تھی۔ یہاں سے رومیوں کو نکالنا بہت ضروری تھا۔ کیونکہ رومیوں کا بحری بیڑہ ابھی بالکل صحیح حالت میں موجود تھا اور یہ بیڑہ بڑا طاقتور تھا۔ اِسے رومی مسلمانوں کے خلاف استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں نے سمندری لڑائی نہیں لڑنی تھی۔ البتہ یہ بیڑہ کمک لانے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ کمک اُتارنے کیلئے قیساریہ کی بندرگاہ استعمال ہوتی تھی۔

امیر المومنین کے حکم کے مطابق قیساریہ سے پہلے بیت المقدس کو محاصرے میں لیا گیا تھا بیت المقدس لے لیا گیا تو امیر المومنین عمرؓ نے یزید بن ابوسفیان کو حکم دیا کہ وہ قیساریہ کو محاصرے میں لے لیں۔

"ابن ابوسفیان!"---عمرؓ نے انہیں کہا---"مت سوچنا کہ تُو اِس قلعے کو فوراً سر کر لے گا۔ بہت مضبوط قلعہ بند جگہ ہے۔ رومی یہ جگہ اتنی آسانی سے نہیں دیں گے۔ ہلّے بول بول کر اپنی طاقت ضائع نہ کرتے رہنا۔ قیساریہ میں رومیوں کی تعداد زیادہ ہے اور وہاں رسد کی بھی کمی نہیں۔ دُشمن یہی خواہش کرے گا کہ تُو اُس کے قلعے کی دیواروں سے ٹکراتا رہے اور اتنا کمزور ہو جائے کہ تُو محاصرہ اُٹھا لے یا تجھے کمزور پا کر دشمن باہر آ جائے اور تیرے دستوں پر ایسا حملہ کر دے کہ تو پسپا بھی نہ ہو سکے"۔

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو ابوسفیان!"---عمرؓ نے کہا---"رومیوں کو کمک مِل گئی تو ہمارے لئے بہت بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ محاصرے کو طول دو اور کمک کو روکے رکھو"۔

عمرؓ بن الخطاب خلیفہ تھے، امیر المومنین تھے لیکن اُن کا یہ دور بادشاہوں جیسا اور آجکل کے سربراہانِ مملکت جیسا نہیں تھا کہ گئے، کسی کو شاباش دی، کسی کو انعام و اکرام سے نوازا اور آ گئے۔ اُنہوں نے تمام تر علاقے کے احوال و کوائف معلوم کئے۔ انہیں جنگی نقطہ ءنگاہ سے دیکھا۔ اپنی فوج اور دشمن کے لشکر کی کیفیت کا جائزہ لیا اور اُس کے مطابق احکام صادر کئے۔ اُن کے مطابق سالار اپنے اپنے مقامات پر چلے گئے۔

شام کے شمالی علاقوں میں رومی کئی کئی قلعہ بند تھے اُنہیں اُمید تھی کہ ہرقل جہاں کہیں بھی ہے، کمک ضرور بھیجے گا۔ مسلمان اِس کوشش میں تھے کہ رومیوں کی کمک نہ آ سکے۔ اِس کوشش کی ایک کڑی یہ

تھی کہ یزیدؓ اپنے دستوں کو ساتھ لے کر قیساریہ روانہ ہو گئے اور اس شہر کو جو بندرگاہ بھی تھا، محاصرے میں لے لیا۔

سالار عمروؓ بن العاص اور شرحبیلؓ بن حسنہ فلسطین اور اُردن کو روانہ ہو گئے۔ اُن کے ذمّے یہ کام تھا کہ جن علاقوں سے انہوں نے رومیوں کو بیدخل کیا تھا اُن علاقوں پر قبضہ کر کے شہری انتظامیہ اور محصولات کے نظام کو بحال اور رواں کیا جائے اور ان جگہوں کے دفاع کو بھی مستحکم کیا جائے۔ رومیوں کی طرف سے جوابی حملے کا امکان موجود تھا۔

سپہ سالار ابوعبیدہؓ دمشق کو اپنا مرکز بنانے کے لیے چلے گئے۔ ان کے ساتھ مجاہدین کی جو فوج تھی اس کی نفری سترہ ہزار تھی۔

قنسرین ایک قلعہ بند مقام تھا جس میں رومی فوج موجود تھی۔ ابوعبیدہؓ اس قلعے کو محاصرے میں لے کر وہاں سے رومیوں کو نکالنے جا رہے تھے۔ یہ ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں رومیوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ ابنِ الولید مجاہدین کی فوج کے ہراول میں تھے۔ اُن کے ساتھ چار ہزار گھوڑسواروں کا مخصوص رسالہ تھا جو گھوم پھر کر لڑنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

قنسرین میں ایک مشہور رومی سالار منیاس تھا۔ اُس نے دیکھ بھال کے لیے دُور دُور تک اپنے آدمی پھیلا رکھے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آیا اور سیدھا منیاس کے پاس گیا۔ اُس نے منیاس کو بتایا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر آ رہا ہے جس کے ہراول میں گھوڑسوار ہیں۔ اُس نے تعداد تین اور چار ہزار کے درمیان بتائی اور یہ بھی بتایا کہ ہراول کتنی دور ہے۔ منیاس نے بڑی عجلت سے اپنی فوج کو تیار کیا۔

''سلطنتِ روما کی عظمت کے پاسبانو!'' --- اُس نے اپنی فوج کے حوصلے میں جان ڈالنے کے لئے جوشیلے انداز میں کہا --- ''وہ بُزدل تھے جنہوں نے اپنے اوپر عرب کے بتوں کا خوف طاری کر لیا تھا۔ تم میں عیسائی عرب بھی ہیں۔ اگر مسلمان اتنے بہادر ہیں تو تم بھی اتنے ہی بہادر ہو۔ عرب کے مسلمان تم میں سے ہیں۔ تم بھی اسی ریت کی پیداوار ہو...... اور رومیو! اُس دن کو یاد کرو جب تم فاتح کی حیثیت سے اِس سرزمین پر آئے تھے وہ تمہارے باپ اور دادا تھے۔ تصور میں لاؤ کہ اُس وقت اُن کے سَر کتنے اونچے اور سینے کتنے چوڑے تھے، اور آج سوچو اُن کی روحوں کو کتنی شرمساری ہو رہی ہو گی''۔

''مت سوچو کہ شہنشاہ ہرقل بھاگ گیا ہے۔ روم کی عظمت کو، صلیبِ اعظم کو اور بیت المقدس کی آن کو اپنے سامنے رکھو، پھر سامنے رکھو اپنے سالار اطربون کی بے غیرتی کو جس نے عیسیٰؑ کے شہر، یسوع مسیح کے مسکن کو تمہارے مظہر اور تمہارے عقیدوں کے دشمن کے حوالے کر دیا ہے...... تصور میں لاؤ اپنی بیٹیوں اور اپنی عورتوں کو جو اب مسلمانوں کے بچے پیدا کریں گی...... اپنے آپ کو دیکھو۔ تم ہار گئے ہو تو باقی عمر کے لئے مسلمانوں کے غلام بن جاؤ گے۔ آج تم کس شان سے، کیسے جاہ و جلال سے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہو تم نے اگر ہتھیار ڈال لئے تو تم گھوڑے کی سواری کو بھی ترسو گے۔ تم اصطبل کے ملازم ہو گئے اور گھوڑوں کی غلاظت صاف کیا کرو گے''۔

''مت خون گرماؤ ہمارا اے سالار!'' --- ایک سوار نے بڑی ہی بلند آواز میں کہا۔ ''کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم لڑنے سے منہ موڑ رہے ہیں؟ کیا تجھے ہماری جرأت اور غیرت پر شک ہے؟''

''اے تنومند گھوڑے کے بہادر سوار!'' --- منیاس نے کہا --- ''میں شک کیوں نہ کروں! ہمارا کون سا سالار ہے جو میدان سے نہیں بھاگا یا مارا نہیں گیا؟ اطربون جو ہرقل کا ہم پلّہ تھا، کتنے دعوے کرتا تھا مسلمانوں کو کچل دینے کے؟ اب وہ کہاں ہے؟ ایک دن بھی نہیں لڑا اور ایلیا (بیت المقدس) سے بغیر لڑے بھاگ گیا... کیا اسقفِ اعظم سفرنیوس کو تم اپنا مذہبی پیشوا مانو گے جس نے قلعے سے باہر جا کر مسلمانوں کے خلیفہ کا استقبال کیا اور اُسے کہا کہ کلیسائے قیامت میں نماز پڑھو؟ اُس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اپنی عبادت گاہ اپنے مذہب کے دشمن کے حوالے کر رہا ہے؟ تم نے ثابت کرنا ہے کہ تم اتنے بزدل اور بے غیرت نہیں۔ اگر تم ثابت قدم رہے تو شاید کمک آ جاتے مگر مجھے کمک آنے کی کوئی امید نہیں نہ میں کمک کی ضرورت محسوس کرتا ہوں''۔

''ہم لڑیں گے سالارِ محترم!'' --- پہلے ایک پھر کئی آوازیں بلند ہوئیں --- ''ہمیں بزدل اور بے غیرت نہ کہہ سالار! آزما کے دیکھ.... باتوں میں وقت ضائع نہ کر.... ہم ایک دن میں محاصرہ توڑ دیں گے''۔

''ہم محاصرے تک نوبت نہیں آنے دیں گے'' --- سالار منیاس نے کہا --- ''ہم دشمن کو قلعے سے دُور راستے میں روکیں گے۔ میں تم سے آگے ہوں گا''۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومی سالار منیاس جرأت مند سالار تھا جس کی جارحانہ قیادت مشہور تھی اور اُس کی دوسری شہرت یہ تھی کہ اپنی فوج میں ملنسار اور ہردلعزیز تھا۔ وہ سپاہیوں سے محبت اور شفقت سے پیش آتا تھا اور سپاہی اُس سے محبت کرتے تھے۔ اُسے اتنی جوشیلی اور جذباتی تقریر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُس کا سامنا مسلمانوں سے نہیں ہُوا۔ وہ سالار تھا۔ جب اُسے خبر ملتی تھی کہ فلاں میدان میں رومیوں کو شکست ہوئی ہے تو وہ شکست کی وجوہات پر غور کرتا تھا۔ اُسے خالدؓ کے مطابق بتایا گیا کہ اُس کی جنگی چالوں کو کوئی قبل از وقت سمجھ ہی نہیں سکتا اور وہ غیر معمولی طور پر دلیر آدمی ہے۔

''وہ کوئی جن بھوت تو نہیں'' --- منیاس نے کہا تھا --- ''اُس سے شکست کھانے والوں نے اُسے مافوق الفطرت بنا دیا ہے۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ شکست کھانے والے اسی طرح جھوٹ بولا کرتے ہیں۔ میں ہرقل کو خالدؓ بن ولید کی لاش دکھاؤں گا''۔

رومی سالار منیاس کی قیادت میں قنسرین میں مقیم رومی فوج رُکے ہوئے سیلاب کی مانند باہر نکلی۔ اس کا انداز جوشیلا اور جارحانہ تھا۔ اس کی رفتار تیز تھی۔

اُدھر خالدؓ کے چار ہزار سوار فاتحانہ شان سے چلے آ رہے تھے۔ وہ عام کوچ کی ترتیب میں تھے۔ اُنہوں نے قنسرین کے قریب جا کر رکنا اور باقی فوج کا انتظار کرنا تھا۔ قنسرین سے چند میل دُور حاضر ایک مقام تھا جو راستے میں آتا تھا۔ خالدؓ کا دستہ جب حاضر کے قریب پہنچا تو دیکھ بھال کے لیے آگے گئے ہوئے مجاہدین میں سے ایک واپس آیا اور خالدؓ کو اطلاع دی کہ رومیوں کا ایک

کثیر تعداد لشکر آ رہا ہے۔

"خدا کی قسم!— خالدؓ نے للکار کر کہا— "میں امین الامت کا انتظار نہیں کروں گا۔"

باقی لشکر امین الامت ابوعبیدہؓ کے ساتھ پیچھے آ رہا تھا۔ خالدؓ کو انتظار کرنا چاہیے تھا کیونکہ رومی لشکر کی تعداد زیادہ بتائی گئی تھی لیکن خالدؓ کی سرکش طبیعت انتظار پر آمادہ نہ ہوئی۔ انہوں نے اپنے دستے کو نہایت سرعت سے جنگی ترتیب میں کر لیا۔ اس سوار دستے کو پلک جھپکتے ایک ترتیب سے دوسری ترتیب میں ہو جانے کی ٹریننگ دی گئی تھی۔

دونوں فوجیں حاظر کے مقام پر آمنے سامنے آئیں۔ رومی سالار مناس کو توقع تھی کہ مسلمان جنگ سے پہلے کے رسم و رواج کا مظاہرہ کریں گے۔ مثلاً ان کا سالار ذاتی مقابلے کے لیے رومی سالار کو للکارے گا۔ ایسے چند ایک مقابلے ہوں گے، پھر دستوں کو ترتیب میں کیا جائے گا لیکن مسلمان سوار رُکے بغیر ایسی ترتیب میں ہو گئے جسے مناس سمجھ ہی نہ سکا۔ اتنے میں اُس پر حملہ ہو چکا تھا۔

مناس اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے آگے گیا تھا۔ اُس کے گرد محافظوں کا حصار تھا جو خاصا مضبوط تھا۔ چند ایک مسلمان سوار اس حصار پر حملہ آور ہوئے۔ محافظوں نے بڑا ہی سخت مقابلہ کیا۔ رومیوں کی تعداد زیادہ تھی، اس کے علاوہ انہیں اپنے سالار مناس کے ساتھ دلی محبت تھی اس لیے وہ جم کر لڑے اور بڑی اچھی ترتیب میں تابڑ توڑ حملے کرتے رہے لیکن اُن کا ہر حملہ یوں بیکار جاتا جیسا ہوا میں گھونسہ مارا ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کا مقابلہ ایسے سواروں کے ساتھ تھا جو جم کر نہیں لڑتے تھے۔ ان کا انداز کچھ اور تھا۔

حملے رومی کر رہے تھے اور نقصان بھی انہی کا ہو رہا تھا۔ خالدؓ خود بھی سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ انہیں اپنے سواروں کو چالیں بتانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ ایسی ضرورت مناس کو تھی وہ دیکھ رہا تھا کہ اُس کی فوج کی ترتیب بکھر رہی ہے۔ اُس نے کسی ایسے مقام پر پہنچنے کی کوشش کی جہاں سے وہ اپنی فوج کو دیکھ کر کوئی چال چل سکتا مگر مسلمان سواروں نے اُس کے محافظوں کا حصار توڑ کر اُسے قتل کر دیا۔

میدانِ جنگ میں یوں ہوتا تھا کہ سالار مارا جاتا اور پرچم گر پڑتا تو فوج میں بددلی پھیل جاتی اور پسپائی شروع ہو جاتی۔ اسی لیے سپہ سالار کی موت پر پردہ ڈال دیا جاتا تھا لیکن مناس مارا گیا تو محافظوں نے اعلان کر دیا کہ سالار مناس مارا گیا ہے۔

مسلمان خوش ہوئے کہ رومیوں میں بھگدڑ مچ جائے گی لیکن رومی غضب ناک ہو گئے۔ انہوں نے "انتقام، انتقام.... مناس کے خون کا انتقام لو" کے نعرے لگانے شروع کر دیئے اور اُن کے حملوں میں شدت پیدا ہو گئی۔ وہ قہر بن گئے۔ ایک بار تو انہوں نے مسلمان سواروں کے پاؤں اکھاڑ دیئے لیکن یہ غضب ناک انداز اُن کے اپنے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔ انہیں صحیح طور طریقے سے لڑانے والا مارا گیا تھا۔ وہ اب غصے میں آئے ہوئے ہجوم کی صورت اختیار کر گئے تھے۔

خالدؓ نے رومیوں کو اس کیفیت میں دیکھا تو اپنے سواروں کو نئی ہدایات دیں۔ اس کے بعد رومیوں کا جیسے قتلِ عام شروع ہو گیا ہو۔ اس کے باوجود وہ پسپا نہیں ہو رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ایک

بھی رومی میدان سے نہ بھاگا اور کوئی ایک بھی رومی زندہ نہ رہا۔ زیادہ تر مؤرخ متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ مناس کی فوج کا ایک بھی سپاہی زندہ نہیں رہا تھا اور بھاگا بھی کوئی نہیں۔ مسلمانوں کا جانی نقصان بہت ہی کم تھا۔

معرکہ ختم ہوا تو حاظر کے لوگ جو سب کے سب عیسائی تھے، باہر نکل آئے اور خالدؓ سے ملے۔

"آپ کے خلاف جو لڑے ہیں وہ اپنے انجام کو پہنچ گئے ہیں"— ایک عیسائی بزرگ نے شہریوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا— "ہم بھی عیسائی ہیں لیکن ہم آپ سے لڑنے کا ارادہ نہ پہلے رکھتے تھے نہ اب ایسا کوئی ارادہ ہے۔ ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔"

"جس نے ہم سے لڑے بغیر اطاعت قبول کر لی وہ ہماری پناہ میں آ گیا"— خالدؓ نے کہا— "نہ تم پر جزیہ واجب ہے نہ ہم تمہیں اسلام قبول کر لینے کو کہتے ہیں۔ تمہاری عبادت گاہیں محفوظ رہیں گی۔"

ابھی ابوعبیدہؓ کے دستے نہیں پہنچے تھے۔ انہیں محاصرے کے لیے جانا تھا اس لیے انہیں کوئی جلدی نہیں تھی۔ انہوں نے ایک پڑاؤ بھی کیا تھا۔ خالدؓ نے وہاں انتظار نہ کیا کیونکہ انہیں قنسرین کو محاصرے میں لینا تھا۔ یہ جگہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔

قنسرین کے اندر رومیوں کی کچھ فوج موجود تھی۔ خالدؓ نے محاصرہ کیا تو رومیوں نے شہر کی دیوار پر آ کر تیر اندازی شروع کر دی۔ خالدؓ کو اندازہ تھا کہ اندر فوج اتنی زیادہ نہیں ہو گی۔ اگر ہوتی بھی تو خالدؓ ہمت نہ ہارتے۔ انہوں نے اپنے ایک ایلچی کو یہ پیغام دے کر قلعے کے دروازے پر بھیجا۔

"اے رومیو! تم اگر آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں میں ہوتے تو بھی ہمارا اللہ ہمیں تم تک یا تمہیں ہم تک پہنچا دیتا۔ ہم تمہیں موقع دیتے ہیں کہ بہت بُرے انجام تک پہنچنے سے پہلے قلعے کے دروازے کھول دو۔ اگر دروازے ہم نے کھولے تو پھر صلح کی شرطیں تمہاری کمر توڑ دیں گی۔ تمہارا سالار حاظر کے باہر مرا پڑا ہے اور جو فوج وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا اُس کا کوئی ایک بھی سپاہی زندہ نہیں۔ ہم نے تمہیں بہت بُرے انجام سے آگاہ کر دیا ہے۔"

اس پیغام کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ قلعے کے دروازے کھل گئے۔ مسلمان فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے۔ جزیہ کی رقم اور دیگر شرائط طے ہوئیں جن میں حسبِ معمول ایک شرط یہ بھی تھی کہ قنسرین شہر اور اس کے شہریوں کی عزت اور جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور جو شہری شہر چھوڑ کر جانا چاہتا ہو وہ اپنے خاندان کے افراد اور اپنے مال و اموال کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔

جب خالدؓ قنسرین کو پوری طرح لے چکے تھے اُس وقت ابوعبیدہؓ پہنچے۔

"ابوسلیمان!— ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو گلے لگاتے ہوئے کہا— "تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ میں حاظر کے باہر رومیوں کی لاشیں دیکھ آیا ہوں۔"

ابوعبیدہؓ نے اُسی روز مدینہ خلیفۃ المسلمین کو پیغام بھیجا جس میں اُنہوں نے خالدؓ کی اتنی بڑی کامیابی کی تفصیلات لکھیں۔ یہ کامیابی اس لحاظ سے بہت بڑی تھی کہ [illegible] روم کے تابوت میں ایک اور کیل گاڑ دی گئی تھی۔

تقریباً تمام مورخوں نے لکھا ہے کہ امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے پیغام پڑھ کر کہا تھا ---"اللہ نے خالدؓ کو سپہ گری اور سالاری پیدائش کے ساتھ ہی عطا فرمائی تھی۔ ابوبکرؓ پر اللہ کی رحمت ہو۔ وہ مجھ سے بہتر مردم شناس تھے"۔

قنسرین سے آگے حلب ایک اور مشہور شہر تھا جہاں رومیوں کی خاصی بڑی تعداد قلعہ بند تھی۔ رومی سالار جو وہاں کا قلعہ دار تھا اُس کا نام یوقنہؔ تھا۔ یہ بھی تجربہ کار سالار تھا جس نے بے شمار لڑائیاں لڑیں اور ہر لڑائی میں فتح حاصل کی تھی۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ حلب کی طرف پیشقدمی کر رہے تھے۔ رومی سالار یوقنہؔ کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کا لشکر آرہا ہے۔

رومی سالاروں نے کچھ عرصے سے یہ سلسلہ شروع کر دیا تھا کہ وہ جب سنتے تھے کہ مسلمانوں کا لشکر آرہا ہے، وہ اپنے دستوں کو اکٹھا کر کے جوشیلی تقریر کرتے اور قلعے سے باہر آکر لڑتے تھے۔ یہ ایک دلیرانہ اقدام تھا۔ وہ شاید یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ مسلمانوں سے نہیں ڈرتے۔ یوقنہؔ نے بھی ایسے ہی کیا۔ وہ حلب سے اپنے دستے نکال کر قلعے سے چھ میل دُور آگیا۔

مسلمانوں کی فوج کے ہراول میں اب بھی خالدؓ اپنے سواروں کے ساتھ تھے۔ یوقنہؔ نے اپنے ساتھی سالار مناس کی طرح مسلمانوں کے ہراول سے ٹکر لینے کا طریقہ اختیار کیا۔ یوقنہؔ کو یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کو قلعے سے دُور ہی دُور ختم کر دے گا۔ اُسے بھی مناس کی طرح توقع ہوگی کہ آمنے سامنے آکر مسلمان رُک جائیں گے اور جنگی ترتیب میں آکر لڑیں گے۔

اب بھی خالدؓ نے ویسے ہی کیا کہ اطلاع ملتے ہی کہ آگے رومی لشکر آرہا ہے، اپنے دستے کو جنگی ترتیب میں کر لیا۔ رومیوں کو دیکھ کر خالدؓ نے اپنے دستوں کو روکا نہیں۔ انہیں تین حصوں میں تقسیم کر کے پہلوؤں سے حملہ کر دیا۔ سوار اس طرح گھوم پھر کر لڑے کہ رومی درمیان میں اکٹھے ہو گئے۔ خالدؓ نے سامنے سے بھی حملہ کر دیا۔

خالدؓ کا یہ جارحانہ انداز یوقنہؔ کے لئے غیر متوقع تھا۔ اُس نے جو سوچا تھا اُس کے اُلٹ ہوا اور اُس کے دستوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ اِس معرکے میں بھی رومیوں کی تعداد مسلمانوں کی نسبت زیادہ تھی۔

یوقنہؔ کے دستے حوصلہ ہار بیٹھے۔ اُس نے پسپائی تیار کی اور قلعے میں چلا گیا۔ یہ قلعہ پہاڑی کے اُوپر تھا اس لئے اُسے سر کرنا بہت مشکل تھا۔ مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یوقنہؔ نے متعدد بار اپنے دستوں کو باہر نکال کر مسلمانوں پر حملے کروائے لیکن جانی نقصان کے سوا اسے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔

یوقنہؔ کو اُمید تھی کہ شہنشاہ ہرقل کمک اور رسد بھیجے گا۔ اسے شاید معلوم نہ تھا کہ تمام تر شام میں مسلمان پھیل گئے ہیں اور اب اسے کہیں سے بھی کمک نہیں مل سکتی۔ اُس نے دستوں کو باہر نکال کر حملوں کا سلسلہ روک دیا اور قلعے میں دبک کر بیٹھ گیا۔ مسلمان کسی نہ کسی طرح قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

چار مہینے محاصرے میں گزر گئے قلعے کے اندر رومی ایسے پریشان اور خوفزدہ ہوئے کہ یوقنہؔ نے ایک روز اپنا ایلچی باہر اِس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر تیار ہے۔ یوقنہؔ کو اُمید نہیں تھی کہ خالدؓ

اُس کی شرط کو تسلیم کرلیں گے۔ اُس کی شرط یہ تھی کہ اُسے اور اُس کی فوج کو قلعے سے چلے جانے دیا جائے۔

اُس کے ایلچی نے جب واپس جاکر اُسے بتایا کہ مسلمانوں نے اُس کی شرط مان لی ہے تو وہ حیران رہ گیا۔

"نہیں!"--- اُس نے کہا---"ایسا ہو نہیں سکتا کہ فاتح اُس فوج کو بخش دے جس نے اُس کے آگے ہتھیار ڈالے ہوں..... میں جانتا ہوں کیا ہوگا۔ جب نہتے سپاہی باہر نکلیں گے تو مسلمان انہیں قتل کر دیں گے"۔

آخر وہ وقت آیا جب یوقنہؔ کے دستے بغیر ہتھیاروں کے باہر نکلے اور مسلمانوں کی فوج کے درمیان سے گزر گئے۔ یوقنہؔ کو سب سے پہلے نکلنا چاہیئے تھا لیکن وہ آخر میں بھی باہر نہ نکلا۔ خالدؓ قلعے میں گئے تو یوقنہؔ نے اُن کا استقبال کیا۔

"اے رومی سالار!"--- خالدؓ نے کہا---"تُو جا سکتا ہے"۔

"ابن ولید!"--- یوقنہؔ نے کہا---"میں نہیں جاؤں گا۔ اگر میں تمہارے ساتھ رہنا چاہوں تو مجھے کیا شرط پوری کرنی پڑے گی؟"

"اسلام قبول کرلے!"--- خالدؓ نے کہا---"پھر تیری حیثیت یہی رہے گی جو اب ہے"۔

"بے شک یہی میری خواہش تھی"--- یوقنہؔ نے کہا۔

اُس نے خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور اگلے ہی معرکے میں اُس نے ثابت کر دیا کہ وہ اسلام کا وفادار سالار ہے۔

انطاکیہ شام کا ایک بڑا شہر تھا۔ اس کی اہمیت یہ تھی کہ شہنشاہ ہرقل نے اسے اپنا ہیڈکوارٹر بنایا تھا۔ یہیں سے وہ احکام، کمک اور رسد وغیرہ اپنی فوج کو بھجواتا تھا۔ ہرقل اب وہاں نہیں تھا۔ وہ شام کی سرحد سے جا چکا تھا اور غالباً قسطنطنیہ میں تھا لیکن انطاکیہ میں رومی فوج اور ہیڈکوارٹر موجود تھا۔ وہاں سے رومیوں کو نکالنا لازمی تھا۔ اس سے شام کی فتح مکمل ہو جاتی تھی۔

ابوعبیدہؓ نے انطاکیہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ حسبِ معمول خالدؓ اپنے گھوڑ سوار دستے کے ساتھ ہراول میں جا رہے تھے۔

انطاکیہ چونکہ رومیوں کا آخری بڑا قلعہ اور اہم مقام رہ گیا تھا اور وہ رومی فوج کا مرکز بھی تھا اس لیے توقع تھی کہ وہاں یرموک جیسا خونریز معرکہ ہوگا۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ نے اپنے مجاہدین کو آگاہ کر دیا تھا کہ آگے کیا خطرہ ہے۔ سب سے بڑا خطرہ تو یہ تھا کہ مجاہدین کی اس فوج کو مدینہ سے نکلے چار سال ہو چلے تھے اور وہ مسلسل لڑ رہے تھے۔ جہاں تک جسموں کا تعلق تھا، وہ ختم ہو چکے تھے اب تو یہ روح کی قوت تھی جو انہیں انسانی سطح سے بہت اوپر لے گئی تھی۔ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا تھا۔

انہیں آرام نہیں ملتا تھا۔ دن تلواروں کی جھنکار، تیروں کے زناٹوں، برچھیوں کے وار روکنے اور وار کرنے میں گزر جاتا اور راتیں اپنے زخمی ساتھیوں کی کربناک آوازوں میں گزرتی تھیں۔ وہ باطل کی ایک چٹان کو توڑتے تو ایک اور چٹان سامنے آن کھڑی ہوتی تھی۔

وہ آخر گوشت پوست کے انسان تھے اور یہ گوشت پوست تھکن سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ دشمن ان کی اس جسمانی کیفیت سے آگاہ تھا اور یہی ایک خطرہ تھا جو سالار محسوس کر رہے تھے۔ انطاکیہ کا دفاع بہت مضبوط تھا۔ جاسوسوں کی لائی ہوئی اطلاعیں سالاروں کو پریشان کر رہی تھیں مگر رکنا اور انتظار کرنا بھی خطرناک تھا۔ رومیوں کی کمک آنے سے پہلے انطاکیہ پر قبضہ کرنا ضروری تھا۔

مجاہدین کو قرآن کی یہ آیت بار بار یاد دلائی جا رہی تھی کہ لڑو اُس وقت تک جب تک کفر کا فتنہ ختم نہیں ہو جاتا۔ حکمرانی صرف اللہ اور اللہ کے دین کی رہ جائے۔

انطاکیہ کے راستے میں دو تین چھوٹے چھوٹے قلعے تھے۔ انہیں سر کرتے ہُوئے مجاہدین انطاکیہ سے تیرہ چودہ میل کے فاصلے پر پہنچے تو ایک جاسوس آیا۔

"ابو سلیمان!" — جاسوس نے خالدؓ سے کہا — "تھوڑا ہی آگے ایک دریا ہے جس پر ایک مضبوط پُل ہے۔ اس پُل سے اس طرف رومیوں کا ایک لشکر تیار کھڑا ہے۔ راستہ بدل لیا جائے یا جنگ کی تیاری کر لی جائے۔"

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو" — خالدؓ نے کہا — "اللہ کو منظور ہُوا تو یہ لشکر بھی ہمارا راستہ نہیں روک سکے گا.... تعداد کتنی ہو گی؟"

"ہمارے پورے لشکر سے دُگنی تو ضرور ہو گی" — اُس نے بتایا۔

"پیچھے جاؤ" — خالدؓ نے کہا — "سپہ سالار سے کہو کہ بہت جلدی لشکر کو آگے لے آئے۔"

ابو عبیدہؓ جب خالدؓ سے آملے تو پورے لشکر نے جنگی ترتیب میں پیش قدمی کی۔ رومیوں کا لشکر زیادہ دور نہیں تھا۔ یہ مقام جہاں رومی لشکر مسلمانوں کا راستہ روکے کھڑا تھا، انطاکیہ سے بارہ میل دور تھا۔ رومی سالار نے یہ دانش مندی کی تھی کہ دریا کو اپنی پُشت پر رکھا تھا۔ اسی مقام پر بڑا مضبوط پُل تھا۔ یہ بھی رومیوں کے عقب میں تھا۔

خالدؓ نے حسبِ معمول توقّف نہ کیا۔ آمنے سامنے آتے ہی اپنے رسالے کو خاص انداز سے حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی ترتیب بکھر جائے یا وہ سکڑ جائیں۔ اس خصوصی رسالے کے سوار "ضرب لگاؤ اور اِدھر اُدھر ہو جاؤ" کے اصول پر حملے کرتے تھے۔

جب دشمن کی جمعیت بکھرنے لگی تو ابو عبیدہؓ نے دشمن کے ایک پہلو پر حملہ کرا دیا۔ پیچھے دریا تھا۔ خالدؓ کی کوشش یہ تھی کہ دشمن کو اتنا پیچھے دھکیل دیا جائے کہ دریا اس کے لیے مصیبت بن جائے یا اُسے اتنا آگے لایا جائے کہ اُس کے عقب میں جانے کے لیے گھڑ سواروں کو جگہ مل جائے۔

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کے حملے اسی نوعیت کے تھے جن سے یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا تھا لیکن رومی لشکر کا سالار بھی تجربہ کار اور جنگی قیادت اور چالوں کا ماہر تھا۔ اُس نے اپنے دستوں کو ترتیب میں منظم رکھا اور مسلمانوں پر حملے کیے بھی اور مسلمانوں کے حملے رد کیے بھی۔ اس طرح جنگ زیادہ سے زیادہ خونریز ہوتی چلی گئی۔

خالدؓ نے رومی سالار کو دیکھ لیا اور اپنے چند ایک سواروں سے کہا کہ وہ رومیوں کے قلب میں گھسنے کی کوشش کریں۔ کئی ایک سوار اس کوشش میں جان پر کھیل گئے۔ آخر کچھ سوار رومی سالار تک جا پہنچے اور اُس

کے محافظوں کا حصار توڑ کر اُسے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

رومیوں کا پرچم گرتے ہی اُن میں افراتفری مچ گئی اور وہ پسپا ہونے لگے۔ کچھ دریا میں کود گئے باقی پُل کے ذریعے دریا کے پار گئے۔ جتنی دیر میں مسلمان اُن تک پہنچتے تھے وہ انطاکیہ کے قلعے کے اندر جا چکے تھے۔

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ نے جا کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ رومیوں کا لڑنے کا جذبہ میدان میں ہی ختم ہو گیا تھا۔ قلعے میں اُنہوں نے پناہ لی تھی۔ خالدؓ نے کئی بار اعلان کروایا کہ قلعے کے دروازے کھول دیئے جائیں ورنہ کسی کی جان بخشی نہیں ہو گی اور کوئی شرط قبول نہیں کی جائے گی۔

رومیوں کا لشکر جواب پہلے جیسا طاقتور نہیں رہ گیا تھا بغیر سالار کے تھا۔ اندر سے ایک ایلچی باہر آیا جس نے ہتھیار ڈال دیئے اور یہ شرط پیش کی کہ لشکر کو آزادی سے چلے جانے دیا جائے۔ مسلمان سالاروں نے یہ شرط مان لی۔ روم کی تمام تر فوج جو قلعے کے اندر تھی قلعے سے نکل گئی اور مسلمان انطاکیہ میں داخل ہو گئے۔ یہ ۳۰ر اکتوبر ۶۳۷ء (۵ شوال ۱۶ ہجری) کا دن تھا۔

رومیوں کا آخری اور سب سے بڑا شہر بھی مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی دو چار جگہیں رہ گئی تھیں جہاں رومی موجود تھے لیکن وہ لڑنے کے لیے موجود نہیں تھے بلکہ انھیں بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ ۶۳۷ء کے آخری مہینے تک شام پر مسلمانوں کا قبضہ مکمل ہو گیا اور وہاں رومیوں کا عمل دخل بالکل ہی ختم ہو گیا۔

قسطنطنیہ میں ہرقل عیسائیوں کے ایک وفد کے سامنے اپنے محل میں بیٹھا تھا۔ یہ وہی شہنشاہ ہرقل تھا جس کی آنکھوں کی ہلکی سی جنبش سے کئی انسانوں کو جلاّد کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ یہی ہرقل تھا جس نے ابتداء میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کا حکم دیا تھا۔ یہی ہرقل تھا جس نے حیرت کا اظہار کیا تھا کہ عرب کے ان بدّوؤں کو یہ جرأت کیونکر ہُوئی کہ اُنہوں نے سلطنت روم کی سرحد کے اندر قدم رکھا ہے۔ اب تھوڑے ہی عرصے بعد وہی ہرقل اپنی آدھی سلطنت مسلمانوں کے حوالے کر کے شکست خوردگی کے عالم میں اپنے دارالحکومت قسطنطنیہ میں بیٹھا تھا جیسے کبھی نہ ہارنے والا اجواری بازی ہار گیا ہو اور اُس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ رہی ہو۔

"تم لوگ مجھے کس طرح یقین دلا سکتے ہو کہ مسلمانوں کو ان علاقوں سے باہر نکال دو گے جو اُنہوں نے فتح کر لیے ہیں؟" — ہرقل ان عیسائیوں سے کہہ رہا تھا — "اگر تم میں اتنی جان ہوتی تو آج میں تمہارے درمیان اس طرح نہ بیٹھا ہُوا ہوتا۔"

"شہنشاہِ روم!" — عیسائیوں کے وفد کے لیڈر نے کہا — "اب یہ سوچنا بیکار ہے کہ شکست کا ذمہ دار کون ہے۔ ہم یہ مسئلہ لے کر آئے ہیں وہ ایک بار پھر سُن لیں.... آپ جس خطّے کو مسلمانوں کے حوالے کر آئے ہیں وہ نہ آپ کا تھا نہ مسلمانوں کا ہے۔ وہ ہمارا خطّہ ہے۔ شکست آپ کی فوج کو ہُوئی لیکن ایک غیر قوم کے غلام ہم بن گئے۔ مسلمانوں نے جزیہ ہم سے لیا ہے۔ یہ ہماری بے عزّتی ہے۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے خلاف نہیں لڑ سکتے۔ ہم لڑیں گے۔ ہم اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں لیکن ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کمک بھیجنے کا وعدہ کریں تو ہم مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیتے ہیں۔"

ہرقل ان عیسائیوں کی جو شام کے شمالی علاقے کے رہنے والے تھے، یہ باتیں اس طرح سن رہا تھا جیسے یہ لوگ اُس سے بھیک مانگنے آئے ہیں اور اُسے ان لوگوں کے اس مسئلے کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ ہو۔ حقیقت یہ تھی کہ ہرقل چاہتا ہی یہی تھا کہ شام کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف ایسی جنگ کے لیے تیار کرے جو بہت ہی طویل ہو تاکہ مسلمان شام کے علاقے میں ہی اُلجھے رہیں اور روم کی سلطنت میں مزید آگے نہ بڑھیں۔ یہ جنگ شب خون قسم کی ہو سکتی تھی۔

بیشتر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ہرقل نے درپردہ شام کے قابلِ اعتماد پادریوں کو اُکسایا تھا کہ وہ عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں۔ تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ عیسائی تیار ہو گئے تھے۔ عیسائیوں کا یہ وفد جو اُس کے پاس بیٹھا تھا، اس سے بے خبر تھا کہ جو تجویز وہ پیش کرنے آئے ہیں اُس پر ہرقل پہلے ہی کام کر رہا ہے۔ اس وفد پر وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اُنہیں مدد دے کر وہ اُن پر بہت بڑا احسان کر رہا ہے۔

آخر میں ہرقل نے انہیں کہا کہ وہ واپس جا کر اپنے پادریوں سے ملیں اور پادری انہیں بتائیں گے کہ اس تجویز پر کس طرح عملدرآمد ہو گا۔ اس نے اُنہیں یہ بھی بتایا کہ عیسائی جب مسلمانوں پر جگہ جگہ حملے شروع کریں گے تو ہرقل انہیں کمک کی صورت میں اپنی فوج دے دے گا۔

مسلمانوں نے اپنے جاسوس تمام علاقے میں پھیلا رکھے تھے جن میں ایسے جاسوس بھی تھے جو عیسائی بن کر عیسائیوں کے ساتھ رہتے اور پادریوں کے مرید بنے ہوئے تھے۔ اِن میں سے بعض شام سے نکل کر جنوبی ترکی تک چلے گئے تھے۔ یہ علاقہ سلطنتِ روم کا حصہ تھا۔

ایک روز ایک جاسوس نے شمالی شام کے جاسوسوں سے رپورٹیں لے کر ابوعبیدہؓ کو آ کر بتایا کہ عیسائی وسیع پیمانے پر جنگی تیاریاں کر رہے ہیں اور ہرقل نے انہیں کمک دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اِس کے بعد دو جاسوس اور آئے جنہوں نے اِسی قسم کی رپورٹیں دیں۔ اِن سے بڑی خوفناک صورت سامنے آئی۔ عیسائیوں کا اجتماع بہت زیادہ تھا۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کو احساس تھا کہ عیسائیوں کے خلاف ٹکر بہت خطرناک ہو گی۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ رومی جن علاقوں سے بھاگے تھے وہ اُن کے نہیں تھے۔ وہ تو بھاگ کر اپنی باقی سلطنت میں جا پناہ گزیں ہوئے تھے۔ یہ خطے دراصل عیسائیوں کے تھے۔ مسلمانوں کی اطاعت قبول کر کے اُنہیں کوئی معاشی، معاشرتی یا مذہبی پابندی نہیں تھی لیکن وہ مسلمانوں کی غلامی قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ لڑائی کی صورت میں اگر اُنہیں شکست ہوتی تو اُن کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں تھی اِس لئے اُنہوں نے جنگ کی تیاریاں ایسے پیمانے پر کی تھیں جو اُن کی فتح کا باعث بن سکتی تھیں۔

جاسوسوں سے پوری رپورٹ لی گئی کہ لڑنے والے عیسائیوں کی تعداد کتنی ہو گی۔ اُن کے ہتھیار کیسے ہوں گے اور اُن کی قیادت کیسی ہو گی۔ خیال کیا جاتا تھا کہ قیادت رومی سالار کریں گے کیونکہ عیسائیوں کے پاس قیادت کے لیے کوئی سالار نہیں تھا۔ اگر کوئی تھا بھی تو وہ مسلمان سالاروں کی ٹکر کا نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر بھی صورتِ حال جو پیدا ہو گئی تھی وہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑے خطرے کا باعث بن سکتی تھی۔

"ابوسلیمان!" — ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے مشورہ لینے کے لیے کہا — "شام میں ہماری حکومت نوزائیدہ ہے۔ ہمارے ابھی قدم جمے نہیں۔ اگر ہم نے کوئی خطرہ مول لیا اور حالات ہمارے خلاف ہو گئے تو ہم پسپا ہو کر

مدینہ تک زندہ بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"امین الامت!" — خالدؓ نے کہا — "سوال ہمارے زندہ رہنے یا نہ رہنے کا نہیں۔ یہ سوچ کہ اسلام کا زوال شروع ہو جائے گا۔ تمام فوج شام میں ہے۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم امیرالمومنین کو اطلاع دے دیں؟" — ابوعبیدہؓ نے پوچھا — "اور مدینہ سے کمک بھی مانگ لیں۔ ہماری تعداد رہ ہی کیا گئی ہے۔"

"امین الامت!" — خالدؓ نے کہا — "مدینہ تک پیغام جاتے اور وہاں سے کمک آتے بہت وقت لگے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم ہر جگہ سے فوج ایک مقام پر اکٹھی کر لیں؟ ان جگہوں پر ہم ضرورت کے مطابق فوج رہنے دیں۔ خدا کی قسم! میں عیسائیوں کو کُھلے میدان میں لا کر لڑانا چاہتا ہوں۔"

یہ باتیں حمص میں ہو رہی تھیں۔ وہاں دوسرے سالار بھی تھے۔ اُن سب کی رائے یہ تھی کہ حمص کے اندر رہیں اور عیسائیوں کو آنے دیں کہ وہ محاصرہ کر لیں۔ ابوعبیدہؓ کو اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنا پڑا۔ انہوں نے اپنے اُن دستوں کو بھی حمص میں بلا لیا جو اردگرد کے علاقے میں تھے۔ اس کے ساتھ ہی ابوعبیدہؓ نے ایک تیز رفتار قاصد کے ہاتھ خلیفۃ الرسولؐ عمرؓ بن الخطاب کو پیغام بھیج دیا جس میں انہوں نے تفصیل سے لکھوایا کہ عیسائیوں نے ہرقل کی پشت پناہی میں کیا صورتِ حال پیدا کر دی ہے۔ ابوعبیدہؓ نے یہ بھی لکھوایا کہ وہ حمص میں قلعہ بند ہو کر لڑیں گے۔

۶۳۸ء کا سال شروع ہو چکا تھا۔

ڈیڑھ دو مہینے اور گزر گئے تو ایک روز عیسائیوں کا جمِ غفیر حمص آن پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان اس کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے بڑے لمبے عرصے کے خوراک اور تیروں وغیرہ کا ذخیرہ شہر میں جمع کر لیا تھا۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو قلعہ بند دیکھا تو وہ حیران ہوتے کہ کھلے میدان میں لڑنے والی فوج قلعہ بند ہو کر لڑنے پر آ گئی ہے۔ اسے عیسائیوں نے مسلمانوں کی کمزوری سمجھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو للکارنا شروع کر دیا۔

"اہلِ اسلام! اب تمہارا مقابلہ عیسائی عربوں سے ہے۔"

"ہم رومی نہیں مسلمانو! ہمت کرو، باہر آ کر لڑو۔"

"قلعے کے دروازے کھول دو ورنہ تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔"

"اب ہم جزیہ لیں گے۔"

"اِسلام کا سورج ڈوب گیا ہے۔"

"باہر آؤ اور ہم سے رحم مانگو۔"

اور ایسے بے شمار طنزیہ نعرے تھے جو عیسائی لگاتے رہے۔ مسلمانوں کی طرف سے خاموشی تھی۔ ابوعبیدہؓ، خالدؓ اور دوسرے سالاروں نے طے کر رکھا تھا کہ وہ باہر نکل نکل کر عیسائیوں پر حملے کریں گے۔

حملوں کی نوبت ہی نہ آئی۔ محاصرے کا چوتھا یا پانچواں دن تھا۔ عیسائیوں میں بھگدڑ بپا ہو گئی۔ اُن پر کوئی مصیبت نازل ہو گئی تھی یا ہو رہی تھی۔ مسلمان جو دیوار پر کھڑے تھے، وہ حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ انہیں ہُوا کیا ہے۔

دُور افق سے گرد اٹھنے لگی جو پھیلتی اور اُوپر ہی اُوپر اُٹھتی گئی۔ یہ کسی قافلے کی اڑائی ہُوئی گرد نہیں تھی، یہ کسی فوج کی گرد معلوم ہوتی تھی۔ اگر یہ فوج تھی تو عیسائیوں کی ہی ہو سکتی تھی یا یہ رومیوں کی فوج ہو سکتی تھی۔

عیسائیوں میں جو افراتفری بپا ہُوئی تھی وہ زیادہ ہو گئی اور وہ لڑنے کی ترتیب میں آنے لگے۔ گرد ابھی دُور تھی۔ عیسائیوں نے تو محاصرہ اٹھا ہی دیا اور وہ بڑی تیزی سے ایک سمت کو روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں نے قلعے کی دیواروں پر نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

گرد میں سے ایک فوج آہستہ آہستہ نمودار ہونے لگی۔ یہ مسلمانوں کی فوج تھی۔ عیسائیوں کو اس کی آمد کی اطلاع پہلے ہی مل گئی تھی۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عیسائی غیر تربیت یافتہ تھے۔ وہ وہاں رکتے تو خود محاصرے میں آ جاتے۔ حمص کے دروازے کھل جاتے اور اندر سے بھی مسلمانوں کی فوج باہر آ جاتی۔ عیسائیوں کا انجام بہت بُرا ہوتا۔ اُنہوں نے یہ خطرہ بھی دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنی بستیوں میں کوئی فوج نہیں چھوڑ آئے تھے۔ لڑائی کی صورت میں مسلمانوں نے انہیں شکست دے کر اُن بستیوں پر ٹوٹ پڑنا تھا۔

مسلمانوں کی یہ فوج جو حمص میں محصور فوج کی مدد کو آئی تھی، یہ چار ہزار سوار تھے جو قعقاع بن عمرو کے زیرِ کمان تھے۔ یہ سوار اس طرح آئے تھے کہ خلیفۃ الرسوؐل عمرؓ کو ابوعبیدہؓ کا پیغام ملا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ یہ عیسائی تربیت یافتہ فوج نہیں بلکہ یہ غیر منظم ہجوم ہے جسے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ سنبھال لیں گے لیکن کمک ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے سعدؓ بن ابی وقاص کو جو عراق میں مقیم مسلمانوں کی فوج کے سپہ سالار تھے، حکم بھیجا کہ تین سالاروں کو عیسائیوں کے علاقے جزیرہ کی طرف بھیج دیں۔

ان سالاروں میں سہیل بن عدی، عبداللہ بن قتبہ اور ایاز بن غنم شامل تھے۔ عمرؓ نے حکم نامے میں یہ بھی لکھا تھا کہ سالار قعقاع بن عمرو کو چار ہزار سوار دے کر ابوعبیدہؓ کی مدد کے لیے حمص بھیج دیا جائے۔

اس طرح قعقاع محصور مسلمانوں کی مدد کو پہنچ گئے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ حمص عیسائیوں کے محاصرے میں ہے۔ انہیں دیکھ کر ہی عیسائی محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔

امیرالمومنین نے ٹھیک کہا تھا کہ یہ عیسائی کوئی منظم فوج نہیں۔ یہ عیسائیوں نے خود ہی ثابت کر دیا اور اس کے ساتھ ہی عیسائیوں نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کو عیسائیوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے اور مسلمان ارضِ شام کی فتح کو اُس وقت تک مکمل نہ سمجھیں جب تک کہ وہ اندرونی خطروں کو بھی ختم نہ کر لیں۔ عیسائیوں کے اس جنگی اقدام سے واضح ہو گیا تھا کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے یا مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی دلچسپیاں اور وفاداریاں رومیوں کے ساتھ ہیں۔

خلیفہ کے حکم کے مطابق جزیرہ کے تمام علاقے کو مسلمانوں نے اپنی عملداری میں لے لیا۔ عیسائیوں کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہ کی گئی۔ اگر کہیں عیسائیوں نے مسلح مزاحمت کی تو اُن کے خلاف جنگی کارروائی کی گئی۔ شمالی سرحد کو تخریب کاری سے بچانے کے لیے ابوعبیدہؓ نے سرحد پار جا کر حملے شروع کر دیئے۔ اس سے شام میں امن و امان ہو گیا۔

❁

عمرؓ بن الخطاب نے عدل و انصاف میں شہرت پائی ہے۔ "عدلِ فاروقی" ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اُن کے عدل کی لاٹھی سے سب یکساں طور پر ہانکے جاتے تھے۔ اُن کی لاٹھی غربت اور امارت، رنگ اور نسل، آقا اور غلام کو نہیں پہچانتی تھی۔ اُس دور میں خالدؓ کی ٹکر کا کون سا ایسا سالار تھا جس نے اسلام کو ارضِ شام اردن اور فلسطین تک پھیلا دیا ہو۔ بیت المقدس کا فاتح جو کوئی بھی تھا، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ خالدؓ نہ ہوتے تو بیت المقدس کی فتح اتنی آسان بھی نہ ہوتی۔ عمرؓ ذاتی طور پر جانتے تھے کہ قیصر و کسریٰ کے خلاف بعض فتوحات اس لیے ممکن ہو سکی تھیں کہ خالدؓ نے غیر معمولی طور پر دلیرانہ فیصلے کیے تھے۔

ابوعبیدہؓ ٹھنڈے مزاج کے سالار تھے۔ اگر خالدؓ ان کے ساتھ نہ ہوتے تو رومیوں کے خلاف اتنی تیزی سے اتنی زیادہ کامیابیاں حاصل نہ کی جا سکتیں۔

خود عمرؓ خالدؓ کے معترف تھے لیکن عمرؓ کو جب خالدؓ کے خلاف ایک ایسی بات کا پتہ چلا جو اسلام کی رُوح کے منافی تھی اور جسے عمرؓ نظر انداز بھی کر سکتے تھے، تو انہوں نے فوری کارروائی کا حکم دے دیا۔ عمرؓ نے سوچا تک نہیں کہ خالدؓ کی جو قدر و قیمت ہے وہ اتنی زیادہ ہے کہ یہ چھوٹا سا الزام ہضم بھی کیا جا سکتا ہے۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عمرؓ بن خطاب نے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی تمام دستوں میں ایک ایک دو دو مخبر رکھ دیئے تھے جو سالاروں اور دیگر عہدیداروں کی ذاتی سرگرمیوں پر نظر رکھتے تھے۔ جب شام میں امن و امان ہو گیا اور خالدؓ کو قنسرین کا حاکم بنا دیا گیا، عمرؓ کو مدینہ میں اطلاع ملی کہ خالدؓ نے ایک شاعر کو جس کا نام اشعث بن قیس تھا دس ہزار درہم صرف اس لیے انعام کے طور پر دیئے ہیں کہ اُس نے قنسرین جا کر خالدؓ کی فتوحات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے ایک قصیدہ پڑھا تھا۔

اشعث بن قیس بنو کندا کا سردار تھا۔ اُس نے شاعری اور مدح سرائی کو پیشہ بنا لیا تھا۔ وہ اور اُس جیسے چند اور شاعر سالاروں اور حاکموں وغیرہ کے ہاں جاتے، قصیدے پڑھتے اور تحفے تحائف اور انعام و اکرام وصول کرتے تھے۔ اسی ضمن میں اشعث قنسرین خالدؓ کے ہاں جا پہنچا۔

خالدؓ امیر باپ کے بیٹے تھے۔ اُنہوں نے غربت دیکھی ہی نہیں تھی۔ شہزادوں کی طرح پلے بڑھے تھے۔ یہ تو اُن کی عظمت تھی کہ صحیح معنوں میں شہزادہ ہوتے ہوئے اُنہوں نے آدھی عمر میدانِ جنگ میں پیشقدمیوں میں، زمین پر سوتے اور گھوڑے کی پیٹھ پر گزار دی تھی۔ وہ طبعاً خوش ذوق تھے۔ فیاض تھے۔ ہر حسین چیز کے دلدادہ تھے۔

اُنہوں نے اس شاعر کو جو انعام دیا تھا وہ اپنی جیب سے دیا تھا۔ اُس وقت سالار اس سے زیادہ امیر ہوتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ دشمن کے جس سالار کو وہ ذاتی مبارزت میں شکست دیتے تھے اُس کے تمام تر مال و دولت کے خود حقدار ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ ملتا تھا۔

خالدؓ نے دشمن کے بے شمار سالاروں کو ذاتی مقابلوں میں قتل کیا تھا۔ اُن کے مال و اموال خالدؓ کے حصے میں آئے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ خالدؓ نے اتنا مال و دولت اپنے پاس رکھا ہی نہیں تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ شام کی جنگ ختم ہُوئی تو خالدؓ نے اپنے سوار دستے کے سواروں کو اپنی جیب سے نقد انعامات دیئے تھے۔ اُن کے سوار دستے نے جو کارنامے کر دکھائے تھے وہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ وہ اس سے بھی بڑے انعام کے حقدار تھے لیکن خلافتِ مدینہ کی نگاہ میں انعام کا تصوّر کچھ اور تھا اور وہی اسلام کی رُوح کے عین مطابق تھا۔

❁

عمرؓ بن خطاب نے تاریخِ اسلام کے مشہور مؤذن بلالؓ کے ہاتھ ابوعبیدہؓ کو ایک تحریری حکمنامہ بھیجا۔

"....خالدؓ بن الولید کو مجاہدین کی جماعت کے درمیان کھڑا کر دو۔ اُس کے سر سے دستار اُتارو۔ دستار سے اُس کے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھو۔ ٹوپی بھی اُس کے سر سے اُتار دو۔ پھر اُس سے پوچھو کہ اُس نے ایک شاعر اشعث بن قیس کو انعام اپنی جیب سے دیا ہے یا مالِ غنیمت سے۔ اگر وہ اقبال کرے کہ مالِ غنیمت سے دیا ہے تو اُسے خیانت میں پکڑو۔ اگر اُس نے اپنی جیب سے دیا ہے تو اُس پر اسراف کا الزام عاید کرو۔ ان میں سے جس الزام کا بھی وہ اعتراف کرتا ہے اُس کی پاداش میں اُسے اُس کے موجُودہ عہدے سے معزول کر دو اور اس کی جگہ تم خود کام کرو...."

یہ عربوں کا رواج تھا کہ جس پر کوئی الزام ہوتا تھا اُس کے ہاتھ اُسی کی پگڑی سے باندھ کر لوگوں کے سامنے پوچھا جاتا تھا کہ اُس نے یہ جرم کیا ہے یا نہیں۔ ایک عام آدمی کے ساتھ یہی سلوک ہوتا تھا لیکن عمرؓ نے خالدؓ جیسے عظیم اور تاریخ ساز سالار کو بھی عام آدمی کی سطح پر کھڑا کر دیا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ابوعبیدہؓ نے جب یہ حکم پڑھا تو اُن پر سناٹا طاری ہو گیا۔ اگر عمرؓ ابوعبیدہؓ کو تھوڑی سی بھی اجازت دے دیتے کہ وہ یہ تحقیقات اپنے طور پر کریں تو ابوعبیدہؓ خالدؓ کے ساتھ یہ طریقہ اختیار نہ کرتے لیکن وہ جانتے تھے کہ عمرؓ ڈسپلن اور عدل و انصاف کے معاملے میں کس قدر سخت ہیں۔

اُس وقت ابوعبیدہؓ حمص میں اور خالدؓ قنسرین میں تھے۔ ابوعبیدہؓ نے قاصد کو بھیجا کہ وہ قنسرین سے خالدؓ کو بلا لائے۔

قاصد نے جب خالدؓ کو پیغام دیا تو خالدؓ اچھل کر اُٹھے۔

"خدا کی قسم!"— خالدؓ نے نعرہ لگانے کے انداز میں کہا— "مجھے ایک اور جنگ لڑنے کے لیے بلایا گیا ہے۔"

خالدؓ اس خوشی کو دل میں لیے حمص پہنچے کہ رومیوں یا بازنطینیوں کے خلاف کوئی بڑی جنگ لڑی جانے والی ہے لیکن وہ جب ابوعبیدہؓ کے سامنے گئے تو ابوعبیدہؓ کے چہرے پر اداسی کے آثار دیکھے۔

"امین الامت!"— خالدؓ نے اُن کے پاس بیٹھتے ہُوئے پوچھا— "کیا وہ غلط ہے جو میں سمجھ کر آیا ہوں؟"

"ابوسلیمان!"— ابوعبیدہؓ نے غم سے بوجھل آواز میں خالدؓ سے کہا— "امیرالمومنین نے تجھ پر الزام عائد کیا ہے کہ تُو نے دس ہزار درہم اشعث کو دیئے ہیں۔ وہ اگر مالِ غنیمت سے دیے ہیں تو یہ خیانت کا جرم ہے اور اگر اپنی جیب سے دیئے ہیں تو یہ فضول خرچی ہے جو اسلام کی نگاہ میں ناجائز ہے۔ بلالؓ یہی جواب لینے آیا ہے۔"

خالدؓ کا ردِعمل یہ تھا کہ اُن پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ابوعبیدہؓ نے ایک بار پھر پوچھا لیکن خالدؓ کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ دراصل ابوعبیدہؓ چاہتے تھے کہ خالدؓ کچھ نہ کچھ ضرور کہیں تاکہ وہ طریقہ اختیار نہ کرنا پڑے جو امیرالمومنین نے اختیار کرنے کو لکھا تھا۔ خالدؓ پر ایسا اثر ہُوا کہ انہوں نے بلالؓ کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

آخر ابوعبیدہؓ نے بلالؓ کی طرف دیکھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بلالؓ عربوں کے رواج کے مطابق خالدؓ سے بیان لیں۔ بلالؓ پورا حکم لے کر آئے تھے۔ انہوں نے کارروائی مکمل کر کے جانا تھا۔ خالدؓ نے تھوڑی سی مہلت مانگی جو انہیں دے دی گئی۔ یہ مہلت تو انہیں ملنی ہی تھی کیونکہ دستور کے مطابق تمام فوج کو اکٹھا کرنا تھا جس کے سامنے خالدؓ سے اعترافِ جرم کرانا تھا۔

خالدؓ کی ایک بہن فاطمہؓ حمص میں رہتی تھیں۔ خالدؓ اُن کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ عمرؓ نے اُن پر کیا الزام عاید کیا ہے۔ بہن سے مشورہ لینے کی ضرورت یہ پیش آئی تھی کہ عمرؓ خالدؓ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ فاطمہؓ نے بڑے دکھ سے عمرؓ کے خلاف ایک بات کہہ دی۔ خالدؓ پہلے ہی مغموم تھے اور کسی حد تک مشتعل بھی تھے۔ انہیں اپنی بہن کا مشورہ اچھا لگا اور وہ واپس ابوعبیدہؓ کے پاس چلے گئے۔

"امین الامت!"— خالدؓ نے کہا— "میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں کوئی بیان نہیں دوں گا۔"

اس کے بعد زمین و آسمان نے جو منظر دیکھا اُسے دیکھ کر بھی کوئی فرد یقین نہیں کرتا تھا کہ یہ سلوک اُس عظیم شخصیت کے ساتھ ہو رہا ہے جو عظمتِ اِسلام کا ستون ہے اور جس کے بغیر اسلام اس جگہ تک نہ پہنچتا جہاں خالدؓ کے ہاتھ اُن کی پیٹھ کے پیچھے اُن کی دستار سے بندھے ہُوئے تھے۔ اُن کے سر سے ٹوپی اتری ہُوئی تھی۔ وہ زمین پر دو زانو بیٹھے ہُوئے تھے اور بلالؓ اُن کے سامنے کھڑے اعترافِ جرم کرا رہے تھے۔

"اے ابنِ ولید!"— بلالؓ پوچھ رہے تھے— "تُو نے اشعث کو دس ہزار درہم اپنی جیب سے دیئے ہیں یا مالِ غنیمت سے؟"

خالدؓ کے چہرے کا رنگ اُڑا ہُوا تھا۔ وہ خاموش رہے۔ بلالؓ نے ایک بار پھر پوچھا۔

خالدؓ پھر بھی خاموش رہے۔

"ابنِ ولید!"— بلالؓ نے کہا— "میں امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ جواب دے۔ تُو نے دس ہزار درہم اشعث کو اپنی جیب سے دیئے تھے یا مالِ غنیمت سے؟"

"اپنی جیب سے"— خالدؓ نے آخر جواب دیا۔

بلالؓ نے اُن کے ہاتھ کھول دیئے اور اپنے ہاتھوں پگڑی اُن کے سر پر رکھی۔

"ہم سب پر امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل فرض ہے"— بلالؓ نے کہا— "ہم ہر سالار کی عزّت کرتے ہیں۔"

وہاں جتنی فوج تھی اُس پر خاموشی طاری تھی۔ اس خاموشی میں اضطراب چھپا ہُوا تھا۔ ہر کسی کے چہرے پر گِلہ اور شکوہ تھا۔ کم از کم خالدؓ کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہونا چاہیئے تھا لیکن نظم و ضبط کا تقاضا تھا کہ ایک جائز کارروائی کے خلاف کوئی نہیں بول سکتا۔ ابوعبیدہؓ اور بلالؓ کی بھی کیفیت یہ تھی کہ وہ آنکھیں اوپر کر کے نہیں دیکھتے تھے۔ ان کی نظریں زمین پر لگی ہُوئی تھیں۔

خالدؓ اس خیال سے گھوڑے پر سوار ہُوئے اور وہاں سے نکل آئے کہ معاملہ یہیں پر ختم ہو گیا ہے۔ سات آٹھ دن گزر گئے۔ خالدؓ کو کوئی حکم نہ ملا۔ وہ حمص گئے اور ابوعبیدہؓ سے ملے۔

"ابوسلیمان!"— ابوعبیدہؓ نے امیرالمومنین کا حکم نامہ خالدؓ کے آگے کرتے ہُوئے کہا— "یہ پڑھ لو۔"

یہ وہ حکمنامہ تھا جو امیرالمومنین نے ابوعبیدہؓ کی طرف بھیجا تھا کہ خالدؓ جو بھی اعتراف کریں انہیں معزول کر دیا جائے۔

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو امین الامت!"— خالدؓ نے ابوعبیدہؓ سے کہا— "امیرالمومنین کا یہ حکم مجھے اُسی

روز کیوں نہ سنا دیا؟"

"خدا کی قسم ابو سلیمان!" ـــ ابو عبیدہؓ نے کہا ـــ "مجھے اندازہ تھا اُس دکھ کا جو تجھے ہونا تھا۔ میں اپنی زبان سے تجھے دکھ نہیں دے سکتا تھا ... یہ دکھ میرے لیے بھی کم نہیں کہ تجھے معزول کر دیا گیا ہے۔"

خالدؓ خاموشی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوتے اور حمص سے نکل آئے۔ تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ اُس وقت خالدؓ کیا سوچ رہے تھے۔ اُن کی جذباتی دنیا میں کیسے کیسے زلزلے آ رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنی جیب سے یہ انعام دیا تھا۔ اسے وہ جرم نہیں سمجھتے تھے۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ انہیں جو سزا دی گئی ہے وہ بہت سنگین ہے۔ اُن کی زندگی میں یہ دوسرا موقع تھا کہ وہ سوچوں اور خیالوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے سفر کر رہے تھے۔ ایک اُس روز جب وہ مکہ سے مدینہ کو تن تنہا جا رہے تھے۔ انہوں نے مدینہ جا کر رسولِ اکرمؐ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرنا تھا۔ اور اب وہ حمص سے اپنی معزولی کا حکم سن کر قنسرین کو جا رہے تھے۔ اُن کے ذہن میں اضطراب کا، رنج والم کا اور نہ جانے کیسی کیسی سوچوں کا طوفان اٹھتا تھا اور وہ اِس طوفان کے زناٹے سنتے جا رہے تھے۔

گھوڑے نے انہیں قنسرین پہنچا دیا۔ شہر کے اندر جاتے ہی اُنہوں نے اپنے اُس گھڑسوار دستے کو بلایا جو اُنہوں نے اپنے ہاتھوں تیار کیا تھا۔ یہ چُنے ہُوئے سواروں کا دستہ تھا۔ اس دستے نے اپنے سے کئی گنا قوی دشمن کے پاؤں اکھاڑے تھے۔ اس دستے سے خالدؓ کو بہت ہی پیار تھا۔ ابھی کل ہی کی بات تھی کہ اس دستے کے سامنے کھڑے ہو کر خالدؓ کہا کرتے تھے کہ دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ آج وہ اُسی دستے کے سامنے رنج والم کا مرقع بنے اپنے گھوڑے پر بیٹھے تھے۔

خالدؓ اپنے اس محبوب دستے سے نہ جانے کیسی کیسی باتیں کرنا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے بولنا چاہا تو اُن پر رقّت سی طاری ہو گئی۔ وہ اس دستے کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اُنہوں نے انتہائی مختصر الفاظ میں سواروں کی کامیابیوں کی، اُن کی برق رفتاریوں کی، جانبازی اور سرفروشی کی دل کھول کر تعریف کی پھر اُنہیں بتایا کہ وہ ہمیشہ کے لیے اُن کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔

سواروں کا ردّعمل یہ تھا جیسے اُن کی سانسیں رُک گئی ہوں۔ دردناک سا ایک سکوت تھا جو اُن پر طاری ہو گیا تھا۔ اس سکوت کو سواروں کی سسکیوں نے توڑا۔ خالدؓ نے گھوڑا موڑا اور وہاں سے ہٹ آئے۔ یہ منظر اُن کی برداشت سے باہر تھا۔

وہاں سے خالدؓ حمص گئے۔ تمام مجاہدین سے ملے۔ بوجھل دل سے سب کو خدا حافظ کہا اور مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

❁

خالدؓ مدینہ میں داخل ہوئے لیکن ایک فاتح سالار کی حیثیت سے نہیں کہ لوگ گھروں سے باہر آ کر اُن کا استقبال کرتے۔ اُن کی حیثیت ایک سزا یافتہ مجرم کی سی تھی۔ اتفاق سے عمرؓ انہیں ایک گلی میں آتے مل گئے۔

"ابو سلیمان!" ـــ عمرؓ نے خالدؓ کے جنگی کارناموں کو ان الفاظ میں سراہا ـــ "تُو نے وہ کام کیا ہے جو کوئی اور نہیں کر سکتا تھا مگر ہر کام اللہ کرتا ہے۔"

"اور تُو نے جو کام کیا ہے وہ کسی بھی مسلمان کو پسند نہیں آیا" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "اے ابنِ خطاب! تُو نے میرے ساتھ بے انصافی کی ہے۔"

"کہاں سے آئی یہ دولت کہ تُو اسے ناجائز اسراف میں پھینکتا پھرتا ہے؟" ـــ عمرؓ نے کہا ـــ "ابو سلیمان! کیا تُو رومیوں اور فارسیوں جیسا بادشاہ بننا چاہتا ہے؟ ... خدا کی قسم، تو میرے لیے قابلِ احترام ہے تُو مجھے عزیز ہے۔ اب تجھے مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو گی۔ خدا کی قسم میں کسی سالار، کسی امیر اور کسی حاکم کو بادشاہوں جیسا نہیں بننے دوں گا کہ جس نے جھوٹی مدح کی اُس کی جھولی انعام سے بھر دی۔"

خالدؓ ایک دو دن مدینہ میں رہ کر قنسرین چلے گئے۔ وہ مدینہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے تھے۔

اللہ کی تلوار نیام میں بند ہو گئی۔

❁

اس واقعے کے متعلق بہت کچھ کہا جا سکتا تھا۔ بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ تاریخ والوں نے اپنی اپنی رائے دی ہے۔ بعض نے عمرؓ کے اس فیصلے کے خلاف لکھا ہے۔ خلفائے راشدین کو رُسوا کرنے والوں نے لکھا ہے کہ عمرؓ کے دل میں خالدؓ کے خلاف ذاتی رنجش تھی جسے اُنہوں نے یوں مٹایا کہ خلیفہ بنتے ہی خالدؓ کو معزول کر دیا۔

حقیقت کچھ اور تھی۔ اگر ہم آج کے دَور کو اور آج کے حکمرانوں کو سامنے رکھ کر سوچیں تو عمرؓ کا یہ فیصلہ اچھا نہیں لگتا اور اگر ہم اُس دَور کو تصوّر میں لائیں اور گہرائی میں جائیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ عمرؓ کا فیصلہ صحیح تھا۔

غور کیجیے۔ عمرؓ نے کہا تھا کہ تم بادشاہ بننا چاہتے ہو۔ بادشاہوں کے انداز یہی ہوتے ہیں کہ جس نے تعریف میں دو کلمے کہہ دیئے تو اسے انعام واکرام سے مالا مال کر دیا۔

غور کیجیے۔ عمرؓ بن الخطاب کی نظر آنے والے وقت کے پردے چاک کر کے کتنی دُور چلی گئی تھی۔ خلفائے راشدینؓ کے بعد آنے والے خلفاء نے انعام واکرام کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ عباسی تو روائتی بادشاہ بن گئے تھے۔ اُندلس کے آخری دَور کو دیکھئے۔ دربار لگا ہوا ہے۔ شاعر اور ادیب منظوم اور نثری قصیدے پڑھ رہے ہیں اور انعامات سے جھولیاں بھر رہے ہیں۔ خوشامد ایک فن اور ایک پیشہ بن گیا ہے ـــ اور ان انعام خوروں، مدح سراؤں اور خوشامدیوں نے سلطنتِ اندلس کو سقوطِ غرناطہ تک پہنچایا۔

اس کے بعد سلطنتِ اسلامیہ بادشاہیوں میں بٹ گئی۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے انعام مشہور ہوتے اور اس سلطنت کو زوال آیا۔

اب پاکستان میں دیکھ لیں۔ انعام واکرام کا وہی مذموم سلسلہ چل رہا ہے جسے اسلام نے ناجائز اسراف قرار دیا تھا۔ خالدؓ بن الولید نے تو اپنی جیب سے انعام دیا اور معزولی کی سزا پائی تھی لیکن ہمارے حکمران سرکاری خزانے سے انعام دیتے چلے جا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ غیر ممالک سے لیے ہوئے قرضوں کی رقم ہے جس پر ہم سُود ادا کر رہے ہیں۔

عمرؓ کی دُوربین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ انعام واکرام کا سلسلہ چل نکلا تو اس کا نتیجہ زوال کے سوا کچھ نہ ہو گا۔

عمرؓ نے اس لیے بھی خالدؓ کو نہیں بخشا تھا کہ عدل وانصاف اور سزا میں چھوٹے بڑے کا فرق نہ رہے۔

انھوں نے سوچا تھا کہ انہوں نے خالدؓ کو معاف کر دیا تو یہ دستور بن جائے گا کہ سالار، امیر، حاکم اور حیثیت والے افراد کو سزا مل ہی نہیں سکتی۔ اس طرح عدل و انصاف ختم ہو جائے گا اور اسلامی معاشرہ چھوٹے اور بڑے میں بٹ جائے گا۔ عمرؓ احکام منوانے میں اس قدر سخت تھے کہ اُنہوں نے اپنے بیٹے کو ایک سو کوڑوں کی سزا دی تھی۔ اسی کوڑے مارے گئے تو اُن کا بیٹا مر گیا۔ عمرؓ کو اطلاع دی گئی۔ انہوں نے حکم دیا کہ ایک سو کوڑے پورے کرو۔ باقی بیس کوڑے اُس کی لاش پر مارو۔

مدینہ سے خالدؓ قنسرین گئے وہاں سے حمص چلے گئے اور اُن کی عمر کے باقی چار سال وہیں گزرے۔ ایک وقت آیا کہ خالدؓ تنگ دست ہو گئے۔ اہلِ قریش کا شہزادہ، میدانِ جنگ کا بادشاہ، دل کا سخی اور فیاض، ہزاروں درہم حقداروں میں تقسیم کر دینے والا انسان مفلسی کے چنگل میں آ گیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد امیر المومنین عمرؓ نے کچھ مسلمانوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا تھا جو تین ہزار درہم سالانہ تھا۔ یہ خالدؓ کو بھی ملنے لگا۔ اس سے وہ حمص میں اپنے کنبے کے ساتھ زندگی کے دن پورے کرنے لگے۔

خالدؓ اب وہ خالدؓ نہیں رہے تھے جن کی اس للکار ——— انا فارس الضدید۔ انا خالدؓ بن الولید ——

سے دشمن پر دہشت طاری ہو جایا کرتی تھی وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ اُن کی زندہ دلی، خوش ذوقی اور شوخی ختم ہو گئی اور وہ چُپ اور اُداس رہنے لگے۔

جنوری فروری ۶۳۹ء (۱۸ ہجری) میں انہیں ایک اور صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ فلسطین کے ایک قصبے عمواس میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی جو دیکھتے ہی دیکھتے تمام فلسطین اور شام میں پھیل گئی۔ لوگ بڑی تیزی سے موت کا شکار ہونے لگے۔

یہاں ابو عبیدہؓ کے کردار کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ امیر المومنین عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ آ جائیں۔ ابو عبیدہؓ نے جواب دیا کہ میرے جن ساتھیوں نے میدانِ جنگ میں کبھی ساتھ نہیں چھوڑا تھا انہیں میں طاعون کے ڈر سے چھوڑ کر نہیں آؤں گا۔ چنانچہ وہ اپنی فوج کے ساتھ رہے اور طاعون کے حملے سے رحلت فرما گئے۔

خالدؓ کے تمام ساتھی سالار جن کے ساتھ انہوں نے بڑی خوفناک جنگیں لڑی تھیں طاعون سے انتقال کر گئے۔ ان میں ابو عبیدہؓ، شرجیلؓ بن حسنہ، ضرارؓ بن الازور، یزیدؓ بن ابو سفیان بھی شامل تھے۔ خالدؓ کے اپنے بہت سے بیٹے طاعون کا شکار ہو گئے۔ ایک باپ کے لیے یہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا۔ طاعون کی اس وبا میں پچیس ہزار مسلمان اللہ کو پیارے ہو گئے۔

خالدؓ پہلے بھی چپ ہی رہتے تھے مگر اب تو جیسے اُن کی قوتِ گویائی ختم ہی ہو گئی ہو۔ مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ چل رہا تھا۔ ابو عبیدہؓ کے انتقال کے بعد سپہ سالاری عمروؓ بن العاص کو ملی۔ خالدؓ جب مسلمانوں کی نئی فتح کی خبر سنتے تھے تو اُن کے چہرے پر رونق آ جاتی تھی مگر کچھ دیر بعد وہ بجھ بجھ کے رہ جاتے۔ انہیں غالباً یہ خیال آ جاتا تھا کہ وہ اس جنگ میں شریک نہیں تھے۔

۶۴۲ء (۲۱ھ) میں خالدؓ کو ایسی بیماری نے آ لیا جو انہیں بڑی تیزی سے کھانے لگی۔ یہ صدمے کا اثر تھا۔ اُن کا جسم گھلتا چلا گیا۔ ایک روز ایک دوست انہیں دیکھنے آیا۔

"غور سے دیکھ!" —— خالدؓ نے اپنی ایک ٹانگ ننگی کر کے دوست کو دکھائی اور پوچھا —— "کیا میری ٹانگ پر کوئی جگہ تجھے نظر آتی ہے جہاں تیر، تلوار یا برچھی کا زخم نہ ہو؟"

دوست کو ایسی کوئی جگہ نظر نہ آئی جہاں زخم نہ تھا۔ خالدؓ نے دوسری ٹانگ ننگی کر کے دوست کو دکھائی اور یہی سوال پوچھا۔ پھر دونوں بازو باری باری ننگے کیے اور یہی سوال پوچھا، پھر سینہ اور پیٹھ دکھائی دوست کو ایک بالشت سے زیادہ کوئی جگہ نظر نہ آئی جہاں زخم کا نشان نہ تھا۔

"کیا تو نہیں جانتا میں نے کتنی جنگیں لڑی ہیں؟" —— خالدؓ نے بڑی نحیف آواز میں کہا —— "پھر میں شہید کیوں نہ ہُوا؟ میں لڑتے ہوئے کیوں نہ مرا؟"

"تو میدانِ جنگ میں نہیں مر سکتا تھا ابو سلیمان!" —— دوست نے کہا —— "تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تلوار کہا تھا۔ یہ رسولِ اکرمؐ کی پیشگوئی تھی کہ تُو میدانِ جنگ میں نہیں مارا جائے گا۔ اگر تُو مارا جاتا تو سب کہتے کہ ایک کافر نے اسلام کی تلوار توڑ دی ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا تھا... تو اسلام کی شمشیر بے نیام تھا"

انتقال کے وقت خالدؓ کے پاس اُن کا ایک ملازم حمّام تھا۔ نزع کے عالم میں خالدؓ نے کہا ——

"میں ایک اونٹ کی طرح مر رہا ہوں۔ بستر پر مرنا میرے لیے شرمناک ہے" —— اور خالدؓ اُس اللہ کے حضور پہنچ گئے جس کی وہ شمشیر تھے۔ خالدؓ بن الولید سیف اللہ دنیا سے اُٹھ گئے۔

خالدؓ کی عمر ۵۸ سال تھی۔

اُن کی وفات کی خبر مدینہ پہنچی تو بنی مخزوم کی عورتیں بین کرتی گلیوں میں نکل آئیں۔ مدینہ کی دوسری عورتیں بھی باہر آ گئیں اور مدینہ ماتم کدہ بن گیا۔ عورتیں سینہ کوبی اور بین کر رہی تھیں۔ امیر المومنین عمرؓ نے خلافت کی مسند پر بیٹھتے ہی حکم جاری کیا تھا کہ کسی کی وفات پر گریہ وزاری نہیں کی جائے گی۔ اُن کے اس حکم پر سختی سے عمل ہو رہا تھا مگر خالدؓ کی وفات پر عورتیں گھروں سے باہر آ کر بین کر رہی تھیں۔ عمرؓ نے اپنے گھر میں بیٹھے یہ آوازیں سُنیں تو وہ غصے سے اُٹھے اور دیوار کے ساتھ لٹکتا ہوا دُرّہ لے کر تیزی سے باہر کو چلے لیکن دروازے میں رک گئے۔ کچھ دیر سوچ کر واپس آ گئے اور دُرّہ وہیں لٹکا دیا جہاں سے اٹھایا تھا۔

"بنی مخزوم کی عورتوں کو رونے کی اجازت ہے" —— عمرؓ نے اعلان کیا —— "انھیں ابو سلیمان کا ماتم کر لینے دو۔ ان کا رونا دکھاوے کا نہیں۔ رونے والے ابو سلیمان جیسوں پر ہی رویا کرتے ہیں"

حمص میں بڑا حسین ایک باغ ہے۔ پھولوں کے کیارے ہیں۔ درمیان میں راستے ہیں۔ درخت ہیں۔ اس باغ میں ایک مسجد ہے جو مسجد خالدؓ بن الولید کے نام سے مشہور ہے۔ بہت دل کش مسجد ہے۔ اس مسجد کے ایک کونے میں خالدؓ کی قبر ہے۔ خالدؓ کی داستانِ شجاعت جاننے والوں کو آج بھی جیسے اس مسجد میں جا کر للکار سنائی دیتی ہے:

انا فارس الضدید

انا خالد بن الولید